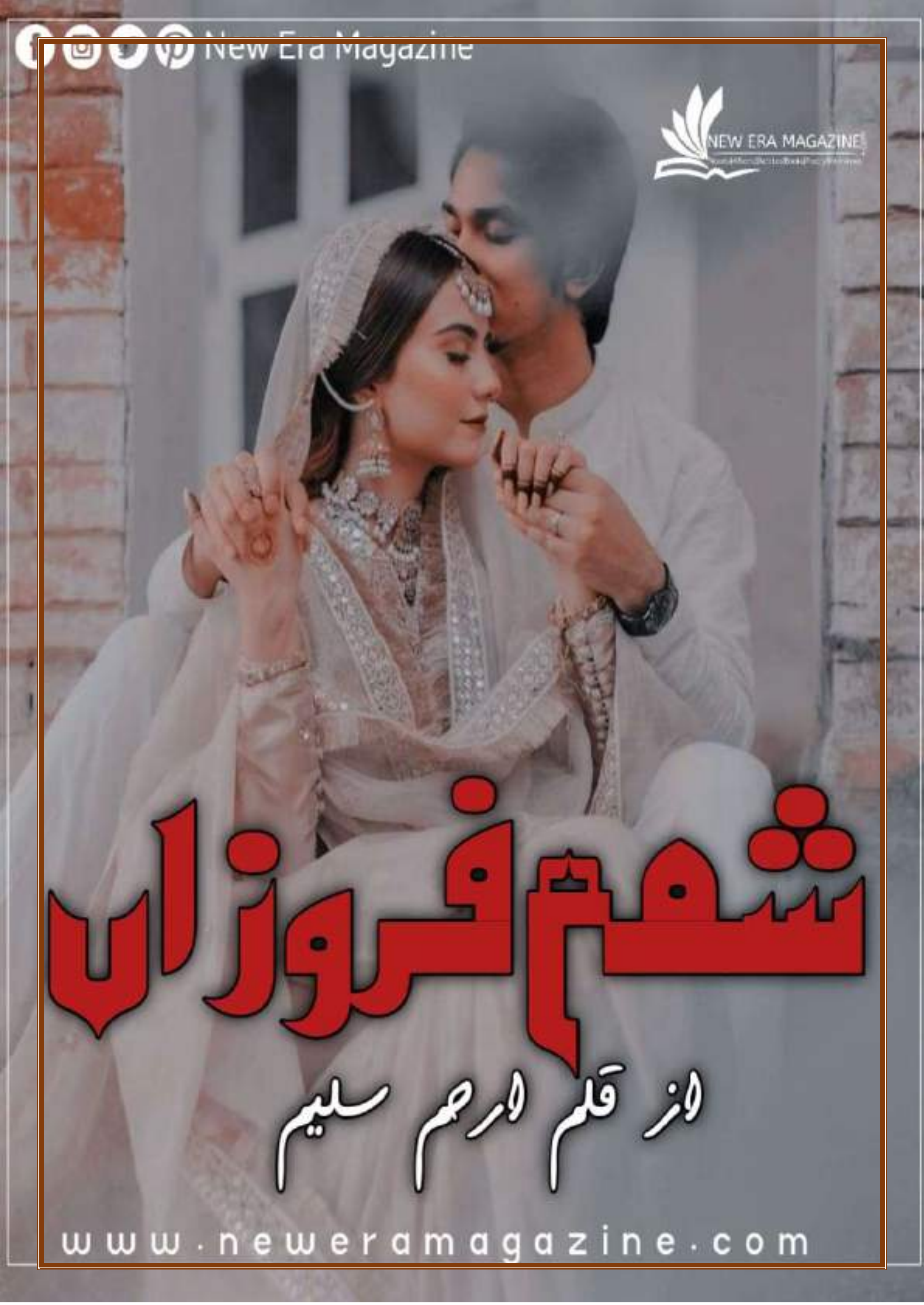
New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE
شمع فروزاں
از قلم ارحم سلیم
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

شمعِ فروزاں

ارحم سلیم

ہماری ویب میں شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشاللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

تیز تیز قدم اٹھاتے وہ ایک گلی سے دوسری گلی میں داخل ہوئی۔ایک نظر سر پر پوری آب وتاب سے چمکتے سورج پر ڈالی تو دوسری نظر سنسان گلی کے کونے میں کھڑے جمال غفور عرف جمی پر۔

ایک گہرا سانس پر حدت فضا میں خارج کرتے ہوئے اس نے آستین سے اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا۔

سفید شفاف رنگت میں دھوپ کی حدت کی وجہ سے سرخیاں گھل گئی تھیں۔اپنے بدن پر لپٹی سیاہ چادر کا ایک کونا اٹھا کر اس نے اپنا چہرہ ڈھکا۔اب سیاہ چادر کے نقاب میں سے صرف اسکی ہیزل گرے آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

اس نے اپنی رفتار پہلے کی نسبت اور تیز کر دی۔سر جھکائے وہ جمی کے آگے سے خاموشی سے گزر گئی۔گلی کے شروع سے لے کر گلی کے آخر تک اس نے خود کو جمی کی نظروں کے حصار میں محسوس کیا تھا۔دائیں طرف کی گلی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں دو گھر چھوڑ کر تیسرا گھر اسکا تھا۔دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے حسب معمول یہ گلی بھی بالکل سنسان تھی۔

اس چھوٹے سے گھر کا بوسیدہ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد اس نے چادر کا کونا چہرہ سے ہٹا کر دائیں طرف دیکھتے ہوئے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرنا چاہا پر اس کی نظر گلی کے کونے پر کھڑے جمی پر پڑی جو اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔البتہ اس کے چہرے کے تاثرات بالکل سپاٹ تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ اس سے نظریں ہٹاتی فوراً سے اندر داخل ہوئی۔

****

"اپیا اپیا...." گول مٹول سا بھورے بالوں والا نو سالہ بچہ ماربل کی سیڑھیاں اترتا ہوا انتہائی خوبصورتی سی سجے لان میں داخل ہوا۔

اپنی اپیا کو پکارتے ہوئے وہ لان کی ایک سائیڈ سے دوسری سائیڈ پر آ گیا تھا جہاں ان کا پالتو کتا اسے دیکھتے ہی بھونکنا شروع ہو گیا تھا۔

"فیفی اپیا کدھر ہیں؟" اس چھوٹے سے بچے نے اعلٰی نسل کے کتے کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے پوچھا جو مسلسل بھونکنے پر مصروف تھا۔

تنگ آ کر وہ وہیں اپنے ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکا کر گھاس پر بیٹھ گیا۔ چہرہ کے تاثرات سے اس کی ناراضگی صاف ظاہر ہو رہی تھی

"بھاؤ..." اچانک کسی نے اسے کندھوں سے تھام اس کا رخ اپنی جانب کیا اور وہ بھی چہکتا ہوا اپنی اپیا کا گال چومتا اس کی گود میں بیٹھ گیا۔

"ہاں جی تو کیوں ڈھونڈا جا رہا تھا مجھے" اس نے اس کے بھرے بھرے گال کھینچتے پوچھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پہلے آپ یہ بتائیں آپ اتنی دیر تک کیوں چھپی رہیں۔میں آپ کو ڈھونڈ رہا تھا"اس چھوٹے سے بچے نے خفگی کا اظہار کیا۔

"میں اس لیے زیادہ دیر تک چھپی تھی کیونکہ مجھے غازی کے یہ پیارے سے ایکسپریشن دیکھنے تھے"

"اوہ...."غازی نے ہونٹوں کو گول کرتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہا۔

"اچھا اپیا مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے"اب وہ اسکی گود سے اتر کر اسکے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"پوچھو"

"اپیا آج میں نے اپنی اسلامیات کی بک میں پڑھا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے پر پچھلے سال میرا اسلامیات کا ہی ایک کویشن تھا تو اس کا جواب تھا کہ اللہ آسمان پر رہتا ہے؟تو ان دو باتوں کا مطلب کیا ہوا؟اپیا آئی ایم سو کنفیوزڈ"اس نے بے بسی سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔نا جانے وہ اس سوال کو لے کر کب سے الجھا ہوا تھا۔

میرب اسکا معصومانہ انداز میں پوچھا گیا یہ سوال سن کر مسکرا دی۔

"غازی یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں"

"مطلب"اس نے الجھی ہوئی نظروں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

"دیکھو اللہ آسمان پر ہی رہتا ہے پر وہ اسکے ساتھ ساتھ ہر جگہ بھی موجود ہے۔اب کیسے وہ میں تمہیں بتاتی ہوں؟"اس نے تھوڑا سا آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔غازی آنکھوں میں بے پناہ چمک لیے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔یقیناً اسے اس کے سوال کا جواب ملنے والا تھا۔

"اللہ کی ذات خود عرش پر ہی ہے پر اس کی طاقت پوری کائنات میں موجود ہے۔کائنات کے ذرے ذرے میں،تو اس طرح سے اللہ ہر جگہ موجود ہے کیونکہ ہر چیز اس کے دست قدرت میں ہے"میرب اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"آپی اللہ تعالیٰ آسمان پر تو دکھتے ہوں گے تو پھر وہ زمین پر کیوں نہیں دکھتے"ایک سوال کے جواب پر ایک اور سوال تیار تھا۔

"ہمم... میں تمہیں ایک مثال دیتی ہوں "میرب نے تھوڑا سوچتے ہوئے کہا۔

"ہم ہوا میں سانس لیتے ہیں پر وہ ہمیں نظر نہیں آتی اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہوا ہے نہیں، ہوا ہے۔اسی طرح موجود ہونے کے لیے دکھنا ضروری نہیں۔اگر اللہ کو پوری کائنات پر دسترس حاصل ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیں ہر جگہ نظر بھی آئے"

"تو پھر آپی ہم عرش پر اللہ کو دیکھ سکیں گیں"

"ہاں نا تم اچھے اچھے کام کیا کرو مام ڈیڈ کی بات مانا کرو اور موسٹ امپورٹینٹ نماز اور قرآن پڑھا کرو پھر دیکھنا تمہیں عرش پر اللہ نظر آئیں گیں"

"تو اگر میں یہ سب کروں گا تو کب تک اللہ مجھے نظر آنا شروع ہو جائیں گے؟"اس بچے کے پاس یقیناً سوالوں کا پٹارا تھا۔پر مقابل کے پاس بھی

علم کا خزانہ تھا اور وہ غازی کو اسکے ذہن کے مطابق ہینڈل کرنا جانتی تھی۔یہی وجہ تھی وہ اپنی ہر مشکل میں اس کے ہی پاس آتا تھا۔

"غازی ہم اس دنیا میں اللہ کو دیکھ نہیں سکتے۔ہمارے پاس وہ بصیرت ہی نہیں۔ تمہیں کوہ طور والا واقع یاد ہے ناجب اللہ نے صرف اپنی ایک جھلک دکھائی تھی اور وہ پہاڑ جل کر مکمل سیاہ ہو گیا تھا۔اللہ کو اس دنیا میں دیکھنے کی سکت انسان کے پاس نہیں ہے ہاں البتہ روز محشر نیک لوگوں کو اللہ اپنا دیدار کروائیں گیں"

"اچھا اب چلو شام ہو رہی ہے ڈیڈ آنے والے ہوں گے "اس سے پہلے غازی کوئی اور سوال پوچھتا اس نے اسے اپنے ساتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔اندھیرا پھیلنا شروع ہو چکا تھا اور دور کہیں سے مغرب کی اذان کی آواز آرہی تھی۔بل ڈوگ بھی ایک کونے میں بنے اپنے لکڑی کی گھر میں گھس گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی کی کنفیوژن دور ہوئی تھی یا نہیں پر اسکے چہرے کے تاثرات اب قدرے مطمئن تھے۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"زائشہ منہ ہاتھ دھولو میں کھانا لا رہی ہوں" زائشہ کی ماں سیرت مراد نے کچن کی کھڑکی سے اسے باہر برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھا دیکھ کر کہا۔

زائشہ نے خود پر لپٹی سیاہ چادر اتار کر چارپائی پر رکھی اور ایک کونے میں بنے چھوٹے سے باتھروم کی طرف بڑھ گئی۔ کہنیوں تک بازو موڑ کر اس نے

اپنے بازو اور چہرہ کو اچھی طرح دھویا۔ ٹھنڈا پانی چہرہ پر پڑنے کی وجہ سے گرمی کا احساس کچھ کم ہوتا محسوس ہوا۔

"آجاؤ...." سیرت بیگم نے چارپائی پر کھانے رکھتے ہوئے اسے آواز دی۔ زائشہ خاموشی سے آستین کے بازو نیچے کرتی ان کے سامنے چارپائی پر جا کر بیٹھ گئی۔

تازہ روٹی کے ساتھ کل رات کی بنی ہوئی دال کا سالن تھا ساتھ ٹھنڈے پانی کا گلاس۔ پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اس نے روٹی کا ایک نوالا توڑ کر منہ میں رکھا۔

"زائشہ مجھے بات کرنی تھی تم سے"

زائشہ جانتی تھی اس کی ماں کیا کہنا چاہ رہی ہے اسی لیے وہ خود ہی بول پڑی

"امی آپ فکر نہیں کریں میں جاؤں گی آج اکیڈمی کے بعد اسماء باجی کی طرف اور میڈیم کو بھی اصرار کروں گی اگر فیس ایڈوانس میں مل جائے"

اسکی بات سن کر انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہمم..... کھانا کھا کر تھوڑا آرام کر لینا اتنی گرمی میں آئی ہو تھک گئی ہو گی" انہوں نے اس کے جھکے ہوئے سنجیدہ چہرہ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

زائشہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے اور اپنے کمرے میں آگئی۔

کمرے کے وسط میں ایک پلنگ پڑا ہوا تھا جو اس کی ماں کے جہیز کا تھا۔ ایک طرف ایک میز اور کرسی پڑی تھی۔ میز پر بوسیدہ کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ شیشہ لگا ہوا تھا۔ پلنگ کی بائیں طرف زمین پر چھوٹی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ بورڈ پر لگے بٹنوں کو دبایا۔ کمرے میں لگا واحد پنکھا اور بلب روشن ہو گیا۔ وہ سست قدم اٹھاتی بستر پر بیٹھ گئی۔ کافی دیر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کے بعد وہ بیڈ سے پاؤں لٹکائے لیٹ گئی اور

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چھت پر لگے سست روی سے چلتے پنکھے کو دیکھنے لگی جسکا اس جون جولائی کی جھلساتی ہوئی گرمی میں چلنا بھی غنیمت تھا۔

"زندگی..... کیا ہے زندگی؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"دکھ، خوشی، سکون، تکلیف مختلف جذبات کا مجموعہ"

"پر میری زندگی تو ایسی نہیں، میری زندگی تو دکھوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی چھوٹا غم تو کبھی بڑا غم، کبھی ناقابل بیان غم تو کبھی ناقابل برداشت غم" اس نے استہزایہ سوچتے ہوئے کہا۔

"غریب ہونا بھی کتنا مشکل ہے۔ صبح میں بجلی کے بل کی فکر تو شام میں گیس کے بل کی۔ کھانا کھاتے ہوئے مکان کے کرایہ کی فکر تو کھانا پکاتے ہوئے بھائیوں کے سکول فیس کی"

"اس غریبی نے بس چند ہی چیزیں سکھائی ہیں خواہشات کا گلہ کیسا گھونٹا جائے۔ ہر نئی مشکل پر خود کو مطمئن کیسے کیا جائے"

"کاش بابا آج آپ زندہ ہوتے"

اس نے ایک بار وہی لائن دہرائی جس پر آکر زائشہ مراد کی ہر سوچ ختم ہوتی تھی۔

وہ زائشہ مراد تھی۔ایک پرہمت اور بااعتماد لڑکی۔ہر مشکل کے سامنے ڈٹ جانے والی پر وہ اندر سے کیا تھی یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

وہ مضبوط تھی اور مضبوط لوگوں سے زیادہ قابل رحم کوئی نہیں ہوتا۔

وہ باہر سے پتھر تھی پر وہ اندر سے موم بھی نہیں تھی۔زائشہ کیا تھی یہ خود زائشہ بھی نہیں جانتی تھی۔

****

"ڈیڈی آپ کو پتا ہے آج ہمارے سکول میں نا...." غازی ڈنر ٹیبل پر بیٹھا اپنے سارے دن کی روداد فاروق حیدر کو سنا رہا تھا۔ اور وہ بھی مسکراتے ہوئے اپنے بیٹے کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہے تھے۔

"غازی بیٹا کھانا کھاؤ باتیں بعد میں کرنا" بتول حیدر نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا جو تب سے بس بولی جا رہا تھا اور کھا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

"اوکے ماما" وہ فرمانبرداری سے کہتا ہوا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"کل عرش آنے والا ہے" فاروق حیدر نے چاولوں کا چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے انہیں بتایا۔

"اچھا کتنے بجی کی فلائٹ ہے۔ ادھر بھی آئے گا؟"

"کل شام کی فلائٹ ہے۔ پہلے اپنے گھر جائے گا ادھر پرسوں ہی آ پائے گا اسی لیے میں حامد کی پوری فیملی کو انوائیٹ کر لیا ہے تھوڑی گپ شپ ہی ہو جائے گی" فاروق حیدر نے اپنی بیگم کو تفصیل سے بتایا۔

دونوں بچے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چلیں یہ تو بہت اچھا کیا دو مہینے ہو گئے ہیں عرش کو گئے۔ماشاءاللہ سے وہ یہاں ہوتا تھا تو رونق لگی رہتی تھی"بتول بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔بیچ میں وقفے وقفے سے غازی کو کوئی نا کوئی بات یاد آتی تو وہ پھر سے پر جوش ہو کر سنانے لگتا۔

"غازی تم نے نماز پڑھی تھی"میرب کچن میں جا رہی تھی جب لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے اپنے بھائی سے پوچھا۔پاس ہی فاروق حیدر فون پر مصروف تھے۔

"اوپس ایسا مجھے تو یاد ہی نہیں رہا تھا"غازی نے معصومیت سے کہا۔جب اندھیرا ہونے پر میرب اسے لان سے اندر لے آئی تھی تو وہ فوراً سے اپنے سوالوں کے جواب لکھنے کے لیے روم میں چلا گیا تھا جو اسے اپنے دوست کو بتانے تھے۔اسی چکر میں نماز کا خیال اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

میرب نے سات سال کی عمر سے ہی اپنے بھائی کو نماز کی طرف راغب کرنا شروع کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ غازی اتنی چھوٹی سی عمر میں بھی پانچوں نمازیں پڑھتا تھا۔ہاں کبھی کبھی اپنی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ چھوڑ بھی دیتا تھا۔

"کتنی بری بات ہے غازی"

"سوری اپیا" وہ فوراً سے شرمندہ ہو گیا تھا۔

"سوری مجھ سے نہیں اللہ تعالیٰ سے کرو اور ان سے پوچھو کہ تم نے ایسا کیا کر دیا کہ انہوں نے تمہیں اپنے پاس بلایا ہی نہیں" اب میرب غازی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

پر اپیا میں نے تو اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کیا تھا" فاروق حیدر مسکراتے ہوئے اپنے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔میرب کے لیے غازی بالکل بیٹوں جیسا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی تربیت میں اسکا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

"دیکھو غازی جب ہماری نماز چھوٹ جاتی ہے تو اسکا مطلب یہی ہوا نا کہ اللہ نے ہمیں اپنے پاس بلایا ہی نہیں۔ ہم اللہ کی طرف نہیں جاتے بلکہ اللہ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اور اگر تمہاری نماز چھوٹ گئی تو اسکا مطلب ہے تم نے غیر ارادی طور پر کچھ ایسا کر دیا ہوگا جس سے اللہ ناراض ہو گیا"

"تو اب میں کیا کروں" غازی نے فکر مندی سے پوچھا۔

"جاؤ عشاء کی نماز پڑھو اور اللہ سے سوری کرو" اور اسکی بات سنتے ہی غازی ٹی وی کا ریموٹ پھینکتا اپنے روم کی طرف بھاگ گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اتنی اچھی تربیت تو شاید اسکی بتول بھی نا کرتی جتنی اچھی تم کر رہی ہو" فاروق حیدر نے اسکی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ بھی ان کا ہاتھ تھامتے ان کے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔ میری تربیت بھی تو ماما نے ہی کی ہے۔ کوئی کمی ہے کیا؟" اس نے انکے کندھے سے سر اٹھاتے ہوئے زرا خفگی سے پوچھا۔

"بس اپنی ماں کے خلاف ایک لفظ بھی نا سننا"

"کیوں سنوں وہ ماں ہیں میری اور مجھے بے حد عزیز ہیں"

"اور میں"

"آپ بھی بہت عزیز ہیں۔ دونوں کا الگ الگ مقام ہے میرے دل میں اور دونوں مقام ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں"

اسکا جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے تھے اور اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگے۔

بحث میں وہ آج تک میرب سے جیت نہیں پائے تھے۔ اسکے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا تھا۔ وہ سامنے والے کو چاروں شانے چت کر دیتی تھی۔

"کل عرش آرہا ہے"

میرب نے آگے سے کوئی جواب نا دیا۔

عرش جہانگیر فاروق حیدر کے بزنس پارٹنر حامد جہانگیر کا بیٹا تھا۔ وہ دو مہینے سے بزنز کے سلسلے میں یورپ گیا ہوا تھا اور کل اسکی واپسی تھی۔ چار ماہ

پہلے ہی دونوں خاندانوں کی خواہش پر میرب اور عرش کا رشتہ طے کر دیا تھا۔

"میرا بیٹا خوش ہے نا" انہوں نے ہنوز اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔

"جی بابا" میرب نے مدھم سی سرگوشی کے انداز میں کہا۔ فاروق حیدر پر سکون انداز میں میرب کو اپنے سینے سے لگائے موبائل میں مصروف ہو گئے جبکہ میرب عرش کا سوچ کر مسکرا دی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی بیس سالہ میرب مسلسل اپنی انگلیوں کو مڑوڑنے میں مصروف تھی۔

ہلکے گلابی رنگ کا سادہ سا سوٹ زیب تن کیے جس پر سیاہ رنگ کی ایمبرائیڈری ہوئی تھی۔ سیاہ شفون کا دوپٹہ سر پر ٹکائے اس کا گھبرایا ہوا روپ بہت دلفریب لگ رہا تھا۔

اس کے بال کندھوں تک آتے تھے پر گھنے اور سیاہ رنگ کے تھے جنہیں اس وقت پونی کی شکل میں باندھا گیا تھا۔ میک اپ سے عاری چہرہ، صاف شفاف جلد پر ایک الگ ہی کشش تھی۔ اس کے چہرے سے نور جھلکتا تھا جو اس کے اندر کی پاکیزگی کا پتا دیتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک لمبا سانس لے کر اس نے خود کو پر سکون کیا اور کمرے میں داخل ہوئی۔

مدھم آواز میں سلام کی آواز جب عرش کا کانوں میں پڑی تو وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوا جہاں میرب سر جھکائے کھڑی تھی اور اب اس کی ماں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عرش یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔بلاشبہ وہ دونوں ہی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔

ثمینہ جہانگیر کچھ دیر تک میرب سے باتیں کرتی رہیں جن کا جواب وہ بس ہوں ہاں میں دے رہی تھی۔وہ خود پر مسلسل عرش کی نظروں کو محسوس کر رہی تھی۔

وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ سب سے بات کرتے ہوئے بھی اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ توقف کے بعد اس نے ہمت کرتے ہوئے پلکیں اٹھا کر عرش کو دیکھا۔وہ آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک لیے اسے دیکھ رہا تھا۔میرب نے فوراً سے نظریں ہٹانی چاہیں پر پھر حیرانی سے واپس اسکی جانب دیکھا۔اس کی نظروں میں کچھ ایسا تھا جس نے میرب کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس کو عرش کی نظروں کی تپش بے چین کر رہی تھی۔وہ فوراً معزرت کرتی وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آنٹی آئی مسٹ سے آپ کھانا بہت مزے کا بناتی ہیں" فرائیڈ رائس کا چمچہ منہ میں رکھتے ہوئے عرش مرعوب ہو کر بولا۔

اس کی بات سن کر بتول حیدر کھلکھلا کر ہنسی۔

"تعریف کے لیے شکریہ پر بیٹا جی یہ ڈش میں نے نہیں آپ کی ہونی والی زوجہ محترمہ نے بنائی ہے"

"رئیلی" عرش نے حیرانگی سے پوچھا۔

اس کی حیرانگی پر بتول بیگم نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"واؤ اس کا مطلب ہے کہ مستقبل قریب میں میں بہت اچھے کھانوں سے مستفید ہونے والا ہوں"

"بالکل"

"مجھے تو پہلے ہی پتا تھا ہماری میرب میں بہت ہنر ہے" ثمینہ جہانگیر نے اپنے ساتھ بیٹھی میرب کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا جو سب کے سامنے عرش کے منہ سے اپنی تعریف سن کر جھینپ گئی۔

ثمینہ جہانگیر کے لیے میرب بالکل ان کی بیٹیوں جیسی تھی۔ فاروق حیدر اور حامد جہانگیر کی دوستی سالوں پرانی تھی۔ اور میرب کے پیدا ہونے پر ہی ثمینہ بیگم نے اسے اپنے بہو کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔

"میرب بیٹا سٹڈیز کیسی جا رہی ہیں آپ کی" حامد جہانگیر نے ٹشو سے ہونٹ تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔ وہ فاروق حیدر اور عرش کی نسبت تھوڑی

سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے اسی لیے میرب کو ان سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ جھجھک محسوس ہوتی تھی۔

"جی انکل بہت اچھی جا رہی ہیں"

"آگے کا کیا پلان ہے۔"

"ماسٹرز کروں گی انکل" اس نے آہستگی سے بولا۔

"اتنا پڑھ کر بھی تم نے ہمارے گھر کو ہی سنبھالنا ہے اسی لیے بہتر ہے اب یہ سال پورا کرو اور شادی کے متعلق سوچو" حامد جہانگیر کی آواز ایک بار پھر ڈائننگ ٹیبل پر گونجی۔

میرب کو ان کی بات سن کر دھچکا لگا۔اس کے کوئی بڑے بڑے خواب نہیں تھے پر ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ بہت زیادہ پڑھنا چاہتی تھی۔

ان کی بات سن کر ٹیبل پر خاموشی چھا گئی۔فاروق حیدر اپنے دوست کی طبیعت سے واقف تھے اسی لیے فلحال انہوں نے خاموش رہنے میں عافیت جانی۔وہ کھانے کے وقت کوئی جھگڑا نہیں چاہتے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرب نے ڈبڈائی آنکھوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا جنہوں نے اسے اشارے سے حوصلہ دیا۔

عرش اس سب سے بے نیاز کھانے میں مصروف تھا۔

سب سر جھٹک کر ایک بار پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے کچھ ہوا ہی ناہو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

کیاہوا پریشان لگ رہی ہو" زینب نے مائشہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا جو ٹیبل پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"کچھ نہیں یار وہی پریشانیاں ہیں جو شروع سے چلتی آرہی ہیں" وہ تلخ انداز میں بولی۔اس کی چہرے پر بے زاری دیکھ کر زینب لب بھینچ گئی۔اسے اپنی

دوست کی مشکلات کا بہت اچھے سے اندازہ تھا پر وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ خود ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

"میڈم سے بات کی"

"نہیں ان کے سامنے جاتے ہوئے بھی اب مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے"

"واپسی پر اسماء باجی کی طرف چکر لگانا ہے۔ تم نے جانا ہے میرے ساتھ "اس کی بات سن کر زینب نے اثبات میں سر ہلایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زینب حمدان زائشہ مراد کی اکلوتی اور واحد دوست تھی۔ان دونوں کی دوستی کالج میں ہوئی تھی پھر اپنے مالی حالات کی وجہ سے ان دونوں نے ایک اکیڈمی جوائن کر لی تھیں جہاں پڑھا کر وہ زیادہ نہیں پر کچھ حد تک اپنے مالی مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

"یار ایک تو مکان مالکوں کو بھی الگ ہی کیڑا کاٹتا ہے مہینے کے شروع میں یاں آخر میں ٹپک جاتے ہیں اور دھمکیاں دینے لگ جاتے ہیں"

"تم لوگ تو وقت پر ہی کرایہ دے دیتے ہو پھر کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ"

"یار وہ ایک نمبر کا نشئی آدمی ہے۔سارا پیسہ اڑا دیتا ہے اور پھر ہمارے سر چڑھ جاتا ہے۔میں تو شدید تنگ آگئی ہوں اس سے۔اتنی بار کہا ہے امی سے کہ گھر بدل دیں پر ان کی بھی ایک ہی رٹ ہے اتنے عرصے سے یہاں رہ رہے ہیں۔نئی جگہ جا کر ایڈجسٹ کیسے کرو گے"

"تو تم لوگ اپنے پرانے گھر چلے جاؤ نا"اس گھر کے ذکر پر زائشہ کے چہرے پر پھیلتے ازیت بھرے تاثرات کو زینب باخوبی دیکھ سکتی تھی۔

"تم جانتی ہو زینب اس گھر کی وجہ سے ہی ہمارے گھر کا چولہا جل رہا ہے۔اس گھر کو کرایہ پر چڑھا کر ہم اس چھوٹے سے گھر میں صرف اس

لیے آئے تھے کیونکہ ہمارے پاس پیسوں کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ پھر بھی اس گھر کا کرایہ ہماری مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہے"

"ویسے تمہارا وہ گھر ہے بہت خوبصورت" زینب کی بات سن کر ایک خوبصورت مسکراہٹ نے زائشہ کے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔

"ہاں وہ گھر مجھے واقعی بہت عزیز ہے۔ میرا دل چاہتا میرے پاس اتنے پیسے آجائیں کہ ہم پھر سے اس گھر میں جا کر رہیں۔ پتا ہے جب میں چھوٹی تھی تو میرے روم کے ساتھ ایک بہت خوبصورت ٹیرس تھا جس پر جھولا بھی تھا اور ہمارا لان بھی بہت خوبصورت تھا۔ بابا بہت خیال رکھتے تھے لان کا انہیں بہت پسند تھے پودے" زائشہ ایک جذب کے عالم میں بول رہے تھے جبکہ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتی حسرت کو دیکھ کر زینب کا دل بھی اداس ہو گیا تھا۔

"زائشہ تمہارے بابا کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی" زینب باخوبی اس کے تاثرات جانچتے ہوئے کئی دفعہ پوچھے جانا والا سوال ایک بار پھر سے پوچھا۔ ایک

سایہ سا اس کے چہرے سے گزرا تھا۔وہ خالی آنکھوں سے زینب کے چہرے کو دیکھتی رہی۔پھر اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنا شروع ہو گئے۔ اپنی آنکھوں میں آتی نمی کو محسوس کرتے وہ فوراً سے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

زینب نے اداسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"زائشہ نا جانے تم کسی کے سامنے روتی کیوں نہیں۔تم خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش میں اندر سے خود کھوکھلا کر رہی ہو"اس نے سوچا اور سر جھٹک کر اپنی کلاس کی طرف بڑھ گئی۔

زائشہ سے اتنی اچھی دوستی ہونے کے باوجود زینب اس کے دل کی کیفیات سے بالکل انجان تھی۔یہاں تک کہ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا کہ زائشہ کے فادر کے ڈیتھ کیسے ہوئی تھی۔

کوئی خوشی ہو، کوئی غم ہو، کوئی پریشانی ہو اگر زینب اس سے پوچھے تو وہ بتا دیتی تھی ورنہ وہ اسے کچھ نہیں بتاتی تھی۔

وہ ایک بند کتاب کی طرح تھی پر اسکا چہرہ کبھی کبھی اس کتاب کی چند سطروں کا اظہار کر دیتا تھا اور ان لفظوں کو اگر کوئی پڑھ پاتا تھا تو وہ صرف زینب حمدان تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"کیا ہوا زلفی آج تم اتنے خاموش کیوں ہو؟" زائشہ نے ٹیسٹ چیک کرتے ہوئے اپنے پسندیدہ سٹوڈنٹ سے پوچھا۔ اس بچے کی عمر پندرہ سال تھی اور وہ نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ بہت ذہین تھا اور سوال بہت

کرتا تھا۔اور اسکے سوال ایسے ہوتے تھے کہ زائشہ کو ان کا جواب دینے میں مزا آتا تھا۔

"میم میں گانے بہت زیادہ سنتا ہوں پر جب سے مجھے پتا چلا ہے انہیں سننے سے گناہ ملتا ہے میں انہیں چھوڑنا چاہ رہا ہوں پر چھوڑ نہیں پا رہا ہے" زلفی نے بے بسی سے کہا۔

تم یہ نوٹ بکس کلاس میں بانٹ دو آج میں تمہیں ایک بہت ضروری بات سمجھاؤں گی "زائشہ نے چیک کی ہوئی نوٹ بکس اس کی طرف بڑھائیں اور خود کلاس میں لگے بورڈ کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

اس کلاس میں سب نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ایک طرف لڑکے تو دوسری طرف لڑکیاں تھیں۔

زائشہ اکثر فارغ ٹائم میں انہیں کوئی نا کوئی لیکچر دیتی رہتی تھی اور اسے آج پھر بورڈ کے سامنے کھڑا دیکھ کر سب سٹوڈنٹ اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

جیسے ہی زلفی نوٹ بکس بانٹ کر اپنی جگہ پر آکر بیٹھا زائشہ نے بولنا شروع کیا۔

"آپ میں سے سونگز کون کون سنتا ہے"اس نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

کلاس میں موجود سب بچوں کے ہاتھ فضا میں بلند ہو گئے تھے۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ حرام ہیں؟"ساری کلاس کے اٹھے ہوئے ہاتھ فوراً سے پہلوؤں میں گر گئے۔

"میم سونگ سننا حرام ہے؟"زلفی نے حیرت سے پوچھا۔

"جی بالکل"

"پر کیوں"سوال دوسرے طالب علم کی طرف سے آیا تھا۔یقیناً انہیں اس بات کے بارے میں نہیں پتا تھا۔

"پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جیسے سونگز آج کل بن رہے ہیں میرے ساتھ ساتھ آپ سب بھی ان سے باخوبی آگاہ ہیں۔ان میں جس قسم کے الفاظ کا استعمال ہو رہا ہے،ہم اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے اتنا آگے نکل

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جاتے ہیں کہ اسے خدا سے ملانا شروع کر دیتے ہیں تو کیا یہ حرام نہیں ہے؟"اس نے بچوں سے سوال پوچھا جنہوں نے فوراً سے نفی میں گردن گھمائی۔

"بالکل یہ حرام ہے ایسی شاعری جس میں محبوب کو خدا سے تشبیہ دی جائے وہ بھی حرام ہے۔

دوسری بات یہ کہ سانگز سن کر ہم بہک جاتے ہیں۔سانگز میں جس چیز کا ذکر کیا جارہا ہوتا ہے ہم اسے سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ویسے خیالات اپنے ذہن میں تصور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شراب کیوں حرام کی ہے؟

کیونکہ اسے پی کر انسان خود پر سے قابو کھو دیتا ہے۔ایسی کوئی بھی چیز جو ہمارے ذہن پر سوار ہو جائے جس کی وجہ سے ہمارا دماغ کام کرنا بند کر دے جو ہمارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر دے جو ہمیں بہکا دے حرام ہے۔

اور سونگز بھی آج کل یہی کام کر رہے ہیں سمجھ میں آئی میری بات "اس کی بات پر سب بچوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور میم میرا سوال "زلفی نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسی طرف آ رہی ہوں"

"تو اب سوال یہ ہے کہ ان سے چھٹکارا کیسے پایا جائے؟

ہم ہمیشہ اچھائی کو اپنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس کوشش میں نا ہم اچھائی کو اپنا پاتے ہوئے اور نا برائی سے چھٹکارا پا پاتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ اچھی باتیں کرنا چاہتے ہیں مت کریں، آپ نیک کام کرنا چاہتے ہیں مت کریں، آپ دوسروں کو خوش کرنا چاہتے ہیں مت کریں "ساری کلاس حیرانگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"آپ بس بری باتیں چھوڑ دیں اچھی باتیں خود با خود آپ کے پاس آئیں گیں، آپ جھوٹ چھوڑ دیں سچ خود بخود آپ کے پاس آئے گا، آپ برائی

کو چھوڑ دیں نیکی خود بخود آپ کے پاس آئے گی" آخر کا جملہ اس نے ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

سب بچوں کے چہروں پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شکریہ میم اب میں سونگز سننے کے بجائے کوئی اچھی ویڈیو دیکھوں گا جس سے میرا سارا دھیان اس طرف ہو جائے گا اور سانگز کا خیال میرے ذہن میں نہیں آئے گا" زلفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ زائشہ کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

زائشہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنا بیگ اٹھا کر مسکراتے ہوئے کلاس سے نکل گئی۔ کلاس کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

****

آج حامد جہانگیر کی فیملی کی دعوت پر مدعو تھی۔میرب بتول حیدر کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔

غازی لان میں فٹبال کھیل رہا تھا جب ہارن کی آواز پر گیٹ کھلا اور ایک بلیک مرسیڈیز گھر میں داخل ہوئی۔

دروازہ کھلنے پر سب سے پہلے سیاہ چمکتے بوٹ میں مقید ایک پاؤں باہر آیا اور پھر عرش جہانگیر اپنی شاندار شخصیت کے ساتھ کوٹ کے بٹن بند کرتا گاڑی سے باہر نکلا۔سیاہ کوٹ کے بٹن بند کرنے کے بعد اس نے آنکھوں پر لگے گلاسس اتار ر سامنے کھڑے غازی کو دیکھا۔

عنابی لب جو کناروں سے تھوڑے سیاہی مائل تھے، سگریٹ پینے کا نتیجہ تھے۔ہلکی سیاہ داڑھی، جیل سے سیٹ کیے گئے سیاہ بال اور گہری سیاہ آنکھیں جو مقابل کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیتی۔اس کی آنکھوں کی چمک عام لوگوں سے قدرے مختلف تھی جسے ہر کوئی نہیں پہچان پاتا تھا۔

اور یہ چمک عرش جہانگیر کی خوبی تھی یا خامی یہ صرف وہی جانتا تھا۔

اپنی مغروراور شاہانہ شخصیت کی وجہ سے وہ لوگوں کو خود سے مرعوب ہونے پر مجبور کر دیتا تھا۔

ایک ہاتھ میں برانڈڈ واچ جبکہ دوسرے ہاتھ میں لاکھوں کا فون تھامے وہ مسکراتے ہوئے غازی کی طرف بڑھا جو اسے دیکھتے ہی اپنی فٹبال چھوڑ کر اسکی طرف بھاگا تھا۔

"عرش بھائی"

"کیسے ہو چیمپئن"عرش نے اپنے ہاتھ کی مٹھی غازی کے ہاتھ کی بنی ہوئی چھوٹی سی مٹھی سے ٹکراتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل فٹ اینڈ فائن"یقیناً عرش کو یہاں دیکھ کر غازی بہت خوش ہوا تھا۔

"غازی ہم سے نہیں ملو گے"حامد جہانگیر اپنے بیگم کے ساتھ آتے ہوئے بولے۔

"سوری انکل اسلام علیکم "غازی نے سلام کرتے ہوئے فوراً سے اپنا سر انکے سامنے جھکادیااور حامد جہانگیر نے بھی مسکراتے ہوئے اپناہاتھ اسکے بھورے سلکی بالوں میں پھیرا۔

"عرش بھائی اندر چلیں آپ کو پتاہے آج میرب آپی بہت مزے مزے کی ڈشز بنارہی ہیں "غازی ایک بار پھر عرش کی طرف بڑھااور اسکاہاتھ کھینچتااسے اندر کی طرف لے گیا۔وہ سب بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیے۔

"آپی آئیں نا"غازی مسلسل کچن میں کام کرتی میرب کوڈرائنگ روم میں جانے کے لیے اصرار کررہاتھاپر شرم کے مارے زینب کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔

"غازی جاؤ میں آجاؤں گی کچھ دیر میں" میرب نے جھنجھلاتے ہوئے اپنے دوبٹہ کا پلو غازی سے چھڑوایا جو وہ مسلسل کھینچ رہا تھا۔

"میرب بیٹا جاؤ ملوان سے تمہارے بابا بھی آ گئے ہیں انہی کے پاس بیٹھے ہیں" بتول حیدر نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے اس سے کچھ سختی سے کہا۔ غازی ماں کو کچن میں آتا دیکھ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"جی ماما" میرب اثبات میں سر ہلاتی کچن سے نکل گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ عرش کی فیملی ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس گئی تھی اور اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ بالوں کی چوٹی بنا کر اس نے برش میز پر رکھا اور لوشن اٹھا کر ہاتھوں پر لگایا جب پاس رکھے فون کی رنگ ٹون نے اسے متوجہ کیا۔

ذرا حیرت سے اس نے فون کی جانب دیکھا اور جلدی جلدی لوشن کو ہاتھوں پر مساج کرنے لگی۔

"اتنی رات کو کس کا میسج آیا ہے" اس نے سوچتے ہوئے فون اٹھایا اور لائٹ آف کرتی بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ بیڈ پر بیٹھ کر ریموٹ سے اے سی کا ٹمپریچر کم کیا اور نوٹیفیکیشن کھولا۔ کسی ان ناون نمبر سے میسج آیا تھا۔

میرب نے تھوڑا حیران ہوتے ہوئے نمبر دیکھا اور پھر میسج پڑھا۔

"کیسی ہو؟" چھوٹا سا میسج تھا نا کوئی سلام نا بھیجنے والے کا کوئی پتا۔

میرب نے اگنور کرتے ہوئے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور سرہانہ سیدھا کرکے لیٹ گئی۔

کچھ دیر بعد پھر فون کی رنگ ٹون بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا تم میرا میسج اگنور کروگی" مقابل میسج سین ہونے کا نوٹیفیکیشن دیکھ چکا تھا۔

میرب نے کہنی کے بل ذرا اٹھ کر حیرت سے فون کی سکرین کو دیکھا۔

"کون ہے یہ؟" پھر کچھ سوچتے ہوئے میسج ٹائپ کیا۔

"آپ کون؟"

"عرش" ایک لفظی جواب آیا تھا اور میرب جھٹکے سے اٹھ گئی۔ آنکھیں پھاڑے وہ سکرین پر نمودار ہوتے اسکے نام کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا کر رہی تھی" بات کا آغاز عرش نے ہی کیا۔

میرب نے چند لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر تکیہ سیٹ کر کے بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"سونے کی تیاری کر رہی تھی" بالآخر اس نے ٹائپ کر دیا۔

"اتنی جلدی"

"جی"

"کتنے بجے سوتی ہو تم؟"

"گیارہ بجے تک، آج آپ لوگوں کی وجہ سے لیٹ ہو گئی"

"واٹ" عرش یقیناً اس کی بات سن کر حیران ہوا تھا۔

"میرب آر یو سیریس مطلب آج کل کے دور میں کون گیارہ بجے سوتا ہے"

میرب کو لگا جیسے وہ اس کا مزاق اڑا رہا ہے۔اس نے آگے سے کوئی جواب نا دیا۔

"اچھا اُٹھتی کتنے بجے ہو؟"

"پانچ بجے کبھی چار بجے، نماز پڑھ کر پھر سے سو جاتی ہوں"

"اوکے "عرش میرب کا ٹائم ٹیبل جان کر واقعی حیران ہوا تھا۔

عرش نے آگے سے کوئی میسج نا کیا تو میرب بھی کچھ دیر کے لیے فیسبوک سکرول کرنے لگی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد عرش کا پھر سے میسج آیا۔

"کہیں ملیں؟"میرب کو عرش کا میسج پڑھ کر تھوڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ آج ہی تو ملے تھے۔

"ہم آج ہی تو ملے ہیں"

"اوہو میرب اسے تم ملنا کہتی ہو"

"تو پھر کیسے ملتے ہیں" میرب کا میسج پڑھ کر عرش کا دل چاہا ایک قہقہہ لگائے۔

"یار میرا مطلب ہے اپنے پیرنٹس کے سامنے ہم اس طرح سے بات نہیں کر سکتے جس طرح ہم اکیلے میں کر سکتے ہیں"

"اکیلے" میرب نے کچھ اچھنبے سے وہ لفظ پڑھا۔

"میں آپ سے اکیلے میں نہیں مل سکتی" میرب نے اسے دوٹوک انکار کیا۔ ناجانے کیوں میرب کو اس کا اس طرح کہیں اکیلے ملنے کے لیے کہنا مناسب نہیں لگا تھا۔

عرش کو فوراً اس کا مطلب سمجھ میں آگیا تھا۔

"اف یار میرا وہ مطلب تھوڑی تھا۔ تم غازی کو ساتھ لے آنا اور ہم ہوٹل میں ملیں گے لنچ یا پھر ڈنر کے لیے" عرش نے فوراً سے وضاحت پیش کی تو میرب بھی سوچ میں پڑ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چلیں میں ماما سے پوچھ کر بتاؤں گی آپ کو" اس نے فیصلہ کرتے ہوئے میسج ٹائپ کیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔سو جاؤ اب تمہیں عادت نہیں اتنی دیر تک جاگنے کی گڈ نائٹ" میرب نے مسکراتے ہوئے عرش کا میسج پڑھا اور گڈ نائٹ کا میسج ٹائپ کر کے سونے کے لیے لیٹ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

زائشہ اور ذینب کلاسز لینے کے بعد ایک خالی کلاس میں بیٹھی تھیں۔زینب کو اکیڈمی میں کچھ کام تھا تو زائشہ بھی رک گئی تھی۔

"ہاں دے دیے تھے پیسے امی کو شکر اسماء باجی نے وقت پر رینٹ دے دیا ورنہ بہت مشکل ہو جاتی میرے لیے۔ میڈیم سے مانگنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی "آج زائشہ کے چہرے پر ایک اطمینان تھا۔

"چلو جو بھی ہوا بہتر ہوا تم بیٹھو میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں کینٹین سے "زینب نے اپنا بیگ کندھے پر لٹکایا اور کلاس سے باہر نکل گئی۔

زائشہ پاس پڑی نوٹ بکس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ابھی اس نے ایک نوٹ بک کا صفحہ پلٹا ہی تھا جب کوئی اچانک سے کلاس میں داخل ہوا اور کلاس کا دروازہ بند کر دیا۔

زائشہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھی۔۔وہ یہاں سے اس کی پشت ہی دیکھ سکتی تھی جو دروازے کی طرف چہرہ کیے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا جیسے بھاگ کر آیا ہو۔

"کون ہیں آپ اور ایسے کیسے اندر گھس آئے "زائشہ کی آواز سن کر وہ تیزی سے پلٹا۔

میز کے سامنے زائشہ سیاہ چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا چادر میں سے ایک طرف ڈھلکا ہوا نظر آرہا تھا اور کچھ لٹیں جوڑے سے نکل کر اس کے چہرے کے گرد آگئی تھیں۔

ہیزل گرے آنکھوں میں بے پناہ حیرت لیے وہ اس لڑکے کے جانب دیکھ رہی تھی۔

"کون ہیں آپ دروازہ کھولیے مجھے باہر جانا ہے" اس نے جلدی جلدی سے اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالا

"دیکھیں آپ بس دو منٹ کے لیے رک جائیں میرا دوست...." اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب کسی نے جارحانہ انداز میں دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"دیان تو نکل آج باہر اپنی ٹانگوں پر واپس نہیں جا پائے گا، کھول دروازہ" باہر موجود لڑکا مسلسل دروازے پر ٹھوکریں مار رہا تھا اور اندر دیان کے قہقہے گونج رہے تھے۔

"کمینے انسان دو لاکھ کا فون تھا میرا" دیان کے قہقہوں کی آواز نے یقیناً دروازے کے اس پار لڑکے کو تپایا تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا مجھے یقین ہے کہ دس جوتے مارنے کے بعد انکل تجھے ویسا فون لے ہی دیں گے" دیان نے پر سوچ انداز میں کہا پر دفعتاً زائشہ کا خیال آنے پر واپس مڑا۔ وہ ابھی تک حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"دیکھیں یہ میرا دوست پاگل ہو گیا ہے آپ اس کی باتوں پر دھیان مت دیں، بیٹھ جائیں" وہ بولا اور پاس پڑی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"آپ دروازہ کھولیں مجھے باہر جانا ہے" زائشہ نے بلا کی سنجیدگی سے کہا۔

"دیان کون ہے تیرے ساتھ اندر" ارسل نے دروازے پر ٹھوکریں برسانا چھوڑ کر حیرت سے پوچھا۔ اسے واضح طور پر اندر سے دیان کی کسی سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

"ہے ایک خوبصورت سے گرے آنکھوں والی لڑکی" دیان نے شرارت سے ارسل کو تنگ کرنے کی نیت سے کہا پر دیان کی بات سن کر زائشہ کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ" وہ جارحانہ انداز سے اس کی طرف بڑھی۔

"ارے محترمہ ہماری بات کا وہ مطلب نہیں تھا" وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"پھر کیا مطلب تھا آپ کا"

"ارے ہم تو بس اپنی اس شکنتلا کو تنگ کر رہے تھے" دیان نے ہونٹوں کے پاس ہاتھ رکھ کر چہرہ دروازے کے قریب کر کے کہا جیسے کسی کو سنانا چاہ رہا ہے۔

"دیان کے بچے دروازہ کھول" ایک اور زوردار لات دروازے پر پڑی تھی۔ یقیناً دروازہ بھی آج اپنی بے بسی پر رو رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارے شکنتلا بس کرو گاؤں والے پریشان ہو رہے ہیں" دیان اسی انداز میں دروازے کے قریب ہو کر بلند آواز میں چلایا جبکہ نظریں زائشہ کے لال بھبھوکا چہرہ پر ٹکی تھیں۔

"کیا تماشا لگا رکھا ہے آپ نے۔ یہ اکیڈمی ہے کوئی گاؤں یا اکھاڑا نہیں" زائشہ ایک بار پھر چلائی۔

"دیان تو دروازہ کھول دے ورنہ اب میری ایک لات پر یہ دروازہ ٹوٹ جائے گا، میں دس تک گنوں گا۔

ایک....دو....تین..."

ارسل کو گنتی شروع کرتا دیکھ کر دیان آہستہ سے دروازہ کے قریب ہوا اور کنڈی کو کھول کر بالکل کنارہ پر اٹکا دیا۔ اب یقیناً ارسل کی ایک لات پر دروازہ کھل جانا تھا اور ہوا بھی وہی۔

جیسے ہی گنتی پوری ہوئی ارسل نے دروازے پر لات ماری، دروازہ دھڑام سے کھلا اور اگلے ہی لمحے وہ لہراتا ہوا منہ کے بل زائشہ کے پاؤں میں گرا۔

زائشہ حق دق کھڑی اپنے قدموں کے پاس گرے اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی جو اپنا سر تھوڑا اونچا کر کے اپنی ناک مسل رہا تھا۔

"تیری تو..." دیان کے قہقہے سن کر وہ ہاتھوں پر زور ڈال کر اٹھنے لگا جب اس کی نظروں سامنے بلیک سینڈل میں مقیت سفید گلابی پاؤں پر پڑی۔

اس نے ذرا حیرت سے سر اٹھا کر زائشہ کو دیکھا اور پھر ایک سلگتی ہوئی نظر قہقہے لگاتے دیان پر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کو اٹھتا دیکھ کر دیان فوراً سے باہر کی طرف بھاگ گیا۔

ارسل اپنے کپڑے جھاڑتا زائشہ کے مقابل آ کھڑا ہوا اور ذرا سا مؤدبانہ جھکنے کے بعد بولا

"السلام وعلیکم محترمہ اپنی اس نازیبا حرکت کے لیے ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ یہ بندر کے منہ والا جو ابھی بھاگ کر باہر گیا ہے اس نے میرا دو لاکھ کا آئی فون توڑ دیا ہے (ساتھ ہی آنکھوں کے کنارے سے غائبانہ آنسو صاف کیے) اور اب میں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔

آپ یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے مجھے فون ضرور کیجئے گا۔ابھی اس خبیث انسان کو ٹھکانے لگانا میرے لیے زیادہ ضروری ہے۔تب تک کے لیے اللہ حافظ" کندھے پر لٹکے بیگ کی جیب سے کارڈ نکال کر ساکت کھڑی زائشہ کے ہاتھ میں پکڑایا اور دائیں ہاتھ کو سر تک لے جا کر سلام کرتا واپس باہر کی جانب بھاگ گیا۔

زائشہ نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں موجود کارڈ پر ڈالی اور دوسری دروازے پر جہاں سے ابھی ارسل باہر گیا تھا اور غصہ ضبط کرتی واپس جا کر اپنے ٹیبل پر بیٹھ گئی۔کارڈ ٹیبل کے پاس پڑی ڈسٹ بن کی زینت بن چکا تھا۔

****

السلام وعلیکم سر" اجازت ملنے پر فاروق حیدر کے آفس میں داخل ہوتے طالب مراد نے سلام کیا۔فاروق حیدر جو کسی فائل میں سر دیے بیٹھے تھے

طالب مراد کے سلام کا سر کے اشارے سے جواب دیا اور واپس سے فائل پڑھنے لگے۔

"سر از ایوری تھنگ او کے" طالب نے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے پوچھا۔طالب مراد فاروق کی کمپنی کے مینیجر اور ایک نہایت ایماندار ورکر تھے۔

فاروق حیدر نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی اور اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے اپنے ماتھے کو مسلا۔

"طالب ہمارے کمپنی کے اکاؤنٹ سے پیسے غائب ہیں" انہوں نے پریشانی سے اپنے مینیجر کی طرف دیکھتے بتایا۔

"پر ایسے کیسے ہو سکتا ہے اور کتنے پیسے ہیں" طلب نے تھوڑا حیرانگی سے پوچھا پر قیمت جان کر اس کے بھی چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"سر یہ تو بہت بڑی اماونٹ ہے" حیدر فاروقی کی پریشانی بجا تھی۔

"یہی تو پریشانی والی بات ہے۔ چھوٹی موٹی اماونٹ ہوتی تو میں پھر بھی اگنور کر دیتا پر دس کروڑ کا غائب ہونا کوئی عام بات نہیں۔ اگر ایک دو لاکھ کی بات ہوتی تو شاید یہ خبر مجھ تک نا پہنچتی پر یہ بات مجھ سے چھپ نہیں سکتی تھی"

"آپ نے حامد اور عرش سر کو بتایا"

"ہم کال کی ہے میں نے آتے ہی ہوں گے دونوں" طالب اثبات میں سر ہلاتا فائل پر موجود ڈیٹیل پڑھنے لگا۔

****

"یہ دونوں کون تھے؟" دیان اور ارسل کے جانے کے کچھ دیر بعد جب زینب کمرے میں آئی تو زائشہ نے پوچھا۔

"کون؟" زینب نے دو سینڈوچ ٹیبل پر رکھے اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"یہی جو دو لڑکے ابھی لڑ رہے تھے۔ ویسے اکیڈمی کے تو نہیں لگتے اچھے خاصے جوان تھے" زائشہ نے ذرا تفصیل سے بتایا۔

"اوہ اچھا وہ ارسل ہو گا۔ میڈیم کا بیٹا، ساتھ اسکا دوست تھا۔ اس کا نام نہیں پتا مجھے" زینب نے سینڈوچ پر موجود پلاسٹک کا کور اتارا اور ڈسٹبن میں پھینک دیا۔

"دیان نام ہے اسکا"

"تمہیں کیسے پتا؟" زینب نے تھوڑا حیرت سے پوچھا تو زائشہ نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

"ہاہاہاہا.... یار وہ پہلے بھی آتے ہیں پر بس میڈیم کے آفس سے ہو کر چلے جاتے لیکن آج ارسل کے دوست نے اسکا فون توڑ دیا تھا اسی لیے وہ اسکے

پیچھے پڑا ہوا تھا۔ویسے یار ان امیروں کے بھی ششکے ہیں میرے سامنے اتنا مہنگا فون توڑ دیا۔وہ الگ بات ہے کہ غلطی سے ٹوٹا تھا پر اگر میں ان کی جگہ ہوتی تو صدمہ سے ہی بے ہوش ہو جاتی" زینب نے سینڈوچ کا بائٹ لیتے ہوئے کہا۔

"ان امیروں کو فکر نہیں ہوتی نا۔ماں باپ نے ایک لمبی چوڑی جائیداد ان کے لیے سنبھال کر رکھی ہوتی ہے جس سے ان کی سات نسلیں مستفید ہوتی ہیں" زائشہ نے تلخی سے کہا تو زینب اپنا سینڈوچ ایک طرف رکھ کر اسکی طرف مکمل طور متوجہ ہوئی۔

"تم اتنا مسئلہ کیوں ہے امیروں سے۔ان کی دولت ہے جو جی میں آئے کریں" زینب کی بات سن کر زائشہ نے ایک سلگتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور بولی

"مجھے نفرت ہے دولت اور ان دولت والوں سے۔یہ انسان کے گرد اتنا گہرا دھواں پھیلا دیتی ہے کہ اسے دکھنا بند ہو جاتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دولت صرف ایک لفظ نہیں یہ ایک نشہ ہے نشہ،اور جس انسان کو اس کی لت لگ جاتی ہے وہ اچھا یا برا کچھ نہیں دیکھتا۔بس اندھا دھند اسکے پیچھے بھاگتا ہے۔اور اس دوڑ میں کتنے لوگ کچلے جاتے ہیں اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

میرا باپ بھی ایک ایسی ہی دوڑ کا شکار ہوا تھا اور کیا ہوا...."

زینب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ ٹیبل پر ذرا آگے کو جھکی

"کچلا گیا۔کسی نے پرواہ نہیں کی کسی کو احساس نہیں ہوا اور میں....میں یتیم ہو گئی" ہنستے ہوئے خود کی طرف اشارہ کیا پر آنکھوں میں آنسو چمکنا شروع ہو گئے تھے۔

فوراً جھک کر ٹیبل کے نیچے سے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔

زینب نے ایک سرد سانس فضا میں خارج کی اور اسکے ادھورے سینڈوچ کی طرف دیکھا۔

بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں پر آ کر ختم ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مشکلات سے بھری زندگی نے زائشہ کو تلخیوں کے سمندر میں ڈبو دیا تھا۔ نرم گو اور معصوم سی زائشہ اب کہیں گم ہو گئی تھی۔

****

سفید ماربل کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی اس کے دودھیا گلابی پاؤں کو جو ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا وہ بہت پر سکون تھا۔ پورے جسم میں سرایت کرتی اس خوشنما لہر کو محسوس کر کے وہ مسکرا دی۔

ہوا کے دوش پر اڑتے بھورے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے اپنے پیچھے موجود منظر پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔

سبز ہریالی سے ڈھکا خوبصورت میدان اور اس کے پاس ہی بہتی جھیل۔ جھیل کے نیلے پانی پر پڑتی سورج کی کرنوں سے لہریں دھنک کے مختلف رنگوں میں ڈھل کر ایک رقص پیش کر رہی تھیں۔ جھیل کے اس پار نظر آتے برف پوش پہاڑ جن کی چوٹیاں بادلوں سے ڈھکی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ بادل اس قدر قریب تھے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو سکتی تھی۔

روئی کے گالوں جیسے بادلوں کی وجہ سے اسے اپنے بالوں پر ہلکی نمی کا احساس ہوا۔

سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا پر گرمی نا ہونے کے برابر تھی۔

اپنے بدن پر موجود سفید مخملی لباس پر ایک نظر ڈال کر اس نے خود سے کچھ فاصلے پر بیٹھے شخص کو دیکھا۔ وہ یہاں سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ پا رہی تھی کیونکہ وہ سر جھکائے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے سیڑھیوں پر کچھ لکھ رہا تھا۔

نیلے رنگ کی جینز اور سفید رنگ کی شرٹ پہنے جس کی آستین کہنیوں سے ذرا نیچے تک فولڈ تھیں۔ سفید جاگرز میں مقید اپنے ایک پاؤں کو وہ مسلسل ہلا رہا تھا۔ وہ اس خوبصورت منظر کا ہی ایک حصہ لگ رہا تھا۔

اچانک سے اس نے اپنے پاس پڑا بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور اٹھ کر اوپر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنے میں اب بھی ناکام ہوئی تھی۔

"سنو..." اسے اوپر بڑھتا دیکھ کر اسنے بے اختیار اسے پکارا۔ اس کے اوپر کو بڑھتے قدم تھم گئے پر وہ پلٹا نہیں۔

"کون ہو تم؟" اسے اس کا انداز تھوڑا پر اثرار لگا۔ اس کا چہرہ دیکھنے کی خواہش شدت سے اس کے دل میں جاگی پر اس سے پہلے کہ وہ پلٹتا زائشہ کی آنکھ الارم کی آواز سے کھل گئی۔

اس نے ہڑبڑا کر اپنی آنکھیں کھولی۔ سب سے پہلے تکیے کے نیچے موجود اپنا چھوٹا سا نوکیا کا فون نکال کر الارم بند کیا اور پھر چھت پر لگے سست روی سے چلتے پنکھے کو دیکھنے لگی۔ کمرے کی لائٹ بند تھی پر باہر صحن میں جلتی لائٹ کی وجہ سے کمرے میں مکمل اندھیرا نا تھا۔

وہ کافی دیر چت لیٹی اپنے اس خواب کے بارے میں سوچتی رہی۔

پھر ایک لمبا سانس لے کر خود کو پرسکون کرتے پاس پڑا دوپٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

اس کی ماں اور دونوں بھائی باہر چارپائی پر کھلے آسمان تلے سو رہے تھے۔اسے باہر سونے کی عادت نا تھی اسی لیے وہ اندر کمرے میں سوتی تھی پر اکثر لوڈشیڈنگ کی وجہ سے اسے باہر آنا پڑتا تھا۔

وہ دبے قدموں واشروم تک گئی اور وہاں لگے بیسن پر وضو کیا۔تولیہ سے ہاتھ خشک کرنے کے بعد اس نے صحن میں ہی ایک طرف تہجد کی نماز ادا کی۔نماز پڑھ کر وہ کمرے میں جانے کی بجائے چھت کی طرف جاتی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئی۔گھر کے مین دروازے سے چند قدموں کے فاصلے پر یہ سیڑھیاں شروع ہوتی تھیں۔وہ نوعمری سے ہی نمازوں کی پابند تھی پر دو تین سال پہلے سے اس نے تہجد بھی پڑھنا شروع کر دی تھی۔شروع کے چند سالوں میں تھکاوٹ یا آنکھ نا کھلنے کی وجہ سے اس کی نماز چھوٹ جاتی تھی پر اب ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

وہ سیڑھیوں پر بیٹھی اب بھی اس خواب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اس خواب کو لے کر وہ بہت عجیب قسم کی کیفیات اور احساسات کا شکار ہو رہی تھی اور یہی چیز اسے پریشان کر رہی تھی۔

اسے خواب بہت آتے تھے۔ کبھی بہت لمبے کہ وہ ساری ساری رات ایک ہی خواب دیکھتی رہتی تو کبھی بہت چھوٹے۔

کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی خواب جو ایک رات کو ادھورا رہ جاتا تھا وہ اگلی رات اسے پورا دیکھ لیتی۔ جو خواب اسے زیادہ اچھا اور پرسکون لگتا وہ اسے زیادہ دیکھتی تھی اور پوری پوری رات دیکھتی تھی۔

مختصراً بات کی جائے تو زائشہ مراد کو اپنے خوابوں پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ وہ جیسے چاہے انہیں ڈھال لیتی تھی، جہاں چاہے اسے روک دیتی اور جب چاہے اسے دوبارہ سے شروع کر لیتی۔ اسے اپنی یہ بات بچپن سے ہی بہت غیر معمولی لگتی تھی اور شعور کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد وہ اپنی اس خوبی سے واقف ہو گئی تھی۔

پر پچھلے دو سالوں میں چند واقعات ایسے ہوئے تھے جنھوں نے اسے اپنے خوابوں کو لے کر خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ تھا اس کے خوابوں کا سچ ہونا۔

اس کے سب خواب سچ نہیں ہوتے تھے۔پر جو ہوتے تھے انہیں لے کر وہ ایک الگ ہی کیفیت کا شکار ہو جاتی تھی۔اس کے وہ خواب سچ ہوتے تھے جنہیں وہ کنڑول نہیں کر پاتی تھی۔جن میں سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔

اور اب ایک بار پھر سے ایک لمبے عرصے کے بعد وہ کیفیت پھر سے اس پر طاری ہوئی تھی جس نے اسے اندر تک بے چین کر دیا تھا۔

اسے خوابوں میں اشارہ نہیں ملتا تھا بلکہ جیسا وہ دیکھتی تھی ہو بہو ویسا ہی ہوتا تھا۔

دیوار سے ٹیک لگائے وہ کافی دیر تک ستاروں بھرے آسمان کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ قریبی مسجد میں ہوتی فجر کی اذان کی آواز اس کے کانوں میں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پڑی۔اس نے اپنی ماں کو دیکھا جو اذان کی آواز سن کر اٹھ گئی تھیں اور اب اس کے بھائیوں کو اٹھا رہی تھیں۔

"زائشہ یہاں کیوں بیٹھی ہوں "گھر کی لائٹس آن کرتے انہوں نے سیڑھیوں پر بیٹھی زائشہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں امی تہجد پڑھ کر ادھر ہی بیٹھ گئی تھی اندر گرمی لگ رہی تھی "اس نے جواب دیا اور اندر چلی گئی۔

سیرت بیگم اداس نظروں سے اپنی بیٹی کو جاتا دیکھتی رہیں جو مکمل طور پر بدل گئی تھی۔نا جانے ابھی اور کتنی تکلیفیں اس نے اپنی زندگی میں دیکھنی تھیں۔

****

"گڈ مارننگ ڈیڈ" کھانے کی میز ناشتہ کے مطابق مختلف لوازمات سے سجی تھی اور سربراہی کرسی پر حامد جہانگیر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے اور کچن سے ثمینہ بیگم کی آوازیں آ رہی تھیں جو ملازموں کو مختلف ہدایات دے رہی تھیں۔

حامد جہانگیر نے سر کے اشارے سے عرش کو جواب دیا اور اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

عرش نے اورنج جوس گلاس میں ڈالا اور لبوں سے لگایا۔

"گڈ مارننگ بیٹا" ثمینہ بیگم نے پیچھے سے عرش کا سر چومتے ہوئے کہا اور اس کے برابر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

"گڈ مارننگ بیٹے کی جان" عرش نے بھی اسی انداز میں کہتے ہوئے ان کے گرد بازو حمائل کیے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"عرش مجھے تم سے بات کرنی ہے" حامد جہانگیر نے اخبار فولڈ کر کے ایک طرف رکھا اور سنجیدگی سے اسے پکارا۔

عرش اور ثمینہ بیگم فوراً سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جی بابا پوچھیں"

"کمپنی کے اکاؤنٹ سے جو دس کروڑ غائب ہوئے ہیں تم نے کہاں خرچ کیے ہیں" انہوں نے ٹیبل پر رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان کی بات سن کر عرش نے ایک قہقہہ لگایا۔

"مطلب آپ کو پتا چل گیا" اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے باپ کو دیکھا۔

"عرش مجھے میری بات کا جواب چاہیے" حامد جہانگیر کے چہرے پر اب بھی بلا کی سنجیدگی تھی۔

انہیں سنجیدہ دیکھ کر عرش نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرا دوست تھا ایک امریکہ میں۔اس کا ایک چیریٹی سکول ہے۔اس کی بلڈنگ میں شارٹ سرکٹ سے آگ لگ گئی تھی۔اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔مجھ سے پیسے لینے پر وہ راضی نہیں تھا اسی لیے میں نے پیسے چیریٹی کر دیے۔کس نے بتایا آپ کو"

"فاروق نے کل مجھے بلایا تھا یہ معاملہ ڈسکس کرنے کے لیے۔غالباً تمہیں بھی کال کی تھی پر تم مصروف تھے"

"اور آپ کا شک مجھ پر ہی کیوں گیا؟کوئی سٹاف ممبر بھی تو یہ کام کر سکتا تھا"عرش نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔ثمینہ بیگم اس سب سے بے نیاز کھانے کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"ان چیریٹی سینٹر زوالوں نے تو ایک ایک چیز کی انشورنس کرار کھی ہوتی ہے۔تمہارے دوست نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا"حامد جہانگیر نے عرش کی بات کو اگنور کرتے پوچھا۔

"او کمون ڈیڈ اس کی بلڈنگ کا سارا اسٹرکچر خراب ہو گیا تھا۔ عمارت کو گرا کر پھر سے تعمیر کرنا تھا۔ اور اس کے علاوہ وہاں ضرورت کا سامان۔ آپ کو لگتا ہے انشورنس کے پیسے کافی ہوتے" اس بار عرش کا انداز ناراضگی لیے ہوئے تھا۔

"اور رہی بات فاروق انکل کی تو میں بات کر لوں گا ان سے بلکہ میرا آج پلان تھا ان سے ملنے کا اور انہیں بتانے کا۔ میں جاؤں گا اور کلیئر کر لوں گا سب آپ بے فکر رہیں" عرش نے اپنا دھیان ناشتہ کی طرف کیا تو حامد جہانگیر ایک بار پھر سے اخبار پڑھنے لگے۔

****

آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کیے تپتی دھوپ میں میرب چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اطراف میں کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ایک ہاتھ میں بیگ تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے غازی کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

"اپیا گرمی لگ رہے ہے" غازی نے چڑ چڑے پن سے کہا۔وہ بیس منٹ سے اس چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کھڑے تھے۔

ڈرائیو انہیں اس عالیشان ہوٹل کے باہر اتار کر چلا گیا تھا اور اب وہ باہر کھڑے عرش کا انتظار کر رہے تھے۔

"عرش بھائی آ گئے" غازی نے ایک طرف گاڑی پارک کرتے عرش کی جانب اشارہ کیا۔میرب نے عرش کی جانب دیکھا۔بلیک پینٹ پر آف وائٹ شرٹ پہنے، عرش بھی ان کو دیکھ چکا تھا اور اب ان کی طرف ہی آ رہا تھا۔وہ شاید آفس سے بریک لے کر یہاں آیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی عرش کو اپنی طرف آتا دیکھ کر فوراً سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر بھاگا اور اپنے ازلی انداز میں اس سے ملا۔ مٹھی سے مٹھی ملا کر۔

"کیسی ہو؟" سرخ سلک کے حجاب میں میرب کے دمکتے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں" ایک مسکراہٹ کے ساتھ میرب نے جواب دیا اور وہ سب اندر ہوٹل کی طرف بڑھ گئے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کہیں اور بیٹھ جائیں" عرش میرب کے لیے کرسی کھینچ رہا تھا جب میرب نے ہال پر ایک نظر ڈال کر اس سے پوچھا۔ یہ ایک فائیو سٹار ہوٹل کا وسیع ہال تھا۔ پورے ہال میں میزیں لگی تھیں جہاں تقریباً ہر ٹیبل پر کوئی نا کوئی موجود تھا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں بیٹھ کر کھانا کھانے سے میرب جھجھک کا شکار ہو رہی تھی۔

"کیوں کیا ہوا؟" عرش نے تھوڑا حیرانگی سے پوچھا۔ ساتھ ارد گرد پر بھی نظر ڈالی۔

"وہ سب کے سامنے بیٹھ کر کھانا..." جملہ ادھورا چھوڑ کر میرب نے نروس ہوتے ہوئے اسے وجہ بتائی۔

عرش اس کی بات سمجھ گیا تھا اسی لیے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے وہ غازی کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کی طرف جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

اوپر والا پورشن کے آدھے حصے میں میزیں لگی تھیں جبکہ ایک طرف لکڑی کی خوبصورت ڈیزائنگ کے ذریعے فیملی رومز بنائے گئے تھے۔

وہ بھی ویسے ہی ایک چھوٹے سے فیملی روم میں آ کر بیٹھ گئے جہاں دو ٹیبل لگے تھے۔ دونوں اس وقت خالی تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے۔ غازی عرش کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ویٹر کے آنے اور کھانا آرڈر کرنے تک عرش غازی کے ساتھ معمول کی گفتگو کرتا رہا۔ میرب اس سب کے درمیان بالکل خاموش گلاس وال

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سے نظر آتا منظر دیکھ رہی تھی۔جہاں سڑک پر بھاگتی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

"تم بھی کچھ بولو" عرش نے اچانک گم سم بیٹھی میرب کو مخاطب کیا۔

"کیا بات کرنی تھی آپ کو؟" عرش کے ساتھ اس وقت ہوٹل میں بیٹھ کر لنچ کرنا میرب کو بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"اجازت مل گئی آسانی سے" عرش نے میرب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی آپ کا اور غازی کا سن کر امی نے اجازت دے دی تھی" عرش نے اثبات میں سر ہلایا اور ویٹر کو دیکھنے لگا جو کھانا اب ٹیبل پر لگا رہے تھے۔

"آپ کو کیا بات کرنی تھی" میرب نے ایک بار پھر سے پوچھا۔غازی اب کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں بس تم سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا، ویسے یہاں آکر تم مجھے مطمئن نہیں لگ رہی" عرش نے غور سے اس کے تاثرات دیکھے جو قدرے غیر آرام دہ انداز میں وہاں بیٹھی تھی۔

"نہیں دراصل مجھے زیادہ عادت نہیں ہے ہوٹلنگ کی اور جب بھی باہر آئی ہوں مام ڈیڈ ساتھ آئی ہوں"

"ہمم...... تو آگے تمہارا ماسٹرز کا پلین ہے" عرش نے کانٹا پلیٹ میں رکھتے ہوئے ہاتھوں کو باہم ملا کر ٹیبل پر رکھا۔

"جی" اس نے مدھم آواز میں کہا۔اس دن کھانے کی ٹیبل پر حامد جہانگیر کی بات سن کر وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔

دیکھو میرب میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں اسی لیے انہیں میری شادی کی بہت جلدی ہے پر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ شادی کے بعد تمہاری تعلیم کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہو گی۔ تم جتنا چاہے پڑھنا، مجھے کوئی

اعتراض نہیں ہو گا۔ان فیکٹ میری بھی خواہش یہی ہے کہ میری بیوی ویل ایجوکیٹڈ ہو" عرش نے ایک مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی پریشانی دور کرنی چاہی۔

"پر انکل..."

"تم ان کی فکر مت کرو۔انہیں میں سنبھال لوں گا۔تم بس اپنی پڑھائی پر فوکس کرو اور کچھ عرصے بعد جب ہماری شادی ہو گی تو شادی پر فوکس کرنا" آخر کا جملہ اس نے زرا شرارت سے بولا تو میرب نے شرما کر اپنا چہرہ جھکا دیا۔

"واؤ یار تم تو بلش بھی کرتی ہو" عرش کے شرارت سے کہنے پر میرب نے ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی اور کھانا کھانے لگی۔

"ہاہاہا....اچھا میں ابھی فاروق انکل کے پاس سے ہی آرہا ہوں۔میں نے تو انہیں صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اب ہمیں شادی کی تیاریاں شروع

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کردینی چاہیے. تمہارا کیا خیال ہے؟" عرش کا شرارتی انداز ہنوز قائم تھا اور میرب شدید نروس ہو رہی تھی۔

"جیسا آپ کو مناسب لگے"

"ہمم.... جیسا مجھے مناسب لگے۔ ویسے مجھے تو بہت کچھ مناسب لگتا ہے جو شاید تمہیں بالکل بھی مناسب نا لگے" عرش کا انداز اچانک سے بدل گیا تھا۔ میرب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پر اسکے تاثرات بالکل پہلے جیسے تھے، شرارتی۔

پر اس کی آنکھیں، اس کی آنکھوں میں اب ایک سرد پن تھا۔

"مطلب" میرب نے اچھنبے سے پوچھا۔

"چھوڑو تم نہیں سمجھو گی۔ شادی کے لیے کوئی خاص پلاننگ کی ہے مطلب شاپنگ وغیرہ۔ میں نے ممی سے کہہ دیا ہے کہ وہ سب کچھ تمہاری مرضی کا لیں"

میرب نے الجھے ہوئے تاثرات سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسکے آدھے سے زیادہ سوالوں کو نظرانداز کر رہا تھا۔

وہ بات کا آغاز کرتا تھا اور خود ہی اس بات کو ختم کر دیتا تھا۔ عجیب الجھا ہوا انسان تھا۔ پوشیدہ، چھپا ہوا، سب سے الگ، ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ۔ اس کی آنکھوں میں کچھ الگ تھا۔ ایک پل میں شرارتی تو اگلے لمحے بلا کی سرد اور اجنبی۔ جیسے اندر ہی اندر کوئی جنگ چل رہی ہو۔ کوئی بہت بڑی جنگ اور وہ جنگ کیسی جنگ ہے اس بات کا انکشاف اگلے چند ماہ میں میرب حیدر پر بہت برے طریقے سے ہونے والا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

دیان بیٹا مجھے بہت خوشی ہوگی اگر آپ ہماری اکیڈمی میں پڑھائیں گے۔ مجھے اندازہ ہے اس چیز کا آپ کی سٹڈیز پر ایفیکٹ ہوگا پر آپ جیسے ہونہار سٹوڈنٹ کے لیے چند گھنٹے نکالنا مشکل نہیں ہوگا" ارسل اور دیان

اس وقت النور اکیڈمی میں بیٹھے تھے جس کو ارسل کی والدہ چلا رہی تھیں۔انہیں ارجنٹ طور پر کسی ٹیچر کی ضرورت تھی اور دیان کے علاوہ انہیں کوئی بہتر آپشن نظر نہیں آرہا تھا۔ارسل کی لاپرواہ طبیعت کی وجہ سے وہ یہ ذمہ داری اسے نہیں دے سکتی تھیں۔

"دیان کرلو جوائن چار مہینے کی بات ہے بس پھر کوئی ٹیچر ارینج ہو جائے گا"ارسل نے بھی بے زار بیٹھے دیان کو کہا جو ہاتھ کی مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائے مسلسل اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ سب اتنا زور دے رہے ہیں تو کرلیتا ہوں پر میری ایک شرط ہے"ہاتھ کی مٹھی سے چہرہ ہٹا کر سیدھا ہو کر بیٹھا اور ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔

ارسل اور اس کی والدہ شازیہ شاہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ارسل کو ان چار ماہ میں ساری اسائنمنٹس بنانی ہو گی اگر وہ یہ نہیں کر سکتا تو کلاس میں میرے اسسٹنٹ کے طور پر آنا ہو گا"ہونٹوں پر ہاتھوں کی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مٹھی رکھے وہ مسکراتی نظروں سے ارسل کو دیکھ رہا تھا۔شازیہ شاہ اس کی شرط سن کر سر جھٹک کر مسکرا دیں۔

"اب اس بات کا فیصلہ تو ارسل کو کرنا ہے کہ کون سا آپشن زیادہ مناسب ہے"

"مام کتنا چالاک ہے یہ اسکو پتا تھا کہ اسائنمنٹ والی بات پر میں مر کر بھی راضی نہیں ہوں گا اسی لیے اس نے دوسرا آپشن وہی رکھا" ارسل نے شکایتی نظروں سے دیان کو دیکھ رہا تھا جس کے ہونٹوں پر اب مسکراہٹ واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔

"تو پھر کیا سوچا تم دونوں نے" شازیہ شاہ نے دونوں کی طرف دیکھتے پوچھا۔

"آپ ارسل سے پوچھ لیں" دیان نے ارسل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

ارسل نے ایک خونخوار نظر اس پر ڈالی اور دوسری سامنے بیٹھی اپنی ماں پر جو اس کو ارسل کی چال میں پھنستا دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"بن جاؤں گا میں اس الو کے پٹھے کا اسسٹنٹ" آخر کے لفظ پر زور دیتے ہوئے ارسل نے تلملا کر کہا اور چہرے کا رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں آنٹی" دیان نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سامنے کی میز پر رکھیں اور کلاس اور سٹوڈنٹس کے بارے میں پوچھنے لگا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ" شازیہ شاہ کے روم سے نکلتے ہی ارسل نے دیان سے شکوہ کیا۔ بدلے میں دیان نے ہنستے ہوئے اپنا بازو اس کے گلے میں ڈالا۔

"جہاں دیان حیدر ہو وہاں ارسل شاہ کا موجود ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا....." آگے کا جملہ قصداً ادھورا چھوڑتے ہوئے اس نے ارسل کی طرف دیکھا جواب مسکرا رہا تھا

"جتنا آج کل کی لڑکیوں کے لئے میک اپ ضروری ہے، جتنا لڑکوں کے لیے گرلز کالج کا کیمپس ضروری ہے، جتنا...." ابھی ارسل کی بات کی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ دیان نے ایک زوردار تھپڑ اسکی گردن پر مارا۔

ارسل اس ستم پر چلا اٹھا۔

"کیا دیان اتنے ڈھیلے ہاتھ سے مارتا ہے تو" اپنی گردن پر ہوتی جلن کو محسوس کرتے ہوئے ارسل نے کڑھتے ہوئے بولا۔

"میں نے یہ لائن تو کبھی نہیں بولی جو تو بول رہا ہے"

"یار سمجھا کرو وقت کے ساتھ ساتھ ضروریات بدلتی رہتی ہیں" ارسل نے سمجھانے والے انداز میں ہاتھ ہلائے۔

"اور تیری ضروریات کس حد تک بدلی ہیں" دیان نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"گرلز کالج کے کیمپس تک" ارسل نے دیان کے کان کے قریب چہرہ کرتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ دیان ایک بار پھر سے اپنے ہاتھ کا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

استعمال کرتا ارسل نے دوڑ لگا دی۔ جبکہ دیان اسے بھاگتا دیکھ کر نفی میں
سر ہلاتے آگے بڑھ گیا
"اس لا علاج کا کچھ نہیں ہو سکتا ہے"
اور ارسل شاہ کی حرکتوں سے تو دیان حیدر باخوبی آگاہ تھا جن کا علاج اس
دنیا میں ابھی تک کوئی ڈاکٹر نہیں کر پایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

آج زائشہ کالج سے واپسی پر سو گئی تھی اور لیٹ اٹھنے کی وجہ سے اکیڈمی سے چھٹی ہو گئی تھی۔ جنید اور حسیب زائشہ کے دو بھائی تھے جنہیں وہ اکیڈمی سے واپسی پر پڑھایا کرتی تھی پر آج چھٹی ہو جانے کی وجہ سے وہ دونوں اس وقت زائشہ کے کمرے میں موجود تھے اور اپنی اپنی کتابیں پھیلائے زور و شور سے رٹے مار رہے تھے۔

زائشہ بستر سے ٹانگیں لٹکائے لیٹی ہوئی تھی اور اپنے خواب کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ صبح سے مسلسل اس خواب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے" زائشہ کا چھوٹا بھائی حسیب بھرپور انداز میں اپنی اسلامیات کی کتاب میں لکھی اس آیت کو دہرا رہا تھا۔

زائشہ جو اپنی سوچ ہی میں گم تھی اچانک سے ان آیات کی طرف متوجہ ہوئی۔ ٹھٹکی، حیرانگی سے کچھ سوچا اور اپنے بھائیوں کو پڑھنے کی تلقین کرتی بھاگنے کے انداز میں کمرے سے نکل گئی۔

چھت کی سیڑھیاں چڑھتے عصر کی اذان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ سر پر اچھی طرح دوبٹہ اوڑھ کر وہ ایک طرف بچھی چارپائی پر جا کر بیٹھ گئی۔ شام کا وقت ہونے کی وجہ سے آدھے چھت پر دھوپ اور آدھے حصہ پر چھاؤں تھی۔

حسیب کے منہ سے ادا ہوتے آیت کے الفاظ مسلسل اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے"

"کیا مراد ہوا اس آیت سے" ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے آنکھیں ڈوبتے سورج پر ٹکائے وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔

"آزمائش اور ایمان کا تعلق.........آزمائش کا دار و مدار ایمان پر ہے۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہو گا اسے اتنی سخت آزمائش سے گزارا جائے گا۔ جس کے دل میں ایمان آگ کے شعلے کے برابر ہو گا اس کی آزمائش چھوٹی ہو گی پر جس کا ایمان پہاڑوں اور سمندروں جتنا ہو گا اس کی آزمائش کی سختی بھی اتنی ہی ہو گی......."

تو کیا ہمیں مسلسل آزمائشوں سے اس لیے گزارا جاتا ہے تا کہ ہمارے دل میں ایمان کے نور کو وسعت حاصل ہو.......!

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہاں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو بلند مقام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے آزمائش سے گزارتا ہے۔

امتحان میں کامیابی کا دعویٰ تو ہر کوئی کرتا ہے پر کامیابی اسی کا مقدر بنتی ہے جو سر توڑ محنت کرتے ہیں۔ دنیا امتحان ہے، آزمائش پرچہ اور جنت کامیابی۔ جو آزمائش میں جتنا صبر اور شکر کرتا ہے جنت اور اس کے درمیان فاصلہ اتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہم آزمائش کو مشکلات کا نام دینا شروع کر دیتے ہیں......... اور... اور میں بھی تو یہی کرتی ہوں" اچانک سے زائشہ کو اپنا دل اداس ہوتا محسوس ہوا۔

"جو ہو رہا ہوتا ہے وہ نظر تو آرہا ہوتا ہے پر اس ہونے کے پیچھے چھپا، نظر نہ آنے والے سے کہیں گنا زیادہ ہے۔ سامنے کی چیز کو تو سب دیکھ لیتے ہیں پر اسکے پیچھے چھپی مصلحت صرف خاص لوگ ہی دیکھ پاتے ہیں.....

اور شاید میں خاص نہیں" اداسی سے سوچتے ہوئے اس نے ایک نظر آسمان پر ڈالی جس کا رنگ نیلے سے نارنجی ہو چکا تھا۔

"اللہ میری نماز..." اچانک سے نماز کا خیال آنے پر وہ فوراً سے نیچے کی جانب بھاگی۔

"اللہ جی سوری زیادہ لیٹ نہیں ہوا۔ بس میں پڑھنے ہی جارہی تھی......آ آآآ" بے دھیانی سے آسمان کی طرف دیکھ کر چلتے اچانک سے اس کا پاؤں صحن میں بچھی چارپائی سے ٹکرایا جس سے ایک زوردار چیخ اس کے منہ سے نکلی۔

"کیا مصیبت ہے" کراہتے ہوئے چارپائی پر بیٹھ کر چند منٹوں کے لیے اپنا پاؤں مسلا اور پھر باتھروم کے پاس لگے سنک کی طرف بڑھ گئی۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرب بیٹا غازی سو گیا" بتول حیدر نے غازی کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا جہاں میرب اور غازی سنگل بیڈ پر لیٹے تھے۔ غازی کا پورا روم تھیم بائیکس اور کارز پر مبنی تھا۔ جگہ جگہ دیواروں پر بائیکس اور کارز کے پوسٹرز لگے تھے۔ ایک طرف بنی دیوار گیر الماری میں کھلونوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی جس میں آدھے سے زیادہ کارز اور موٹر بائیکس تھے۔

"جی ماما" میرب نے اے سی کی کولنگ کم کی، غازی پر اچھی طرح کمفرٹر اوڑھا کر وہ باہر آگئی جہاں بتول حیدر اسکا انتظار کر رہی تھیں۔

"کوئی خاص بات کرنی تھی" میرب نے ان کے روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا اور ایک نظر سامنے سٹڈی ٹیبل پر بیٹھے فاروق حیدر پر ڈالی جو اسے روم میں داخل ہوتا دیکھ کر اب اپنی فائلز بند کر رہے تھے۔

"آؤ میرب بیٹا بیٹھو" میرب ان کی مقابل صوفے پر بیٹھ گئی تو فاروق حیدر نے بات کا آغاز کیا۔

"آج عرش آیا تھا آفس، ان کا ارادہ ہے کہ اب جلد از جلد شادی کر دی جائے اسی لیے میں نے انہیں اس ویکینڈ پر بلایا ہے ڈیٹ فکس کرنے کے لیے۔ اور رہی بات تمہاری پڑھائی کی تو میری عرش سے تفصیلی بات ہوئی ہے حامد کی طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ عرش سنبھال لے گا" فاروق حیدر نے میرب کو دیکھا جو عرش کا نام سنتے ہی سر جھکا گئی تھی۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں بیٹا" بتول حیدر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔

"آپ کی مرضی ہے ڈیڈ" وہی مشرقی بیٹیوں والا انداز۔

فاروق حیدر نے آگے بڑھ کر اسکا سر چوما اور اسے سونے کی تلقین کرتے ٹیبل پر پڑی اپنی فائلز کی طرف متوجہ ہو گئے۔

میرب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی روم سے باہر آگئی۔ایک شرمیلی مسکراہٹ نے اسکے ہونٹوں کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عرش جیسا انسان اس کی زندگی میں آنے والا تھا جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔وہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ انسان تھا۔پڑھائی کے میدان میں اس نے بے انتہا ریکارڈ قائم کیے تھے،اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود اس میں کوئی غلط عادت نہیں تھی۔اس نے کبھی ان کے لاڈ کا بے جا فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔اپنے باپ کو بزنس کو کامیابیوں کی بلندیوں تک

پہچانے کے لیے وہ سر توڑ محنت کر رہا تھا۔ جو اپنے ماں باپ سے اتنی محبت کرتا تھا کہ ان پر جان چھڑکتا تھا، اس شخص کی زندگی میں اس کی قدر و قیمت کیا ہونے والی تھی وہ باخوبی اندازہ لگا سکتی تھی۔

اس وقت وہ اپنا شمار خوش نصیب لوگوں میں کر رہی تھی اور اس بات کو شکر ادا کرنے کے لیے وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"انکل نے بات کی تم سے؟" وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی جب فون پر عرش کا میسج آیا۔

"جی" اس نے اپنے کمرے میں بنی کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے، پردے ہٹائے اور اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔ باہر سیاہ آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا اور چاند کی چاندنی ہر چیز کو منعکس کر رہی تھی۔

"تو تم نے کیا کہا؟"

میرب نے شرارتی انداز میں سوچتے ہوئے اپنا نیچلا لب دانتوں میں دبایا۔

"میں نے منع کر دیا، میں فلحال شادی کے لیے خود کو تیار نہیں سمجھتی" معصوم اور کمزور سی میرب کا دل اندر سے ڈر بھی رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ عرش اس کے اس عمل پر احتجاج کرے گا پر جو ہوا وہ اسکی توقع کے بر عکس تھا۔

اس نے عرش کو دو تین میسج کیے پر اس نے جواب نا دیا۔

وہ اگلے پانچ منٹ تک لگاتار عرش کو سوری کے میسج کرتی رہی پر اس نے کوئی رپلائی نا دیا۔ اب اسے ڈر لگنا شروع ہو گیا تھا اور وہ تقریباً رو دینے کو تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یااللہ اب کیا کروں یہ رپلائی کیوں نہیں دے رہے ناراض ہو گئے ہیں شاید، کال کروں کیا؟.....ہاں ہو سکتا ہے کال ریسیو کر لیں؟"اس نے ہمت کرتے ہوئے کال ملائی جو اگلے سیکنڈ ہی ریسیو ہو گئی اور عرش کی بھاری آواز فون سے گونجی۔ جسے سن کر میرب کا حلق خشک ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے عرش کو کال کر دی اور عرش نے ریسیو بھی کر لی۔

"کچھ بولو بھی اب"آواز سے میرب باخوبی اندازہ لگا سکتی تھی کہ عرش اس وقت مسکرا رہا تھا۔

"اوہ گوڈ میرب کچھ تو بولو"میرب کی مسلسل خاموشی محسوس کر کے عرش نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ ناراض تو نہیں"اس نے ڈرتے ڈرتے مدھم آواز میں پوچھا۔

"ہاں میں بہت ناراض ہوں؟"اب کی بار عرش کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

"ایم سوسوری میرا ارادہ بالکل بھی آپ کو ناراض کرنے کا نہیں تھا ایم سو سوری" شرمندگی اور ندامت میرب کے لہجے سے واضح جھلک رہی تھی۔

ارے ارے کچھ نہیں ہوتا میں اس وقت تھوڑا سا ناراض ہوا تھا پر پھر میں نے انکل کو فون کر کے کنفرم کر لیا کیونکہ مجھے تمہاری شرارت کا اندازہ ہو گیا تھا" مسکراتی ہوئی عرش کی دلسوز آواز فون سے گونجی۔

میرب نے کان سے فون ہٹا کر حیرت سے سکرین کو دیکھا۔

"آپ.....آپ نے ڈیڈ کو کال کی" میرب نے پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں"

"اللہ اللہ عرش آپ نے کیسے ڈیڈ کو کال کر دی؟"

"فون سے "معصومیت سے جواب دیا گیا۔

جبکہ میرب اب پریشانی کے مارے کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔

"میرب اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہوں؟"

"عرش آپ کو نہیں پتا ڈیڈ نا جانے کیا سوچ رہے ہوں گے "

"کیا سوچ رہے ہوں گے یہی سوچ رہے ہوں گے نا کہ اللہ نے اتنا ہینڈسم، لائق، قابل، خوبرو اور کیئرنگ داماد دیا ہے جو انکی بیٹی سی اتنی محبت کرتا ہے کہ اس کی ایک چھوٹی سے شرارت پر اسکا دل حلق میں آگیا تھا" جو شرارتی روح چند لمحوں کے لیے میرب میں آئی تھی اب وہ عرش میں نمودار ہو چکی تھی۔

اور میرب کی زبان کو سہی معنوں میں بریک اب لگا تھا۔

"اب بولو کیا کہیں گے ڈیڈی جی" شرارتی انداز ہنوز قائم تھا۔

اسکی بات سن کر میرب نے سٹپٹاتے ہوئے بولا

"رات بہت ہو گئی ہے میں سونے لگی ہوں.....خدا حافظ" اور بغیر عرش کا جواب سنے کھٹ سے فون بند کر دیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مسکراتے ہوئے فون کو گھورا اور سائیڈ ٹیبل پر فون رکھ کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ مسکراہٹ اب بھی ہونٹوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

جبکہ دوسری جانب میرب کا یوں فون بند کرنا عرش کو اس قدر ناگوار گزرا تھا کہ اس نے بیڈ پر بیٹھے ہوئے وہ فون پوری قوت سے زمین پر پھینکا۔

زمین پر کارپٹ بچھا ہونے کی وجہ سے فون کو زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا ہاں البتہ سکرین میں کافی سکریچ آ گئے تھے۔

"ہاؤ ڈیئر ہر، اس کی ہمت کیسے ہوئی میرا فون بند کرنے کی، عرش جہانگیر کو اگنور کرنے کی" تلملاتے ہوئے ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ پر ماری۔

غصہ اس کے ہر انداز سے جھلک رہا تھا۔

****

آخری کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد زائشہ جونہی باہر نکلی ساتھ والی کلاس سے دیان اور ارسل ایک ساتھ قہقہہ لگاتے برآمد ہوئے اور پیچھے سے کلاس میں موجود بچوں کا شور بھی پورے کوریڈور میں گونج رہا تھا۔

زائشہ ان دونوں کو وہاں دیکھ کر حیران تو بہت ہوئی پر اگنور کرتی آگے بڑھ گئی۔

"اجی سنئے محترمہ "اپنے سے چند قدموں کے فاصلے پر جانی پہچانی آواز سن کر وہ حیرت سے مڑی۔توقع کے عین مطابق ارسل اور دیان پیچھے کھڑے تھے اور اسے مڑتا دیکھ کر ارسل سینے پر ہاتھ رکھ کر مؤدبانہ جھکا۔

زائشہ سنجیدگی سے اسے گھورتے واپس مڑنے لگی تو ارسل فوراً سے بولا

"وہ کیا پے نا کہ اب ہمارے درمیان ایک مضبوط رشتہ بن چکا ہے تو کیوں نا اس رشتے کی خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے ایک ایک کپ چائے ہو جائے، میں ارسل شاہ اپنے پورے ہوش و حواس میں آپ کو ایک کپ چائے کی دعوت دیتا ہوں۔کیا آپ اس دعوت کو قبول کرنا پسند کریں

گی؟"اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی سلطنت کا بادشاہ ہو اور زائشہ کسی عظیم ریاست کی شہزادی۔

دیان مسکراہٹ چھپائے سنجیدہ نظروں سے ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔

"کیا بکواس ہے کون سا رشتہ؟"زائشہ نے بھڑکتے ہوئے پوچھا۔پتا نہیں کون تھا فضول میں ہی فری ہو رہا تھا۔

"آپ کو پوری گفتگو میں بس اسی بات کا جواب طلب کرنا تھا۔آپ یہ بھی پوچھ سکتی تھیں کہ ارسل شاہ کب پینی ہے چائے میں فوراً سے حاضر ہو جاوں گی"شروع کا جملہ اداسی سے جبکہ آخری جملہ اپنے پرانے شوخ انداز میں کہا۔

زائشہ کی برداشت اب جواب دے رہی تھی۔عجیب ڈھیٹ انسان تھا اس کے غصے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہا تھا۔

زائشہ کے تاثرات میں مزید غصے کا اضافہ ہوتا دیکھ کر دیان بول پڑا

"اس کی اس فضول بکواس کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔اس کے کہنے کا مطلب تھا کہ اب سے ہم کو لیگز ہیں تو کیوں نا اس خوشی میں ایک کپ چائے کا ہو جائے"

زائشہ نے الجھی ہوئی نظروں سے دیان کی طرف دیکھا۔

"میرا کہنے کا مطلب ہے کہ میں نے بھی آنٹی کے کہنے پر یہاں ٹیچنگ سٹارٹ کر دی ہے۔ان کو فوری طور پر کسی ٹیچر کی ضرورت تھی اور یہ میرے اسسٹنٹ کے طور پر میرے ساتھ کام کر رہا ہے" دیان کے تفصیل سے بتانے پر اس نے ایک سمجھنے والی نظر اس پر ڈالی۔

"تو کیا خیال ہے چائے کے بارے میں" ارسل نے اپنے شوخ انداز میں پوچھا۔اکیڈمی کی ٹائمنگ ختم ہونے کی وجہ سے اب بچے کلاسز سے باہر آنا شروع ہو گئے تھے۔

"میرا ایسا کوئی خیال نہیں ہے" اس نے سنجیدگی سے کہا اور واپس مڑ گئی۔

ارسل اسے آواز دینے لگا تھا پر دیان نے روک دیا۔

"مت تنگ کیا کرا سے۔ کسی دن آنٹی سے شکایت لگا دی نا اس نے تو شامت آئے گی تیری" دیان نے سمجھانے والے انداز میں کہا پر ارسل شاہ اگر دیان حیدر کی کسی بات کو سمجھ جائے تو دیان اس دن خوشی سے بے ہوش ہی نا ہو جائے۔

"اوہ میں سمجھ گیا تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں اسے زیادہ سے زیادہ تنگ کیا کروں...اوکے... بائے دا وے تجھے کس بات کی فکر ہو رہی ہے کہیں کوئی محبت وحبت تو نہیں ہو گئی" ارسل نے اپنی کہنی دیان کے کندھے پر رکھتے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"بکواس نا کیا کر میں تیری طرح نہیں جس کا ہر دوسری لڑکی پر دل آجائے" دیان نے فوراً اپنے کندھے سے اسکا بازو جھٹکا۔

"پھر کیا سین ہے باس" ارسل کے اندر کا جاسوس بیدار ہو چکا تھا اور دیان بھی نا جانے کیوں ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارسل مجھے یہ لڑکی بہت عجیب لگی ہے۔عام لڑکیوں سے بالکل الگ، میں خوبصورتی کی بات نہیں کررہاایک سے بھڑکرایک حسین لڑکی دیکھی ہے میں نے پراس میں کچھ توالگ ہے"غیر مرئی نقطے کی طرف دیکھتے دیان بولا۔ارسل نے اچھنبے سے اسکی طرف دیکھا۔

دیان اور کسی لڑکی کو ڈسکس کررہاتھا،ناممکن

"کیا مطلب، کیا کہنا چارہاہے"ارسل نے حیرت سے پوچھا۔

"یاراس کی آنکھیں بہت گہری ہیں بہت کچھ بولتی ہیں۔یہ لڑکی ایک پہیلی ہے،ایک الجھی ہوئی ڈور۔مجھے ایسا لگتاہے اس نے اپنی زندگی میں بہت کچھ جھیلاہے اور سب سے بڑی بات،مجھے یہ پاکیزگی کا پیکر لگی ہے۔اس کے چہرے سے معصومیت کے ساتھ ساتھ پاکیزگی بھی جھلکتی ہے....مجھے اسے دیکھ کر کوئی بہت شدت سے یاد آتاہے"وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں بول رہاتھاپر آخر کا جملہ اس قدر قرب سے بولا گیا تھا کی ارسل جو کچھ اور بولنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھالب بینچ گیا۔

دیان کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا جہاں سے کچھ دیر پہلے زائشہ گزر کر گئی تھی۔

ارسل اداس نظروں سے دیان کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

دیان حیدر کا ماضی کیسا تھا، اس نے ماضی میں کون سا پل صراط پار کیا تھا، وہ کون سی آگ میں جلا تھا جس کے آبلوں کے نشان ابھی تک اس کی روح پر موجود تھے؟

ان سب سے جو گنے چنے افراد آگاہ تھے ان میں سے ایک ارسل شاہ تھا۔ اس کا بچپن کا دوست۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

ٹیبل پر مختلف فائلز بکھری پڑی تھیں۔لیپ ٹاپ پر کھٹاکھٹ انگلیاں چلاتے وہ مکمل طور پر سکرین کی طرف متوجہ تھاجہاں کچھ دیر پہلے اس کی اسسٹنٹ نے اسے آج کی پریزینٹیشن کی میل بھیجی تھی۔

عرش اس وقت وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس تھا۔کوٹ کرسی کی پشت پر لٹکا ہوا تھا۔

نفاست سے بال سیٹ کیے وہ اپنی خوبرو شخصیت لیے اپنے عالیشان آفس میں موجود تھاجو اس کے اعلیٰ ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

دفعتاً دروازہ زور سے کھلا اور ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔اسکے پیچھے ہی اسکی سیکرٹری بوکھلاتی ہوئی روم میں آئی۔

"سر میں نے انہیں منع بھی کیا تھا پر..."عرش نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ لڑکی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی عرش کے مقابل کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔

بلو تنگ جینز پر سلیو لیس ٹاپ پہنے، ہائلٹڈ بالوں والی وہ لڑکی واقعی حسن سے مالامال تھی۔

"تو مسٹر عرش جہانگیر آپ شادی کر رہے ہیں" تیکھی نظریں عرش پر جمائے وہ بولی۔

عرش نے اطمینان سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"ہاں" یک لفظی جواب دیا جو مقابل کو سلگا گیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی" اس نے ہاتھ زور سے ٹیبل پر مارا اور کھڑی ہو گئی۔ چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

عرش کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں عرش" وہ غصے سے ہانپنے لگی تھی۔

"ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں" عرش ذرا سا آگے کی جانب جھکا اور میز پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا۔

انشراح نے ایک لمبی سانس خارج کی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ عرش نے گلاس سے پانی نکال کر اس کے سامنے رکھا جسے وہ ایک ہی گھونٹ میں پی گئی۔

"کیا چاہتی ہو تم؟"

"تمہیں ابھی بھی لگتا ہے کہ تمہیں یہ سوال مجھ سے پوچھنا چاہیے" انشراح کا غصہ ایک بار پھر سے وارد ہوا۔

"تم جب تک بتاؤ گی نہیں مجھے سمجھ کیسے آئے گا" عرش کا رویہ انشراح کے غصے میں تیلی کا کام دے رہا تھا۔

"عرش جہانگیر تم نے مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا" اب کی بار وہ چلا اٹھی۔

"میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا... چائے لو گی یاں کافی" اطمینان ہنوز قائم تھا، انٹر کام اٹھا کر کان سے لگایا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر دو کپ کافی کا آرڈر دے دیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تم نے مجھ سے اگر کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا تھا تو وہ سب کیا تھا جو ہمارے درمیان تھا"

"مجھے ایسا کچھ بھی یاد نہیں"

"عرش جہانگیر تم مجھے جانتے نہیں ہو، تمہاری شادی تو مجھ سے ہو گی۔ جسٹ ویٹ اینڈ واچ" اس نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا اور باہر کی طرف جانے لگی جب ایک ہی جست میں عرش اسکے سر پر پہنچ گیا اور اسے بازو سے پکڑ کر کرسی پر پٹخا۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری پر اس سے پہلے وہ مزید شور کرتی عرش نے اپنا ہاتھ سختی سے اسکے ہونٹوں پر جما دیا۔

"اگر تم نے کچھ بھی الٹا سیدھا کیا تو تمہیں اس قدر دردناک طریقے سے ماروں گا کہ موت خود خوفزدہ ہو جائے گی" اپنی سرخ آنکھیں انشراح پر ٹکائے وہ عام حالات میں نظر آنے والے عرش سے بالکل مختلف لگ رہا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھا۔انشراح اس کا یہ روپ دیکھ کر خوفزدہ ہونے کی بجائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھی تھی۔

"عرش جہانگیر بھول ہے تمہاری کہ میں تمہیں اپنے ساتھ زیادتی کرنے دوں گی"

"ہونہہ...انشراح ملک تم ابھی جانتی نہیں ہو مجھے،اور میں وارننگ صرف ایک بار ہی دیتا ہوں اور تمہیں بھی ایک دفعہ ہی دے رہا ہوں اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو...."سلیو لیس ٹاپ میں سے جھلکتے اس کے دودھیا بازوؤں پر انگلی پھیرتے اس نے ایک طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے کہا۔

پھر سیدھا ہو کر بالوں میں ہاتھ پھیرا اور اسے نظر انداز کرتا اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

صاف اشارہ تھا کہ وہ اب وہاں سے جا سکتی ہے۔

انشراح تلملاتے ہوئے اٹھی اور پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی۔

عرش نے ایک استہزایہ نظر بند دروازے پر ڈالی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اس لڑکی نے اسکا بہت وقت ضائع کر دیا تھا۔

****

زائشہ کو اکیڈمی سے آئے ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی۔ مغرب کی نماز وہ اکیڈمی سے پڑھ کر آئی تھی اور اس وقت وہ چارپائی پر اپنی کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی اور پڑھنے میں مصروف تھی۔

"زائشہ یہ جنید حسیب آئے نہیں" سیرت مراد نے زائشہ کے مقابل چارپائی پر بیٹھتے کہا۔

زائشہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب کہاں گئے ہیں دونوں"

"بیٹا محلے کے سب لڑکے مل کر گئے تھے، کوئی کرکٹ میچ تھی پاس والے سٹیڈیم میں" رات کے آٹھ بج رہے تھے اور آج تک وہ دونوں اتنی دیر باہر نہیں رہے تھے۔

"امی آپ بھی کمال کرتی ہیں میں سمجھی ساتھ والوں کے گھر گئے ہوں گے" زائشہ فوراً چارپائی سے اٹھ گئی اور پاؤں میں چپل پہنی۔

"اب تم کہاں جا رہی ہو" اسے باہر کی طرف بڑھتا دیکھ کر سیرت مراد نے پوچھا۔

"اماں ساتھ والوں کی طرف جا رہی ہوں۔ کامران بھی گیا ہوگا اس کے پاس فون ہے ہو سکتا ہے کچھ پتا چل جائے" اس نے جلدی سے دوپٹہ اوڑھا اور باہر نکل گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیرت بیگم دروازے میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں جواب ساتھ والوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔چند لمحوں کے لیے اس نے دروازہ کھولنے والی کی بات کو سنا اور پھر سر ہلا کر واپس آگئی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"سیرت بیگم کو اب گھبراہٹ ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"امی آجائیں گے"زائشہ نے دوپٹہ اتارا اور اپنے پاس چارپائی پر رکھا۔

"پر کہہ کیا رہے تھے وہ؟"

"امی وہ بھی پریشان ہیں کامران فون نہیں اٹھا رہا"

"اللہ خیر کرے"وہ بھی پریشان سی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھتی جارہی تھیں اور ان کی پریشان نظریں اس پر ٹکی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں ایک بار پھر پوچھ کر آتی ہوں" انہیں انتظار کرتے تقریباً آدھا گھنٹہ ہونے والا تھا جب زائشہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ سیرت مراد نے بس اثبات میں سر ہلایا۔

ابھی اس نے دوبٹہ اٹھایا ہی تھا جب دروازہ کھٹکھٹا۔

وہ دوبٹہ سر پر لیتی فوراً سے دروازے کی جانب بھاگی۔ سیرت مراد بھی اس کے پیچھے آئی۔

اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا سامنے ہی وہ دونوں کھڑے تھے۔

گرد سے اٹے کپڑے جو جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ حسیب کے ہونٹ کے کنارے پر خون لگا تھا جب کہ جنید کے سر پر پٹی بندھی تھی۔

زائشہ حیران نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو اب اندر آرہے تھے۔ سیرت مراد فوراً سے اپنے بیٹوں کی طرف بڑھیں۔

زائشہ نے اپنے بھائیوں سے نظر ہٹا کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھا جو شاید ان دونوں کو لے کر آیا تھا

"السلام علیکم" جمال غفور عرف جمی نے اس کی حیران نظروں میں دیکھتے اسے سلام کیا اور اندر کی طرف بڑھا۔

زائشہ نے ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

اندر سیرت بیگم دونوں بیٹوں کو گلے لگائے چادر سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں اور ان دونوں سے ان کی اس حالت کی وجہ پوچھ رہی تھی جو منہ بند کیے سر جھکائے کھڑے تھے۔

"السلام علیکم ماں جی" سیرت بیگم نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا جسے وہ کئی بار محلے میں دیکھ چکی تھی۔ جمال نے کئی بار ان کی مدد بھی کی تھی۔

"ارے بیٹا تم یہاں... ان دونوں کو تم لے کر آئے ہو" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ماں جی.. دراصل میں بھی میچ دیکھنے گیا تھا اور وہاں پر لڑائی ہو گئی۔ یہ دونوں بھی لڑائی میں شامل ہو گئے جس کی وجہ سے انہیں یہ چوٹیں آئی ہیں۔ میں بہت مشکل سے انہیں وہاں سے لے کر نکلا تھا اور پھر ایک کلینک سے ان کی مرہم پٹی کروائی ہے" جمال نے انہیں تفصیل سے آگاہ کیا۔

سیرت مراد غصے سے اپنے بیٹوں کی طرف مڑیں

"کیا ضرورت تھی گتھم گتھا ہونے کی۔ کس کے بل بوتے پر لڑنے پہنچ گئے تھے دونوں" جنید اور حسیب سر جھکائے ماں کی ڈانٹ سن رہے تھے۔ زائشہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی اور کچھ دیر بعد ایک جگ میں شربت بنا لائی۔

حسیب اور جنید کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے تھے اور جمال سیرت مراد کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا باتوں میں مصروف تھا۔

"یہ لو بیٹا شربت پیو" سیرت مراد نے زائشہ کے ہاتھ سے جگ لیا، گلاس میں شربت انڈیل کر جمال کو دیا۔

"ارے اماں جی فضول میں تکلف کیا آپ نے" جمال نے اب کی بار زائشہ کو دیکھتے کہا۔

"ارے تکلف کیسا اتنی مدد کی ہے تم نے ہماری اوپر سے اتنی گرمی ہے، پیو شاباش" ان کے اصرار پر جمال نے وہ گلاس تھام لیا۔

"اور بیٹا کون کون ہے تمہارے گھر میں، کبھی کوئی نظر تو نہیں آیا"

"جی ایک بڑی آپا ہیں ان کی شادی ہو چکی ہے۔سال میں ایک دو دفعہ چکر لگا لیتی ہیں۔امی تو بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور ابو کے انتقال کو بھی تین سال ہو گئے ہیں" جمال نے گلاس خالی کر کے زائشہ کی طرف بڑھایا تو اس نے فوراً سے ٹرے سامنے کر دی۔جمال نے گلاس ٹرے میں رکھ دیا۔

"اوہ بہت افسوس ہوا... تو بیٹا کرتے کیا ہو؟"

"ماں جی ایک امپورٹ ایکسپورٹ کی کمپنی ہے وہاں پر کام کرتا ہوں"

"اچھا اچھا...بیٹا تم مجھے اپنی ماں جیسے ہی سمجھنا۔ کبھی بھی کوئی مسئلہ ہو تم بے جھجھک میرے پاس آجانا" سیرت مراد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"اچھا ماں جی اب میں چلتا ہوں" جمال نے کھڑے ہوتے کہا۔

وہ سیرت بیگم کے سامنے جھکا تو انہوں نے اس کے کندھے اور سر پر ہاتھ پھیرا۔

صاف دکھائی دے رہا تھا کہ جمال غفور سیرت مراد کو بہت پسند آیا تھا۔

وہ چلا گیا تو سیرت مراد اندر کی طرف بڑھ گئی۔ انہیں ابھی اپنے دونوں بیٹوں کی طبیعت اچھے سے صاف کرنی تھی جو تب سے کمرہ بند کرکے بیٹھے تھے۔

زائشہ وہی چارپائی پر بیٹھی اس جگہ کو دیکھ رہی تھیں جہاں کچھ عرصہ پہلے جمال بیٹھا تھا۔

"یہ انسان شکل سے جتنا شریف لگتا ہے اتنا ہے نہیں۔ عجیب دو غلا انسان لگتا ہے مجھے۔ جیسے اس نے اپنے اندر کے اندھیروں کو چھپانے کے لیے باہر عارضی روشنی قائم کر دی ہو۔

یہ ویسا نہیں ہے جیسا نظر آتا ہے" زائشہ نے سوچتے ہوئے جگ اور ٹرے اٹھائی اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پانچ حسیں عطا کی ہیں پر عورت کو ایک خاص حس عطا کی گئی ہے۔

نظروں کو پڑھنے اور پہچاننے کی حس۔

زائشہ کی یہ حس کچھ زیادہ ہی طاقتور تھی۔ وہ آنکھوں کے ذریعے انسان کی روح تک اتر جاتی تھی اور ہمیشہ اس نے مقابل کو لے کر جو سوچا تھا وہی ہوتا آیا تھا۔

وہ آنکھیں پڑھنے کے ہنر سے باخوبی آگاہ تھی۔

پر اسکی آنکھیں، اسکی آنکھوں کو پڑھنا آسان نا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں میں نظر آنے والی چمک کو اپنی مرضی کے مطابق کنٹرول کرتی تھی۔

وہ مقابل کو وہی دکھاتی تھی جو وہ دکھانا چاہتی تھی۔ مقابل اسے اتنا ہی سمجھ پاتا تھا جتنا اور جس طرح وہ سمجھانا چاہتی تھی۔

مختصر اً زائشہ مراد آنکھوں کے ذریعے دھوکا دینے میں ماہر تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

مدھم سی زرد روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

دیوار گیر کھڑکیوں پر پردے گرے تھے، رات کا سناٹا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔

جہازی سائز بیڈ پر لیٹا وجود بستر میں دبکا نیند کے مزے لے رہا تھا جب اچانک سے اس کی آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش ہوئی۔ چہرے پر

اضطراب کی کیفیت ظاہر ہوئی۔منہ سے چند الفاظ ادا ہوئے جن کی آواز سرگوشی سے بھی کم تھی۔اے سی کی کولنگ ہونے کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونا شروع ہوئے۔چہرہ زرد پڑ گیا اور کمرے کی خاموشی میں اشتعال پیدا کرتی سرگوشی کی آوازیں اب ہلکی چیخوں میں تبدیل ہو رہی تھیں پر اسکی نیند اب بھی نہیں ٹوٹی تھی۔

گھبراہٹ کے مارے اس نے اپنا چہرہ زور زور سے سرہانے پر پٹخنا شروع کر دیا۔چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ گیا۔

چیخوں کی آوازیں یقیناً کمرے سے باہر جانا شروع ہو گئی تھی اسی لیے دروازے پر چند لمحوں بعد دستک ہوئی پر بستر پر موجود شخص کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

چند منٹوں بعد کلک کی آواز سے دروازہ کھلا اور دو افراد ہڑبڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔اندر داخل ہوتے آدمی نے فوراً سے ساری لائٹس آن کر دیں جس سے کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ایک خاتون روتے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہوئے بستر پر موجود شخص کی جانب بڑھیں جواب باقاعدہ چیخنا شروع ہو گیا تھا۔

نیند اب بھی نہیں ٹوٹی تھی۔

دنیا کے تمام لوگ اپنی پریشانیوں اور تکلیفوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے نیند کا سہارا لیتے ہیں پر یہ شخص اس معاملے میں بہت بدنصیب ثابت ہوا تھا۔

"دانی دانی میرے بچے آنکھیں کھولو" وہ روتے ہوئے اپنے خوبرو بیٹے کو جھنجھوڑتے چلائیں۔

"دانی اٹھو" ان کے چیخنے کی آواز سن کر بستر پر موجود شخص نے پٹ سے آنکھیں کھولی جو ناقابل بیان حد تک سرخ ہو چکی تھیں اور کئی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر تکیہ میں جذب ہو گئے تھے۔ اس کا سانس پھول چکا تھا اور وہ ساکت نظروں سے اپنے سامنے موجود ہستی کو دیکھ رہا تھا۔ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"سامنے موجود وجود کون تھا" اس نے سوچا۔

"ہاں وہ اسکی ماں تھی"

اچانک وہ ہڑ بڑا کر اٹھا اور فوراً سے اپنی ماں کے گلے لگ گیا۔ ہچکیوں سے روتے اس وجود کو دیکھ کر اس کے ماں اور باپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

آج ایک غم پھر سے بہت شدت سے تازہ ہو گیا تھا۔ ماضی اور ماضی کی یہ تکلیف دہ یادیں ان کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

روتے ہوئے اس وجود کی ہچکیوں میں آہستہ آہستہ کمی آتی گئی اور وہ اپنی ماں کی گود میں ہی سر رکھ کر آنکھیں موند گیا۔ ماں اور باپ کا ایک ایک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھامے جیسے ان کے کھو جانے کا خوف ہو۔ اسکی ماں اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتے اسے پر سکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اپنی آنکھوں سے آنسو بھی پونچھتی۔

کمرے میں موجود ان تین لوگوں کے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہوا تھا پر وہ سب ایک دوسرے کے دل کی حالت سے باخوبی واقف تھے۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج عرش، بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر میرب کے ساتھ اسکا بارات کا سوٹ خریدنے جا رہے تھے۔

ثمینہ جہانگیر اور بتول حیدر عرش کی گاڑی میں بیٹھی اسکا انتظار کر رہی تھیں۔

اس دن کے بعد سے میرب کی عرش سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ عرش نے رابطہ نہیں کیا تو اس نے بھی کوئی کال نہیں کی۔ جو بھی کانٹیکٹ تھا عرش کی طرف سے ہی تھی۔

مغرب کی اذان ہوئے آدھا گھنٹا بیت چکا تھا اور اس وقت باہر اندھیرا ہو چکا تھا۔ لان میں ہر طرف لائٹس لگی تھیں جو اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔ لان کے وسط میں بنے سفید سنگِ مرمر کے فوارے میں مختلف رنگوں کی لائٹس لگی تھیں جس کی وجہ سے پانی رات کے وقت بھی قوس قزاح کا منظر پیش کر رہا تھا۔

آف وائٹ کیپری پر پرنٹڈ شارٹ شرٹ پہنے میرب سیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔ بالوں کو ہمیشہ کی طرح پونی ٹیل میں باندھا تھا۔ سر پر سفید رنگ کی چادر اوڑھے وہ مصروف سے انداز میں فون دیکھ رہی تھی۔

"اچھا ڈیڈ اللہ حافظ" اس نے لاونج میں بیٹھے فاروق حیدر کو کہا جو غازی کے ساتھ بیٹھے کوئی اینیمیٹڈ مووی دیکھ رہے تھے۔

"خداحافظ بیٹا" انہوں نے بھی بلند آواز میں کہا۔ میرب نے فون سے چہرہ اٹھا کر ایک مسکراتی ہوئی نظر ان پر ڈالی اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ راہداری سے گزر کر اس نے اپنے فون کو آف کیا اور اس کو بیگ میں رکھتے مین دروازے سے باہر قدم رکھا۔

بیگ کی زپ بند کر کے جونہی دوسرا قدم اٹھایا سامنے سے آتے وجود کے ساتھ ایک زوردار ٹکر ہوئی۔

"آہ..." بیگ نیچے گر گیا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا توازن کھوتی عرش نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عرش کافی دیر سے گاڑی میں میرب کا انتظار کر رہا تھا اور اب تنگ آ کر اسے لینے آیا تھا جب وہ فون میں مصروف اچانک سے باہر آئی اور دونوں ٹکرا گئے۔

میرب نے پہلے اپنے کندھے پر موجود مضبوط ہاتھوں کو دیکھا اور پھر سامنے موجود شخص کو۔

اس نے جھجک کر دو قدم پیچھے کی جانب لیے پر عرش کے ہاتھ اب بھی اس کے کندھے پر تھے۔

اس نے ذرا حیرت سے اسکی طرف دیکھا اور اپنے کندھے سے اسکے بازو جھٹکنے چاہے پر اسکی گرفت مضبوط تھی۔

"عرش چھوڑیں" ناجانے وہ کیسا لمحہ تھا پر میرب کو عرش سے ایک دم کے لیے خوف آیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسکے تاثرات معمول سے ہٹ کر تھے۔ان آنکھوں سے میرب ناواقف تھی۔

میرب کے کہنے پر اس نے اپنا ہاتھ ہٹانے کی بجائے اسے کھینچ کر اپنے قریب کیا۔

میرب کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

یہ تو وہ عرش نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔یہ تو کوئی اور تھا، کوئی اجنبی۔ایک مکمل انجان شخص۔

اس نے اپنی پوری قوت لگا کر اسے پیچھے کی طرف دکھیلا۔عرش کی گرفت ایک لمحے کے لیے کمزور ہوئی میرب اسی لمحے کا فائدہ اٹھاتے فوراً وہاں سے بھاگی۔

بیگ وہیں زمین پر پڑا تھا۔

عرش نے ایک مسکراتی نظر گاڑی کی طرف بھاگتی میرب پر ڈالی۔جھک کر اسکا بیگ اٹھایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

میرب نے فوراً سے دروازہ کھولا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔اسکا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر پسینہ کے قطرے نظر آرہے تھے۔

"کیا ہوا میرب بیٹا" بتول حیدر نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کچھ نہیں ماما بس بھاگ کر آئی تھی تو.."ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔اس کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر سے تیز ہو گئی۔

"میرب تم اپنا بیگ اندر چھوڑ آئی تھی"عرش نے اسکا بیگ اسکی طرف بڑھایا۔میرب نے آہستگی سے بیگ پکڑ لیا۔

"یہ لو بیٹا پانی پی لو"ثمینہ جہانگیر جو عرش کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھیں انہوں نے اس کی طرف پانی کی بوتل بڑھائی۔

میرب نے بوتل کھول کر فوراً منہ سے لگالی۔عرش گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

اس نے چور نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا۔

"تو وہ سب کیا تھا..."اس نے حیرت سے سوچا۔

وہ کیوں عرش کو لے کر اتنے غلط واہموں کا شکار ہو رہی تھی۔کیا حقیقت وہی تھی جو وہ سوچ رہی تھی یا یہ بس اسکے دماغ کا فتور ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں، وہ دھوکا کھانے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ نظروں کو پڑھنا جانتی تھی۔

میرب حیدر کو آج بہت شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

****

"اب کیا ہو گیا تمہیں" ناول کی دیوانی ذینب حمدان نے لائبریری سے رینٹ پر لیے گئے ناول کو ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کچھ نہیں" زائشہ نے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنی تھوڑی ٹکائی۔ یہ ان کا فری پیریڈ تھا اور وہ دونوں لائبریری کے دروازے کے بائیں طرف بنی سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں۔

"تم پڑھو ناول میں آئی" زائشہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"کہاں جا رہی ہو"

"کمپیوٹر لیب"

"کیوں"

"آ کر بتاؤں گی" زائشہ آگے بڑھ گئی تو زینب بھی کندھے اچکا کر ناول پڑھنے لگی۔

زینب حمدان کی دنیا ناولز سے شروع ہو کر ناولز پر ختم ہوتی تھی۔ فلاں ہیرو کس ناول میں تھا، ہیرو نے ہیروئن کو کس طرح پرپوز کیا، ان کی شادی کیسے ہوئی، کتنے بچے ہوئے، کون سے ناول میں ہیرو ہیروئن بچھڑ گیے، کس ناول میں ہیرو مرا.... اس کے پاس ساری معلومات ہوتی تھی۔

بلاشبہ وہ ناولز کا چلتا پھرتا انسائکلوپیڈیا تھی۔

کمپیوٹر لیب میں دیوار کے ساتھ چاروں طرف کمپیوٹرز پڑے تھے اور ان کے سامنے کرسیاں رکھی تھیں۔

لیب میں کچھ کرسیوں کو گول جوڑ کر لڑکیاں گروپس کی صورت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ سب یقیناً کلاس بنک کرنے کے بعد یہاں بیٹھی تھیں۔

زائشہ کونے میں رکھے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی پشت نے کمپیوٹر سکرین کو چھپا دیا تھا۔ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کمپیوٹر پر کیا کام کر رہی ہے۔

اپنی مطلوبہ فائل کو کھول کر اس نے کی بورڈ پر انگلیوں کو حرکت دی۔

"خواب اور ان کی حقیقت" گوگل کے سرچ بار میں لکھے اس جملے سے متعلق تمام تفصیلات اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔

"اف اتنی ویب سائٹس" اس نے جھنجھلاتے ہوئے سکرین پر نظر آتی ڈھیروں ویب سائٹس کو دیکھا۔

اس نے سب سے اوپری ویب سائٹ پر کلک کیا۔

"خواب کی حقیقت اور اسکے احکام" اس کی گہری آنکھیں سکرین پر نظر آتے لفظوں کو ذہن تک پہچانے کا کام باخوبی انجام دے رہی تھی۔

"انسان کبھی نیند کی حالت میں بہت سی ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو وہ بیداری اور جاگنے کی کیفیت میں نہیں دیکھ سکتا۔عام الفاظ میں اسکو خواب کا نام دیا جاتا ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک ہے"

خواب کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم نفس کا خیال ہے، یعنی انسان دن بھر کن کاموں میں مصروف رہتا ہے، کیا سوچتا ہے، اس کے دل و دماغ پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہی رات میں اسے خواب کی شکل میں دکھائی دیتی ہیں

دوسری قسم ڈراؤنے خواب ہیں۔ یہ قسم دراصل شیطانی اثرات کا پرتو ہوتا ہے۔ نیند کی حالت میں بھی وہ انسان کو چین نہیں لینے دیتا اور اسے گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

تیسری قسم خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بشارت ہوتی ہے جو وہ اپنے نیک بندوں کو دیتا ہے" زائشہ ایک دم پر جوش ہو کر آگے بڑھ کر بیٹھ گئی۔ شاید سوال کا جواب ملنے والا تھا۔

"اللہ بطور اشارات و علامات ان چیزوں کو مشکل کر کے دکھاتا ہے جو آئیندہ وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہے یا اس کا تعلق مومن کی قلبی طمانیت سے ہوتا ہے۔

خواب کے سچ ہونے کا انحصار ایک اور چیز پر بھی ہے اور وہ انسان کا متقی اور پرہیز گار ہونا۔ یہ اس کی سچائی اور جھوٹ پر منحصر ہے یعنی خواب کا اثر انکی نیکی اور بدی پر دلالت کرتا ہے

خوابوں کا تعلق ہمارے لاشعور سے ہوتا ہے۔ شعور اور لاشعور دو مختلف کیفیات ہیں۔

لاشعور شعور سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہمارے خوابوں کا سارا کنڑولڈ سسٹم ہمارے لاشعور میں ہوتا ہے۔ جس طرح ہم خواب میں اکثر اوقات گزرے ہوئے ان لمحات کو دیکھتے ہیں جو کبھی نا کبھی ہماری زندگی میں وقوع پذیر ہوئے ہوتے ہیں، وہ ہمارے لاشعور میں محفوظ ہوتے ہیں۔

ہمارے لاشعور میں ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے پر ان کو جذبات کی بنا پر مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دس سال پہلے ہوا وہ واقعہ جس سے ہم بہت خوش یا بہت اداس ہوئے تھے ہمارے لاشعور میں زیادہ واضح ہوگا بجائے اس دومنٹ کی بات کہ جو چند مہینوں پہلے ہماری کسی

اجنبی سے ہوئی تھی" اس نے ویب سائٹ کو ذرا نیچے سکرول کیا اور پھر کرتی گئی

"اف اتنا لمبا کون پڑھے" بیزاریت سے کمپیوٹر بند کیا اور باہر آگئی۔

اگلی کلاس کا وقت ہونے والا تھا۔لیب میں ابھی بھی لڑکیاں گروپس بنائے گپیں ہانک رہی تھیں۔

ایک سوال کا جواب ڈھونڈنے گئی تھی اور اس سے دس گناہ زیادہ سوال لے کر لوٹی تھی۔ ذہن مزید الجھ گیا تھا۔

اس نے ایک لمبا سانس لے کر خود کو پر سکون کیا۔

آسمان کی طرف دیکھا۔سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

ایک نظر گراونڈ میں لگے درختوں کی چھاؤں میں بیٹھی لڑکیوں پر ڈالی۔

"ان لوگوں کی زندگی کتنی پر سکون ہے۔کوئی فکر نہیں، مستقبل کی کوئی ٹینشن نہیں۔میری زندگی ہی اتنی الجھی ہوئی کیوں ہے۔نا کوئی مقصد ہے اور نا ہی مستقبل کا کوئی لائحہ عمل۔

کیاانسان دنیامیں صرف اس لیے آتاہے کہ ساری زندگی روٹی کپڑے کے پیچھے بھاگتے رہےاور پھرایک دن مر جائے۔یہ سب کام توجانور بھی کرتے ہیں۔ہم میں اوران میں فرق ہے،بہت زیادہ فرق ہے۔

میری زندگی کاکیامقصد ہے؟نہیں بلکہ انسان کی تخلیق کاکیامقصد ہے؟"اورزائشہ مرادکے کھوجی زہن کوایک اور سوال مل گیاتھا۔اس نئے سوال نے چند لمحوں کے لیےپرانے سوال کوزہن سے محو کردیاتھا۔

اب چند ہفتوں کے لیےاس نے خوابوں کو چھوڑکر مقصدحیات کے پیچھے بھاگناتھا۔

وہ زائشہ مرادتھی،ایک پہیلی۔اور پہیلیاں آسان نہیں ہوتی جب تک کوئی سلجھانے والانا ہو۔

****

عرش نے لاہور کے ایک عالیشان ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑی روکی۔ایک نظر کلائی میں بندھی گھڑی پر ڈالی۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔وہ ابھی سب کو شاپنگ کروا کر گھر ڈراپ کر کے آیا تھا۔

بلیک مرسیڈیز کو پارکنگ ایریا میں پارک کر کے وہ اپنی شاندار اور جاذب پرسنالٹی لیے ہوٹل کی طرف بڑھا۔

ہوٹل کی اینٹرنس سے گزرنے کے بعد وہ ہال میں داخل ہوا۔پورے ہال میں ٹیبلز لگی تھیں۔

رات کا وقت ہونے کی وجہ سے ہوٹل تقریباً فل تھا۔ویٹرز پھرتی سے ادھر ادھر آجا رہے تھے۔

اس نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھا۔چند میزوں کے فاصلے پر اسے وہ نظر آ گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وائٹ سلیو لیس شارٹ شرٹ کے ساتھ وائٹ ہی ٹراؤزر پہنے وہ عرش پر نظریں جمائے اپنے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی۔

عرش اس کے سامنے کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

"بولو" اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولا جیسے جتانا چاہ رہا ہو کہ وہ اس کے لیے اپنا بہت ضروری کام چھوڑ کر آیا ہے۔

"تم نے کہا تھا تم اپنے پیرنٹس کو میرے گھر بھیجو گے لیکن اب تم اس میرب کے ساتھ رشتہ بنانے جا رہے ہو" انشراح ارد گرد کا لحاظ کرتے آہستہ آواز میں بول رہی تھی ورنہ اس کے تاثرات اس کی آواز کے بالکل مترادف تھے۔

"اوہ پلیز انشراح میرے پاس اس فضول ٹاپک پر بات کرنے کے لیے ٹائم نہیں ہے۔ ہم بات کر چکے ہیں اس بارے میں" عرش نے جھنجھلاتے ہوئے کہا اور ویٹر کو اشارہ کیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو وہ سب کیا تھا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا۔ تم تب سے میرے ساتھ ٹائم پاس کر رہے تھے" ویٹر کے جاتے ہی وہ غصے سے بولی "دو سال.... دو سال کا ریلیشن تھا ہمارا۔ کوئی مذاق نہیں تھا" دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کا وی بنا کر اس نے اشارہ کیا۔

عرش صرف سر جھٹک کر رہ گیا۔

"عرش مجھے جواب چاہیے" ایک دم سے عرش سیدھا ہوا۔ ٹیبل پر آگے کی جانب جھکا۔

"تمہیں جواب چاہیے" اپنی نظریں انشراح کی آنکھوں پر گاڑے وہ بولا۔ انشراح نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آؤ میرے ساتھ" اس نے والٹ سے کچھ نوٹ نکال کر ٹیبل پر رکھے۔ یہ اس کافی کے پیسے تھے جو اس نے کچھ دیر پہلے آرڈر کی تھی اور اسے باہر آنے کا اشارہ کرتا آگے بڑھ گیا۔

انشراح نے بھی اپنا بیگ اٹھایا اور اسکے پیچھے آئی۔

وہ پارکنگ ایریا میں آکر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔وہ بھی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

عرش نے اپنی پینٹ کی جیب سے اپنا قیمتی فون نکالا۔انگلیوں کو اس پر حرکت دیتے اس نے کچھ دیر کے بعد سکرین اس کے سامنے کی۔

وہ تصویریں کا ایک سلائیڈ شو تھا۔ایک کے بعد ایک تصویر آ اور جا رہی تھی۔

انشراح ہونقوں کی طرح ان تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ.... یہ سب کیا ہے؟"انشراح کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔آنسو چہرے پر پھسل گئے۔

"یہ وہ سب لڑکیاں ہیں جن کے ساتھ میں ریلیشن میں رہا تھا۔ہر لڑکی کے ساتھ تقریباً میرا تین چار سال کا ریلیشن رہا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ

میری اتیج بہت زیادہ ہے" اس نے ایک قہقہہ لگایا جیسے یہ بات بتانا اس کے لیے بہت ضروری ہو

"اس کا مطلب یہ کہ میں ایک وقت میں تقریباً تین یا چار لڑکیوں کے ساتھ ریلیشن میں تھا۔ میں نے ان سب سے شادی کے وعدے کیے ہیں اور اگر سب سے ہی کر لوں تو نا جانے میری کتنی بیویاں ہوں" اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

سامنے بیٹھی انشراح کو اس کے الفاظ پگلا ہوا سیسہ محسوس ہو رہے تھے جو وہ مسلسل اس کے کانوں میں ڈال رہا تھا۔

"تم مجھ سے محبت کرتے تھے" ایک امید کے تحت اس نے کہا کہ شاید اسے اس کی حالت پر ترس آ جائے۔

"او کمون انشراح محبت اور میں... ہونہہ..... کبھی بھی نہیں۔ محبت تو شاید میں اپنی بیوی سے بھی نا کروں تم کیا ہو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اینڈیو نووٹ تم جیسی لڑکیاں صرف ٹائم پاس کے لیے ہوتی ہیں۔شادی کے لیے نہیں، شادی تو کسی گھریلو بیوقوف سی لڑکی سے کرنی چاہیے۔اور خوش قسمتی سے مجھے جیسی لڑکی کی تلاش تھی وہ مجھے مل گئی ہے" وہ اپنے لفظوں سے اس کی ذات کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔

"میرے ساتھ تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا پر مجھے ترس آرہا ہے اس لڑکی پر جو تمہاری زندگی میں آنے والے ہے" اس نے نخوت سے بولا اور چہرے سے آنسو پونچھے۔

بس بہت رولیا، بہت گڑ گڑالیا۔اب وہ اس بے حس انسان کے سامنے نہیں روئے گی جس کی نظر میں اس کی اوقات دو کوڑی کی بھی نہیں تھی۔

وہ انشراح ملک تھی۔ملک کے ایک جانے مانے سیاستدان ہارون رشید ملک کی اکلوتی بیٹی۔وہ ایک اشارہ کرتی اور لڑکوں کی لائن لگ جاتی۔ہر کوئی اس کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب رہتا تھا پر اس نے شکست کھائی بھی تو کس کے ہاتھوں، جس نے اس کی قدر ہی نہیں کی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"وہ میرا اور اسکا معاملہ ہے۔اور ویسے بھی وہ صبر وشکر کرنے والی لڑکی ہے۔ہر حال میں خوش رہ لے گی" عرش نے لاپرواہی سے کہا۔کار کا شیشہ نیچے کیا اور ڈیش بورڈ سے سیگریٹ کی ڈبی اٹھائی۔

"جو بھی ہو عرش جہانگیر پر محبت میں شراکت کوئی بھی برداشت نہیں کرتا" یہ الفاظ انشراح نے جس قدر مشکل سے ادا کیے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی۔

"جب تک انسان کو معلوم نا ہو کہ اسکی محبت میں شراکت آچکی ہے۔اور میری شادی ویسے بھی اس شہر کی بیوقوف ترین لڑکی سے ہونے والی ہے جو سب سے زیادہ میری بات پر یقین کرتی ہے.....تو مجھے اس بات کی پرواہ نہیں" عرش نے کندھے اچکا کر کہا جیسے یہ بات اس کی نظر میں ایک فضول سی چیز ہو۔

"تم پچھتاؤ گے عرش" عرش نے ناگواریت سے پہلو بدلا

"ہو گیا تمہارا اب نکلو" ہاتھ سے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کا لمبا کش لے کر کھڑکی سے باہر پھینکا۔

انشراح نے آنکھ بھر کر اپنے سامنے بیٹھے اس بے حس انسان کو دیکھا اور کار سے اتر گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

پاؤں بستر سے نیچے لٹکائے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔اس کا خیال بھٹک بھٹک کر اس واقعے کی جانب جا رہا تھا جو آج ہی اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے کندھوں کو چھوا۔عرش کے ہاتھوں کی گرفت اسے ابھی تک اپنے کندھوں پر محسوس ہو رہی تھی۔

"میرا دل مجھے کیوں غلط اندیشوں کی طرف دھکیل رہا ہے۔یہ شیطان کا بہکاوا ہے یا حقیقت۔نہیں... حقیقت اتنی تلخ نہیں ہو سکتی۔مجھے اپنے رب پر پورا یقین ہے"اس نے مسکراتے ہوئے چھت کی طرف دیکھا۔

"ہے نا اللہ پاک۔عرش ایک نیک دل انسان ہیں۔وہ کبھی بھی ایسے نہیں ہو سکتے جیسا میں سوچ رہی ہوں۔ہو سکتا ہے مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی وہ بھی تو مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے"وہ یوں باتیں کر رہی تھی جیسے کوئی اس کے سامنے موجود ہو۔

"ویسے کتنا خوبصورت ڈریس ہے نا نکاح کا۔ عرش کی چوائس واقعی بہت زبردست ہے۔ میں جاتی تو ضرور کوئی لائٹ کلر ہی پسند کرتی" میرب حیدر کو بچپن سے ہی عادت تھی ہر بات اللہ سے شئیر کرنے کی۔ وہ گھنٹوں بیٹھ کر اپنے رب سے بات کر سکتی تھی۔

وہ رب کی سنتی تھی تو رب کیسے نا اسکی سنتا۔ وہ رب کی مانتی تھی تو رب کیسے نا اس کی مانتا۔

وہ ایک معصوم سی صاف دل کی لڑکی تھی جس کی زندگی اپنے گھر والوں سے شروع ہو کر گھر والوں پر ختم ہوتی تھی۔ غازی میں اسکی جان تھی۔ وہ اسکا بھائی نہیں بیٹا تھا۔ وہ غازی کے معاملے میں اس قدر خود غرض ہو جاتی تھی کہ اپنے ماں باپ کی بھی نا سنتی۔

اور غازی کی بھی جان اپنی بہن میں تھی۔ اس نے ماں اور بہن دونوں کا پیار میرب سے لیا تھا۔

بتول حیدر تو اکثر ان دونوں سے کہتی تھیں کہ ان دونوں کو تو ماں باپ کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی تھے۔

اچانک فون کی رنگ ٹون پر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

واٹس ایپ پر کسی ان ناون نمبر سے میسج آیا تھا۔ اس نے نوٹیفیکیشن پر کلک کیا تو کچھ تصویریں تھیں یا شاید ویڈیوز.........لوڈنگ ہو رہی تھی۔

وہ کچھ حیران ہوئی۔ عرش کا نمبر کھول کر لاسٹ سین چیک کیا۔ دو گھنٹے پہلے کا تھا۔

"آج کال نہیں کی عرش نے" وہ سوچتے ہوئے واپس سے اس ان ناون نمبر پر آئی۔

تصویریں لوڈ ہو چکی تھیں۔ اس نے پہلی تصویر پر کلک کیا۔

ایک

دو

تین

تصویر مکمل طور پر لوڈ ہو کر اسکے سامنے تھی۔

تصویر میں جو تھا اسے دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔اسے اپنے دل کی دھڑکن سست ہوتی محسوس ہوئی۔پورے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

کانپتے ہاتھوں سے انگلیوں کی حرکت دی۔اگلی تصویر سامنے تھے۔

اس نے نظریں اٹھا کر اوپر سکرین کو دیکھا۔

اس نمبر سے اٹھائیس میسجز آئے تھے۔

مطلب اٹھائیس تصویریں یا ویڈیوز۔

اس کا دل ڈوبنا شروع ہو گیا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا" سر کو نفی میں ہلاتے اس نے فون آہستگی سے اپنے پاس بیڈ پر رکھا اور سر جھکا دیا۔

اس کا دماغ ماوف ہو رہا تھا۔ ہاتھوں کو مظبوطی سے بستر کے کنارے پر جما دیا تا کہ ان میں پیدا ہوتی لرزش کچھ کم ہو۔

وہ لمبے لمبے سانس لے کر خود کو پر سکون کرنے لگی۔

"نہیں مجھے وہ سب تصویریں دیکھنی ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی مزاق ہو" اچانک سے دل میں ایک امید کی کرن جاگی۔

پھرتی سے اپنے پاس پڑا فون اٹھایا۔

پر جیسے جیسے اگلی تصویر آ رہی تھی اس کا دل کانپ رہا تھا۔

تصویریں ختم ہو گئی۔ اس نے اٹھائیس کی اٹھائیس تصویریں دیکھ لیں۔

وہ یونہی بیٹھی رہی۔ ساکت و جامد، بے حس و حرکت۔

اسے دیکھنے پر کسی پتلے کا گمان ہو رہا تھا۔ جو نا سانس لیتا تھا اور نا ہی کوئی حرکت کرتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"زائشہ آپ کو میڈیم آفس میں بلا رہی ہیں" زائشہ اپنی کلاس میں بیٹھی بچوں سے آج پڑھائے جانے والے ٹاپک کے متعلق سوالات پوچھ رہی تھی جب شازیہ شاہ کی سیکرٹری نے آکر اسے اطلاع دی۔

اس نے بچوں کو خاموش رہنے کا کہا اور خود میڈیم کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو کل آجائے گا وہ" دروازے کھولنے سے پہلے شازیہ شاہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔اس نے کمرے میں موجود افراد پر نظر ڈالی۔

شازیہ شاہ اپنی کرسی پر بیٹھی تھیں اور ارسل ان کے سامنے بیٹھا موبائل استعمال کر رہا تھا۔اسے آتا دیکھ کر مسکرا کر فون دوسری طرف رکھ دیا۔

"یہ اکیلا یہاں پر۔اسکا دوست کہاں ہے۔ویسے تو کبھی ایک دوسرے کی جان نہیں چھوڑتے" وہ سوچ ہی رہی تھی جب شازیہ بیگم کے بلانے پر ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"زائشہ اکیڈمی میں ہونے والے ٹیسٹ کا رزلٹ آگیا ہے۔اور اب ہمیشہ کی طرح ہمیں ان بچوں کو اکٹھا کرنا ہے جن کے مارکس اچھے ہیں تاکہ ان پر زیادہ توجہ دی جاسکے۔کلاس میں جن جن بچوں کو انرول کیا جانا ہے۔ان کی لسٹ بنالی گئی۔کل پچاس بچے ہیں۔ تیس لڑکیاں اور بیس لڑکے۔اور میں چاہتی ہوں کہ آپ ان سٹوڈنٹس کو اسلامیات اور اردو پڑھائیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ غور سے شازیہ شاہ کی بات سن رہی تھی۔ان کی بات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی

"میم میں اپنے کالج کے کام کے لیے بھی بہت مشکل سے وقت نکال پاتی ہوں۔ایکسٹرا کلاسز دینا میرے لیے مشکل ہو جائے گا"شازیہ شاہ نے اس کی بات سن کر سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

انہوں نے ارسل کی طرف دیکھا جو ان کا اشارہ سمجھ کر کمرے سے نکل گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"دیکھو زائشہ میں جانتی ہوں یہ تمہارے لیے مشکل ہو گا پر اکیڈمی اور بھی بہت سے قابل ٹیچرز موجود ہیں۔پر میں نے تمہیں صرف اسی لیے چنا کیونکہ میں تمہارے مالی حالات سے آگاہ ہوں۔ان کلاسز کے لیے تمہیں الگ سے تنخواہ دی جائے گی اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم یہ کام بہت خوش اسلوبی سے کرو گی"ان کی بات سن کر زائشہ کچھ تذبذب کا شکار ہو گئی۔

شازیہ شاہ کا موقف بھی ٹھیک تھا۔اسے واقعی پیسوں کی ضرورت تھی۔اکیڈمی میں اتنے قابل اور تعلیم یافتہ ٹیچرز ہونے کے باوجود بھی انہوں نے اس کا انتخاب کیا تھا اسی لیے اب وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"پر میم بہت لیٹ ہو جائے گا" اس نے پریشانی سے کہا۔

"اس کی آپ فکر مت کریں۔آپ کو پک اینڈ ڈراپ میں خود دے دیا کروں گی" انہوں نے اس کی پریشانی چٹکیوں میں حل کر دی۔

زائشہ کے پاس انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا تھا اسی لیے وہ مان گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اب ہمارا رشتہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے مس زائشہ مراد" وہ جیسے ہی میڈیم کے آفس سے باہر نکلی ارسل کی مسکراتی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

اس کے چہرے کے تاثرات یوں ہو گئے جیسے کڑوا کریلا چبا لیا ہو۔

"کیا مطلب ہے آپ کی اس بات کا" وہ چل کر اب بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اسی لیے زائشہ نے اسے مخاطب کرنا ضروری سمجھا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کلاس کو آپ اسلامیات اور اردو پڑھانے والی ہیں اسی کلاس کو میں اور دیان فزکس اور میتھ پڑھا رہے ہیں" اس نے اپنی طرف سے زائشہ کو بہت بڑی خبر سے آگاہ کیا تھا پر زائشہ کے تاثرات ایسے تھے جیسے کہہ رہی ہو (تو میں کیا کروں)

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی یہ خبر سن کر" اس کے چہرے پر اس قدر حیرانی تھی جیسے زائشہ نے کوئی گناہ عظیم کر دیا ہو۔

زائشہ نے جھنجھلاتے ہوئے ایک لمبا سانس لیا اور بولی

"دیکھو مسٹر ارسل پہلی بات میں تمہاری خالہ کی بیٹی نہیں جو تم بار بار مجھ سے یوں مخاطب ہوتے ہو۔ دوسری بات مجھ سے یوں بے تکلف مت ہوا کرو اور تیسری اور سب سے ضروری بات آئیندہ میرے سامنے آ کر کوئی ایسی فضول بکواس کی تو میں تمہارا بالکل لحاظ نہیں کروں گی" وہ انگلی اٹھائے

اسے وارن کر رہی تھی اور ارسل تو خود کی طرف اٹھی اس کی انگلی دیکھ کر ہی حیران رہ گیا تھا۔

وہ اپنی بات مکمل کر کے جا چکی تھی پر ارسل ابھی تک صدمے کی کیفیت میں کھڑا تھا۔

"لعنت ہے تجھ پر ارسل۔ایک لڑکی تجھے زلیل کر کے چلی گئی پر مس زائشہ ارسل شاہ بھی باز آنے والوں میں سے نہیں "اس نے مسکراتے ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"شکر ہے دیان نہیں ہے ورنہ تو اسے مجھے زلیل کرنے کے لیے ایک اور ٹاپک مل جاتا۔کسی نے دیکھا تو نہیں نا..."احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی موجود تو نہیں اور پھر تسلی کرتا سیٹی پر دھن بجاتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اسے ابھی دیان سے ملنے جانا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

خوبصورتی سے سجا عالیشان کمرہ اس وقت اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔دیوار گیر کھڑکی کے سامنے پردے گرے تھے۔پورے کمرے میں روشنی کی غرض سے ایک بتی بھی روشن نہیں کی گئی تھی۔

دروازے پر ہونے والی دستک سے اچانک کمرے کی خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا۔

پہلی دستک کافی تہذیب یافتہ تھی پر دوسری دستک کے بعد گمان ہو رہا تھا جیسے مقابل دروازہ توڑنے کے درپے ہے۔

بستر میں دبکا شخص یقیناً کان بند کیے لیٹا تھا ورنہ اس خطرناک قسم کی دستک پر مردے بھی اپنی قبر سے اٹھ کر باہر آجاتے۔

لیکن باہر کھڑا شخص شاید دنیا کا ڈھیٹ ترین شخص واقع ہوا تھا۔

بستر میں لیٹا وجود جھماکے سے اٹھا۔ خود پر اوڑھا کمبل اٹھا کر دور پھینکا اور جارحانہ انداز سے دروازے کی طرف بڑھا۔

ٹھاہ کی آواز سے دروازہ کھلا اور ایک زوردار مکہ ارسل کے منہ پر پڑا۔ وہ اچھل کر ایک طرف گرا۔

دیان اسے مار کر مطمئن انداز میں واپس کمرے میں آگیا جبکہ ارسل اپنا گال سہلاتا ہوا کمرے میں آیا۔

ارسل اپنا نچلا جبڑا پکڑے اسے ادھر اُدھر کر رہا تھا۔

"بس کر دے نہیں ٹوٹا تیرا جبڑا" دیان نے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک گھونٹ بھرا۔

"تیرا کب تک ارادہ ہے اس کمرے میں محصور رہنے کا" ارسل مطمئن انداز سے دیان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان نے اسکی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور پانی کا خالی گلاس واپس میز پر رکھ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

"تجھ سے کچھ پوچھا ہے میں نے" دیان کو لیٹتا دیکھ کر ارسل کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"جب تک میرا دل چاہے گا"

"اور تیرا یہ دل کب تک چاہے گا"

دیان نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چھت کو دیکھتا رہا۔ کمرے میں آتے ہی ارسل نے لائٹس آن کر دی تھیں جس کی وجہ سے کمرے پر چھایا اندھیرا غائب ہو گیا تھا۔

"دیان کب تک چلے گا ایسا" ارسل پریشانی سے بولا۔

"جب تک میں مر نہیں جاتا" دیان کے چہرے پر پل میں اجنبیت در آئی تھی۔ ایک تکلیف کا تاثر اس کے چہرے پر ابھر کر معدوم ہوا تھا۔

"بھول جا نا دیان" ارسل کے لہجے میں بے بسی تھی۔

Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں بھول سکتا" وہ اٹھا اور دیوار گیر کھڑکی کے پاس آکر پردے ہٹائے۔

باہر آسمان پر چاند اپنی چاندنی ہر سو بکھرے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ شیشے کی کھڑکی کے اس پار بالکونی تھی۔ دیان نے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔

آسمان پر نظریں ٹکائے وہ بالکونی میں رکھی کرسیوں پر جا کر بیٹھ گیا۔

ارسل اس کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

"ارسل ایک بات پوچھوں" وہ چاند پر نظریں جمائے بولا۔

ارسل نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے بولنے پر اکسایا۔

"زندگی اتنی مشکل کیوں ہے یار؟" اس نے براہ راست ارسل کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"صبر کرو دیان تمہیں...." ابھی ارسل کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا جب وہ چلا اٹھا۔

"صبر، صبر، صبر... تنگ آ گیا ہوں میں اس ایک لفظ کو سن سن کر۔ کتنا صبر کروں میں۔ ہاں... کتنا صبر کروں" وہ چلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرا دل دکھتا ہے یار۔وہ منظر....وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے سے جاتا ہی نہیں۔اس ایک منظر نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی میرے جسم کو خنجروں سے زخمی کر رہا ہو" وہ چلاتے ہوئے ہانپنا شروع ہو گیا تو بالکنی پر لگی ریلنگ پر ہاتھ جما کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

ارسل فوراً سے اس کے پاس آیا۔

"دیان پر سکون ہو جاو۔تم اپنی طبیعت خراب کر لو گے"

"ہونہہ..کچھ نہیں ہوتا۔بہت ڈھیٹ ہڈی سے بنا ہو۔"وہ نخوت سے بولتا ارسل کا ہاتھ جھٹک گیا۔

ارسل بے بسی کی تصویر بنا اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

"کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں خودکشی کر لوں۔کسی طرح ان سوچوں سے تو چھٹکارا ملے پر پھر اپنے ماں باپ کا سوچ کر خود کو روک دیتا ہوں۔ان کے پاس بھی تو جینے کی واحد وجہ میں ہوں جیسے میرے پاس وہ ہیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارسل یہ تکلیف دہ یادیں ہمارے ذہن سے مٹ کیوں نہیں جاتی۔ میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے اس نے ابھی تک کوئی ایسی دوا دریافت کیوں نہیں کی جسے کھا کر ہم ان سوچوں، ان خیالوں سے چھٹکارا حاصل کر لیں" وہ شدید قرب کی کیفیت میں بول رہا تھا جس کا اندازہ اس کی آواز سے باخوبی ہو رہا تھا۔ ارسل نے کندھے سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی طرف کیا اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"میں سونا چاہتا ہوں یار پر نیند نہیں آتی۔ دوائیوں کے زیر اثر بھی مشکل سے دو یا تین گھنٹے سو پاتا ہوں۔

میں سکون چاہتا ہوں پر مجھے سکون نہیں ملتا۔ میرے دل میں ایک آگ لگی ہے جو بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ یہ مجھے جلا رہی ہے، مجھے راکھ کر رہی ہے۔ میں ان سب سے چھٹکارا چاہتا ہوں، مجھے ان سب سے چھٹکارا دلا دو یار" وہ سرگوشی کے سے انداز میں ارسل کے گلے لگے بول رہا تھا۔ ارسل خاموشی سے اسکی کمر سہلا کر اسے پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان حیدر کی زندگی کا ایک اور تکلیف دہ دن اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا۔

تکلیفوں کی آگ میں جلتے جلتے وہ شخص کوئلہ بن گیا تھا پر ہیرا ابھی کوئلہ کی کان سے ہی دریافت ہوتا ہے۔

وہ جل رہا تھا اور کندن بننے کے لیے جلنا شرط ہے۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ دیان حیدر کی زندگی میں آزمائش کا یہ دورانیہ اور کتنا لمبا ہونا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"عرش صاحب آپ کو حامد صاحب نیچے اپنی سٹڈی میں بلا رہے ہیں" عرش ابھی ہاتھ لے کر واشروم سے نکلا تھا جب ملازم نے اسے حامد جہانگیر کے بلانے کی اطلاع دی۔

تولیے سے گیلے بالوں کو خشک کر کے اس نے ٹراؤزر پر بلیک سلیو لیس بنیان پہنی اور بالوں میں ہاتھ پھیرتا باہر آ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"گڈ مارننگ مام" ثمینہ جہانگیر کچن کے دروازے پر کھڑی ملازمہ سے بات کر رہی تھی جب عرش کی آواز پر بے اختیار مڑی۔

"گڈ مارننگ مام کی جان" انہوں نے اسکا ماتھا چومتے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی نظر اتاری۔

بلیک سلیولیس بنیان سے اسکے کسرتی بازو نمایاں ہو رہے تھے، گیلے بال پیشانی سے چپکے ہوئے تھے، تازہ بنی ہوئی شیو، وہ فریش اور نکھرا نکھرا سا بہت خوبرو لگ رہا تھا۔

"آپ کے شوہر نامدار کے حضور پیشی آئی ہے۔ دعا کیجیے گا کوئی سخت سزا نا سنا دیں" وہ شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے بولا تو ثمینہ جہانگیر ہنس دی۔

"شرم کرو میرے شوہر نامدار تمہارے بھی کچھ لگتے ہیں" انہوں نے اس کے بازو پر ایک چپت رسید کی تو وہ بھی ڈھیٹوں کی طرح قہقہہ لگا اٹھا۔

"جاؤ انتظار کر رہے ہیں تمہارا" ثمینہ جہانگیر کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔

"گڈ مارننگ ڈیڈ" دروازہ کھولتے ہی اس نے سٹڈی ٹیبل پر بیٹھے حامد جہانگیر کو دیکھ کر کہا۔

حامد جہانگیر نے اس کی آواز سن کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی عینک اتار کر ٹیبل پر رکھی۔

عرش ان کے سامنے پڑے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گیا۔ بائیاں بازو صوفے کی پشت پر پھیلا دیا اور دائیں پاؤں کو جھلانے لگا۔

حامد جہانگیر چند پل سنجیدگی سے اسے دیکھتے رہے اور پھر سٹڈی ٹیبل سے ایک فائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔

عرش نے دائیاں ہاتھ سامنے کر کے اس فائل کو پکڑا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

جوں جوں وہ فائل کو پڑھ رہا تھا اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھل رہے تھے۔ جبکہ حامد جہانگیر کے تاثرات اس کے بالکل برعکس تھے۔

فائل کا آخری صفحہ پلٹتے اس نے وہ اپنے پاس صوفے پر رکھ دی اور اپنے پرانے انداز میں بیٹھ گیا۔

ہونٹوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔

"کیا کہنا چاہو گے تم اس بارے میں" حامد جہانگیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ویل...... آئی ایم کوائٹ امپریسڈ" وہ مسکراتے ہوئے اپنے خیالات اپنے باپ کو گوش گزار کر رہا تھا۔

"آج آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ میرے ہی باپ ہیں"

"تمہیں اندازہ ہے تم نے کتنا بڑا بلنڈر کر دیا ہے اور تم دھڑلے سے واپس آ کر مجھ سے کہہ رہے ہو کہ دوست کو پیسوں کی ضرورت تھی" حامد جہانگیر ایک دم غصے سے چلا اٹھے۔

"ریلیکس ڈیڈ آپ تو ایسے رئیکٹ کر رہے ہیں جیسے اس سے پہلے میں نے کچھ کیا نا ہو" وہ مطمئن انداز میں بولتا اٹھا اور کمرے میں بنی دیوار گیر کتابوں کی الماریوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"عرش تم نے دس کروڑ روپیہ جوے میں ہار دیا۔اگر فاروق کو اس بات کی ذراسی بھی بھنک پڑ گئی تو تمہیں اندازہ ہے وہ کیا کرے گا" حامد جہانگیر اس کے لاپرواہ انداز سے عاجز آ کر کرسی پر ڈھے گئے۔

"او کمون ڈیڈ انہیں کون بتائے گا۔آپ کا وہ پالتو کس دن کام آئے گا۔مجھے پورا یقین ہے آپ نے میرے کہنے کے باوجود اسے کہہ کر ہمیشہ کی طرح سارا ریکارڈ دودھ میں سے بال کی طرح صاف کروا دیا ہو گا"

عرش کی بات پر حامد جہانگیر ایک دم چلا اٹھے۔

"بکواس بند کرو اپنی۔کب تک میں تمہارا پھیلایا ہوا گند سمیٹتا رہوں گا. تم مجھے زندگی میں کوئی خوشی دو گے بھی یا نہیں" حامد جہانگیر کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

"ڈیڈ جب تک میں زندہ ہوں تب تک کے لیے تو آپ کو یہ سب برداشت کرنا ہو گا" عرش باپ کے غصے کی پرواہ کیے بغیر کندھے اچکا کر بولا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عرش لاپرواہی سے کہتا باہر نکل گیا لیکن آج حامد جہانگیر کو اپنی کوتاہی کا بہت شدت سے احساس ہوا تھا کہ انہوں نے عرش کی پہلی غلطی پر اسے لگام کیوں نہیں ڈالی تھی۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا خیال انہیں سرزد کر دینے کے بعد ہی کیوں آتا ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہمیں پہلے ہی الہام ہو جائے یا کوئی اشارہ مل جائے۔

پر پھر تو شاید ہر کوئی ہی فرشتہ ہوتا... گناہوں اور غلطیوں سے پاک۔ پر ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔ خطاؤں کے پتلے۔

غلطی ہر کوئی کرتا ہے اور پھر غلطی کا احساس بھی بہت سوں کو ہوتا ہے پر اس غلطی کو سدھارنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں اور اس غلطی سے سبق حاصل کرنے والے اس سے بھی کم۔

غلطیاں خطائیں ضروری ہیں۔ بعض اوقات جب رستے میں اندھیرا ہو تو ٹھوکر سامنے موجود رکاوٹ کا پتا دیتی ہے پر عقلمند وہی ہوتا ہے جو اس ٹھوکر سے سیکھ کر راستہ بدل لے۔

پر وقت گزرنے کے بعد یہ ٹھوکریں بھی کام نہیں آتی کیونکہ موقعے انہیں ہی دیے جاتے ہیں جو ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"مام میرب اپیا اٹھ نہیں رہی" غازی پریشانی سے کچن میں کام کرتی بتول حیدر کے پاس آیا جنہوں نے اسے میرب کو اٹھانے کے لیے بھیجا تھا۔

"کیا مطلب اٹھ نہیں رہی" بتول حیدر پریشانی سے کہتے تولیہ سے ہاتھ پونچھے اور میرب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"میرب میرب بچے کیا ہوا" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی دہلتے ہوئے میرب کی جانب بڑھی۔اس کا دایاں بازو بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔دوپٹہ ایک طرف پڑا تھا اور وہ ہوش و خرد سے بے گانہ بستر پر پڑی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چہرہ ناقابل بیان حد تک زرد ہو رہا تھا۔ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔

اے سی شاید ساری رات فل کولنگ پر چلتا رہا تھا جس وجہ سے اس وقت کمرے میں کافی ٹھنڈ ہو گئی تھی۔

"میرب بیٹا اٹھو... کیا ہوا" بتول حیدر نے اس کا سر تھام کر اپنی گود میں رکھا اور اس کا چہرہ تھپتھپایا۔

آنسو کی ایک لکیر اس کی آنکھ سے بہہ کر کنپٹی کی طرف جذب ہو گئی۔

بتول حیدر نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلاس میں جگ سے پانی انڈیلا اور اس کے چہرے پر پانی کے چند قطرے چھینکے۔غازی اپنی بہن کی ایسی حالت دیکھ کر رونا شروع کر چکا تھا۔

پانی کے قطرے چہرے پر پڑنے سے میرب کے ہونٹوں میں ذرا سی حرکت ہوئی پر پھر سے وہی نیم غنودگی۔

"غازی بیٹا جاؤ ڈیڈ کو بلاؤ"بتول حیدر نے اب غور کیا تھا کہ وہ تو بخار میں دہک رہی تھی۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسکے ماتھے پر رکھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے دہکتے ہوئے لوہے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

غازی فوراً سے نیچے بھاگ گیا۔

کچھ ثانیے بعد فاروق حیدر پینٹ کوٹ میں ملبوس میرب کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

"کیا ہوا میرب کو" وہ پریشانی سے آگے بڑھے۔

"فاروق دیکھیں یہ ہوش ہی نہیں کر رہی" فاروق حیدر کو آتا دیکھ اب بتول حیدر بھی رونا شروع ہو گئی تھی۔

میرب کے چہرے کی زرد رنگت انہیں پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فاروق حیدر نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نا آئی تو انہوں نے اسکی کلائی تھامی۔

نبض پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اس کے دھڑکنیں محسوس کی جو بہت دھیمے چل رہی تھی۔

"بتول ڈرائیور سے بولو گاڑی نکالے" انہوں نے میرب کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور بتول حیدر سے کہا۔

وہ روتے ہوئے نیچے کی جانب بھاگی تو فاروق حیدر بھی ان کے پیچھے آئے۔

غازی ایک طرف کھڑا سہمی ہوئی نظروں سے اپنی بہن کے بے جان وجود کو دیکھ رہا تھا۔

باہر آ کر فاروق حیدر نے میرب کو گاڑی کی بیک سیٹ پر ڈالا اور خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"ایک منٹ میں ذرا کام والی سے کہہ آؤں وہ غازی پاس رک جائے" بتول حیدر فوراً سے اندر بھاگی۔

"غازی...." انہوں نے اسے پکارا جو سیڑھیوں کے اوپر گم سم سا کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"غازی بیٹا میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔ خیال رکھنا اپنا" بتول حیدر نے جلدی میں کہا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی نے بھاگتے ہوئے ماں کو باہر جاتے دیکھا۔

ایک نظر خالی لاونج پر ڈالی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں آگیا۔

واشروم میں جا کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے وضو کیا اور کمرے میں آ کر قرآن پاک لے کر بیٹھ گیا۔

اس کی عمر نو سال تھی اور اس عمر میں ہی قرآن اور نماز پر مکمل عبور حاصل تھا۔اس بات کا کریڈٹ اگر کسی کو جاتا تھا تو وہ صرف میرب تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سورت یاسین کا صفحہ کھولتے اسے میرب کی ایک بات یاد آئی

"غازی یہ جو سورت یاسین ہے نا اسے قرآن کا دل کہا جاتا ہے۔ جس طرح انسان کے بہت سے راز اس کے دل میں چھپے ہوتے ہیں،اسی طرح اس سورت میں بھی بہت سے راز ہیں۔ ویسے تو سارا قرآن ہی ایک پہیلی ہے جسے صرف عقل والے سلجھا سکتے ہیں پر اس سورت کی اپنی ایک خاصیت ہے۔اس سورت کو ایک بار پڑھنے پر دس بار قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا

ہے۔جب بھی تمہیں کبھی کوئی مشکل پیش آئے اس سورت کو پڑھنا
تمہاری مشکل چٹکیوں میں حل ہو جائے گی"

پر غازی کو سورت یاسین سے زیادہ سورت ضحیٰ پسند تھی جس میں امید
تھی۔

جس میں اللہ واضح الفاظ میں آپ کو تسلی دیتا ہے، آپ کو یقین دلاتا ہے کہ
وہ آپ کے ساتھ ہے۔

پر میرب کی بات کو یاد کرتے اس نے سورت یاسین کی تلاوت شروع
کر دی۔

****

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ سنیں "زائشہ نے ابھی گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا جب ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ دروازے کی طرف جاتا ہاتھ ہوا میں ہی ساکت ہو گیا اور اس نے اپنے دائیں جانب موجود شخص کو دیکھا۔

جمیل ہاتھوں میں پھلوں کے شاپر تھامے کھڑا تھا۔

"یہ پھل میں آپ لوگوں کے لیے لایا تھا" زائشہ کے دیکھنے پر اس نے پھلوں کے شاپر اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ کس لیے" اس نے پوچھنے کے ساتھ ساتھ دروازے پر موجود کنڈی کو بجایا۔

"یہ میری چچا نے بھیجے ہیں۔ ان کے آم کا باغات ہیں۔ اتنے زیادہ آم میں اکیلے نہیں کھا سکتا تھا اسی لیے کچھ محلے میں بانٹ رہا ہوں" اس کی بات مکمل ہوتے ہی سیرت مراد نے دروازہ کھول دیا۔

زائشہ بنا اس کی بات کا جواب دیے اندر چلی گئی۔

اسے اپنے پیچھے ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جمیل اب سیرت مراد کو ان آموں کی تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

شاید سیرت مراد نے اسے اندر بلا لیا تھا۔

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پنکھا چلایا اور اپنے پلنگ پر پاؤں لٹکا کر لیٹ گئی۔

یہ جمیل نا جانے کیوں اسے شروع سے ہی ایک عجیب فطرت کا انسان لگتا تھا۔

"اسے میرا نام کیسے پتا چلا؟۔۔۔۔۔ضرور اماں نے بتایا ہو گا۔

ایک تو اماں بھی نا بس کوئی مل جائے ساری رام کہانی سنانے بیٹھ جاتی ہیں" اس نے پلنگ پر بیٹھ کر اپنی چادر اتاری اور کیچر میں بند بالوں کو کھول دیا۔

گولڈن براؤن بال کسی آبشار کی طرح اس کی کمر پر بکھر گئے۔ وہ بیٹھی ہوئی تھی پر اس کے بال پلنگ کی سطح کو چھو رہے تھے۔

وہ اٹھی ہوئی اور کمرے میں لگے شیشے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ برش اٹھا کر بالوں میں موجود ہلکی ہلکی الجھنوں کو سنوارا اور واپس جوڑا باندھ دیا۔

باہر سے ابھی تک جمیل اور اماں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

عشاء کی اذان ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ باقی تھا۔

اس نے اپنا کالج بیگ اٹھایا اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔

کتابیں نکال کر اپنے سامنے پھیلائیں اور پین پکڑ کر رجسٹر کھولا۔

کیمسٹری کے فارمولاز پر ایک نظر ڈالی تو ایک خیال اس کے زہن بجلی کی سی تیزی سے کوندا۔

اس نے فوراً رجسٹر ایک طرف رکھا اور پلنگ سے اتر گئی۔ پاوں میں جوتا پہن کر اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھا اور دروازے سے ذرا سی گردن نکال کر باہر جھانکا۔

جمیل چارپائی پر بیٹھا تھا لیکن زائشہ کے کمرے کی طرف اسکی پشت تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اف یہ جا کیوں نہیں رہا۔اماں بھی یقیناًاس کا شجرہ نصب پوچھ کر ہی اس کی جان چھوڑیں گی"اس نے کڑھتے ہوئے سوچا اور ایک نظر پھر سے باہر ڈالی۔

دوبٹہ سے بالوں کو اچھی طرح ڈھکا اور کچن کی سمت چل دی۔

کچن میں آکر پہلے تو گلاس بھر کر پانی کا پیا اور سب سے اوپری شلف پر رکھا ترجمہ والا قرآن لے کر باہر آگئی۔

اس قرآن میں صرف اردو ترجمہ تھا عربی نہیں اسی لیے وضو کرنا ضروری نہیں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ قرآن ذینب نے اسے اس کی سالگرہ پر ایک سال پہلے گفٹ کیا تھا۔اس میں ترجمہ کے ساتھ آیات کی اردو تفسیر بھی تھی۔

جس طرح وہ تیزی سے کمرے سے نکلی تھی اسی طرح واپس آگئی۔

پلنگ پر چڑھی،سرہانہ اپنی گود میں رکھا اور قرآن کو بیچ میں سے کھولا۔

وہ ایسے ہی قرآن کو کہیں سے بھی کھولتی اور سامنے آنے والی آیت کی تفسیر پڑھتی تھی۔

زینب کو اس کی یہ بات عجیب لگتی تھی پر یہ صرف زائشہ ہی جانتی تھی کہ کس طرح اسے قرآن میں اپنے سوالوں کے جواب ملتے تھے۔

وہ جب بھی کسی مشکل میں ہوتی وہ سچے دل سے اللہ کو یاد کر کے قرآن کھولتی اور اس کے سامنے کوئی نا کوئی ایسی آیت آجاتی جس سے یا تو اسکا مسئلہ حل ہو جاتا یا پھر اسے کوئی امید مل جاتی۔

لوگ کہتے ہیں قرآن امید ہیں پر زائشہ مراد کو قرآن حقیقت لگتا تھا۔ایک ایسی حقیقت جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا،ایک ایسی حقیقت جو ہمیں خود سے نظریں چرانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

قرآن اور اس میں لکھا گیا ایک ایک لفظ کس قدر گہرا ہے یہ صرف وہی جان پاتے ہیں جو اسے حاصل کرتے ہیں۔

قرآن ہر کسی کو نہیں مل جاتا، اسے پانے کے لیے سچی اور پختہ جستجو اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لفظوں کے سمندر میں غرق ہونا پڑتا ہے۔

ظاہر پڑھنا آسان ہے۔ پر آسان کے پیچھے چھپے مشکل کو صرف خاص لوگ پڑھ پاتے ہیں اور زائشہ مراد خاص تھی۔

وہ ہیرا تھی اور اب بس کسی ایسے جوہری کی تلاش تھی جو اس ہیرے کی حفاظت کر سکے۔ اسے کسی قیمتی متاع کی طرح اپنی تجوری میں چھپا سکے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے ابھی تفسیر کی دو تین آیات ہی پڑھی تھیں جب اچانک سے ایک سوال پھر سے اس کے دماغ میں آیا۔

"زندگی کا مقصد"

اس نے قرآن کو ایک طرف رکھا اور پھر سے اپنا رجسٹر اور قلم اٹھا لیا۔

"زندگی کا مقصد "سب سے اوپر والی سطر پر اس نے یہ تین لفظ لکھے۔

"اگر انسان کے علاوہ اس کائنات میں موجود چیزوں پر نظر ڈالی جائے مثلاً چاند، سورج، آسمان، چرند و پرند، پودے اور ان جیسی اور بہت سی ان گنت چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو سجایا ہے۔ یہاں تک ہمارے جسم کے تمام اعضاء بھی کسی نا کسی مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں"

وہ دو انگلیوں میں قلم گھماتی ارد گرد کی فکر سے بے نیاز مکمل طور پر اپنی سوچ میں گم تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان کو بے مقصد اس دنیا میں بھیج دیا گیا ہو۔ وہ کیا آیت تھی قرآن کی "اس نے آنکھیں زور سے میچتے ذہن پر زور دیا۔

"ہاں... میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

انسان کی زندگی کا مقصد عبادت ہے۔پر عبادت میں صرف
نماز، روزہ، زکٰوۃ، حج ہی نہیں آتے۔ہماری نظر میں لفظ عبادت نماز سے
شروع ہوتا ہے اور حج پر ختم ہو جاتا ہے۔

ہم ساری زندگی ان چار پانچ عبادات کو پوری جستجو سے کرتے ہیں پر
عبادت کا لفظ کس قدر گہرا یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

یہ لفظ اپنے اندر پورے قرآن بلکہ پوری کائنات کو سمائے ہوئے ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب بھی اسلامی شریعت کی تجویز کردہ
خاص عبادات ہیں لیکن اگر عبادات کا دائرہ ان تک ہی محدود ہو کر رہ
جائے تو ظاہر ہے ان سب کا مجموعہ انسان کی زندگی کے ایک بہت مختصر
حصے کو اپنے احاطہ میں لے سکتا ہے۔پھر اسے زندگی کا مقصد کہنا مناسب
نہیں۔مقصد زندگی ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس دائرہ کی وسعت
زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو اور شاید حقیقت میں بھی ایسا ہے "اچانک

سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور وہ پرجوش ہو کر بیٹھ گئی۔شاید وہ اپنے سوال کے جواب تک پہنچنے والی تھی۔

"عبادت صرف چند رسموں کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام احکام کو عاجزی،ادب واحترام کے ساتھ ماننا،اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے ان احکام کا حق مکمل طور پر ادا کرنا عبادت ہے۔عبادت ایک جامع لفظ ہے جو اللہ اور اسکے رسول کی تمام پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو اپنانے کا نام ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت مکمل اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے۔اور ظاہر ہے اس کا دائرہ چند مخصوص اسلامی عبادات تک ہی محدود نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے

اسی سے بندے کو رب مل جاتا ہے اور رب تعالیٰ کی رضا کے ساتھ انسان کی دعائیں بھی حاصل ہوتی ہیں اور یہی دعا بندے کو اللہ کی رضا دلاتی ہے" وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی جب سیرت مراد کی آواز اس کے

کانوں میں پڑی جو دروازے پر کھڑی اسے شعلہ بار نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"کیا ہوا اماں "اس نے فوراً سے رجسٹر بند کر کے ایک طرف رکھا۔

"کان بند کر کے بیٹھی ہو۔کب سے کہہ رہی ہوں آ کر کھانا کھالو پر مجال ہے کوئی سن لے۔ایک تو دنیا کی سب سے زیادہ نافرمان اولاد میرے ہی گھر پیدا ہونی تھی "وہ بولتے ہوئے واپس صحن میں چلی گئیں۔

اور زائشہ جوتا پہنتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ ہر ماں کو یہی کیوں لگتا ہے کہ اسی کی اولاد سب سے زیادہ نافرمان ہے۔

****

فاروق حیدر اور بتول حیدر ہاسپٹل کے آئی سی یو کے باہر بیٹھے تھے۔ میرب کا علاج شروع ہوئے تقریباً آدھا گھنٹا ہو چکا تھا اور ابھی تک کوئی ڈاکٹر باہر نہیں آیا تھا۔

فاروق حیدر کھڑے ہو کر پریشانی سے کاریڈور میں ٹہلنے لگے۔ بتول حیدر بار بار اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر آئی سی یو سے باہر آیا۔ فاروق حیدر فوراً سے اس کی طرف بڑھے۔

"ڈاکٹر میری بیٹی کیسی ہے" پریشانی ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"آپ میرے ساتھ میرے روم میں آئیں"

ڈاکٹر کے اشارہ کرنے پر وہ دونوں ان کے پیچھے چل پڑے۔

"آپ کی بیٹی کسی ذہنی ٹینشن میں مبتلا تھی؟" انہوں نے ٹیبل کے سامنے بیٹھے میرب کے والدین سے پوچھا۔

ان دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب ایسی کوئی بات نہیں۔ دو ہفتے بعد میری بیٹی کی شادی ہے اور وہ بہت خوش تھی۔ آپ بتائیں تو ہوا کیا ہے میری بیٹی کو" فاروق حیدر کو ایک انجانی سی بے چینی نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"دیکھیں آپ کی بیٹی کسی ذہنی ٹینشن میں مبتلا ہے۔ اور یہ چیز تیز بخار کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ میرب کا بخار کافی زیادہ تیز تھا۔ اسے نارمل ٹیمپریچر تک لانا آسان نہیں تھا۔ فلحال وہ خطرے سے باہر ہیں پر آپ کو ان کو کسی بھی قسم کی ذہنی پریشانی سے دور رکھنا ہوگا ورنہ نتیجہ اچھا نہیں ہوگا" ڈاکٹر انہیں تمام ہدایات دے کر اب دوائیوں کا نسخہ لکھ رہا تھا۔

"میرب کو کیا ذہنی پریشانی ہو سکتی ہے۔ شام تک تو بہت خوش تھی" بتول حیدر نے ڈاکٹر کے روم سے باہر آتے ہی فاروق حیدر سے فکر مندی سے پوچھا۔

"پتا نہیں میں تو خود حیران ہو رہا ہوں کہ آخر ایسا ہوا کیا ہے جو وہ اتنی بیمار ہو گئی" ابھی وہ باتوں میں مصروف تھے جب ایک نرس ان کے پاس آئی "آپ کی بیٹی کو روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ آپ روم نمبر فورٹی ون میں چلے جائیں" نرس کے کہنے پر وہ دونوں فوراً روم کی طرف بھاگے۔

دروازہ کھولتے ہی انہیں وہ سامنے بستر پر لیٹی ہوئی دکھائی دی۔ نرس اس کے پاس کھڑی اس کی ڈرپ چیک کر رہی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

ایک رات میں ہی اسکی شفاف اور دودھیا رنگت میں زردیاں گھل گئی تھیں۔ سوکھے ہونٹ، آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے۔ وہ اس میرب سے بہت مختلف تھی جو کل بہت جوش سے اپنی شادی کی شاپنگ کر رہی تھی۔

"میرب میری گڑیا" بتول حیدر اس کے پاس بستر پر آکر بیٹھی اور اسکا ڈرپ لگا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔

فاروق حیدر بھی اسکا ماتھا چوم کر اسکی دوسری طرف بیٹھ گئے۔

اسے ابھی بھی بخار تھا پر شدت میں کمی آگئی تھی۔ میرب نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں جو بیک وقت سرخ اور زرد دکھائی دے رہی تھیں۔

"پانی" سرگوشی کی سی آواز میں اس نے بتول حیدر کو دیکھتے پکارا۔

انہوں نے فوراً اٹھ کر ٹیبل پر پڑی پلاسٹک کی بوتل اٹھائی

اور گلاس میں پانی انڈیلا بازو کے سہارے اسکا سر اونچا کر کے اسے پانی پلایا اور پھر واپس لٹا دیا۔

"میرب بیٹا آپ کو کسی چیز کی ٹینشن تھی، کوئی ذہنی پریشانی آپ کھل کر ہم سے شئیر کر سکتی ہو" فاروق حیدر نے اسکا ہاتھ تھامتے پوچھا۔

میرب نے اچھنبے سے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا۔

"ہمیں ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ تم نے کسی چیز کی بہت ٹینشن لی ہے جس کی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہوئی ہے" بتول حیدر نے اسکے تاثرات پر غور کرتے بتایا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے جس سے وہ انجان ہیں کیونکہ میرب ان سے اپنی ہر بات شئیر کرتی تھی۔

میرب نے ایک نظر اپنے ماں باپ پر ڈالی تو دوسری ان کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھوں پر۔ اسکی آنکھوں میں ایک بار پھر سے آنسو آنا شروع ہو گئے۔

وہ کس طرح خود پر بندھ باندھ کر بیٹھی تھی یہ صرف وہی جانتی تھی۔وہ فلحال اپنے ماں باپ کو کوئی پریشانی نہیں دیناچاہتی تھی لیکن اب اسے لگ رہاتھا کہ اگر یہ بات مزید اسکے دل میں رہی تو اسکا دل پھٹ جائے گا۔

وہ ہاتھ کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی۔آنکھوں میں جمع ہوئے آنسو گالوں پر پھسل گئے۔

"میرب بیٹا بتادو ہمیں خود کو تکلیف مت دو"بتول حیدر نے اسکے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے حوصلہ دیااور اسکے آنسو پونچھے۔

مام....ڈیڈ..."ایک نظر اپنے ماں باپ کو دیکھا اور سر جھکا دیا جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔

"مام مجھے عرش سے شادی نہیں کرنی"اس نے آنکھیں بند کر کے شدید قرب میں یہ الفاظ ادا کیئے۔لب بھینچ کر ہونٹوں کی کپکپاہٹ کو کم کیا۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کا ہاتھ اب اس کے ماں باپ کے ہاتھ میں نہیں رہا۔اسے نے سامنے دیکھا تو وہ دونوں شدید حیرت میں مبتلا اسے دیکھ رہے تھے۔

آنسوؤں سے تر چہرہ لیے وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"تو کیا اسکے ماں باپ بھی اسکا ساتھ نہیں دیں گے"

"میرب بیٹا کیا مطلب ہوا اس بات کا۔تمہارے عرش سے کوئی لڑائی ہوئی ہے"بتول حیدر بولی جبکہ فاروق حیدر خاموش تھے اور جانچتی ہوئی نظروں سے میرب کو دیکھ رہے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں ماما میرا یقین کریں میری ان سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی پر میں ان سے شادی نہیں کر سکتی" اس نے بتول حیدر کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میرب پاگل ہو گئی ہو شادی میں دو ہفتے رہ گئے ہیں اور اب تمہیں یاد آرہا کہ تمہیں عرش پسند نہیں" بتول حیدر ذرا غصہ سے بولی تو فاروق حیدر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کا کہا۔

وہ میرب کے ایک ایک تاثر پر غور کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے کھل کر بتاؤ مجھے" اور فاروق حیدر کے یہ کہنے کی دیر میرب ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ڈیڈ وہ اچھے انسان نہیں۔ مجھے ان سے شادی نہیں کرنی۔ وہ ایک دھوکہ باز اور مکار انسان ہیں۔ وہ جیسے نظر آتے ہیں حقیقت میں وہ اسکے بالکل الٹ ہیں۔ انہوں نے خود پر اچھائی کا خول چڑھایا ہوا ہے۔ وہ اندر سے شیطان ہیں۔ میں ایک شیطان سے کبھی شادی نہیں کر سکتی" وہ ہچکیوں

سے روتی اپنے ماں باپ کو عرش کی حقیقت سے آگاہ کر رہی تھی جو ساکت آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

جو وہ کہہ رہی تھی اس پر یقین کرنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ جو حقیقت وہ بتا رہی تھی وہ بہت خوفناک تھی۔

"ڈیڈ آپ کو اگر میری بات پر یقین نہیں آ رہا تو میرے پاس ثبوت بھی ہیں" اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ ان سے الگ ہوئی اور ان کی طرف دیکھا جن کے چہروں سے صاف ظاہر تھا کہ میرب کے منہ سے ادا ہوئی باتیں ان کے لیے کتنی تکلیف دہ ہیں۔

تکلیفیں تو زندگی کا معمولی سا حصہ ہیں پر جو تکلیف اپنوں سے ملے اس کی اذیت حد سے سوا ہوتی ہے۔ اس ایک اذیت میں بہت سی اذیتیں شامل ہوتی ہیں۔ یہ انسان کو اندر سے توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ بھروسہ کرنے کی ہمت انسان سے چھین لیتی ہے۔ دھوکہ اور جھوٹ پر انسان کا یقین بڑھا دیتی ہے۔

بھروسہ لفظ تو تخلیق ہی اپنوں کے لیے کیا گیا ہے۔اس خوبصورت لفظ سے خوبصورت رشتے جڑے ہیں اور جب یہ ٹوٹتا ہے تو ان رشتوں کو بھی بہت بے دردی سے توڑتا ہے۔

میرب کی باتوں اور عرش کی حقیقت نے بتول حیدر اور فاروق حیدر کو آج ایک ایسی ہی اذیت میں مبتلا کیا تھا۔پر ایک مبہم سی امید ابھی بھی ان کے دل میں باقی تھی پر شاید ثبوت دیکھنے کے بعد وہ بھی ختم ہو جاتی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

اچھا لڑکا ہے جمیل "رات کا کھانا کھاتے وقت سیرت مراد نے زائشہ کو دیکھتے کہا۔

جنید اور حسیب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔زائشہ نے کوفت سے نوالہ نگلا۔

"ماشاءاللہ سے کافی اچھا کماتا ہے۔شکل وصورت سے بھی کافی خوبصورت ہے۔خاندان بھی اچھا لگ رہا ہے۔ماں باپ نہیں ہیں اس کے ایک بہن ہے بس اور چچا تایا ہیں"سیرت مراد کھانے کھاتے ہوئے مسلسل جمیل کی تعریفوں کے بند باندھ رہی تھیں۔

زائشہ کے تاثرات ہر گزرتے پل کے بعد مزید کوفت زدہ ہوتے جا رہے تھے۔

ان کے گھر اب دن میں ایک دفعہ تو یہ جمیل نامہ ضرور شروع ہوتا تھا۔

"اماں جمیل بھائی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ہم ان کے پاس ٹیوشن پڑھنے آجایا کریں۔زائشہ آپی تو اکیڈمی سے تھکی ہوئی آتی ہیں پھر ہمیں پڑھانا اور خود بھی پڑھنا۔ان کے لیے کافی مشکل ہوتا ہوگا"

"ماشااللہ ماشااللہ کتنا احساس ہے اسے ہمارا۔تم کیا کہتی ہو زائشہ"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لو بھلا ہو اس حسیب کا، جمیل کی خوبیوں کی فہرست میں اب ایک اور خوبی شامل ہو گئی تھی

زائشہ نے چاولوں کا چمچہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

اس جمیل نامے نے تو اسکا جینا حرام کر دیا تھا۔

"اماں آپ کو معلوم ہے اسکی تعلیم کیا ہے؟ اور رہی بات ان کو وہاں بھیجنے کی تو وہ مفت میں نہیں پڑھائے گا فیس مانگے گا۔ اور فلحال ہم اس حال میں نہیں کہ ان کے سکول کے ساتھ ٹیوشن کی بھی فیسیں دیں"

"پر آپی وہ کہہ رہے تھے کہ وہ مفت پڑھائیں گے"

"تم تو چپ کرو جنید۔ میری سمجھ نہیں آتی کیا جواب تم لوگوں کو اس جمیل کے پاس جانا ہے۔ اور کب تک مفت پڑھائے گا وہ ایک ماہ دو ماہ پھر وہ فیس مانگے گا"

"زائشہ اگر وہ کہہ رہا ہے کہ مفت پڑھا دے گا تو جانے دو۔ جب فیس مانگے گا تب دیکھا جائے گا" سیرت مراد ان دونوں کو وہاں بھیجنے کا موڈ بنا چکی تھیں۔

"اماں کیا ہو گیا ہے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اسے اس محلے میں آئے اور آپ ان دونوں کو وہاں بھیج رہی ہیں۔ اتنی جلدی کیسے بھروسہ کر سکتی ہیں آپ اس پر" زائشہ اس بار ذرا غصے سے بولی۔

ناجانے کون سی پٹی باندھ دی تھی اس نے ان کے گھر والوں کی آنکھوں پر جو وہ اس کے قصیدے پڑھتے نہیں تھک رہے تھے۔

"میں تو تمہاری سہولت کے لیے ہی کہہ رہی ہوں۔ صحت دیکھو اپنی دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہو۔ یہ اسی وجہ سے ہے جو تم گھن چکر بنی رہتی ہو کالج، اکیڈمی اور گھر کے درمیان۔ سر سے ذمہ داری اترے گی تو ہی خود پر توجہ دے پاؤ گی نا"

"اماں مجھے عادت ہو گئی ہے اب.....اور تم دونوں بھی سن لو کوئی نہیں جاؤ گے تم اس کے گھر۔پتا نہیں کیسے پڑھائے گا وہ تم لوگوں کو۔مجھے تسلی نہیں ہو گی" اس نے جمیل اور حسیب کو دیکھتے ذرا سختی سے کہا جو اپنی ماں کو امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"اماں آپی کو بولیں نا جانے دیں۔جمیل بھائی کے گھر ٹی وی بھی ہے۔ہم ان کے گھر ٹی وی بھی دیکھ لیں گے" اور یہاں آ کر جنید کے لفظوں نے زائشہ کے دل کو مٹھی میں لے لیا تھا۔

اپنے بارہ سالہ بھائی کے چہرے پر موجود حسرت دیکھ کر زائشہ کو اپنا دل دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔

اس نے گلاس بھر کر پانی پیا اور چارپائی سے اٹھ گئی۔

"آپی ہم دونوں جمیل بھائی سے ہی پڑھیں گے" اس کے اٹھتے ہی وہ دونوں بولے۔

زائشہ نے اپنے بھائیوں کے معصوم چہروں پر ایک نظر ڈالی۔

اس کی آنکھوں میں مرچیں سی چبھنا شروع ہو گئی۔

"جو جی میں آئے کرو" اس نے کہا اور کمرے میں آ گئی۔

پیچھے سیرت مراد اس کی پلیٹ میں بچے چاول دیکھ کر اسے کھری کھری سنا رہی تھیں۔

وہ کان بند کر کے کمرے میں آ گئی۔

کمرے میں ایک طرف پرانی میز پڑی تھی جس پر بوسیدہ کتابوں کا ڈھیر لگا تھا جو کتابیں کم اور ردی زیادہ لگ رہی تھیں۔

میز کی نیچے بنے خانے بھی زائشہ کی چیزوں سے بھرے پڑے تھے۔

اس نے سب سے اوپر والا دراز کھولا۔

اندر پڑی ڈائری کو باہر نکالا۔ گلابی رنگ کی ڈائری جس پر ایک خوبصورت سا سورج مکھی کا پھول بنا تھا جس پر تتلیاں منڈلا رہی تھیں۔

اس نے ڈائری اٹھائی اور پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ڈائری کھول کر اندر رکھی تصویر نکالی۔

بوسیدہ سی تصویر جس میں ایک خوبرو آدمی پانچ سالہ بچی کو گود میں اٹھائے کھڑا تھا۔

ان دونوں کے چہروں میں بلا کی مماثلت تھی اور دونوں کی آنکھوں کا رنگ ایک جیسا تھا، ہیزل گرے۔

گلابی فراک میں ملبوس اس بچی کے گولڈن براؤن بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ بالوں کی دو پونیاں بنائے وہ کھلکھلا رہی تھی۔

زائشہ مسکرا دی اور ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر اس تصویر پر گرا۔

"آئی مس یو بابا" تصویر میں موجود شخص کے چہرے پر انگلی پھیرتے اس کے ہونٹوں سے صرف یہی چند لفظ ادا ہو رہے تھے۔

اس نے صفحہ پلٹا۔

اگلے پیج پر ایک اور تصویر تھی۔

اس کی پوری فیملی۔

اس کے بابا اور سیرت مراد، زائشہ ان دونوں کے سامنے کھڑی تھی اور

حسیب اور جنید کو اس کے ماں باپ نے اٹھایا ہوا تھا۔

یہ ایک عام سی ڈائری تھی جسے زائشہ نے فوٹو ایلبم کی بھی شکل دی ہوئی

تھی۔ڈائری کے شروع کے صفحات پر کافی تصویریں لگی تھیں۔

اگلی تصویر بھی اسکی اور اسکے بابا کی تھی پر ساتھ ایک اور آدمی موجود تھا

جس کے سامنے ایک لڑکا کھڑا ہوا تھا۔

براؤن چمکتے بال، سنہری آنکھیں، پھولے گلابی گال وہ بچہ زائشہ سے چند

سال ہی بڑا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ کافی دیر تک اس تصویر پر نظریں جمائے بیٹھی رہی جب اچانک اسے

اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

"یہ کون ہیں آپی" جنید اس کے پاس بیٹھا ایلبم میں موجود اس شخص اور

لڑکے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"باباکے دوست اور ان کا بیٹا"

"کیانام ہے ان کا اور ان کے بیٹے کا"

"تم کیوں آئے تھے" اس نے البم بند کر کے سائیڈ پر رکھ دیا جیسے وہ اس بارے میں بات نا کرنا چاہ رہی ہو۔

"آپی آپ ناراض تو نہیں" جنید کا اشارہ یقیناً جمیل کے گھر اکیڈمی پڑھنے جانے کی طرف تھا۔

"نہیں میں ناراض نہیں۔ تم لوگ چلے جاؤ پر ایک بات میری یاد رکھنا اگر تم لوگوں کے رزلٹ پر ذرا سا بھی اثر ہوا تو پھر میں تم لوگوں کی ایک نہیں سنوں گی" آخری کا جملہ اس نے انگلی دکھاتے ہوئے بولا پر اسکی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"پرامس" جنید نے اس قدر جوش سے کہا جیسے زائشہ اسے اولمپکس میں کھیلنے کے لیے بھیج رہی ہو۔

اس کے انداز پر زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرب کو تقریباً دو گھنٹے بعد ڈاکٹرز نے ڈسچارج کر دیا تھا۔گھر آتے ہی اس نے سب سے پہلے وہ تمام تصاویر اور ویڈیوز اپنے ماں باپ کو دکھائیں۔ بتول حیدر اور فاروق حیدر کی رہی سہی امید بھی وہ تصویریں دیکھ کر ختم ہو گئی۔

یہ عرش کی شخصیت کا کون سا پہلو تھا جو ان کے سامنے کھل رہا تھا۔ وہ انسان جسے انہوں نے بیٹے سے بڑھ کر درجہ دیا تھا، جس نے ان کی آنکھوں کے سامنے چلنا سیکھا تھا۔ جس کے بارے میں انہیں گمان تھا کہ وہ اس کی زندگی کے ایک ایک پہلو سے واقف ہیں وہی اپنی شخصیت پر اس قدر خول چڑھائے بیٹھا تھا کہ وہ سب دنگ رہ گئے تھے۔

میرب کو ایک ان ناون نمبر سے عرش کی کافی ویڈیوز اور تصویریں موصول ہوئی تھیں۔ فاروق حیدر نے وہ نمبر اس سے لے لیا تھا تاکہ اس شخص کی ڈیٹیل نکلوا سکیں۔

کچھ تصاویر اور ویڈیوز اس قدر نازیبا حالت میں تھیں کہ وہ اپنے ماں باپ کو دکھا بھی نا پائی۔ کلبز میں ڈانس کی ویڈیوز، بارز میں شراب پینے کی ویڈیوز اور بھی نا جانے کتنی قابل اعتراض تصاویر۔

ان تصاویر میں عرش کے گرد تتلیوں کی طرح منڈلاتی لڑکیوں کے لباس نے میرب کو بھی شرم میں مبتلا کر دیا تھا۔

اب میرب کو عرش میں ہر وہ برائی نظر آرہی تھی جو وہ کسی انسان میں تصور کر سکتی تھی۔

محبت کا بت اس قدر بے دردی سے ٹوٹا تھا کہ میرب کا پورا جسم لہولہان ہو گیا تھا۔ ہر سوا زیت ہی ازیت تھی۔ سانسوں کی روانگی کو جاری رکھنا دنیا کا مشکل ترین امر لگ رہا تھا۔

پر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔ وہ بہادر تھی۔ اسے خود سے لڑنا تھا۔ اپنے نفس سے لڑنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عرش کی محبت کا ناسورا پنے دل سے نکال پھینکنا تھا چاہے اس کے لیے اسے اپنا دل پتھر ہی کیوں نا کرنا پڑے وہ کرے گی۔

وہ میرب حیدر تھی۔ جس کا خدا کی ذات پر کامل یقین تھا۔

مل جانے پر شکر ہر کوئی ادا کرتا ہے پر اسے اب چھن جانے پر شکر ادا کرنا تھا۔ عرش جیسے انسان کا اس کی زندگی سے نکل جانا ہی بہتر تھا۔

محبت کی جس پودے کی آبیاری وہ اتنے ماہ وسال سے کرتی آرہی تھی اسے کاٹنا آسان نہیں تھا پر اسے مزید مضبوط ہونے کی اجازت دینا بھی گوارا نا تھا۔

اس ایک رات نے میرب حیدر کی ذات پر اس قدر گہرے زخم چھوڑے تھے جن کا کوئی عام ذی روح گمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تکلیف جسم کی نہیں روح کی تھی۔

اور روح کی تکلیف جنگل میں پھیلتی آگ کی مانند ہوتی ہے۔اس سے چھٹکارا پانے کی جتنی مرضی کوششیں کر لو یہ پھیلتی ہی چلی جاتی۔

میرب اپنے کمرے میں بیڈ پر کسی بے جان مورت کی طرح لیٹی تھی۔فاروق حیدر اور بتول حیدر ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کے کمرے سے گئے تھے۔

اس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے اور کنپٹیوں کی جانب سرہانے میں جذب ہو رہے تھے۔

کیا حالت ہو سکتی ہے اس لڑکی کی جس کو اپنے ہونے والے شوہر سے نفرت اور محبت بیک وقت محسوس ہو رہی ہو۔اب تو وہ عرش سے شادی کسی قیمت پر بھی نہیں کرنے والی تھی۔

میرب حیدر کی پہلی اور آخری محبت انتہائی تکلیف دہ انداز میں اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اٹھ کر بیٹھی اور گھٹنوں پر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

یہ تکلیف کم کیوں نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے پاس رکھا فون اٹھایا اور واٹس ایپ پر وہی نمبر کھولا۔

سامنے عرش کا نام جگمگا رہا تھا۔

"عرش جہانگیر تمہیں لے کر میں جو کچھ محسوس کر رہی تھی وہ غلط نہیں تھا"ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آگئی۔

اس نے سب سے اوپر موجود اس نمبر پر کلک کیا۔

"کون ہو تم ؟"اس نے میسج ٹائپ کیا اور فون بیڈ پر رکھ کر چہرہ دھونے کے کیے باتھروم میں چلی گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھونے کے بعد اب وہ کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی۔تولیہ سے چہرہ پونچھتے کہ بعد وہ باہر آئی تو اسی لمحے بتول حیدر اور غازی اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"تمہارے بابا نے رات کو حامد بھائی اور عرش کو بلوایا ہے"ایک پل کے لیے میرب کا ہاتھ ساکت ہوا پھر وہ تولیہ پاس پڑے صوفے پر پھینک کر بیڈ پر آگئی۔

فون اٹھا کر چیک کیا۔ابھی تک رپلائی نہیں آیا تھا۔

بتول حیدر ایک دکھ بھری نظر اپنی بیٹی پر ڈال کر کمرے سے چلی گئیں۔

"اپیا آپ کو کیا ہوا تھا" غازی اس کے پاس بیٹھا فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

میرب نے ایک سپاٹ سی نظر اس پر ڈالی۔وہ ذہنی طور پر اس قدر ڈسٹرب تھی کہ اس نے غازی کی بات کا کوئی جواب نا دیا اور فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اپیا آپ کو کیا ہوا تھا؟" غازی نے اب اس کا بازو پکڑ کر زور سے ہلایا۔

"کیا مسئلہ ہے غازی" میرب زور سے چلائی تھی۔

غازی حیران و پریشاں اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔یہ پہلی دفعہ ہوا تھا کہ اس نے میرب کی اتنی بلند آواز سنی تھی ورنہ وہ تو بہت مدھم اور ٹھہر ٹھہر کر بولنے کی عادی تھی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں" اس نے غازی کو بازو سے اٹھا کر دروازے کی طرف دھکیلا۔

"ایسا کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ مجھے نہیں جانا" غازی نے روتے ہوئے بولا اور میرب سے لپٹ گیا۔

میرب کچھ پل کے لیے ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہ کیسے اپنے بھائی پر چلا سکتی تھی۔ جس بھائی کی آنکھوں میں وہ ایک آنسو برداشت نہیں کرتی تھی وہ اس کی وجہ سے رو رہا تھا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک آئی اور اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔

"ایم سوری۔ میں تھوڑا ڈسٹرب تھی" میرب نے غازی کے چہرے سے آنسو پونچھے۔

"کیا ہوا تھا آپ کو"

"کچھ نہیں بس بخار ہو گیا تھا" میرب نے مسکراتے ہوئے تسلی بخش انداز میں کہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اپیا آپ کو پتا ہے میں کتنا ڈر گیا تھا جب آپ اٹھ نہیں رہی تھیں۔ مجھے لگا تھا آپ مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ میں بہت ڈر گیا تھا"

"میں اپنے پیارے سے بھائی کو کبھی بھی نہیں چھوڑ کر جاؤں گی" میرب نے اسے زور سے گلا لگایا۔

"آپ کیوں ڈسٹرب تھیں"

میرب نے ایک سرد سانس فضا میں سپرد کی۔

ایک پل کے لیے پورے جسم میں ازیت کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"غازی کبھی کسی پر بھروسہ مت کرنا سوائے خدا کے۔ یہ جو انسان نامی مخلوق ہے نا اس کے ایک نہیں کئی چہرے ہیں۔ اور ہمارے پاس ان چہروں کو پڑھنے والی آنکھیں نہیں۔

یہ وہی چہرہ لے کر ہمارے سامنے آتے ہیں جو یہ ہمیں دکھانا چاہتے ہیں پر بیک وقت کئی لوگ ان کے اس حسین چہرے کے پیچھے چھپے شیطانی چہرے سے بھی واقف ہوتے ہیں"

"آپی آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے سمجھ میں نہیں آرہا" غازی نے الجھن سے کہا پر میرب اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"غازی قرآن میں وہ آیت ہے نا نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں اور برے مردوں کے لیے بری عورتیں ہم نے اس آیت کا مطلب بہت غلط لے لیا ہے۔ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ دنیاوی زندگی میں نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں اور برے مردوں کے لئے بری عورتیں ہیں۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر ہم ان آیات سے پہلے اور بعد کی آیات پڑھیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ وہاں تو دنیا کا ذکر ہی نہیں۔ وہاں تو آخرت کا ذکر ہے کہ جنت میں نیک مردوں کے ساتھ نیک عورتیں ہوں گی اور جہنم میں برے مردوں کے ساتھ بری عورتیں ہوں گی۔

دنیا میں تو ایک نیک پارسا لڑکی کی زندگی میں ایک شیطان بھی آسکتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح میری زندگی میں عرش آیا ہے۔

تم کیا کہتے ہو غازی" میرب نے غازی کی طرف دیکھتے پوچھا۔

"اپیا مجھے تو بس اتنا سمجھ میں آیا ہے کہ جب بھی قرآن کی کوئی آیت پڑھو اس کے آگے اور پیچھے کی آیات بھی پڑھو۔ ورنہ ہم آیت کا مطلب مکمل طور پر بدل کر رکھ دیں گیں"

"اوہ غازی تم کتنے معصوم ہو" میرب نے سوچا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گئی۔

ابھی عرش کا سامنا کرنے کے لیے اسے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

سیاہ بادلوں سے ڈھکا آسمان ہر سو بکھرے قدرت کے حسین نظاروں کو ایک دلفریب طریقے سے مکمل کر رہا تھا۔

پتوں میں سرسراہٹ پیدا کرتی ٹھنڈی ہوا کا جسم کے روئوں کو چھونا گدگدی کا احساس جگا رہا تھا۔

دور تک پھیلے پہاڑ اور وہ سفید ماربل کی سیڑھیاں۔سب کچھ ویسا ہی تھا۔

اگر منظر میں کوئی چیز تبدیل ہوئی تھی تو وہ بارش تھی۔

ننھی بوندوں کی صورت میں آسمان سے برستے موتی زائشہ کے کھلے بالوں میں الجھ کر انہیں نمی بخش رہے تھے۔سفید مخمل لباس پر بھی جگہ جگہ موتیوں سی کی چمک لیے بارش کے قطروں نے نمی کی صورت میں شرارت کی تھی۔

سامنے کھڑا شخص اب آنکھیں بند اور چہرہ اوپر کی جانب کیے ٹھنڈی ہوا اور سفید موتیوں کو محسوس کر رہا تھا۔

زائشہ مسمرائزسی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

وہ اس حسین منظر کا ہی ایک حصہ لگ رہا تھا۔

جب اچانک وہ چہرہ نیچے کی جانب کر کے مسکرایا....افف اس کی مسکراہٹ کس قدر دلفریب تھی۔کوئی اس یونانی دیوتاؤں سا حسن رکھتے شخص کو بتائے کہ وہ مسکراتے ہوئے کس قدر حسین لگتا تھا

زائشہ کی جانب اس کے چہرہ کی ایک ہی سائیڈ تھی۔

وہ چہرہ نیچے کیے مسکرا رہا تھا اور پھر اس نے اس کی جانب دیکھا۔

صرف ایک پل.... صرف چند لمحوں کے لیے......!

اور زائشہ مراد پتھر کی مورت بن گئی۔

کون تھا یہ....اس قدر حسین چہرہ۔

پر ایک منٹ وہ اسی پہچانتی تھی۔

ہاں وہ اسے پہچانتی تھی۔اس نے دیکھا اسے دیکھ رکھا تھا۔

پر سامنے موجود اس شخص کے چہرے پر ایک چمک تھی۔نور کی چمک، پاکیزگی کی چمک۔

اس کی آنکھیں بلا کا حسن لیے ہوئے تھیں۔وہ خوبصورت تھا پر اس کے چہرے پر کوئی اور چیز تھی جو اسے اس قدر منفرد بنا رہی تھی۔

وہ مسلسل مسکراتے ہوئے زائشہ کی جانب دیکھ رہا تھا اور پھر وہ پلٹ گیا۔اوپر کی جانب، سفید سیڑھیوں اور سیاہ بادلوں میں گم ہونے کے لیے۔

زائشہ وہیں پتھر کی مورت بنی کھڑی رہی۔وہ ایک ایک کر کے سب سیڑھیوں کو عبور کرتا جا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ کے لب ہولے سے ہلے اور ایک سرگوشی نما لفظ اس کے منہ سے ادا ہوا۔

"دیان حیدر"

اور یہاں اندھیرے میں ڈوبے پلنگ پر سوئی زائشہ مراد کی آنکھ کھل گئی۔

زائشہ غائب دماغی کی کیفیت میں بستر پر لیٹی رہی۔

وہ انجانی سی کیفیت ایک بار پھر اس کے وجود پر طاری ہونے لگی تھی۔

اسے خود سے ایک عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ اپنے ماضی اور حال کی تکالیف سے بے حال تو تھی ہی پر اب اس کا مستقبل بھی اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

جو ہو گیا تھا وہ کم نہیں تھا اور جو ہوتا نظر آرہا تھا وہ کچھ سے کہیں زیادہ تھا۔

ایک اور رات، ایک اور خواب.....!

وہ اندھیرے کمرے میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور گھٹنوں پر اپنا سر جھکا دیا۔

دیان سے اس کی ملاقات کچھ دنوں پہلے ہوئی تھی پر اس نے پہلا خواب اس سے ملنے سے پہلے دیکھا تھے۔

کیا اس کا اور دیان حیدر کا آپس میں کوئی تعلق تھا؟ کوئی ماضی کی یاد یا کوئی قصہ۔

وہ سوچ ہی رہی تھی جب ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے دماغ میں کوندا۔

"نہیں نہیں یہ وہ نہیں ہے۔یہ وہ ہو ہی نہیں سکتا" وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتی خود کو تسلی دے رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"گڈ مارننگ عرش جہانگیر" عرش تقریباً گیارہ بجے کے قریب سو کر اٹھا تھا اور فون کی نوٹیفیکیشن میں سب سے اوپر انشراح ملک کا میسج تھا۔

"تیاری پکڑ لو۔ تمہاری زندگی کی پر سکون ندی میں پہلا پتھر پھینک کر میں اس میں لہریں پیدا کر چکی ہوں۔ اور ان لہروں کو طوفان کی شکل اب میرب فاروق حیدر دے گی"

وہ دائیں کہنی کے بل ذرا سا اٹھا اور حیرت سے فون کی سکرین کو دیکھا۔

پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہی میسج ٹائپ کیا۔

"صبح صبح تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا انشراح ملک"

جواب فوراً سے آگیا تھا۔ شاید مقابل بھی اس کے ریپلائی کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہاہاہا..... عرش تم نے مجھے جتنا کمزور سمجھ لیا ہے نا میں اتنی کمزور ہوں نہیں. اب میں تمہیں بتاؤں گی انشراح ملک کو دھوکا دینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے"

"جسٹ شٹ اپ۔ میرا کوئی موڈ نہیں صبح صبح تمہاری بکواس سننے کا۔ سیدھی طرح سے بتاؤ کیا کیا ہے تم نے"

"ارے عرش تک مجھ سے اتنی روڈلی بات کیوں کر رہے ہو" میسج کے آخر پر آنسوؤں والی ایک ایموجی تھی۔ عرش نے جھنجھلاتے ہوئے اسے کال کر دی جو پہلی رنگ پر ہی پک کر لی گئی۔

"تم پھوٹو گی اب کہ کیا بیوقوفی سر انجام دی ہے تم نے"

"میری بیوقوفی کس طرح تمہاری زندگی تباہ کرے گی اس کا انداز تمہیں کچھ گھنٹوں میں ہو جائے گا۔

جسٹ ویٹ اینڈ واچ" اور کھٹاک سے فون کال ڈسکنیکٹ ہو گئی۔

"ڈیم اٹ"

اس نے غصے سے فون بیڈ پر پھینکا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"اب کیا کر دیا اس بیوقوف عورت نے۔اس کا بھی کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے" اس نے کچھ سوچتے ہوئے فون اٹھایا اور ایک نمبر ڈھونڈ کر اس پر کال کرنے لگا۔

****

"فاروق طالب آیا ہے" فاروق حیدر جو کہ اپنی سٹڈی میں بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے بتول حیدر کی آمد پر چونکے

"ہاں بھیج دو اسے اندر"

بتول حیدر سر ہلا کر باہر چلی گئی اور کچھ دیر بعد طالب مراد کمرے میں داخل ہوئے۔

ٹو پیس میں ملبوس طالب مراد کی عمر تقریباً تینتیس چونتیس کے قریب ہو گی۔پر ان کی عمر نے ان کی چہرے کی خوبصورتی پر ذرا اثر نہیں کیا تھا۔ان کے انداز و اطوار ان کی اعلیٰ تعلیم اور تربیت کا پتا دے رہے تھے۔

ہیزل گرے آنکھوں والا وہ خوبرو مرد کسی کی بھی توجہ اپنی جانب مبذول کروا سکتا تھا۔

"سر خیریت ہے آپ نے مجھے اتنی ایمرجنسی میں بلایا" طالب پریشانی سے بولا تو فاروق حیدر نے اسے ہاتھ سے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ سر ہلاتا وہاں بیٹھ گیا تو فاروق حیدر اپنے سٹڈی ٹیبل کی طرف مڑے اور چھوٹے سے کاغذ پر نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

طالب نے ناسمجھی سے وہ کاغذ پکڑ لیا۔

"یہ نمبر ہے اس کی ڈیٹیل نکلوانی ہے۔ کب تک ہو جائے گا یہ کام"

"سر تقریباً پندرہ منٹ"

"ہمم ٹھیک ہے"

"سر سب خیریت ہے نا آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں" فاروق حیدر نے طالب کی طرف دیکھا جو فکر مندی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

طالب ان کا وفادار مینیجر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا ایک بہت اچھا دوست بھی تھا۔

فاروق حیدر نے ایک پر افسوس سانس فضا کے سپرد کی اور بولنا شروع ہوئے۔

انہوں نے ایک ایک بات طالب کو بتا دی۔

پر اسے ویسے ہی مطمئن بیٹھا دیکھ کر وہ جی جان سے حیران ہوئے۔

"تمہیں حیرت نہیں ہو رہی میری باتوں پر"

"نہیں سر"اس نے اطمینان سے سر نفی سر ہلایا۔

"مجھے عرش سر پر کافی مہینوں سے شک تھا۔ان کی سر گرمیاں کافی مشکوک تھیں پر وہ آپ کے لیے بیٹوں کی طرح عزیز تھے اسی لیے میں بنا ثبوت کے آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔

پر اب جب یہ بات کھل ہی گئی ہے تو میں آپ کو وہ سب چیزیں دکھا دیتا ہوں جو میں پچھلے چند مہینوں سے اکٹھی کر رہا ہوں" وہ اٹھا اور سٹڈی سے باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اس کا لیپ ٹاپ تھا۔

فاروق حیدر ابھی تک ویسے گم سم بیٹھے تھے۔

"سر یہ دیکھیے" اس نے لیپ ٹاپ سٹڈی ٹیبل پر رکھا اور کچھ ٹائپ کرنے کے بعد سکرین ان کی جانب کی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ ان دس کروڑ کا ریکارڈ تھا جو عرش نے جوے میں ہارے تھے۔

اس کے علاوہ ابھی کچھ دیر پہلے ڈرگز سمگلنگ کے کیس میں گرفتار ہونے والے سیاسی رہنما کے ساتھ تصاویر۔

اور بھی اسی طرح مشہور زمانہ بدنام لوگوں کی ساتھ اس کی تصاویر۔

فاروق حیدر کو لگا تھا کہ وہ کہ ایک اچھا شوہر نہیں بن سکتا پر اب انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ نا تو ایک اچھا شہری تھا اور نا ہی ایک اچھا انسان۔

"سر یہ رہی اس نمبر کی ڈیٹیل" طالب نے اپنی فون سکرین ان کے سامنے کی۔

"سر یہ انشراح ملک کا نمبر ہیں۔ہارون رشید ملک کی اکلوتی بیٹی"

"اس کا عرش سے کوئی تعلق ہے؟"

"جی سر جہاں تک مجھے لگ رہا ہے یہ عرش سر کی دوست ہیں۔پر ان تصویروں کو بھیجنے کے دو مقاصد میری سمجھ میں آ رہے ہیں"

"کیا"

"سر ایک تو یہ کہ شاید انشراح ملک عرش سر کی اس قسم کی حرکات سے آگاہ تھیں اور وہ میرب میڈیم کو بچانا چاہتی تھیں یا پھر وہ عرش سر کر پسند

کرتی ہیں اور انہوں نے یہ تصویریں اس مقصد سے بھیجی ہیں کہ آپ خود ہی اس رشتے سے انکار کر دیں"

"ہمم... چلو جو بھی ہوا عرش کی حقیقت تو کھل گئی نا ہم پر"

"سر فکر مت کریں انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا آپ شکر کریں کہ وقت پر سب کچھ آپ کو پتا لگ گیا"

طالب مراد نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو وہ آسودگی سے مسکرا دیے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

برے وقت میں مخلص لوگ تپتی دھوپ میں پانی کی ٹھنڈی پھوار کی طرح ہوتے ہیں۔

مشکل وقت آتا ہے پھر گزر جاتا ہے۔پر مخلصی کے وہ دو بول ساری زندگی یاد رہتے ہیں۔

لفظ شفا دیتے ہیں۔کچھ اذیتوں کی وضاحت الفاظ نہیں کر سکتے پر کسی دوسرے کے مخلص لفظوں کا شہد کس قدر میٹھا ہوتا ہے،اس بات کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس پر گزرتی ہے۔

کسی تکلیف میں مبتلا شخص کی کیفیت ہم کبھی نہیں سمجھ سکتے۔کسی کو یہ کہہ دینا کہ میں سمجھ سکتا ہوں،سفید جھوٹ لگتا ہے۔سوائے اس شخص کے کوئی نہیں سمجھ سکتا،کوئی بھی نہیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

زائشہ کلاس میں بیٹھی ایک بار پھر سے سوچوں کے بھنور میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

"میم کلاس اوور ہو گئی" وہ ارد گرد سے بے نیاز گم صم سی بیٹھی تھی جب ایک بچے نے بلند آواز میں کہا۔

اس نے ہڑبڑا کر دروازے کی جانب دیکھا۔

دیان دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے دائیں ہاتھ میں فون تھامے کھڑا تھا اور کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

گولڈن براؤن بال چہرہ جھکانے کی وجہ سے اس کے ماتھے پر آ گئے تھے۔ بلو پینٹ پر سفید شرٹ اور بائیں ہاتھ میں کچھ کاغذات۔ وہ بالکل ویسا ہی دکھائی دے رہا تھا جیسا اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

اچانک سے وہ مسکرایا۔ شاید کوئی میسج پڑھ رہا تھا۔

اور اب منظر پوری طرح سے مکمل ہو گیا تھا۔

جھکا چہرہ مسکراتے ہونٹ۔

پر ایک چیز مختلف تھی۔ڈمپل

ہاں اس کے بائیں گال پر ڈمپل پڑ رہا تھا۔اس نے دماغ پر ذرا سا زور دیا۔خواب میں اس نے چہرے کا دائیاں رخ دیکھا تھا یہ بائیاں رخ تھا۔

وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اسکا موازنہ کسی اور سے کر رہی تھی تو غلط نہ ہوگا۔

دیان نے اب جھنجھلاتے ہوئے فون اپنی پاکٹ میں ڈالا اور زائشہ کی جانب دیکھا۔وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دیان کی آنکھوں میں ابھرتی حیرت کو وہ صاف پڑھ سکتی تھی۔

منظر ایک بار پھر سے وہی تھا وہ اسکی طرف دیکھ رہا تھا پر ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں بلکہ آنکھوں میں حیرت و اچھنبا تھا۔

خود کو کوستے زائشہ فوراً چہرہ جھکا گئی۔ایسی بھی کیا بے اختیاری کے اسے خود پر ذرا کنٹرول ہی نا رہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ٹیبل پر موجود فائل کو جھکے سر کے ساتھ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔
دیان نے گردن موڑ کر ایک نظر تیزی سے چلتی زائشہ کو دیکھا اور کلاس میں آ گیا۔

ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے جب دوسری قطار میں بیٹھی لڑکی بول اٹھی۔
"دیان سر زائشہ میم اپنا بیگ ادھر ہی چھوڑ گئی ہیں" دیان جو کرسی پر بیٹھا ایک بچے کو پرابلم سمجھا رہا تھا اس لڑکی کی بات سن کر نیچے کی جانب جھکا۔
ٹیبل کے نیچے زائشہ کا بیگ پڑا تھا۔ اس نے بیگ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تاکہ کسی کو بھیج سکے زائشہ کو دینے کے لیے۔
بیگ کی زپ کھلی ہوئی تھی اور دیان نے اسے اس طریقے سے پکڑا کہ بیگ میں سے کچھ چیزیں باہر گر گئی۔
وہ جھنجھلاتا ہوا کرسی سے اٹھا اور نیچے بیٹھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

والٹ اور ٹشو کے پیکٹ کو واپس بیگ میں ڈالا اور اس تصویر کو اٹھایا جو الٹی پڑی تھی۔

ناجانے دیان کے دماغ کو کیا سوجی اگرچہ یہ ایک بہت غیر اخلاقی حرکت تھی پر اس نے وہ تصویر پلٹ دی۔

اور اس تصویر پر نظر ڈالتے ہی دیان کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔

وہ بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے پانچ منٹ پہلے زائشہ گئی تھی۔

وہ دوبارہ ششدر سا اس تصویر کو دیکھنے لگا۔

"زائشہ مراد"

وہ اس چہرے کو ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے زائشہ کا چہرہ لہرایا تو وہ چونکا۔

آئی برو کے قریب کٹ کا نشان۔زائشہ کی آئی برو کے پاس کٹ کا نشان تھا جس کی وجہ سے اس کی آئی برو میں ایک جگہ سے بال غائب تھے۔

زائشہ کو وہ چوٹ کب، کیسے اور کیوں آئی تھی۔وہ جانتا تھا۔اس سے بہتر کوئی جان بھی نہیں سکتا تھا۔

مسکراتا چہرہ، ہیزل گرے آنکھیں، بے انتہا معصومیت لیے نقوش۔ساتھ کھڑا ہیزل گرے آنکھوں والا مرد اور ساتھ موجود بچہ اور اسکا باپ۔

یہ وہی تصویر تھی جو زائشہ رات کو دیکھ رہی تھی۔اکیڈمی آتے ہوئے اس کی نظر بیڈ کے کنارے پر گری اس تصویر پر پڑی تو اس نے اٹھا کر اپنے بیگ ڈال دی۔

پر وہ اس بات سے انجان تھی کہ یہ تصویر اس کی زندگی کے تکلیف دہ باب کو ایک بار پھر سے دہرانے والی ہے۔

دیان نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ وہ تصویر بیگ میں ڈالی اور زپ بند کر کے ایک بچے کی طرف بڑھا دیا۔

دیان حیدر کے چہرے پر قیامت کے سے تاثرات تھے۔

وہ دونوں دکھ کی لمبی راتوں کو کاٹ رہے تھے۔ماضی کی تکالیف کو سہہ رہے تھے۔

ماضی گزر جانے کے بعد بھی اثر انداز ہوتا ہے۔وقت ہر بار مرہم نہیں بنتا بلکہ کبھی کبھی یہ زخموں پر چھڑکا جانے والا نمک بن جاتا ہے۔زندگی میں کچھ لمحات ایسے آتے ہیں جنہیں ہم چاہ کر بھی اپنی زندگی سے نہیں نکال سکتے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تکلیف کی ان راتوں میں اضافہ ہونے والا تھا یا کمی آنے والی تھی یہ تو صرف وقت ہی جانتا تھا۔

وقت جو نا کسی کو بادشاہ کو دیکھتا ہے نا فقیر کو۔جب اسے ناسور دینے ہوتے ہیں تو یہ اس قدر بے دردی سے دیتا ہے کہ روح بلبلا اٹھتی ہے اور جب خوشیاں دیتا ہے تو سمیٹنے کو جھولی کم پڑ جاتی ہے۔

****

عرش بیٹا آج فاروق بھائی کی طرف جانا ہے۔انہوں نے بلایا ہے" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے،اورنج جوس کی طرف جاتا عرش کا ہاتھ ایک پل کے لیے ہوا میں ساکت ہوا۔اس نے حیرت سے ثمینہ جہانگیر کی طرف دیکھا جو اس کے مقابل کرسی پر بیٹھی بریڈ پر مکھن لگا رہی تھیں۔

"کیوں خیریت؟"

"ہاں صبح آفس جانے سے پہلے تمہارے بابا کو کال آئی تھی فاروق بھائی کی۔ کہہ رہے تھے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔اب یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا کیا بات ہے.........ویسے تمہیں کچھ معلوم ہے اس بارے میں" انہوں نے سامنے بیٹھے عرش کو دیکھا جو اپنی پلیٹ پر نظریں جمائے کسی سوچ میں گم تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں میری کوئی بات نہیں ہوئی" اس نے اورنج جوس کا گلاس اپنے منہ سے لگایا۔

"ہمم.... تمہارے بابا کہہ کر گئے تھے کہ تمہیں آج جلدی آفس بھیجوں لیکن تم بھی بارہ بجے ہی جاؤ گے" انہوں نے ایک زبردست گھوری اس پر ڈالی۔

"مام پلیز اس روز کی بحث کو ناشتہ کے ٹیبل پر مت کیا کریں" اس نے ناگواری سے کہا تو ثمینہ جہانگیر لب بھینچ کر رہ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میری بیوقوفی کس طرح تمہاری زندگی تباہ کرے گی اس کا انداز تمہیں کچھ گھنٹوں میں ہو جائے گا۔

جسٹ ویٹ اینڈ واچ"

صبح انشراح کے کہے گئے الفاظ اس کے کان میں گونجے۔

اس کے چہرے سے ایک دم شدید غصہ ظاہر ہونے لگا۔

اس نے فون اٹھایا اور ایک میسج ٹائپ کیا۔

"مجھے تم سے ملنا ہے۔ دو بجے

شارپ "اس نے ریسٹورنٹ کا نام لکھ کر انشراح کے نمبر پر میسج بھیج دیا۔

"انشراح ملک اب تمہیں اندازہ ہو گا تم نے کس شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالا

ہے. میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ تمہیں اپنے پیدا ہونے پر افسوس ہو گا"

اس نے پلیٹ کے ایک طرف رکھے چاقو کو اٹھا کر اپنے ہاتھ میں گھمایا۔

"کیونکہ عرش جہانگیر نے معاف کرنا اور رحم کرنا سیکھا ہی نہیں "اس کی

نظریں مسلسل ہاتھ میں گھومتے چاقو پر تھیں۔

اس کا دماغ تیزی سے منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

ثمینہ جہانگیر اس کے ذہن میں پنپتے خیالات اور آنے والی قیامت سے

انجان اپنے کام میں مصروف تھیں۔

****

"دیان یہ تو کہاں لے کر آیا ہے مجھے "ارسل نے ارد گرد موجود تنگ گلیوں اور بوسیدہ چھوٹے چھوٹے گھروں کو دیکھتے پوچھا۔

"یار بتا بھی دے "ارسل نے پھر وہ سوال دہرایا جو وہ مسلسل بیس منٹ سے پوچھ رہا تھا۔

"تو چپ کر کے بیٹھ جا ذرا "دیان نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

ارسل منہ بسورتا باہر کی جانب دیکھنے لگا جب ایک بلیک کار گلی کے کنارے پر آ کر رکی۔

زائشہ اپنا بیگ سنبھالتی اس گاڑی سی نکلی اور دروازہ بند کر کے کھڑکی کی جانب جھک کر کچھ کہا اور پھر سیدھا ہوتی گلی میں داخل ہو گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ تو زائشہ ہیں" ارسل نے حیرت سے دیان کی طرف دیکھا اور پھر اپنی ماں کی کار کی طرف جسے اب ڈرائیور یورس کر رہا تھا۔

شازیہ شاہ نے زائشہ کو ڈراپ کرنے کی ذمہداری اٹھائی تھی اور اب وہ اسے چھوڑنے آئی تھیں۔

"تو اندر بیٹھا رہ۔ باہر مت آنا" دیان نے انگلی کے اشارے سے اسے دھمکایا اور بلیک ہڈی کا ہڈ سر پر گرا کر باہر نکل گیا۔

ارسل بس اسے زائشہ کے پیچھے جاتا دیکھتا رہا۔ اس کی بات کی مخالفت وہ کسی صورت نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اپنے دانت اور ہڈیاں بہت عزیز تھیں۔

بلیک ہڈی اور بلیک پینٹ پہنے دیان گلے میں پھیلے اندھیرے کا ہی ایک حصہ لگ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ زائشہ سے کافی فاصلے پر چل رہا تھا۔ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا جب زائشہ نے رک کر ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

کچھ دیر بعد اندر سے ایک بچے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔زائشہ اندر چلی گئی تو چند منٹ بند دروازے کو دیکھنے کے بعد وہ بھی واپس گاڑی کی طرف چل دیا۔

"تو کیا کرنے آیا تھا یہاں "اس کے کار میں بیٹھتے ہی ارسل نے پوچھا۔دیان کی یہ حرکت ارسل کی سمجھ سے باہر تھی۔

"کسی بچھڑے ہوئے کو ڈھونڈنے آیا تھا" دیان نے ہڈی اتار کر بیک سیٹ پر پھینکی اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔

"مطلب"

دیان نے چابی چھوڑ کر سٹیئرنگ پر ہاتھ جما کر ایک لمبا سانس لیا اور گردن موڑ کر ارسل کی جانب دیکھا۔

"کچھ سالوں پہلے کوئی کھو گیا تھا۔میں نے بہت ڈھونڈا اسے پر نہیں ملا لیکن اب لگ رہا ہے کہ وہ مل گیا ہے"

"تو کیا کہہ رہا ہے۔کون بچھڑ گیا تھا اور اب مل گیا اور اس سب کا زائشہ سے کیا تعلق" دیان کی باتیں ارسل کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔

"زائشہ سے ہی تو تعلق ہے۔اب سارے تعلق اس سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوں گے" دیان دور نظر آتے زائشہ کے گھر کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تیری ایک بات کی بھی سمجھ نہیں آ رہی" ارسل نے سرینڈر کرنے کے انداز میں ہاتھ ہوا میں اٹھا دیے۔

"آ جائے گی۔چند دن گزر لینے دو سب باتوں کی سمجھ آ جائے گی" دیان نے ایک بار پھر اگنیشن میں چابی گھمائی۔اس بار کار سٹارٹ ہو گئی تو ہیڈ لائٹس آن ہونے سے گلی میں ایک دم ہر طرف روشنی پھیل گئے۔

دیان تو تنگ گلی سے کار نکال کر باہر لے گیا۔ گلی میں ایک بار پھر سے اندھیرا پھیل گیا۔ پر اس اندھیر گلی میں کھڑا کوئی اس واقعے کا گواہ بن گیا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"خیریت ہے فاروق اتنی جلدی میں بلایا" حامد جہانگیر نے اپنے مقابل رکھے صوفے پر بیٹھے فاروق حیدر سے پوچھا۔ عرش اور حامد جہانگیر ٹو سیٹر صوفے پر بیٹھے تھے۔ ساتھ رکھے صوفے پر بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر براجمان تھی اور سامنے فاروق حیدر کے ساتھ طالب مراد بیٹھے تھے۔

فاروق حیدر نے کوئی جواب نہ دیا اور طالب مراد کی طرف ہاتھ بڑھایا جنہوں نے ایک بلیک فائل ان کی جانب بڑھائی۔

فاروق حیدر نے وہ فائل تھام کر درمیان میں رکھے ٹیبل پر پھینکنے کے انداز میں رکھ دی اور آنکھوں سے اسے اٹھانے کا اشارہ کیا۔

"یہ کیا ہے؟" حامد جہانگیر وہ فائل اٹھانے کے لیے آگے کی جانب جھکے۔

عرش ٹانگ پر ٹانگ جمائے، ہاتھوں کی ایک مٹھی ہونٹوں پر جمائے بیٹھا تھا۔

جو ابھی کچھ دیر میں ہونے والا تھا اور اس کے نتیجے میں جو اسے کرنا تھا، وہ سب پلین کر کے آیا تھا۔

"دیکھ لو" فاروق حیدر نے سپاٹ انداز میں کہا۔

حامد جہانگیر نے وہ فائل کھولی اور جیسے جیسے وہ پڑھتے جا رہے تھے ان کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان کے تاثرات دیکھ کر عرش نے فوراً ان کے ہاتھ سے فائل چھینی پر اس فائل میں جو تھا، وہ واقعی اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔

وہ سوچ کر آیا تھا کہ یہاں اس سے ان تصویروں کے متعلق سوال کیا جائے جو انشراح نے میرب کو بھیجی تھیں پر یہاں تو فاروق حیدر اس کی زندگی بھر کا اعمال نامہ نکال لائے تھے۔

وہ ہونقوں کی طرح اس فائل کو دیکھ رہا تھا جس میں اس کے بہت سے غلط کاموں کا ریکارڈ اور ساتھ ثبوت بھی موجود تھے۔

"کیا ہوا عرش بیٹا پیپر آؤٹ آف سلیبس آ گیا۔ تم تو سوچ کر آئے ہو گے کہ میں ان تصویروں کے بارے میں پوچھوں گا" فاروق حیدر نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک خاکی لفافہ نکال کر سامنے ٹیبل پر پھینکا۔ ساری تصویریں پیکٹ میں سے نکل کر ٹیبل پر پھیل گئی۔

"یہ سب کیا ہے عرش "ڈرائنگ روم میں چھائے سکتے کو ثمینہ جہانگیر کی آواز نے توڑا جو سفید پڑتے چہرے کے ساتھ ان تصویروں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ تصاویر اس قدر نازیبا تھیں کہ انہوں نے شرم سے آنکھیں ہٹا لیں۔

"کیا کہو گے حامد اب تم، تمہیں اپنے بیٹے کے کرتوتوں کا اچھے سے اندازہ تھا اسی لیے تم نے سوچا کہ میری بیٹی کا شکار کیا جائے۔ وہ تو ہے بھی بھولی سی ساری زندگی زیادتی برداشت کرتی رہتی اور اس رشتے کو گھسیٹتی رہتی پر اب میں کسی صورت یہ تعلق نہیں چاہتا" فاروق حیدر نے کھڑے ہوتے کہا۔

"ڈیئر انکل شادی میں بس دو ہفتے رہ گئے ہیں اور آپ جانتے کہ ایسے وقت میں شادی کینسل ہونے کا سارا اثر لڑکی پر ہوتا ہے۔ رہی بات میری مجھے تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں پر میں آپ کی بیٹی کو زمانے میں اس قدر بدنام کردوں گا کہ کوئی اس پر تھوکے گا نہیں" عرش اطمینان سے صوفے پر

بیٹھا بول رہا تھا گویا اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا تھا۔اس کے تاثرات ایسے تھے جیسے اسے ان سب سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"بکواس بند کرو اپنی" فاروق حیدر اس کی بات سن کر چلا اٹھے

"تم میری بیٹی کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہو اور رہی بات بدنامی کی تو بدنام تو اب میں تمہیں کروں گا۔میری بیٹی کی فکر کرنے کی تمہیں ضرورت نہیں۔تم جیسے شخص کے ساتھ اسے باندھنے سے اچھا ہے کہ میں ساری زندگی اسے گھر بٹھائے رکھوں" چیخنے کی وجہ سے فاروق حیدر کا سانس پھول چکا تھا۔طالب مراد نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔

حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کو چپ لگ چکی تھی۔

"ویل.....جہاں تک مجھے سمجھ آرہا ہے یہ ساری کارستانی آپ کے اس پالتو کی ہے" عرش نے ایک سلگتی ہوئی نظر فاروق حیدر کا بازو تھامے طالب مراد پر ڈالی۔

"چیک کروالیں کہیں کوئی چکر وغیرہ نا چل رہا ہو دونوں کا آپس میں" وہاں موجود سب لوگ حیران تھے پر عرش کا اطمینان انہیں حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبو رہا تھا۔

کوئی اس قدر احسن طریقے سے بھی اپنے گناہوں کا اعتراف کر سکتا تھا، انہوں نے سوچا نہیں تھا۔

"خبردار جو تم نے ایک لفظ بھی کہا میرب میم کے بارے میں" طالب مراد عرش کی جانب بڑھا تو فاروق حیدر نے فوراً سے اسے روکا۔

"بہنوں کی طرح ہے وہ میری اور میں کسی صورت نہیں چاہوں گا کہ میری بہن کی زندگی میں تم جیسا کوئی زلیل انسان آئے"

عرش نے ہونٹوں کو گول کر کے سر ہلایا جیسے وہ اس کے الفاظ سن کر محظوظ ہوا ہو۔

وہ ابھی بھی اپنا مخصوص مغرورانہ انداز اپنائے صوفے پر بیٹھا تھا۔

"دفعہ ہو جاؤ میرے گھر سے" بتول حیدر بھی اب فاروق حیدر کے ساتھ آکر کھڑی ہو چکی تھیں۔

"سوچ لیں مسٹر فاروق حیدر ہمارے ساتھ تعلقات خراب کرنے سے آپ کو بزنس مین کس قدر نقصان ہوگا آفٹر آل ہم ففٹی پرسنٹ کے مالک ہیں" عرش نے ایک آخری حربہ استعمال کرنا چاہا۔

"پچاس چھوڑو تم سو فیصد کے بھی مالک ہوتے تب بھی میں تمہیں یونہی دھکے دے کر اپنے گھر سے نکالتا"

ان کی بات سن کر عرش نے سر کو اثبات میں ہلایا اور کھڑا ہو گیا

"اوکے مسٹر فاروق حیدر آپ کو جو کرنا تھا آپ نے کر دیا۔اب آپ دیکھیے گا کہ عرش جہانگیر آپ کے ساتھ کیا کرتا ہے.....اور تم" اس نے حقارت سے طالب مراد کی طرف اشارہ کیا

"تمہاری تو سات نسلیں بھی مجھ سے الجھنے کا نتیجہ بھگتیں گی" سامنے کھلے کوٹ کے دو بٹن کو بند کیا اور اپنی مخصوص مغرورانہ چال چلتا باہر نکل گیا۔

پیچھے حامد جہانگیر بھی مردہ قدموں کے ساتھ صوفے سے اٹھے اور باہر آ گئے۔

آج ان کے بیٹے نے ساری دنیا کے سامنے ان کا سر جھکا دیا۔ عرش کیا کرے گا اس بات کا انہیں علم نہیں تھا پر اب فاروق حیدر کیا کرنے والے تھے اس بات کا انہیں باخوبی اندازہ تھا۔
وہ اپنی بیٹی پر کوئی حرف نہیں آنے دیں گے چاہے اس کے لیے انہیں عرش کو زمانے بھر میں بدنام ہی کیوں نا کرنا پڑے وہ گریز نہیں کریں گے۔

"بتول میری بات تو سنو..." ثمینہ جہانگیر روتے ہوئے بتول حیدر کی جانب بڑھیں جو فاروق حیدر کو صوفے پر بٹھا کر پانی کا گلاس ان کی جانب بڑھا رہی تھیں۔

ثمینہ جہانگیر کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کا کہا

"آپ چلی جائیں یہاں سے۔میں آپ کے ساتھ کوئی بد تمیزی نہیں کرنا چاہتی۔ہم اگر تب سے آپ کا لحاظ کر رہے ہیں اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہمارے سالوں پرانے تعلقات ہیں" انہوں نے آنسو پونچھتے کہا۔

عرش کے رویے نے وہاں موجود لوگوں کو بہت تکلیف دی تھی۔

بتول حیدر کے جواب نے ثمینہ جہانگیر کی رہی سہی امید بھی ختم کر دی تھی۔

"مجھے معاف کر دو"

"آپ چلی جائیں بس یہاں سے۔اور ایک احسان کیجیے گا ہم پر آئندہ یہاں مت آئے گا" ثمینہ جہانگیر نے ایک نظر سامنے سیڑھیوں کی اوپری

جانب نظر آتے میرب کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور باہر چلی گئیں۔

فاروق حیدر اور بتول حیدر کی طرح ثمینہ جہانگیر بھی اس سب سے مکمل طور پر انجان تھیں اور اگر فاروق حیدر وہ ثبوت پیش نہ کرتے تو یقیناً کوئی بھی ان کی باتوں پر یقین نا کرتا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

سرخ سوجی آنکھیں باہر پورچ میں نظر آتی بلیک مرسڈیز پر ٹکائے وہ دکھ کی مورت نظر آرہی تھی۔

پونی میں سے سارے بال بکھر کر باہر آگئے تھے، پیلی قمیض اور شلوار پہنے، سیاہ دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے آج اس کے گلابی چہرے میں زردیاں گھل گئی تھیں۔

ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس سے اس کے بال چہرے پر آرہے تھے اور وہ اپنی مخروطی انگلیوں سے انہیں بار بار پیچھے کر رہی تھی۔

وہ عرش کی سب باتیں سن چکی تھی۔ان کے آتے ہی وہ ڈرائنگ روم کے باہر آکر کھڑی ہوگئی تھی۔

وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے یا نہیں پر اسے یہ دیکھ کر شدید تکلیف ہوئی تھی کہ عرش جہانگیر نے یہاں بھی اسے مایوس کیا تھا۔

وہ اس کے آدھے الفاظ سن کر ہی واپس آگئی تھی۔

اس کے لفظوں نے اسکی روح تک کو چھلنی کر دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں آپ کی بیٹی کو زمانے میں اس قدر بدنام کر دوں گا کہ کوئی اس پر

تھوکے گا نہیں"

"چیک کروالیں کہیں کوئی چکر وغیرہ نا چل رہا ہو دونوں کا آپس میں"

عرش کے یہ الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر برس رہے

تھے۔

اچانک اس نے نیچے کی جانب دیکھا جہاں سے عرش لمبے لمبے ڈگ بھرتا

اپنی کار کی طرف جارہا تھا۔کار کا دروازہ کھولتے اس نے کوٹ کی پاکٹ میں

اڑسے سیاہ گلاسس نکالے اور انہیں انکھوں پر ٹکادیا۔

گاڑی کا دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے پیچھے کی جانب دیکھا،سید حامیر ب

کی کمرے کی بالکونی کی طرف۔

ایک استہزایہ نظر سے اسے نواز کو وہ کار میں بیٹھ گیا۔

میرب گردن موڑ پھر سے سامنے دیکھنے لگی جہاں نارنجی آسمان سورج کو الوداع کرنے کے انتظامات کر رہا تھا۔

"عرش تم ایک بہت بدبخت اور بدنصیب انسان ہو جو گناہوں کی دلدل میں پوری طرح دھنس چکا ہے۔مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں اپنی محبت کی موت پر ماتم کروں یا تمہاری حقیقت کھلنے پر شکر ادا کروں۔ہر چیز کا اختتام تو ہوتا ہی پر میری محبت کا اختتام اتنا تکلیف دہ ہوگا میں نے سوچا نہیں تھا"

آنسوؤں کا دریا ایک بار پھر بہنا شروع ہو گیا تھا۔

"پر میرب فاروق کے لیے سب سے زیادہ قیمتی اس کا اللہ ہے اور میں تم جیسے لاکھوں عرش اس کے لیے قربان کر سکتی ہوں۔آج میں اپنی محبت بھی قربان کرتی ہوں آج میں نے اپنے دل سے تمہاری محبت کا ناسور نکال پھینکا ہے۔اب یہ دنیا میرب فاروق کا ایک نیا چہرہ دیکھے گا"اس نے بے دردی سے اپنے چہرے پر بہتے آنسو پونچھ ڈالے۔

"محبت کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا پر اس محبت کو غلط اور صحیح رستے کی طرف لے کر جانا انسان کے اختیار میں ہوتا ہے اور عرش تم تو برائی کے رستے پر بہت آگے نکل چکے ہو اور میں تمہاری خاطر اچھائی کو چھوڑ کر برائی کی طرف نہیں آسکتی" دور سے کہیں مغرب کی اذانوں کی آواز آرہی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس نے دوپٹہ سر پر اوڑھا اور دروازہ دھکیل کر کمرے میں آگئی جہاں بستر پر غازی اپنے سکول کی کتابیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ آج اس کے سکول کی چھٹی ہو گئی تھی۔

"اٹھ جاؤ غازی اذانیں شروع ہو گئی ہیں" اس نے کتاب پر جھکے غازی کے کو دیکھ کر کہا اور واشروم میں چلی گئی۔

****

"ہارون انشراح ابھی تک گھر نہیں آئی" دروازے پر بے چینی سے ٹہلتی انشراح کی والدہ نے سیکیورٹی گارڈز کے ہمراہ گھر میں داخل ہوتے ہارون رشید ملک کو مخاطب کیا۔

"آجائے گی۔ کسی دوست کی طرف گئی ہو گی۔ میری بیٹی پر اتنی پابندیاں مت لگایا کرو" انہوں نے انگلی سے گارڈز کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور خود مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ہارون رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ وہ اتنی دیر تک باہر نہیں رہتی اور اگر رکے بھی تو مجھے کال کر دیتی ہے پر میں اسے مسلسل دو گھنٹے سے فون کر رہی ہوں اسکا فون بند جا رہا ہے" سدرہ ملک نے انہیں معاملے کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

ہارون ملک سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا تم فکر نہیں کرو میں فون کرتا ہوں اسے" ہارون ملک نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا اور اپنی جیب میں سے فون نکالا۔

ایک کے بعد ایک کال... وہ انشراح کو نا جانے کتنی کالز کر چکے تھے پر ہر کال پر ایک ہی جواب موصول ہو رہا تھا۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے"

"ہارون پتا کروائیں میری بیٹی کسی مشکل میں ہے" اتنی دیر سے ضبط کرتی سدرہ ملک کے آنسو چھلک پڑے۔

"سدرہ رونا بند کرو۔ کچھ نہیں ہو گا میری بیٹی کو۔ اسکا فون بند ہو گیا ہو گا میں اسکے دوستوں کو کال کرتا ہوں۔ کسی میں ابھی اتنی جرات پیدا نہیں ہوئی کہ ہارون رشید ملک کی بیٹی پر نظر ڈال سکے" انہوں نے اس بار اپنے مینیجر کو کال ملائی جس کا گھر ان کے گھر سے دس منٹ کی واک پر تھا۔ یہ گھر بھی ہارون ملک نے اسے اپنی سہولت کے لیے ہی لے کر دیا تھا کہ وہ اسے کسی بھی ایمر جنسی کے لیے بلا سکیں۔

انہوں نے اسے فوراًا اپنے گھر آنے کا کہا۔

اب ہارون ملک ایک ایک کر کے اس کے دوستوں کو کال کر رہے تھے جن سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ کل رات کے بعد سے ان کی انشراح سے کوئی بات نہیں ہوئی۔

"ہارون عرش کو کال کریں۔اسکا آج عرش سے ملنے کا پلان تھا" سدرہ ملک اچانک سے کچھ یاد آنے پر بولیں۔

ہارون رشید نے فوراً سے عرش کو کال ملائی۔

انشراح کے توسط سے وہ عرش کو جانتے تھے اور کئی بار فیملی پارٹیز میں اس سے مل بھی چکے تھے۔وہ اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ ان کی بیٹی عرش جہانگیر کے لیے جذبات رکھتی ہے۔

پہلی بیل پر ہی کال اٹھالی گئی تھی۔

"اسلام علیکم عرش بیٹا میں ہارون رشید ملک بات کر رہا ہوں" ان کی آواز میں بے چینی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"وا علیکم السلام انکل کیا حال چال ہیں" عرش خوشگواری سے بولا۔

"الحمدللہ بیٹا سب ٹھیک ہے۔ آج تمہاری انشراح سے ملاقات ہوئی تھی۔ دراصل اس کا پروگرام تھا تم سے ملنے کا"

"جی انکل ہمیں ملنا تو تھا پر پھر مجھے ایک ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تو میں نے اسے میسج کر کے منع کر دیا۔ سب خیریت ہے نا انکل" آخر میں اس نے ذرا تشویش سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا سب ٹھیک ہے بس انشراح ابھی تک گھر نہیں آئی تو ذرا پریشانی ہو رہی تھی۔ شاید کسی دوست کی طرف ہو۔ میں کال کر کے پوچھتا ہوں۔ پھر بات ہو گی تم سے"

"اوکے انکل خدا حافظ"

"خدا حافظ بیٹا"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان کے فون رکھتے ہی فوراً سے سدرہ ملک نے پوچھا

"کیا ہوا کچھ پتا چلا"

"نہیں وہ کہہ رہا اس کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی انشراح سے۔ان کا پلین تھا پر کینسل ہو گیا" ہارون ملک پیشانی مسلتے اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹہلنے لگے۔

"کہاں جا سکتی ہے آخر۔ بارہ بجنے والے ہیں۔ کتنی بجے نکلی تھی گھر سے "انہوں نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"بارہ بجے کے قریب نکلی تھی....ہارون آپ کچھ کر کیوں نہیں رہے۔ڈھونڈیں اسے"

"صبر کر جاؤ۔ فصیح آرہا ہے اب وہ ہی آ کر کچھ کر سکتا ہے" انہوں نے ایک بار پھر اپنے مینیجر فصیح کو کال ملائی۔ابھی بیل جا رہی تھی جب لاونج کا دروازہ کھولتا درمیانی عمر کا فصیح اندر داخل ہوا۔

"ازایوری تھنگ اوکے سر" ان کے چہرے سے جھلکتی پریشانی سے اسے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"فصیح میری بیٹی دوپہر سے غائب ہے۔اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا۔تم کچھ کرو"سدرہ ملک نے روتے ہوئے کہا تو ہارون ملک بھی بے بسی کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

"کب سے غائب ہیں میم"

"تقریباً بارہ بجے سے"

"آپ نے ان کے دوستوں..."ابھی فصیح کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی جب ہارون ملک بول اٹھے۔

"سب کو کال کر چکا ہوں۔کہیں نہیں ہے وہ۔فون بھی بند ہے اسکا۔تم اسکی لوکیشن ٹریس کرنے کی کوشش کرو"

ہارون ملک کے کہتے ہی فصیح اثبات میں سر ہلاتا کنٹرول روم کی طرف بڑھ گیا جہاں ہارون رشید ملک کے گھر کا سارا اسیکیورٹی نظام ترتیب دیا گیا تھا۔ انشراح کے فون کی مدد سے وہ اس کی لوکیشن ٹریس کر سکتے تھے۔

فصیح کے بعد ہارون ملک بھی اس روم میں داخل ہوئے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کمپیوٹر پر چند منٹ کام کرنے کے بعد انشراح کی لوکیشن ان کے سامنے تھی۔

سسٹم دوپہر ایک بجے کی لوکیشن دکھا رہا تھا، کسی مقامی ہوٹل کے سامنے۔اس کے بعد شاید انشراح کا فون بند ہو گیا تھا۔

"سر ایک بجے کے بعد سے ان کا فون آف ہے" فصیح نے ہارون ملک کی جانب دیکھتے کہا۔

مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید الجھ گیا تھا۔

ہارون ملک اب اپنے فون پر کسی کو کال کر رہے تھے۔

****

دیان انگلی میں چابی گھماتا گاڑی کی طرف جارہا تھا جب اسکی نظر شازیہ شاہ کے آفس کے باہر کھڑی زائشہ پر پڑی۔شازیہ شاہ سے کوئی ملنے آیا تھا اسی لیے وہ باہر ان کا انتظار کر رہی تھی۔

انگلی میں چابی گھماتا اس کا ہاتھ ہوا میں ساکت ہوا اور پھر پہلو میں آ گرا۔

اس نے زائشہ کی جانب دیکھا۔

بلیک چادر پر ڈھیلا سا جوڑا بنائے جس میں سے بال نکل کر اس کے چہرے کے گرد آ گئے تھے۔سفید دمکتی ہوئی رنگت جو چاند کی چاندنی سے منعکس ہو کر مزید دمک رہی تھی۔ہیزل گرے کرسٹل جیسے آنکھیں گھنی پلکوں کی آغوش میں چھپی ہوئی تھی۔سرخ چھوٹے چھوٹے ہونٹ اور کنارے پر ایک چھوٹا سا تل۔اتنی دور سے بھی اسکا وہ تل واضح ہو رہا تھا۔

پر دیان کے لیے اگر کوئی چیز توجہ طلب تھی تو وہ تھا اس کی آئی برو کے قریب کٹ کا نشان۔

اس نشان کو دیکھتے دیان کے اندر تلخیاں سی گھل گئیں تھیں۔ایک استہزایہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آگئی۔

اس نے چابی کو پینٹ کی جیب میں ڈالا اور زائشہ کی طرف بڑھ گیا۔

"زائشہ" وہ سر جھکائے دائیں پاوں سے زمین کھرچ رہی تھی جب اپنے نام کی پکار پر چونکی۔

سامنے ہی وہ کھڑا تھا۔

بلیک پینٹ پر گرے شرٹ پہنے وہ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

چمکتی ہوئی گہری سیاہ آنکھیں، تیکھے نقوش، گولڈن براون بال جو نفاست سے سیٹ کیے گئے تھے۔ ہلکی ہلکی براؤن بئیرڈ،اور گال کے ایک طرف ابھرتا ڈمپل۔اس کا ڈمپل اتنا گہرا تھا کہ بولنے پر بھی ظاہر ہوتا تھا۔

اس کا قد زائشہ کی نسبت کافی لمبا تھا اسی لیے وہ سر اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ کس قدر جاذب اور چھا جانے والی شخصیت کا مالک تھا، اسے اندازہ نہیں تھا۔

یقیناً وہ ان مردوں میں سے تھا جو اگر کہیں سے گزرتا تو دس میں سے آٹھ لوگ اسے ضرور مڑ کر دیکھتے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ گھر نہیں گئی ابھی تک" ساری اکیڈمی خالی ہو گئی تھی اسی لیے اس کا پوچھنا زائشہ کو معیوب نا لگا۔

"وہ میم بزی ہیں" اس نے نظریں جھکائیں اور چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔

نا جانے کیا تھا ان کی نظروں میں جو وہ اسے دیکھ نا پائی۔

یا شاید وہ خود سے شرمندہ تھی۔

ہاں دیان کا اس کے خواب میں آنا....اس بات نے زائشہ کو خود سے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

یہ دیان اور زائشہ کی پہلی براہ راست گفتگو تھی۔

"اوہ...آٹھ بج رہے ہیں آپ برا نا مانیں تو میں آپ کو چھوڑ دوں" اس نے گھڑی میں وقت دیکھتے کہا۔

زائشہ نے بوکھلاتے ہوئے اسے دیکھا پر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ شازیہ شاہ کے روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

آج ارسل کی طبیعت کچھ خراب تھی اسی لیے وہ اکیڈمی نہیں آیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ شازیہ شاہ کے ہمراہ ان کے آفس سے باہر آیا۔

"زائشہ بیٹا مجھے آج کافی لیٹ ہو جائے گا آپ دیان کے ساتھ چلی جاؤ وہ آپکو چھوڑ دے گا"

"پر میڈیم...." زائشہ کچھ بولنے لگی پر پھر خود ہی خاموش ہو گئی۔

اتنی رات کو وہ اکیلی تو کسی صورت نہیں جا سکتی تھی۔اور لوکل جانے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔اس کے پاس دیان کے ساتھ جانے کے علاوہ کوئی آپشن نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے"

"آیئے" اسے ہامی بھرتا دیکھ کر دیان نے کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

زائشہ کچھ دیر کشمکش کی کیفیت میں ہاتھ مسلتی رہی اور پھر پچھلا دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گیا۔

دیان نے حیرت سے مڑ کر اس کی جانب دیکھا جو پیچھے بیٹھی اپنی چادر ٹھیک کر رہی تھی۔

"آپ پیچھے کیوں بیٹھ رہی ہیں" دیان کی بات سن کر زائشہ نے سہمی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

دیان اس کی زندگی کا پہلا لڑکا تھا جس سے وہ اتنی لمبی بات کر رہی تھی۔

"وہ..."زائشہ کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی پر دیان اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر سپاٹ انداز میں سامنے کی جانب مڑ گیا اور بولا

"آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔شازیہ آنٹی نے مجھ پر بھروسہ کر کے ہی آپ کو میرے ساتھ بھیجا ہے۔آگے آکر بیٹھیں"آخر کا جملہ وہ حکمیہ انداز میں بولا تو زائشہ چار و ناچار آگے آکر بیٹھ گئی۔

دیان نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔اس کے تاثرات ابھی بھی بلا کے سنجیدہ اور سپاٹ تھے۔

دیان کی سوچ ایک بار پھر سے تلخ ہو رہی تھی۔زائشہ کی سہمی نظروں نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔اسے خود پر بے انتہا غصہ آرہا تھا۔نا جانے اس کے کون سے رویہ سے خوفزدہ ہو کر وہ سہم گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ساری تکلیف دہ یادیں ایک بار پھر سے امڈ امڈ کر اس کے زہن کے دریچوں پر دستک دینا شروع ہو گئی تھیں۔ایک اور وجود بھی اس کے ساتھ گاڑی میں موجود ہے،وہ اس بات کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔

وہ گاڑی کو چلا نہیں اڑا رہا تھا۔گاڑیوں سے بھری سڑک پر اس کی کار بل کھاتی تیزی سے گزر رہی تھی۔

اس کے دماغ کی رگیں ابھر کر ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھی۔زائشہ کی ایک نظر نے اس کا ماضی دہرا دیا تھا۔

زائشہ کو تو سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ دیان کو اچانک سے ہو کیا گیا ہے۔اس کا دل تیزی سے دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔اس نے مضبوطی سے سیٹ بیلٹ کو تھام لیا۔

وہ سہمی نظروں سے دیان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سامنے موجود بائیک سوار کو دیکھ کر دیان نے فوراً سے ایک کٹ لیا جس کی وجہ سے زائشہ کا سر زور سے کھڑکی کے شیشے سے ٹکرایا اور ایک چیخ اس کے منہ سے برآمد ہوئی۔

چیخ کی آواز سن کر دیان نے فوراً سے بریک لگائی۔وہ بے یقینی سے اپنے پہلو میں بیٹھی زائشہ کو دیکھ رہا تھا۔جو سر جھکائے آنسو پونچھنے کے بعد اب اپنی چادر درست کر رہی تھی۔

دیان جیسے کسی گہرے خیال سے باہر آیا تھا۔اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔

"ایم سوری" وہ بولا اور کار سائڈ پر لگا دی۔اسے پھر سے آنسو پونچھتا دیکھ کر دیان نے ڈیش بورڈ پر رکھی پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی

"نو تھینکس" زائشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایم سوری" وہ معافی مانگنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اپنی غلطی کے اس کے پاس کوئی وضاحت نہیں تھی۔

"اگر آپ اسی طرح ڈرائیو کرتے ہیں تو مجھے رکشہ کروادیں۔میں اکیلی گھر چلی جاؤں گی پر اب آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی "اس نے خفگی سے کہا۔سر اس نے ابھی تک نہیں اٹھایا تھا۔

اس کا خفاانداز دیکھ کر ناجانے کیوں دیان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"نہیں آپ فکر نہیں کریں۔میں اب احتیاط سے چلاؤں گا آپ ریلیکس ہو کر بیٹھ جائیں"

دیان نے پھر سے گاڑی سٹارٹ کردی۔اب کی بار وہ احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ڈرائیو تو وہ پہلے بھی اچھی کرتا تھا پر اس کی ذہنی ازیت اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتی تھی۔

زائشہ کا ڈر بھی کسی حد تک کم ہو گیا تھا اور وہ ریلکس ہو کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد جب اس نے زائشہ کے گھر کی گلی کے باہر گاڑی روکی تو ایک سوچ کے تحت زائشہ نے حیرت سے دیان کی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا" دیان نے نا سمجھی سے زائشہ کی جانب دیکھا۔

"آپ کو میرے گھر کا ایڈریس کیسے پتا چلا۔میں نے تو نہیں بتایا تھا"

اور زائشہ کی بات سن کر دیان کی سٹی گم ہو گئی۔

"وہ...وہ میں نے شازیہ آنٹی سے پوچھا تھا" اس نے بوکھلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

زائشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"شکریہ"

"کس لیے"

"گھر ڈراپ کرنے کے لیے" دیان نے سر ہلا کر اسکا شکریہ قبول کیا۔

"ایم سوری"

"کس لیے"

"آپ کو ڈرا دیا اس لیے" زائشہ نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی معافی کو قبول کیا۔

"اٹس اوکے" اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

زائشہ کے دروازے کھٹکھٹانے اور اندر داخل ہونے تک وہ وہیں کھڑا رہا۔

پھر سٹئیرنگ پر سر رکھ کر جھک گیا۔

وہ ماضی کو کریدنا نہیں چاہتا تھا پر اب ایسا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے آج اکیڈمی میں زائشہ کا ریکارڈ نکلوایا تھا۔کچھ زیادہ نہیں پر تھوڑی بہت معلومات وہ اس کے بارے میں حاصل کر چکا تھا۔

جوں جوں وہ زائشہ کے بارے میں جانتا جا رہا تھا اس کا شک یقین میں بدلتا جا رہا تھا۔

اب ماضی کو دہرانا ضروری ہوتا جا رہا تھا اور اس سب کے لیے اسے خود کو مضبوط کرنا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر گاڑی سٹارٹ کی اور گلی سے نکل گیا۔

****

"کھولو مجھے..... کوئی ہے، نکالو مجھے یہاں سے" انشراح کافی دیر سے کرسی پر بندھی چلا رہی تھی۔اب تو چلا چلا کر اسکا گلا خشک ہو گیا تھا۔

چھوٹے سے کمرے میں صرف ایک زیرو وولٹ کا بلب لگا تھا جو کمرے میں موجود اندھیرے کو مٹانے میں بری طرح ناکام ہو رہا تھا۔

نفیس سے کرتا شلوار میں ملبوس دوبٹہ سے بے نیاز وہ ناجانے کب سے اس اندھیرے کمرے میں پڑی تھی۔

بھوک سے اب اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔بے بسی کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اچانک سے کمرے کا دروازہ کھلا تو تیز روشنی کمرے میں پڑنے سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

کوئی دروازہ بند کر کے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے موجود شخص اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

عرش جہانگیر

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیسی ہو بے بی" اس نے اپنی ایک ٹانگ کرسی کے بازو پر رکھی۔

"کیوں بند کیا ہے تم نے مجھے"

"تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں" عرش نے انشراح کا سوال اگنور کرتے اسکی آنکھوں میں دیکھتے کہا

"تمہارے پیارے ڈیڈ کی کال آئی تھی میرے پاس کہ میں آج ان کی بیٹی سے ملا ہوں کہ نہیں۔اور میں نے کہہ دیا کہ آج میری اس سے کوئی

ملاقات نہیں ہوئی.....ٹھیک کہا نا میں نے"اس نے کسی معصوم بچے کی طرح پوچھا۔

انشراح آج عرش سے ملنے آئی تھی۔اسی کے دیے ایڈریس پر۔لیکن وہاں کافی دیر عرش کا انتظار کرنے کے بعد جب وہ نا آیا تو وہ واپس جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔پارکنگ ایریا میں پہنچ کر وہ پرس سے اپنی چابی نکال رہی تھی جب کسی نے پیچھے سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔

وہ مزاحمت کرتی رہی،ارد گرد مدد کے لیے کسی کو تلاش کرتی رہی پر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کہ وہاں آس پاس کوئی نا تھا۔جس ریسٹورنٹ میں عرش نے اسے بلایا تھا وہاں کچھ دنوں پہلے پولیس ریڈ ہوئی تھی اور پولیس کو وہاں سے کچھ ایسا سامان ملا تھا جس کی وجہ سے وہ ریسٹورنٹ کو سیل کرنے

جارہے تھے۔پر ریسٹورنٹ آرنر نے پیسوں کازور چلا کر معاملہ ختم کر دیا تھالیکن اب نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہاں کسٹمرز نا ہونے کے برابر تھے۔

کوئی اسے گھسیٹتا ہوا کار تک لا یا تھااور اسے زور سے بیک سیٹ پر پٹخا۔گاڑی میں بیٹھے دوسرے شخص نے اس کے منہ پر کلوروفارم سے بھرا رومال رکھنا چاہاپر انشراح نے ہاتھ پاؤں مار نا شروع کر دیے۔

دونوں آدمیوں کے منہ پر ماسک لگا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک کا ماسک اتار دیااور عرش جہانگیر کو وہاں دیکھ کر وہ بالکل ساکت ہو گئی۔دوسرے آدمی ن فوراً سے اس کے منہ پر وہ رومال رکھااور وہ ہوش وحواس سے بے گانہ ہو گئی۔اس کے بعد جب اسکی آنکھ کھلی تو وہ اس اندھیرے کمرے میں کرسی پر بندھی تھی۔

"کیوں اغواہ کیا ہے تم نے مجھے.... تمہیں شاید معلوم نہیں میرے ڈیڈ چند گھنٹوں میں مجھے ڈھونڈھ نکالیں گے" شروع کا جملہ چلاتے ہوئے اور آخر کا قدرے اطمینان سے بولا۔

عرش سینے پر ہاتھ باندھے سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"انشراح ملک عرش جہانگیر نے کچی گوٹیاں نہیں کھیلیں۔ جہاں تمہارے باپ کی سوچ ختم ہوتی ہے وہاں میری سوچ شروع ہوتی ہے اور اگر میں نا چاہوں تو تمہارا باپ ساری عمر تمہیں ڈھونڈتا رہے گا لیکن اسے تمہارا نام و نشان نہیں ملے گا۔

اور رہی بات کے میں نے تمہیں اغواہ کیوں کیا ہے تو..." وہ ذرا آگے کی جانب جھکا

"تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ میرا نقصان کروا چکی ہو۔ شاید میں نے تمہیں ہلکا لے لیا تھا پر اب تم عرش جہانگیر کو ہلکا لینے کی غلطی مت کرنا"

"دیکھو... میں میرب سے معافی مانگ لوں گی مجھے جانے دو" عرش کے سرد رویہ سے اب انشراح کو خوف آرہا تھا۔ وہ جنونی طبیعت کا مالک انسان ناجانے اس کے ساتھ کیا کر دے۔

"نو بے بی... چھوڑوں گا تو اب میں تمہیں کسی صورت نہیں۔ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ تمہیں پتا نا چلا کہ اس اغواہ کے پیچھے میرا ہاتھ ہے پر افسوس تم نے اپنے ہاتھوں سے میرا ماسک اتارا تھا اور اب اسکا نتیجہ تو تمہیں بھگتنا پڑے گا" وہ کندھے اچکا کر نارمل انداز میں بولا۔

"مطلب"

"مطلب یہ کہ پہلے میرا ارادہ صرف تمہیں ایک ہفتے تک اپنی قید میں رکھنے کا تھا کیونکہ ایک لڑکی کے لیے یہ سزا بہت ہے... یو نو بدنامی..... پر اب چونکہ تم جان گئی ہو کہ یہ سب میں نے کیا ہے تو تمہیں زندہ چھوڑنے کا رسک اب میں نہیں لے سکتا"

اس کی باتیں سن کر انشراح کے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

"میرے ڈیڈ تمہیں چھوڑیں گے نہیں" اس نے مدھم آواز میں ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اوہ ڈئیر.. تمہارے ڈیڈ مجھے تب چھوڑیں گے ناں جب وہ مجھے پکڑیں گے۔ میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے اور میری بہت بھی فکر ہے۔ لیکن تم بے فکر رہو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔

میرے آدمیوں نے سارے ثبوت اس قدر صفائی سے صاف کیے ہیں کہ کوئی معجزہ ہی انہیں مجھ تک پہنچا سکتا ہے"

"عرش پلیز مجھے جانے دو۔ میں کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔ میں.. میں یہ ملک ہی چھوڑ دوں گی پر پلیز مجھے مت مارو" اب وہ رو دی تھی۔

"نہیں نا یار... یہی تو مسئلہ ہے" عرش نے زور سے کرسی پر پاؤں سے ٹھوکر ماری اور پیشانی مسلی۔ انشراح کے منہ سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔

"تمہیں زندہ ہی تو نہیں چھوڑ سکتا۔ تم بہت مسئلے پیدا کر دو گی میرے لیے" وہ مایوسی سے کہہ رہا تھا جیسے اسے اپنے اس عمل کا بہت دکھ ہو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انشراح پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ مسلسل اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی منتیں کر رہی تھی پر عرش ایک ناگوار نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔

باہر موجود آدمی کو انگلی کے اشارے سے اپنے پاس بلایا

"مارنے کی ضرورت نہیں۔ بوبی کا مال کب جا رہا ہے؟"

بوبی ایک مشہور ڈرگ ڈیلر اور سمگلر تھا۔ اب وہ ڈرگز کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی سمگلنگ کا کام بھی شروع کر چکا تھا۔

عرش کے اس سے براہ راست کوئی تعلقات نہیں تھے پر اس کے کچھ سیاستدان دوستوں نے کافی بار بوبی کی مدد کی تھی سیکیورٹی کے مسائل میں۔

"سر تین دن بعد"

"کہاں جا رہا ہے"

"روس"

"ہمم ٹھیک ہے بھجوادو اسے بوبی کے پاس" عرش سپاٹ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

پیچھے انشراح کی چیخوں کی آوازیں ابھی بھی بیسمنٹ میں گونج رہی تھیں جو مسلسل عرش سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔

****

حامد جہانگیر فاروق حیدر کے گھر سے آنے کے بعد سے اپنے کمرے میں بند تھے۔ ثمینہ جہانگیر نے کتنی دفعہ جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تھا پر اندر سے صرف ایک ہی جواب موصول ہوا تھا۔

"مجھے ڈسٹرب مت کرو"

ثمینہ جہانگیر بے بسی کے مارے سارا دن گھر میں ٹہلتی رہیں۔اس فائل میں کیا تھا، وہ تصویریں فاروق حیدر تک کیسے پہنچیں اور عرش اس قسم کے معاملات کا کب شکار ہوا وہ سب کچھ جاننا چاہتی تھیں پر انہیں بتانے والا کوئی نا تھا۔وہ دوپہر سے مسلسل روتی جارہی تھیں اور اس کا نتیجہ اب تیز بخار کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ان کا بلیڈ پریشر بھی کافی لو تھا پر وہ مسلسل لاؤنج میں ٹہلتی جارہی تھیں۔

ملازمہ انہیں زبردستی دوا کھلا کر اب جا چکی تھی۔رات کے ایک بج رہے تھے پر عرش کا کوئی نام و نشان تک نا تھا۔وہ میرب کے گھر سے ہی کہیں چلا گیا تھا اور اب تک واپس نہیں آیا تھا۔

وہ چکراتے سر کی ساتھ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔رو رو کر اب سر بھی دکھنا شروع ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد باہر پورچ میں عرش کی گاڑی کے ہارن کی مخصوص آواز آئی اور پھر وہ بازو پر کوٹ ڈالے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا لاؤنج میں داخل ہوا۔

ثمینہ جہانگیر کو لاونج میں بیٹھا دیکھ کر ٹھٹھکا۔ پھر صوفے پر آکر بیٹھ گیا اور جیب سے موبائل نکالا۔

"سوئی نہیں آپ" کس قدر نارمل انداز تھا اس کا جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو۔

ثمینہ جہانگیر تو جیسے پھٹ پڑیں۔

"شرم تو نہیں آرہی ہو گی نا تمہیں۔ کوئی احساس ہے تمہیں اپنے کیے کا۔ بدنام کر کے رکھ دیا ہے تم نے ہمیں زمانے بھر میں اور وہ....وہ معصوم اس کا کیا قصور تھا۔ اس کو کس چیز کی سزا دی ہے تم نے"

"اوہ پلیز موم... میرا کوئی موڈ نہیں آپ کی یہ باتیں سننے کا" اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

ثمینہ جہانگیر نے ایک افسوس بھری نظر اس پر ڈالی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"مجھے یقین نہیں آ رہا تم میری ہی اولاد ہو۔ ایسی تربیت تو نہیں کی تھی میں نے تمہاری" ثمینہ جہانگیر کی آواز کانپنا شروع ہو گئی تھی۔ سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔

"او پلیز مام سٹاپ دس فلنگ ایموشنل بلیک میلنگ۔ اگر آپ کو لگ رہا ہے کہ آپ کی یہ باتیں سن کر میں روتا ہوا میرب کے پاس جاؤں گا اور گڑگڑاتے ہوئے اس سے معافی مانگوں گا اور منتیں کروں گا کہ مجھ سے شادی کر لو تو پلیز اپنی یہ غلط فہمی دور کر لیں۔

میں عرش جہانگیر ہوں اور میں نے کسی کے بھی سامنے جھکنا نہیں سیکھا" عرش کی آواز اس قدر بلند ہو گئی تھی کہ کمرے میں بند حامد جہانگیر بھی باہر آ گئے۔

"کاش تم جھک جاتے عرش... کاش تم نے جھکنا سیکھ لیا ہوتا تو آج میں اور تمہارے ڈیڈ اس دنیا کے سامنے سر اٹھا کر کھڑے ہوتے۔

تم آسمان پر اڑنے کی کوشش میں خود کو پاتال میں گرا چکے ہو۔ تم اپنے ہاتھوں سے خود کو برباد کر چکے ہو اور آج میں خود سے شرمندہ ہوں کہ میں نے تم جیسا بیٹا پیدا کیا" ثمینہ جہانگیر کی آواز میں چھپا درد ان کے اندر کی توڑ پھوڑ کو صاف ظاہر کر رہا تھا۔

"ثمینہ کمرے میں آؤ" حامد جہانگیر نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا اور کمرے میں چلے گئے۔

ثمینہ جہانگیر بھی اپنا لاغر وجود گھسیٹتی کمرے میں چلی گئیں۔

عرش کچھ دیر وہیں کھڑا کمرے کے بند دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اوپر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کمرے میں آکر وہ فوراً سے وارڈروب کی جانب بڑھا۔ اپنے لیے کپڑے نکال کر وہ باتھروم میں گھس گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ٹاول سے بال صاف کرتا باہر آیا۔ بلیک ٹراؤزر پر گرے سلیو لیس بنیان پہنے وہ ایک ہاتھ سے موبائل پر ٹائپنگ کر رہا تھا۔

پھر تولیہ کو صوفے پر اچھال کر وہ بیڈ پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

کسی کو کال ملا کر فون کان سے لگایا اور پاؤں جھلانے لگا۔

چند منٹوں بعد ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

"ہیلو عرش کیسے ہو" موبائل سے ایک شوخ سی مردانہ آواز ابھری۔

"میں بالکل ٹھیک تم سناؤ"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ خیریت اتنی رات کو کال کی؟"

"ہاں جابر کچھ کام تھا تم سے"

"ہاں بولو تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں"

"تمہیں فاروق انکل کا مینیجر یاد ہے"

"ہاں وہ طالب مراد"

"ہمم..... مجھے اسکی ڈیٹیل نکلو کر دو"

"خیریت...وہ تو اتنا شریف انسان ہے۔ تم کیوں اسکی ڈیٹیل نکلوا رہے ہو" جابر نے ہنستے ہوئے کہا۔

جابر کے والد فاروق حیدر اور حامد جہانگیر کے پرانے دوست تھے لیکن پھر وہ ملک سے باہر چلے گئے تھے تو تعلقات کچھ حد تک کم ہو گئے تھے۔ لیکن اب وہ تقریباً ایک سال پہلے ہی پاکستان شفٹ ہوئے تھے اور ان کی دوستی پھر سے بحال ہو گئی تھے۔ عرش کی جابر کے ساتھ بھی کافی دوستی ہو گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"وہ بس شکل سے ہی شریف لگتا ہے" عرش نے ہنکار بھرتے حقارت سے کہا تو جابر چونکا

"کیوں کیا ہوا"

"میں نے منگنی توڑ دی"

"واٹ........" جابر حیرت سے چلا اٹھا۔

"تم ہوش میں تو ہو۔ کیا بولے جا رہے ہو"

"میں جو بھی بول رہا ہوں پورے ہوش و حواس میں بول رہا ہوں۔میرب کا طالب مراد کے ساتھ چکر چل رہا تھا۔مجھے پتا چل گیا تو میں نے منگنی توڑ دی"

"نو وے میں مان ہی نہیں سکتا کہ میرب ایسا کچھ کر سکتی ہے۔جس لڑکی نے آج تک مجھے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اس کا طالب جیسے انسان سے چکر جو اس سے تقریباً پندرہ سال بڑا ہے۔نو نیور....میں نہیں مان سکتا"عرش کی بات جابر کے لیے ناقابل یقین تھی۔میرب اس کے لیے بہنوں کی طرح تھی اور عرش کا انداز اسے کافی ناگوار گزرا تھا۔

"اتنا ہی یقین ہے اگر تو جا کر کر لو اس سے شادی کیونکہ میں تو منگنی توڑ آیا ہوں"وہ بالکل نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔تمہارے ڈیڈ نے کچھ نہیں کہا۔آفٹر آل وہ لوگ پچاس فیصد کے مالک ہیں تم لوگوں کی کمپنی کے شئیرز میں"

"نہیں ڈیڈ کو بھی میرا فیصلہ ٹھیک لگا۔ میرب میری بیوی بننے کے لائق ہی نہیں تھی" جابر نے بہت ضبط کرتے ہوئے عرش کی بات سنی۔

وہ اسے یہ کہہ نا سکا کہ میرب نہیں بلکہ وہ خود میرب کا شوہر کے قابل نا تھا۔

"میں ڈیٹیل نکلوا دوں گا تمہیں۔ پھر بات ہو گی

خدا حافظ" جابر نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔ اگر وہ مزید عرش کی باتیں سنتا تو یقیناً اسے کچھ الٹا سنا دیتا۔ میرب پر اسے اندھا یقین تھا اس کے بارے میں وہ کبھی کچھ غلط سوچ نہیں سکتا تھا۔ جابر کا سارا شک صرف عرش کی جانب جا رہا تھا۔

"ایڈیٹ" عرش نے فون کی بلانک سکرین کو ایک گھوری سے نوازا اور سامنے لگی دیوار پر ایل ای ڈی آن کی۔

اسے ایک خبر کا بے تابی سے انتظار تھا

****

"سر آپ نے نیوز دیکھی" صبح ناشتے کے بعد فاروق حیدر، بتول حیدر اور میرب لاونج میں بیٹھے تھے۔غازی سکول جا چکا تھا۔

وہ سب کل کے واقعے کو مکمل طور پر فراموش کیے نارمل انداز میں گفتگو میں مصروف تھے جب فاروق حیدر کے فون پر طالب مراد کی کال آئی۔

"کیوں خیریت" فاروق حیدر نے اچھنبے سے پوچھا۔

"سر آپ پہلے نیوز دیکھیں"

فاروق حیدر اٹھے اور ٹی وی آن کر نے نیوز چینل لگایا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ناظرین ہم آپ کو ایک اہم خبر سے آگاہ کر رہے ہیں کہ ملک کے جانے مانے سیاستدان ہارون رشید ملک کی اکلوتی بیٹی انشراح ملک کل دوپہر سے غائب ہیں۔ ہمیں ہمارے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کل دوپہر ایک بجے اپنے گھر سے نکلی تھیں اور اس کے بعد سے ان کے گھر والوں کا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ پولیس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے پر ابھی تب کوئی سوراغ نہیں ملا۔

انہیں اغواہ کیا گیا ہے یا وہ خود کہیں چلی گئیں ہیں اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ہارون رشید ملک کا کہنا ہے کہ ان کا کوئی دشمن ان کی بیٹی کے ذریعے ان سے بدلہ لے رہا ہے..." نیوز اینکر تیزی سے کچھ بول رہی تھی پر فاروق حیدر نے آواز بند کر دی۔

میرب اور بتول حیدر ناسمجھی سے سب دیکھ رہی تھیں۔

"ہمم دیکھ لی ہے میں نے نیوز۔ تم فلحال اس معاملے سے دور ہی رہو اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو بتانا مجھے"

دوسری جانب طالب مراد کی بات سن کر فاروق حیدر نے فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا؟ کون ہے یہ انشراح ملک اور آپ کا کیا تعلق ہے اس کے ساتھ "بتول حیدر نے پریشانی سے پوچھا۔

"انشراح عرش کی دوست ہے اور یہ وہی ہے جس نے میرب کو عرش کی تصویریں بھیجی تھیں"

میرب کے لیے یہ بات کسی بمب سے کم نا تھی۔

وہ حیرت کے مارے کبھی اپنے باپ کو تو کبھی سکرین پر نظر آتی انشراح کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

"اوہ یہ تو بہت برا ہوا آپ کو کیا لگتا ہے کہ کیا ہوا ہو گا کہ اس کے ساتھ "

"اس کا باپ سیاست میں ہے اور سیاست میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، ہو سکتا ہے کسی نے دشمنی نکالی ہو"

"پر آپ طالب بھائی کو یہ کیوں کہہ رہے تھے کہ وہ اس معاملے سے دور رہیں" اب کی بار میرب نے پوچھا۔

"انشراح نے تمہیں میسجز کیے تھے۔ ہو سکتا ہے اس کا فون وغیرہ چیک ہو یا کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ تم تک پہنچ سکتے ہیں لیکن ہمارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں اس لیے تم بے فکر رہو۔ اگر کچھ ہوا بھی تو میں سنبھال لوں گا" فاروق حیدر نے میرب کو پر سکون کرنا چاہا جس کے چہرے پر پریشانی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"میرب بیٹا دوا لی تم نے"

بتول حیدر کی بات سن کر وہ چونکی۔

"ہاں... نہیں ماما یاد نہیں رہی۔ ابھی لیتی ہوں"

میرب اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

بتول حیدر نے ایک اداس سے نظر اس کی پشت پر ڈالی۔

"کس طرح سنبھال لیا اس نے خود کو.... ورنہ مجھے بہت فکر ہو رہی تھی اس کی حالت دیکھ کر"

"میری بیٹی بہت بہادر اور سمجھدار ہے۔ تمہیں اسکی فکر کرنے کی ضرورت نہیں" فاروق حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا تو بتول حیدر بھی مسکرادیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرب روم میں بیڈ پر بیٹھی فون کی سکرین کو گھور رہی تھی۔

انشراح کے ساتھ اسکی چیٹ سامنے تھی۔ وہ سکرین کو اوپر نیچے سکرول کر رہی تھی۔

"کون ہو تم"

"تمہاری خیر خواہ"

میرب کا سوال اور انشراح کا جواب

"میری خیر خواہ" میرب کے ہونٹ بڑبڑائے۔

"تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے انشراح۔ میں کبھی تمہارا بدلہ نہیں اتار سکتی یاں شاید..... میں کچھ کر سکتی ہوں تمہارے لیے"

میرب کا دماغ منصوبہ بندی کر چکا تھا پر دل دماغ کے فیصلے پر رضامند نہیں ہو رہا تھے۔

جو وہ کرنا چاہ رہی تھی اس کے لیے ڈھیر ساری ہمت کی ضرورت تھی اور ابھی وہ خود میں اتنی ہمت محسوس نہیں کر رہی تھی۔

****

پوری کلاس میں اس وقت بس زائشہ کی آواز گونج رہی تھی۔سب بچے خاموشی اور مکمل مہویت سے اسے سن رہے تھے۔

"تہجد کی نماز پر آیات واحادیث کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔قران میں اگر کسی بات پر زور دیا جائے تو یقیناً یا تو اس بات کے پیچھے غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور یا اس میں بے پناہ فلاح اور ہدایت ہے۔

جیسے کہ قرآن میں ہے

(رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو۔یہ خاص تمہارے لیے ہے۔قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں کسی ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں)

نمازیں ضرورت ہیں پر تہجد تحفہ ہے۔جس سے خدا بے پناہ خوش ہوتا ہے اسے یہ تحفہ دیا جاتا ہے۔تہجد پڑھنے والے اس قدر افضل لوگ ہیں کہ خدا

کی مخلوق بھی ان کی حمد کرتی ہے، عرش پر فرشتے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔

تہجد پڑھنے والوں کی تو کہانی ہی الگ ہوتی ہے، معجزے بھی انتظار کرتے ہیں ان کی زندگیوں کا حصہ بننے کے لیے"

آج کلاس کے دوران ہی تہجد کا لفظ اس کی نظروں کے سامنے سے گزرا تھا اور تہجد کی نماز کس قدر قیمتی خزانہ ہے، یہ صرف وہی جان سکتے ہیں جو اس خزانے کو تلاش کرتے اور حاصل کرتے ہیں اور زائشہ مراد وہ خزانہ حاصل کر چکی تھی۔

"تہجد تو خدا کی لاڈلی نماز ہے۔ تو سوچو اس لاڈلی نماز کو پڑھنے والے کس قدر لاڈلے ہوں گے۔ تہجد پڑھنے والوں کے بلاوے اوپر سے آتے ہیں۔

تہجد کی رغبت... تہجد کا شوق..... تہجد میں بہائے جانے والے آنسو...

ہمارا تہجد پڑھنا ہمارے رب سے عشق کا ثبوت ہے"

"میم تہجد میں مانگی ہر دعا قبول ہوتی ہے؟"ایک بچے نے سوال کیا۔

"بیٹا قبول تو ہر دعا ہوتی ہے"

"مطلب"

اس کے چہرے پر الجھن بھرے تاثرات دیکھ کر زائشہ مسکرائی۔

"ہم جب کسی چیز کی دعا کرتے ہیں تو اگر وہ ہمارے حق میں بہتر ہو تو ہمیں مل جاتی ہیں، یہ تو سب جانتے ہیں۔

پر جو دعائیں قبول نہیں ہوتی ان کا کیا؟ کیونکہ دعائیں تو تقدیر بدل دیتی ہیں اس لحاظ سے تو ہر دعا قبول ہونی چاہیے"

بچے اور وہ خود گفتگو میں اس قدر مہو تھے کہ انہیں اندازہ ہی نا ہوا کہ کلاس کا ٹائم ختم ہو گیا ہے۔

"پہلی بات آتی ہے ہماری بہتری کی۔ جس دعا میں ہمارے لیے بہتری ہو وہ قبول ہو جاتی ہے۔

دوسری بات ہے شدت کی۔آپ کی دعاؤں میں کتنی شدت ہے۔کوئی مصیبت آئی ہے،آپ کسی پریشانی میں مبتلا ہو یا کسی چیز کی خواہش کر رہے ہو تو اپنی دعاؤں کی شدت اس قدر بڑھا دو کہ خدا وہ چیز تمہارے حق میں بہتر کرنے پر مجبور ہو جائے۔

اور تیسری بات آتی ان کی جو قبول نہیں ہوتیں تو جو قبول نہیں ہوتی وہ نیکیاں بن جاتی ہیں۔

دعائیں تقدیر نہیں بدلتیں کیونکہ تقدیر تو پہلے ہی بدلی جا چکی ہوتی ہے جب وہ لکھی جا رہی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو پتا ہے اس انسان نے زندگی کے اس موڑ پر دعا مانگنی ہے اور اس شدت سے مانگنی ہے کہ میں سب کچھ اس کی مرضی کا کر دوں گا۔

تقدیر کی تبدیلی بھی ہماری دعاؤں کی محتاج ہے"

"میم سر دیان آ گئے" اچانک ایک بچے کی نظر دروازے کی چوکھٹ پر سر جھکائے کھڑے دیان پر پڑی تو وہ بول اٹھا۔

زائشہ نے ہڑبڑاتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی تو کلاس ختم ہوئے دس منٹ ہو گئے تھے۔

اس نے جلدی سے اپنا بیگ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔

"ایم سوری... آپ کا اتنا ٹائم ضائع ہو گیا" زائشہ نے کلاس سے باہر آتے دیان سے کہا جو سر جھکائے زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور اگر کوئی انسان ایسا ہو جس کی کوئی بھی دعا قبول نا ہوتی تو اس بارے میں آپ کیا کہیں گی" وہ سر اٹھا کر کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

زائشہ نے جانچتی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔اس کا چہرہ بہت کچھ عیاں کر رہا تھا پر زائشہ فلحال اسے پڑھنے سے قاصر تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پیچھے کلاس میں بچوں کے تیزی سے رٹے مارنے کی آوازیں آرہی تھیں

شاید دیان نے ان کا کوئی ٹیسٹ دیا تھا۔

"بولیں زائشہ"

زائشہ ایک دم سے چونکی

"تو وہ انسان اس بات کا یقین کر لے کہ اللہ کو اس کے مانگنے کا انداز پسند

آگیا ہے۔ محبوب لوگ آپ سے دور ہو جائیں، ایسا تو کوئی بھی نہیں چاہتا

یقیناً خدا بھی نہیں"

زائشہ نے کندھے اچکا کر بولا اور آگے بڑھ گئی پر دیان حیدر پیچھے پتھر کا

ہو گیا۔

وہ زائشہ کی پشت کو دیکھتا رہا جو اب کاریڈور سے ٹرن لے کر غائب ہو گئی

تھی۔ اسے اچانک سے اپنے جامد ہوئے پاؤں میں حرکت محسوس ہوئی۔ وہ

اس کے پیچھے بھاگا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ دور ہی وہ اسے نظر آگئی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی سٹاف روم کی طرف جاتی۔

"زائشہ" اس نے بلند آواز میں اسے پکارا۔

زائشہ چلتے چلتے رکی پر مڑی نہیں۔ حیرت ہی حیرت تھی۔ دیان اسے اس طرح مخاطب کرے گا اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ اس نے ایک محتاط نظر ارد گرد پر ڈالی۔ ساری اکیڈمی خالی تھی۔ اس وقت صرف ایکسٹرا کلاسس چل رہی تھیں۔ دیان کا اسے اس قدر بلند انداز میں مخاطب کرنا اسے بہت ناگوار گزرا تھا۔

اسے اپنے پیچھے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"اور اگر کسی انسان نے خدا کو ناراض کر دیا ہو۔ اتنا ناراض کہ وہ اسکی دعائیں قبول کرنا تو دور اسے سننا بھی چھوڑ دے" وہ بے چینی سے بولا

زائشہ پلٹی اور غصے سے اس کی جانب دیکھا۔اس کا ارادہ اسے کھری کھری سنانے کا تھا پر اس کی آنکھوں میں رقم دکھ کی داستان دیکھ کر وہ ٹھٹھکی، حیران ہوئی اور پھر دھیمے سے بولی۔

"مسٹر دیان دور اللہ نہیں ہم جاتے ہیں، فاصلے ہم پیدا کرتے ہیں۔اور رہی بات ناراض ہونے کی تو ناراض تو ماں باپ بھی ہوتے ہیں بہن بھائی، سچے دوست بھی ہوتے ہیں تو کیا انہیں منایا نہیں جاتا۔

غلطیوں کی معافی مانگ لینی چاہیے اور اللہ سے تو ویسے بھی معافیاں مانگتے رہنا چاہیے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہم بھول پن میں بھی کتنے گناہ کر جاتے ہیں۔وہ تو انتظار میں ہوتا ہے کہ کب ہم معافی مانگیں اور وہ معاف کرے۔آپ ایک قدم بڑھا کر دیکھیں میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آپ مایوس نہیں ہوں گے"

زائشہ نے کہا اور پلٹ گئی اور ایک بار پھر سے دیان نے اسے پکارا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میں یہ سب اپنے لیے پوچھ رہا ہوں؟" اس کے چہرے پر بے چینی تھی۔ کچھ عیاں ہو جانے کی، کوئی راز کھل جانے کی۔

زائشہ پلٹتے ہوئے مسکرائی۔

دیان اس کو پہلی دفعہ مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کتنی پاکیزہ مسکراہٹ تھی اس کی۔ وہ مسکرا رہی تھی تو اس کے چہرے کا ایک ایک نقش مسکرا رہا تھا

اور دیان حیدر کو زائشہ کی مسکراہٹ دیکھ کر بھی ایک بار پھر سے کوئی شدت سے یاد آیا تھا۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ آنکھوں میں مرچیاں سی چبھنے لگی تھیں۔

"مسٹر دیان آپ کی کلاس کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ آپ کو اس وقت کلاس میں ہونا چاہئیے" وہ کہہ کر چلی گئی اور اس بار دیان کی ہمت نا ہوئی اسے پھر سے روکنے کی۔ وہ بس اسے جاتا دیکھتا رہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تمہارے لفظوں میں سکون ہے زائشہ ہے اور یہ سکون کسی کی زندگی برباد کردے گا" وہ بڑبڑایا۔

اسے اپنا آپ بہت خالی محسوس ہو رہا تھا۔ ہوا میں معلق ایک کھویا ہوا انسان۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آج جمیل کی بہن آئی تھی" آج عرصے بعد گھر میں زائشہ کی پسند کا کھانا بنا تھا۔ وہ بہت رغبت سے کھا رہی تھی۔

مٹن بریانی اس کی کمزوری تھی۔ آج محلے میں ہمسائیوں کے بیٹے کا عقیقہ تھا اور یہ گوشت وہیں سے آیا تھا۔ ورنہ تو ان کے گھر گوشت بس تبھی بنتا تھا جب کوئی مہمان آتا یاں زائشہ کو سیلری ملتی۔

"کون سی بہن؟"

"ایک ہی تو بہن ہے اسکی۔ کراچی میں ہوتی ہے۔ کل رات کو آئی تھی تو آج ملنے آ گئی مجھ سے۔ شکریہ ادا کر رہی تھی کہ میں اس کے بھائی کا اتنا خیال رکھتی ہوں۔ میں بھی کہہ دیا کہ جمیل اتنا اچھا اور پیارا بچہ ہے اس کا خیال کرنے کا جی چاہتا ہے"

زائشہ نے کوئی جواب نا دیا اور چپ کر کے کھانے لگی۔ وہ فلحال اپنی بریانی کا مزہ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"رشتہ ڈھونڈھ رہی ہے وہ اس کے لیے۔ کہہ رہی تھی کہ اس بار بات پکی کر کے ہی جائے گا" زائشہ نے کچھ حیرت سے سیرت مراد کی جانب دیکھا

"اب کہیں اسکی شادی کرنے کی زمیداری بھی تو اماں نے اپنے سر نہیں لے لی"

وہ بس سوچ کر رہ گئی۔

"زائشہ ایک بات پوچھوں"

"پوچھو اماں اجازت کیوں لے رہی ہو"

"تسلیم نے تمہارا رشتہ مانگا ہے" اور نوالا چباتے زائشہ کے منہ میں لونگ آگئی۔

افف... سارے زائقے کا بیڑا غرق ہو گیا تھا۔

"اماں کون تسلیم کون سا رشتہ" وہ ہونکوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

"جمیل کی بہن تسلیم اور کون۔ جمیل کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے اس نے"

اور زائشہ پر تو حیرتوں کے پہاڑ رشتے کی بات سن کر نہیں اپنی ماں کا اطمینان دیکھ کر ٹوٹے۔

"اماں تم کیا سوچ رہی ہو" اس نے جانچتی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھتے کہا۔

بس اب ویسا نا ہو جیسا وہ سوچ رہی تھی۔

"اچھا لڑکا ہے جمیل" سیرت مراد کے یہ کہنے کی دیر تھی زائشہ چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اماں سوچنا بھی مت۔اول تو مجھے فلحال شادی ہی نہیں کرنی اور اس جمیل سے تو بالکل بھی نہیں۔بھول جائیں آپ اس بات کو اور اس تسلیم کو بھی منع کر دیں"

"آخر برائی کیا ہے اس جمیل میں"

"اماں اس میں کوئی اچھائی بھی نہیں ہے"

"تمہیں تو پتا نہیں اس سے کون سا اللہ واسطے کا بیر ہے۔اچھا خاصا ہے، کماتا بھی اور اوپر سے گھر بھی ساتھ ہے"

"اماں آپ سمجھ کیوں نہیں رہی۔بھول جائیں اس بات کو مجھے نہیں کرنی ابھی شادی"

"تو میں کون سا تمہیں ابھی رخصت کر رہی ہوں۔منگنی وغیرہ ہی کروں گی۔تم جانتی نہیں مجھے کتنی فکر ہوتی ہے تمہاری"

"اماں پلیز مجھے نہیں کرنی اس سے شادی" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"آج تمہارے بابا ہوتے تو تم نے جھٹکے سے ان کی بات مان لینی تھی۔ مجھے ستانے کی تو قسم کھائی ہے تم سب نے"

صحن میں ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ زائشہ کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ حسیب جنید بھی کھانا چھوڑ کر کبھی بہن کو تو کبھی ماں کو دیکھتے جو اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

زائشہ کچھ دیر ماں کو دیکھتی رہی پھر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ارے چاول تو کھاؤ پھر سے پلیٹ میں چھوڑ کر جا رہی ہو" سیرت مراد نے آنسو پونچھتے گیلی آواز میں کہا۔

زائشہ فوراً سے واپس پلٹی۔ وہ یہی بات سننے کا انتظار کر رہی تھی۔

"میری فیورٹ ڈش ہے صرف اسی لیے لے کر جا رہی ہوں ورنہ کبھی نا کھاتی" اس نے پلیٹ اٹھاتے کہا۔

"تو ابھی بھی مت کھاؤ میری بلا سے ساری رات بھوکی رہو"

اور اب تو زائشہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ حسیب جنید بھی ہنسنے لگے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"عزت ہی نہیں ہے کوئی میری، ہنسنا بند کرو تم دونوں" زائشہ نے غصے سے انہیں ٹوکا جواب اور زور سے ہنسنا شروع ہو گئے تھے۔

"کیا مسئلہ ہے" وہ بھی ہنس دی اور مسکراتے ہوئے بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہاں بولو کیا ڈیٹیل ملی" عرش کمرے میں لگی ایل ای ڈی کے سامنے بیٹھا نیوز دیکھ رہا تھا جب جابر کی کال آئی۔

"شادی شدہ ہے وہ۔ایک آٹھ سال کی بیٹی ہے،ایک چار سال کا اور ایک چند ماہ کا بیٹا ہے۔ماں باپ حیات نہیں۔اکیلا رہتا ہے۔ایک بھائی ہے اسلام آباد میں۔بیوی کے بھی دو بھائی ہیں جو ملک سے باہر ہوتے

ہیں۔بیک گراؤنڈ اس کا مڈل کلاس فیملی سے ہے" وہ ایک ایک کر کے ساری تفصیل اسے بتاتا گیا۔

"اس کے بچے کس سکول میں جاتے ہیں"

"اس کی بیٹی اور بیٹا غازی کے سکول میں ہی پڑھ رہے ہیں"

"غازی تو اتنے ہائی کلاس سکول میں پڑھ رہا ہے۔بڑی بات ہے ویسے وہ افورڈ کیسے کر رہا ہے۔ضرور کوئی دو نمبری کر رہا ہو گا"

"ضروری نہیں وہ کوئی غلط کام ہی کر رہا ہو،اولاد کے معاملے میں انسان کوئی کمپرومائز نہیں کرتا"

"تم زیادہ مت بولو جتنا کہا ہے اتنا کرو اور بات سنو میری کسی کو اس بارے میں خبر نا ہو ورنہ میں تحریم کو میں بھی جانتا ہوں"

دوسری طرف چند منٹوں کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔

"تم کیسے جانتے ہو اسے"

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں اپنے راز صرف انہیں دیتا ہوں جن کے راز مجھے معلوم ہوں... خدا حافظ"

جابر کا کچھ عرصے پہلے ایک لڑکی ساتھ افیئر چل رہا تھا۔ وہ لڑکی کافی باغی ٹائپ کی تھی اور اس نے جابر کو اتنا جذباتی طور پر اتنا پریشان کر دیا تھا کہ وہ اس سے نکاح کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کی ماں باپ اس بات سے انجان تھے اور اب عرش ناجانے کہاں سے اس کی یہ بات پکڑ لایا تھا اور بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بتول حیدر کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ فاروق حیدر اپنے کمرے میں تھے اور میرب غازی کے کمرے میں اسے چینج وغیرہ کروا رہی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے سکول سے آیا تھ۔

فاروق حیدر کے موبائل پر جابر کے والد فیصل شبیر کی کال آ رہی تھی۔انہوں نے نہایت خوشگوار انداز میں ان کی کال ریسیو کی۔حامد جہانگیر سے تو تعلق ختم ہو گیا تھا اور اب وہی ان کے واحد دوست تھے۔

"اسلام علیکم،کیسے ہو فیصل"

"وا علیکم السلام میں ٹھیک ہو"فیصل شبیر کی آواز کافی سنجیدہ تھی جس نے فاروق حیدر کو ٹھٹھکا دیا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیا ہوا خیریت؟پریشان لگ رہے ہو"

"عرش نے منگنی توڑ دی ہے؟"

ان کی بات سن کر فاروق حیدر کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔عرش نے اپنی بات ثابت کر دی تھی۔

"اس نے نہیں میں نے منگنی توڑ دی"

"کیوں"

"تمہیں معلوم پڑ جائے گا کچھ دیر میں"

"فاروق کیا ہوا ہے۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ میں تمہارا دوست ہوں تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو" اب کی بار وہ ذرا پریشانی سے بولے۔

"بھروسہ تو میں نے حامد پر بھی کیا تھا... خیر تم یہ بتاؤ عرش نے کیا کہا تم سے"

"جابر کو کال کی تھی عرش نے......." جوں جوں فیصل شبیر انہیں عرش کی کہی گئی بات کے بارے میں بتا رہے تھے فاروق حیدر کے چہرے کے تاثرات غصے کی وجہ سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے۔

انہوں نے پوری بات سن کر بغیر ان کی بات کا جواب دیے فون بند کر دیا اور طالب مراد کو فون ملائی۔

"جی سر"

"میں نے جو تمہیں کہا تھا وہ کام کر دو اب"

"آر یو شیور سر"

"ہمم"

فاروق حیدر نے فون بند کر کے سامنے ٹیبل پر پھینکا اور کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گئے۔

وہ عرش کے ساتھ یہ سب نہیں کرنا چاہتے تھے پر اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

یہ سب کرنے کے لیے عرش نے ہی انہیں مجبور کیا تھا اور اب اسے یہ سب بھگتنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

کیا ہوا؟" گولڈن براؤن بالوں کی دو پونیاں بنائے وہ آٹھ سالہ بچی بینچ پر منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ آنسو بس چھلکنے کو بے تاب تھے۔

غازی کے پوچھنے پر وہ کسی چابی لگی گڑیا کی طرح شروع ہو گئی۔

"غازی میرا سارا لنچ گر گیا۔ ماما نے آج نگٹس بنائے تھے میرے فیورٹ پر کلاس سے باہر آتے ایک لڑکی سے میری ٹکر ہوئی اور سارے زمین پر گر گئے "اس نے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گلابی گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے اور اسے ساری روداد سنائی۔

"اوہ یہ تو بہت برا ہوا۔ تم ایک منٹ رکو میں ابھی آیا "نو سالہ غازی اٹھا اور اپنی کلاس کی جانب بھاگا۔

کچھ دیر بعد وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں اس کا لنچ باکس تھا۔

"یہ لو آج میرب آپی نے میرے لیے سینڈوچ بنائے تھے۔ تم یہ کھالو "اس نے اپنے لنچ باکس کا ڈھکن ہٹایا تو اندر دو سینڈوچ پڑے تھے۔

"پر مجھے نگٹس ہی کھانے ہیں "وہ گرے آنکھوں والی بچی ہنوز منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پر ابھی نگٹس نہیں ہیں تم یہ کھالو۔ کل میں میرب آپی سے کہہ کر تمہارے لیے نگٹس لے آؤ گا" وہ خود سے دو سال چھوٹی بچی کو بڑوں کی طرح بہلا رہا تھا۔

اس نے بھی کچھ سوچتے اس کا لنچ باکس پکڑ لیا۔ اب بھوک بھی تو لگی ہوئی تھی۔

"میری برتھڈے پر کیا گفٹ لاؤ گی تم"

"میں... میں تو کچھ نہیں لاؤں گی۔ ماما بابا لائیں گے" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"ہا.... تم میرے لیے کوئی گفٹ نہیں لاؤ گی"

غازی نے اس طرح بولا جیسے اس نے کوئی بہت بڑی غلطی کر دی ہو۔ اس کے تاثرات دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"پر میں کیا لاؤں گی۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا تمہیں پسند کیا ہے اور نا ہی میرے پاس پیسے ہیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اوہ... یہ تو واقعی مسئلہ ہو گیا" غازی سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں.... تمہاری ڈرائنگ بہت اچھی ہے۔ تم ایسا کرنا میرے لیے ایک پیارا سا کارڈ بنالا کر لانا۔ برتھڈے کارڈ" غازی کی بات سن کر اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ آگئی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے"

"اچھا اب تم جلدی سے لنچ ختم کرو۔ بریک ختم ہونے والی ہو"

"تم نہیں کھاؤ گے" ایک اور آدھا سینڈوچ کھا کر اسے یاد آرہا تھا کہ وہ بھی بھوکا ہے۔

"نہیں تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں" اس کی بات سن کر وہ پھر سے کھانے لگی تو غازی اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

****

"طبیعت کیسی ہے تمہاری"

"ٹھیک ہے" ارسل کا جواب سن کر دیان نے سر ہلایا۔

دیان جانتا تھا ارسل کیا پوچھنے آیا اور کیوں پوچھنے آیا ہے۔اب وہ بس اسکے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

آج اتوار تھا اور وہ دونوں اس وقت دیان کے کمرے کی بالکونی میں بیٹھے چائے اور مختلف لوازمات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

دھوپ کافی تیز تھی پر ساتھ ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔اور وہ جس طرف بیٹھے تھے وہاں شیڈ کی چھاؤں تھی۔

"اس دن تم زائشہ کے پیچھے کیوں گئے تھے؟" آخر اس نے اپنا سوال پوچھ ہی ڈالا۔

"میں نے تمہیں جواب دیا تھا" عرش نے بسکٹ اٹھا کر منہ میں ڈالا۔ نظریں نیچے لان میں پودوں کو پانی دیتے مالی پر تھیں۔

"پر مجھے تمہارے جواب کی سمجھ نہیں آئی تھی اس لیے اب سیدھی طرح اور آسان الفاظ میں بتاؤ" ارسل کی سنجیدگی نے دیان کو بھی سنجیدہ کر دیا تھا۔

وہ جانتا تھا ارسل کتنا فکر مند رہتا ہے اس کے لیے۔

"لوگ کہتے ہیں جو ہوتا اچھے کے لیے ہوتا ہے............" وہ استہزایہ انداز میں ہنسا اور کچھ وقفے کے بعد بولا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"غلط کہتے ہیں

کبھی کبھی غلطیوں کی سزا، گناہوں کا خمیازہ اور مکافات عمل بھی ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔

غلطی، سزا کو قبول کرنے کی بجائے یہ کہہ دینا کہ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے.. کس قدر غلط ہے نا ارسل" اس نے ارسل کی جانب دیکھا۔

ارسل چہرے پر ہمدردانہ تاثرات لیے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ دیان اپنی بات شروع کرنے سے پہلے اسی طرح تمہید باندھا کرتا تھا۔ وہ عادی تھا اسی لیے خاموش رہا۔

"پہلے جب مجھے زائشہ کے بارے میں پتا چلا تو میرے دل نے بھی یہی کہا کہ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا پر اب........ اب مجھے لگ رہا ہے کہ مکافات کا وقت آ رہا ہے"

"کیسا مکافات"

دیان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں واضح الجھن بھرے تاثرات تھے۔

وہ بولا تو آواز بالکل سرد تھی۔

"زائشہ کے والد کا نام طالب مراد ہے"

ارسل کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور حیرت سے دیان کی جانب دیکھنے لگا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ آنکھوں کو چندھیا رہی تھی۔ سڑک پر چلتے لوگوں کے چہرے پسینے سے تر تھے۔

ایسے میں عرش گاڑی کا ائیر کنڈیشنر آن کیے پر سکون سا بیٹھا تھا۔ کانوں میں ہینڈ فری لگائے آنکھیں موندے وہ سیٹ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

بلیک ہاف سلیو پولو شرٹ کے نیچے گرے ٹراؤزر، اس کے کسرتی بازو نمایاں ہو رہے تھے جن کی نیلی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ سگریٹ کی وجہ سے سیاہ ہوئے ہونٹوں پر طمانیت بھری ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دفعتاً گاڑی کے پرسکون ماحول میں فون رنگ ٹون کی چنگھاڑتی ہوئی آواز گونجی۔ سکون بھرے ماحول میں یہ فون کال عرش کو کس قدر ناگوار گزرا تھا اس کا اندازہ اس کے تاثرات سے باخوبی ہو رہا تھا۔

اس نے کھینچ کر ہینڈز فری کان سے نکالی اور فون کی سکرین کو دیکھا۔

سکرین پر کلک کیا اور فون کان سے لگایا

"بھونکو"

آگے سے اس کے پرسنل مینیجر کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ اس کا یہ مینیجر اس کے ہر کام میں اس کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ انشراح کو اغواہ کروانے اور پھر بوبی تک پہنچانے میں بھی اسی نے ہی اس کی مدد کی تھی۔

"سر ایک مسئلہ ہو گیا ہے"

"بولو بھی اب" وہ ناگواری سے بولا۔

"سر میں آپ کو ایک ویڈیو واٹس ایپ کر رہا ہوں۔ وہ دیکھ لیں" اور عرش کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس نے کال کاٹ دی۔

"بے غیرت میرا کھاتا ہے اور میری ہی کال کاٹ دی" وہ غرایا۔

پھر فون کی رنگ ٹون پر واٹس ایپ کھولا

کسی نیوز چینل کی ویڈیو تھی۔ اس نے ویڈیو چلائی تو نیوز اینکر کی تیز آواز گاڑی میں گونجنے لگی۔

"ملک کے جانے مانے بزنس مین حامد جہانگیر کا اکلوتا بیٹا عرش جہانگیر الیگل کاموں میں ملوث ہے۔ مشہور زمانہ سمگلر بوبی کے ساتھ بھی ان کے تعلقات ہیں۔

ان سب باتوں کے ثبوت بھی ہمارے پاس موجود ہیں جو آپ اس وقت سکرین پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہارون رشید ملک کی بیٹی انشراح ملک کے ساتھ بھی عرش جہانگیر کے تعلقات تھے اور یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ان کے اغواہ کے پیچھے عرش جہانگیر کا ہی ہاتھ ہے کیونکہ ان کی تمام

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سرگرمیوں سے انشراح ملک آگاہ تھیں اور انہوں نے یہ سب باتیں ان کی منگیتر کو بتادیں اور اُنہوں نے منگنی توڑ دی۔

آپ کو ایک اور خبر سے آگاہ کرتے ہیں کہ عرش جہانگیر کی منگنی حامد جہانگیر کے بزنس پارٹنر فاروق حیدر کی بیٹی میرب فاروق حیدر سے ہوئی تھی۔

کہا جارہا ہے عرش نے بدلہ لینے کے لیے انشراح ملک کو اغواہ کرلیا تھا لیکن اب پولیس اور ہارون رشید ملک کیا لائحہ عمل طے کرتے ہیں اس کے لیے ہمیں کچھ انتظار کرنا ہوگا..."

ویڈیو ختم ہوگئی تھی۔

اس کے جبڑے تن گئے تھے۔ گردن کی رگیں ابھر کر صاف ظاہر ہورہی تھی۔ سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ دنیا کو تباہ کردینے کا جنون اس کے چہرے سے عیاں ہورہا تھا۔

چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"آآآآآہھہ......."اس نے چلاتے ہوئے فون ڈیش بورڈ پر اس قدر زور سے پھینکا کہ وہ اچھل کر واپس سیٹ پر آ گرا۔

سر کے بالوں میں ہاتھ پھنسا کر انہیں کھینچا۔وہ اس وقت کوئی وحشی جنونی انسان لگ رہا تھا۔

ایک بار پھر سے فون کی چنگھاڑتی آواز گونجی۔

فون کے ڈھیٹ پن کو بھی سلام تھا جو اتنی دفعہ گرنے اور پٹخے جانے کے بعد ابھی بھی سلامت تھا۔

اس نے لپک کر فون اٹھایا اور کال یس کرتے ہی چیخا

"تم کس قبر میں مرے پڑے تھے جب یہ سب ہو رہا تھے۔پندرہ منٹ صرف پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس۔مجھے ساری ڈیٹیل چاہیے کہ یہ سب کس کا کیا دھرا ہے۔اگر ایک منٹ بھی اوپر ہوا تو تمہیں گولی میں اپنے ہاتھ سے ماروں گا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بغیر مقابل کی بات سنے اس نے فون ساتھ والی سیٹ پر پھینکا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔اس کی بلیک مرسڈیز ٹریفک کو چیرتی ہوا کے دوش پر اڑتی چلی جارہی تھی۔

****

"ڈیڈ یہ سب کیا ہے؟"میرب سٹڈی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی جہاں بتول حیدر اور طالب مراد بھی بیٹھے تھے۔

"کیا.."انہوں نے چونک پر پوچھا۔

"عرش کے متعلق جو نیوز آرہی ہے وہ سب"وہ ابھی لاؤنج میں سے گزر رہی تھی جب ٹی وی پر چلتی خبر نے اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا۔

خبر دیکھ کر اسے دکھ تو بالکل بھی نہیں ہوا تھا ہاں البتہ حیرت دیدنی تھی۔

جو وہ کرنا چاہ رہی تھی وہ خود بخود ہو گیا تھا۔ کیسے ہوا، کیوں ہوا، کس نے کیا........ جس نے بھی کیا وہ اس کی شکر گزار تھی۔

اسے پورا یقین تھا کہ انشراح کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں عرش کا ہاتھ تھا۔

"ہمم........ بیٹھو تم بھی بات کرنی ہے مجھے" فاروق حیدر نے اسے بیٹھنے کا کہا تو وہ چپ چاپ سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

"عرش کے بارے میں جو نیوز آ رہی ہے وہ میں نے ہی چلوائی ہے۔ میڈیا تک وہ سب ثبوت میں نے ہی پہنچائیں ہیں اور اب عرش خاموش نہیں بیٹھے گا۔ ہم نے اس سے کھلم کھلا جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور اب ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔ گھر تو وہ کسی قیمت پر نہیں آئے گا لیکن جب تک یہ معاملہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا کوئی بھی گھر سے باہر نہیں جائے گا۔ طالب تم بھی محتاط رہو۔ ہو سکے تو گھر میں کوئی سیکیورٹی وغیرہ مینج کرو، وہ تم سے بدلہ ضرور لے گا"

"جی سر آپ فکر مت کریں میں احتیاط کر رہا ہوں"

"ہو سکے تو بچوں کا سکول بھی رکوا دو کچھ دنوں کے لیے"

"نہیں ڈیڈ کچھ دنوں میں پیپرز ہیں غازی کے۔ چھٹیاں کروانے سے بہت نقصان ہو جائے گا اس کا" میرب نے پریشانی سے کہا۔

وہ غازی کی پڑھائی کے لیے حد سے زیادہ فکرمند رہتی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے پر طالب تم خود جایا کرو گے بچوں کو لینے اور چھوڑنے۔ ہم اکیلے ڈرائیور کے ساتھ انہیں بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتے"

طالب مراد نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی اور اثبات میں سر ہلایا۔

"ڈیڈ اب عرش کے ساتھ کیا ہو گا؟"

"ابھی تو ہارون ملک بیان دے گا پھر ہی کچھ کہا جاسکتا ہے۔اسے عرش پر شک ہو یا نا ہو پر پولیس اور حکومت اب اس کے خلاف ضرور کوئی ایکشن لے گی"

"پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہماری خوشیوں کی" بتول حیدر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

میرب نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔

مشکل وقت تھا، آزمائش کا وقت تھا۔انہیں صبر کرنا تھا، ثابت قدم رہنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرب بیٹا عرش نے تم سے کوئی کانٹیکٹ کرنے کی کوشش تو نہیں کی"

"نہیں ڈیڈ"

"ہمم اگر کرے تو تم نے سب سے پہلے مجھے بتانا ہے، بالکل بھی لاپرواہی نہیں برتنی"

"جی ڈیڈ"

"طالب تم مجھے عرش کی ہر لمحے کی اپڈیٹ دو گی۔اب تک تو اسے معلوم ہو چکا ہو گا"

"مجھے ثمینہ اور حامد بھائی کے لیے بہت برا محسوس ہو رہا ہے۔ماں باپ تو ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اولاد کی اچھی تربیت کرنے کی پر کبھی کبھی اولاد ماں باپ کی عزت کو اپنی ہاتھ سے آگ میں جھونک دیتی ہے"

بتول حیدر کی بات سن کر چندپل کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

پھر فاروق حیدر طالب مراد کے ساتھ کمرے میں باتوں میں مصروف ہو گئے تو میرب اور بتول حیدر بھی کمرے سے باہر آ گئیں۔

****

"صاحب جی باہر پولیس آئی ہے" حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کمرے میں بیٹھے تھے جب ان کا سیکیورٹی گارڈ دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت ملنے پر بوکھلاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

حامد جہانگیر نے ایک لمبی سانس فضا میں خارج کی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ نیوز پر کیا کچھ چل رہا تھا اور اب کیا ہونے والا تھا اس سب کے لیے وہ خود کو تیار کر چکے تھے۔

کل رات کے بعد سے ان کا عرش سے کوئی سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کہاں تھا، کیا کرتا پھر رہا تھا وہ بالکل انجان تھے۔ اس سے ان کا کوئی رابطہ نہیں تھا اور نا ہی وہ رکھنا چاہتے تھے۔

"اب کیا ہو گا حامد" ثمینہ جہانگیر نے پریشانی سے پوچھا۔

"باہر جا کر دیکھتے ہیں کیا حالات ہیں"

وہ دونوں کمرے سے باہر آئے تو لاؤنج کے دروازے پر پولیس اہلکار کھڑے تھے۔

NEWERAMAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حامد جہانگیر کو آتا دیکھ کر ایس پی آگے آیا۔

"مسٹر حامد جہانگیر ہمارے پاس عرش جہانگیر کے ارسٹ وارنٹ ہیں۔انہیں باہر نکالیں"

ایس پی نے کورٹ کی طرف سے جاری کیا گیا ارسٹ وارنٹ ان کے سامنے کیا۔

حامد جہانگیر نے وہ ارسٹ وارنٹ پکڑا اور پڑھنے لگا۔ہارون رشید ملک نے بھی انشراح کے اغواہ کے کیس میں عرش کے خلاف ایف آئی آر درج کروادی تھی۔ہر ثبوت عرش کے خلاف تھا وہ چاہ کر بھی اس کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔

انہوں نے وہ وارنٹ ایس پی کی جانب بڑھادیا۔

"وہ گھر پر نہیں۔صبح سے گھر نہیں آیا"

"ہمیں آپ کی بات پر یقین نہیں۔ میرے آفیسر ز گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو..."

حامد جہانگیر پیچھے ہو گئے اور ہاتھ سے انہیں گھر میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

سب پولیس آفیسر ز گھر میں داخل ہوئے اور پورے گھر میں پھیل گئے۔ ایک ایک کمرے، گھر کے چپے چپے کی تلاشی لینے کے بعد اب وہ سب پھر سے لاؤنج میں جمع تھے۔

"سر سب کچھ کلئیر ہے "آفیسر نے ایس پی کو آگاہ کیا۔

"عرش کا روم کس نے چیک کیا تھا"

"سر ہم نے" تین آفیسر زبیک وقت بولے۔

"کچھ ملا"

"ان کے لیپ ٹاپ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ صرف ضرورت کا سامان اور کمپنی کی چند فائلز ہیں"

"ہر چیز کی تلاشی لی تھی نا، پوری تسلی کے ساتھ"

"جی سر ایک ایک لاکر دراز چیک کیا تھا۔کچھ بھی نہیں ملا۔ایک گن تھی پر اسکا بھی لائسنس موجود تھا عرش جہانگیر کے ڈاکومنٹس میں"

"وہ گن کہاں ہے"

"یہ رہی سر" ایک آفیسر نے دو لفافے ان کی جانب بڑھائے۔

پولیتھین کے دو پیکٹس جن میں لیپ ٹاپ اور گن تھی۔

"ہمم ٹھیک ہے۔حامد جہانگیر آپ کے گھر پر پولیس کی کڑی نظر ہے۔کوئی بھی آئے گا یا جائے گا ہمیں ساری خبر ہو گی اسی لیے آپ کوئی ہوشیاری کرنے کی کوشش مت کیجیے گا اور جیسے ہی عرش جہانگیر سے رابطہ ہو گا آپ ہمیں انفارم کریں گے" ایس پی نے انہیں وارن کیا اور اپنی ٹیم سمیت باہر کی طرف بڑھ گیا۔

حامد جہانگیر چاہتے تو اس ایس پی کو روک سکتے تھے پر ان کے مقابل ہارون رشید ملک اور فاروق حیدر تھے۔دو تگڑی آسامیاں لیکن سب سے بڑی

چیزان کا خون، ان کا بازو تھا جس نے ان سے مقابلہ کرنے کی سکت چھین لی تھی۔

****

صبح سے شام اور شام سے صبح ہو چکی تھی پر عرش جہانگیر کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ پولیس کی بھاری نفری اس وقت اسے ڈھونڈنے میں جت چکی تھی۔

ہر نیوز چینل پر صرف ایک ہی خبر چل رہی تھی، عرش جہانگیر کی گرفتاری۔

پولیس پر بے پناہ پریشر تھا۔ ہر جگہ ناکے لگا کر گاڑیوں کی تلاشی لی جا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انشراح کی عرش کے ساتھ گفتگو کی فون ڈیٹیل نکالی گئی تو ان کی لڑائی کی سب چیٹ سامنے تھیں جن میں عرش نے انشراح کو واضح الفاظ میں دھمکیاں دی تھیں۔ہر ثبوت اس کے خلاف تھا۔جب عرش نے انشراح کو اغواہ کیا تھا تو اسکا فون وہاں اسکی کار کے پاس ہی گر گیا تھا۔اس کی کار کے ساتھ ساتھ وہ فون بھی پولیس کسٹڈی میں تھا جس کی ساری ڈیٹیل ضرورت پڑنے پر معلوم کی جارہی تھی۔

عرش کے دوست،حامد جہانگیر اور وہ تمام لوگ جن کے ساتھ اس کے تعلقات تھے ان کے گھروں کی نگرانی کی جارہی تھی۔سب کے گھروں کی تلاشی لی جاچکی تھی،وہ تمام مقامات جہاں پر اسکے پائے جانے کے امکانات تھے،سب کا چپا چپا چھانا جاچکا تھا۔

پر نتیجہ بے سود۔

عرش کے ساتھ ساتھ اس کا مینیجر بھی پولیس کو مطلوب تھا۔کیونکہ پولیس کا ماننا تھا کہ اسے عرش کے ہر فعل کی تفصیلی خبر ہوگی پر وہ دونوں ہی غائب تھے۔

"ناجانے کہاں غائب ہوگیا ہے یہ عرش" فاروق حیدر نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔وہ اس وقت طالب مراد کے ساتھ کار میں موجود تھے۔طالب مراد ڈرائیو کررہا تھا اور وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔
دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔طالب مراد اپنی بیٹی اور غازی کو سکول سے لینے جارہا تھا اور فاروق حیدر بھی اس کے ساتھ تھے۔
"پولیس اپنی پوری کوشش کررہی ہے سر۔اوپر سے ہی بہت پریشر ہے۔حامد سر چاہ کر بھی اب عرش سر کا دفاع نہیں کرسکتے"
"وہ اب کبھی اس کا دفاع کرے گا بھی نہیں...... عرش نے میرے دوست کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔اس کا قصور بس اتنا تھا کہ اس نے عرش کی

غلطیوں پر پردہ ڈالا تھا۔ لیکن عرش جیسی اولاد کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کے گناہ ساری دنیا کے سامنے آ ہی جاتے ہیں۔

ایک دفعہ عرش گرفتار ہو جائے میں حامد ساتھ اپنا رویہ درست کر لوں گا۔ اتنی سزا کافی ہے اس کے لیے"

فاروق حیدر افسردگی سے بولے۔ ان کی بات سن کر طالب مراد نے سر ہلایا اور گاڑی سکول کے سامنے روکی۔

گاڑی سے اتر کر وہ سکول کی طرف بڑھ گیا۔

ارد گرد گہما گہمی تھی۔ سکول کی عالیشان بلڈنگ سامنے کھڑی تھی جس میں سے چیونٹیوں کی طرح بچے نکل رہے تھے۔ فاروق حیدر اپنا فون نکال کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

کچھ دیر بعد طالب مراد نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو غازی کے ساتھ بالوں کی دو پونیاں بنائے ایک بچی اندر آ کر بیٹھی۔ طالب نے کندھے پر

لٹکے ان کے بیگ بھی سیٹ پر رکھے اور دروازہ بند کر کے فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔

"بابا آپ کو پتا ہے آج غازی میرے لیے نگٹس بنوا کر لایا تھا میرب آپی سے" وہ بچی پر جوش سی ہو کر سیٹ پر کھڑی ہو گئی۔

"زائشہ بیٹا آپ نے فاروق انکل کو سلام کیوں نہیں کیا" طالب مراد نے ذرا سختی سے کہا تو وہ بوکھلا کر آگے کی جانب جھکی۔

فرنٹ سیٹ پر بیٹھے فاروق حیدر مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

آگے جھکنے کی وجہ سے اس کی بائیں سائڈ کی پونی اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی جسے اس نے اپنے نرم و ملائم ہاتھوں سے پیچھے کیا۔

"السلام علیکم فاروق انکل" وہ مسکراتی ہوئی گرے آنکھوں سے ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کیسی ہی ہماری چھوٹی سی گڑیا" فاروق حیدر نے آہستہ سے اس کا دایاں گال کھینچا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

گاڑی سڑک پر دوڑتی چلی جارہی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک۔انکل آپ کو پتا ہے میں بابا سے کتنی دفعہ کہا مجھے آپ کے گھر جانا ہے پر وہ مجھے لے کر ہی نہیں گئے۔مجھے غازی کے نیو ٹوائز دیکھنے تھے" اس نے منہ بسورا۔اب وہ سامنے کی دونوں فرنٹ سیٹس کے درمیان آکر کھڑی ہوگئی تھی۔

"زائشہ بیٹا میں نے آپ کو سمجھایا تھا نا کہ ہم ابھی نہیں جا سکتے۔کچھ مسئلہ ہوا ہے"

"ہمم زائشہ بیٹا بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں ابھی ہمارا مسئلہ حل ہو جائے پھر میں آپ کو خود اپنے گھر انوائیٹ کروں گا" فاروق حیدر کی بات سن کر زائشہ کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ آگئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بابا زائشہ آج میرے لیے برتھڈے کارڈ بنا کر لائی ہے۔ حالانکہ میری برتھڈی کل ہے پر یہ آج ہی بنا لائی۔ میں گھر جا کر دکھاؤں گا آپ کو"

گاڑی اب فاروق حیدر کے گھر کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ابھی وہ گھر سے تقریباً دس منٹ کی ڈرائیو پر تھے جب اچانک سے فضا میں گولی کے فائر کی آواز گونجی۔ گاڑی سڑک پر پھسلتی چلی گئی۔ سنسان سڑک پر اس کا ایک کھمبے سے زوردار تصادم ہوا۔ ایک بار پھر ٹھاہ کی آواز گونجی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

موت کا سناٹا.... جیسے گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے ہر ذی روح کو سہما دیا ہو۔ ہر کوئی خوف سے دبک کر اپنے اپنے آشیانوں میں چھپ گیا ہو۔ ارد گرد موجود بنگلوں کے مکین شاید اس وقت گہری نیند میں تھی جو اس قدر شور سن کر بھی وہ بیدار نہیں ہوئے تھے۔

زائشہ نے کسی کبوتر کے بچے کی طرح خوفزدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر کے ان پر سختی سے اپنا ہاتھ جما لیا۔

"بابا.." وہ آہستگی سے بولی

"بابا..." وہ بری طرح سہم چکی تھی۔اس نے آہستہ سے آنکھوں پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور سامنے دیکھنے کی بجائے ساتھ بیٹھی غازی کی جانب دیکھا۔

وہ سفید چہرہ لیے اور آنکھیں پھاڑے سامنے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ کو اردگرد موجود ماحول سے بے پناہ خوف محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے ڈرتے ہوئے سہمی نظروں کے ساتھ سامنے کی جانب دیکھا۔

چہرہ زرد پڑنا شروع ہو گیا، دل کی دھڑکن حد سے سوا ہو گئی۔

سامنے طالب مراد کا سر سٹئیرنگ پر جھکا پڑا تھا۔

آنکھیں کھلی تھی اور پچھلی سیٹ پر اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔شاید ابھی بھی انکا سانس چل رہا تھا۔

خون کسی آبشار کی طرح ان کے سر سے بہہ رہا تھا۔ گرے شرٹ کی پشت مکمل طور پر خون آلود ہو چکی تھی۔ نیچے پاؤں میں بھی خون دھار کی صورت میں بہہ کر جمع ہو رہا تھا۔

دوسری طرف فاروق حیدر کا سر ڈیش بورڈ پر گرا تھا۔ وہ سانس لے رہے تھے یا نہیں لے رہے تھے، ان کو گولی لگی تھی یا نہیں اندازہ کرنا مشکل تھا۔

"بابا....." زائشہ کے لب ایک بار پھر سے ہلے۔ وہ اٹھی اور طلاب مراد کی سیٹ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ ابھی بھی اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اس کے اٹھنے پر انہوں نے اپنی آنکھوں کو حرکت دی تھی۔ زندگی کی رمک ابھی ان میں باقی تھی۔

"بابا آپ کو چوٹ لگی ہے؟" اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ ان کے کندھے پر رکھے۔

"فاروق انکل کیا ہوا ہے آپ کو؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ بابا پلیز اٹھیں مجھے ڈر لگ رہا ہے" اس نے فاروق حیدر کی طرف دیکھتے ایک بار پھر سے طالب

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مراد کی جانب دیکھا پر اب ان کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ چہرے پر بھی خون کی لکیریں تھیں اور اب بند آنکھوں کے پپوٹوں پر بھی خون کے چند قطرے بہہ کر جم چکے تھے۔

غازی بھی ابھی ویسے ہی ساکت و جامد بیٹھا تھا۔

"بابا آپ سو گئے ہیں کیا" اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہا جب اچانک سے کسی نے غازی کی طرف کا شیشہ بجایا۔

وہ دونوں خوفزدہ ہو کر ایک بار پھر سے چیخ پڑے۔ زائشہ غازی کے بازو سے لگ گئی۔

"بچوں دروازہ کھولو" ایک بار پھر کسی نے کھڑکی کا شیشہ بجایا۔

غازی نے زائشہ کا ہاتھ تھام کر دائیں جانب دیکھا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا تھا۔ سفید شلوار قمیض پہنے اس شخص کے چہرے اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

غازی کے دیکھنے پر اس نے ایک بار پھر سے دروازہ بجایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی نے فوراً سے گاڑی کا ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلنے پر اس آدمی نے ان دونوں کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"آجاؤ بچوں.... باہر آجاؤ" اس کے کہنے پر غازی زائشہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے نیچے اتر گیا۔اس کے سفید یونیفارم کی شرٹ اور چہرے پر خون کی چھینٹیں لگی تھیں۔

وہ شخص اب آگے کی سیٹس کا جائزہ لے رہا تھا۔پھر اس نے فون نکال کر کسی کو کال کی۔

وہ دونوں سہمے ہوئے سے ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔زائشہ ابھی بھی غازی کے بازو سے لگی تھی۔

"غازی بابا کو کیا ہوا ہے" غازی نے اس کی بات کو کوئی جواب نا دیا۔وہ خاموش سا بس سامنے کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں اب وہ شخص طالب مراد کی گردن کو ہلا رہا تھا۔

ایک اور شخص اسی طرف سے بھاگتا ہوا آیا جہاں سے ابھی وہ آدمی آیا تھا۔

"اوماڑا.... یہ کیا ہوا؟" وہ پہلے آئے شخص سے پوچھ رہا تھا۔

"میں نہار ہا تھا جب مجھے گولی کی آواز آئی۔ باہر آیا تو ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور یہ دو بچے گاڑی میں تھے" اس نے زائشہ اور غازی کی جانب اشارہ کیا۔

"تم نے پولیس کو کال کیا" وہ شخص پٹھان تھا۔

"ہاں کی تو ہے"

"یہ زندہ ہے کہ مر گیا" اس نے طالب مراد کی طرف اشارہ کیا۔

"مر گیا ہے"

وہ دونوں آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ غازی خاموش کھڑا تھا۔ زائشہ وقفے وقفے سے کچھ بول رہی تھی، کچھ پوچھ رہی تھی پر غازی کا دھیان اس جانب نہیں تھا۔ زائشہ کے ہاتھ پر غازی کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

اس شخص کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

وہ بچہ نہیں تھا۔کل وہ پورے دس سال کا ہونے والا تھا۔جو چیز اس کی سمجھ میں آ رہی تھی اور جو اسے نظر آ رہی تھی وہ اسے سہانے کے لیے کافی تھی۔

وہ تقریباً دس منٹ وہاں کھڑے رہے جب انہیں پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز آئی۔

پولیس کے اہلکاروں نے فوراً سے ارد گرد کی جگہ کو کوور کر لیا تھا۔

کچھ گاڑی کا معائنہ کر رہے تھے تو کچھ طالب مراد اور فاروق حیدر کا جائزہ لے رہے تھے۔

اب وہاں پر لوگ آنا بھی شروع ہو گئے تھے۔

ارد گرد موجود بنگلوں میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ان لوگوں کا تعلق اس کلاس سے تھا جو پاکستان میں جائیدادیں بنا کر بیرون ملک سیٹل ہو جاتے ہیں اور سارا گھر ملازموں کے سپرد چھوڑ دیتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پولیس اہلکار اب ان دونوں آدمیوں سے بھی پوچھ گچھ کر رہے تھے۔وہ کسی بنگلی کے سیکیورٹی گارڈ تھے۔

"بیٹا آپ لوگ اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ" ایک پولیس اہلکار ان کے پاس آیا اور پولیس موبائل کی جانب اشارہ کرکے انہیں بیٹھنے کا کہا۔

غازی زائشہ کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔

ایمبولینس آچکی تھی اور اب طالب مراد کو گاڑی سے نکالا جارہا تھا۔ان کا خون میں لت پت وجود دیکھ کر خوف کی ایک سرد لہر غازی کے جسم میں دوڑ گئی۔اسے اپنا خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔

زائشہ اپنے باپ کا خون میں بھیگا وجود دیکھ کر گاڑی سے اتر کر ان کی جانب بھاگی۔

غازی نے اس کی جانب کوئی دھیان نا دیا۔وہ اب اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا جسے پولیس اہلکار دوسرے سٹریچر پر ڈال رہے تھے۔

زائشہ کی چیخوں کی آواز سن کر وہ ہوش میں آیا۔اس نے اس جانب دیکھا۔ایک پولیس اہلکار زائشہ کو پکڑے کھڑا تھا جو زار و قطار رو اور چیخ رہی تھی۔

خود کو اس پولیس والے سے چھڑوانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے میرے باب پاس جانا ہے... چھوڑو مجھے..... بابا.... بابا" وہ چیخ رہی تھی.... چلا رہی تھی۔

غازی ٹانگیں اوپر کر کے ان کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گیا۔سر گھٹنے پر جھکا دیا۔وہ اس وقت بالکل ایک خوفزدہ معصوم سا بچہ لگ رہا تھا۔

میڈیا کی گاڑیاں بھی اب وہاں آنا شروع ہو گئی تھیں۔لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کسی نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"بیٹا باہر آؤ"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔وہی پولیس والا تھا جس نے زائشہ کو تھاما تھا۔اس نے ارد گرد دیکھا زائشہ وہاں موجود نہیں تھی۔

"بیٹا باہر آؤ آپ کو آپ کے گھر والوں پاس چھوڑ آؤں"

"زائشہ کہاں ہے؟"اتنی دیر بعد یہ پہلا جملہ تھا جو غازی کے لبوں سے آزاد ہوا۔

"وہ دوسری گاڑی میں ہے آپ آؤ"وہ اتر گیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔لوگوں کا ایک ہجوم چاروں طرف موجود تھا۔میڈیا کے لوگ کھٹا کھٹ تصویریں بنا رہے تھے۔

آفیسر نے ایک گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ اندر بیٹھ گیا۔ساتھ ہی زائشہ لیٹی ہوئی تھی۔اس نے اسکا کندھا ہلایا پر وہ نا اٹھی۔

"بیٹا یہ بیہوش ہو گئی ہے۔ہم ابھی اسے ہاسپٹل لے کر جا رہے ہیں آپ کی فیملی وہیں ہے"گاڑی سٹارٹ ہو چکی تھی۔پولیس کی ایک اور گاڑی ان کے پیچھے تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی خاموش سا ایک بار پھر باہر دیکھنے لگا۔

****

رات کے سات بج رہے تھے۔اس واقعے کو گزرے چھ گھنٹے بیت چکے تھے۔دو گھروں پر قیامت ٹوٹ چکی تھی۔ہر نیوز چینل اس خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا۔

سب اس چیز کا ذمہ دار صرف ایک شخص کو ٹھہرا رہے تھے اور وہ تھا عرش جہانگیر۔لیکن وہ ابھی تک غائب تھا۔اس کے خلاف ایف آئی آر درج ہوئے دو دن ہونے والے تھے پر اس کوئی اتا پتا نا تھا۔

معاملے کی انکوائری شروع ہو چکی تھی۔ان کی کار پر حملہ کسی پروفیشنل سنائپر نے کیا تھا کیونکہ چلتی گاڑی پر ٹارگٹ سیٹ کرنا ایک مشکل فعل ہے۔

میرب اس وقت کچن میں کھڑی کھانا تیار کر رہی تھی۔غازی ابھی کچھ دیر پہلے ہی ہاسپٹل سے آیا تھا۔وہ اس واقعے کے بعد بالکل خاموش ہو گیا تھا۔میرب نے اس سے بات کرنے کی کافی کوشش کی تھی پر وہ بالکل خاموش تھا۔اس وقت بھی وہ باہر لان میں اکیلا بیٹھا تھا۔

وہ دونوں اس وقت گھر میں اکیلے تھے۔بتول حیدر ہاسپٹل میں تھی۔

فاروق حیدر کے سر پر شدید چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے وہ ابھی تک بے ہوش تھے۔ان کے سر پر چوٹ لگی تھی پر ان کا خون نہیں بہا تھا جو زیادہ خطرناک بات تھی۔ابھی وہ خطرے سے باہر نہیں تھے۔

اور طالب مراد.......!!!

وہ وفاداری کی مثال قائم کرتے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے تھے۔انہیں صرف ایک گولی لگی تھی اور وہ بھی سیدھی ماتھے پر۔دشمن کا ٹارگٹ شاید طالب مراد ہی تھا۔ان کی اسی موقع پر موت واقع ہو گئی تھی۔ہسپتال لے کر جانے سے پہلے ان کی روح ان کے جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

شام کو آٹھ بجے ان کا جنازہ تھا۔میرب وہاں جانا چاہتی تھی پر بتول حیدر نے اسے منع کر دیا۔وہ اب کسی بھی قسم کا رسک نہیں لینا چاہتی تھیں۔

بتول حیدر خود اس وقت طالب مراد کے گھر پر ہی موجود تھیں۔

میرب اس وقت کچن میں کھڑی کھانا بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے آنسو پر بھی قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔طالب مراد کی بیوی اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا سوچ سوچ کر اس کا دل پھٹ رہا تھا۔غازی تو صرف وہ سب دیکھ کر اس قدر سہم گیا تھا پر زائشہ...

اس نے تو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے باپ کو مرتا دیکھا تھا۔اس کی کھلی آنکھوں کو بند ہوتے دیکھا تھا۔اس کے جسم سے بہتے سرخ مائع کو دیکھا تھا۔ناجانے اس چھوٹی سی بچی پر کیا قیامت گزری ہو گی۔

میرب کی آنکھوں کے سامنے زائشہ کا مسکراتا ہوا چہرہ لہرایا۔

گولڈن براؤن بالوں کی دو پونیاں بنائے پنک فراک میں ملبوس گول گول گھومتی گرے آنکھوں والی وہ خوبصورت بچی۔

"ان ظالموں نے اتنی چھوٹی سی عمر میں اس کو یتیم کر دیا۔اور طالب بھائی کا چھوٹا بیٹا وہ تو سال کا بھی نہیں ہے۔اس بیچارے کو تو اپنا باپ سہی سے یاد بھی نہیں ہو گا"

میرب اپنی سوچوں میں ہی گم تھی جب اسے کچن میں کھٹکے کی آواز سنائی دی۔وہ دروازے کی جانب مڑی اور.........!!!

****

کھٹکے کی آواز سن کر وہ پیچھے کی جانب مڑی تو سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اسکا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ٹانگیں لرزی اور اس نے پیچھے موجود شلف کو تھام کر خود کو سہارا دیا۔

سات بج رہے تھے۔باہر ملگجا سا اندھیرا چھا چکا تھا۔دور کہیں مسجد میں مغرب کی اذانوں کی آواز آرہی تھی۔

وہ گھر میں اکیلی ہے،یہ سوچ کر اس کے ہاتھ کانپ اٹھے۔

سامنے موجود وجود خود کو سیاہ چادر میں چھپائے ہوئے تھا پر وہ اسے پہچان چکی تھی۔میرب کے تاثرات دیکھ کر اس شخص کی آنکھیں مسکرائیں اور اس نے ایک جھٹکے سے چادر خود پر سے اچھال کر دور پھینک دی۔

آف وائٹ شرٹ اور بلیو پینٹ وہ شخص ان حالات میں بھی نک سک سا تیار کھڑا تھا۔نفاست سے سجے بال،تازہ ہوئی شیو،بالوں کو دیکھ کر بھی

اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ حال میں ہی انکی تراش خراش کی گئی ہے۔ پاوں میں سیاہ چمکتے بوٹ جو چلنے پر پر سکون ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔

وہ مسکراتے ہوئے میرب کی جانب دیکھ رہا تھا اور میرب کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

وہ دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ بازوں کو سینے پر باندھ کر بائیں کندھے کو دروازے سے لگایا۔

"کیسی ہو ڈئیر فیانسی" وہ مسکرا رہا تھا..... مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اور اس کی یہ مسکراہٹ میرب کی جان نکال رہی تھی۔

"مجھے یہاں دیکھ کر یقیناً تم حیران تو بہت ہوئی ہو گی.......ہے نا؟" اس نے اپنی ابرو اچکائی۔

"ورنہ تم تو مجھے برباد کرنے کا مکمل انتظام کر چکی تھی"

"میں نے کچھ نہیں کیا" وہ مدھم سا کانپتی آواز میں بولی۔

"آئی نو ڈیئر تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم نے تو بس پولیس تک میرے خالف ثبوت پہنچائے ہیں اور میڈیا تک یہ خبر پہنچائی ہے کہ انشراح کو میں نے اغواہ کیا ہے

تم فکر مت کرو مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کبھی میرا برا نہیں چاہ سکتی"

وہ مطمئن سا بول رہا تھا پر اسکا انداز برف جیسا سرد تھا۔ میرب کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

عرش نے چوکھٹ سے ٹیک چھوڑ کر ایک قدم آگے بڑھایا۔

"تم تو مجھ سے محبت کرتی ہو اور تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں" وہ مسلسل اس کی طرف قدم بڑھا رہا تھا اور جیسے جیسے فاصلہ کم ہو رہا تھا میرب کی روح فنا ہو رہی تھی۔

"میں بھی تم سے محبت کرتا تھا شدید محبت کرتا تھا۔ تم وہ پہلی لڑکی تھی جس کو لے کر میرے جذبات سچے تھے پر تم نے میری نرمی کا ناجائز فائدہ

اٹھایا۔ تم نے مجھ جیسے درندہ صفت انسان کو فرشتہ سمجھ لیا.............!!

اور تم جانتی ہو یہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی" وہ بالکل اس کے سامنے آگیا تھا۔ میرب کو اپنا چہرہ اسکی نظروں کی تپش سے جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پر وہ کیا ہے نا میرب ڈئیر میں عرش جہانگیر ہوں۔ میں چیتے کی طرح جھپٹتا ہوں اپنے شکار پر۔ اسے فرار کا موقع دیے بغیر اسے ایسی جگہ سے دبوچتا ہوں کہ وہ پھڑ پھڑا بھی نہیں پاتا....." وہ اس قدر سفاکی سے بول رہا تھا کہ میرب کے رونگھٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

میرب نے بھاگنا چاہا پر عرش نے اپنے دونوں بازو شلف پر مضبوطی سے جما کر اس کے فرار کا راستہ بند کر دیا۔

"ویسے تم میری غیر موجودگی میں پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت نہیں ہو گئی؟"

وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا وہ اندازہ نا کر سکا پر اس کا لہجہ......اس کا لہجہ اسکے دل کو خوف اتھاہ گہرائیوں میں ڈبو گیا تھا۔

میرب نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔اس کی آنکھوں سے ٹپکتی خباثت اور منہ پر موجود مکرو مسکراہٹ کو دیکھ کر وہ روح تک کانپ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نن....نہیں"اس نے نفی میں سر ہلایا اور پوری قوت سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلنا چاہا لیکن اس پر ذرا بھی اثر نا ہوا۔

اسے دور کرنے کی تگ و دو میں اس کا سانس پھول گیا۔دوبٹہ سر سے پھسل کر کندھے پر آ گیا۔

"کیوں اپنی ننھی سی جان کو ہلکان کر رہی ہو۔ایک دفعہ اپنے ان خوبصورت ہونٹوں سے بول کر تو دیکھو میں تمہارے لیے اپنی جان دے دوں گا کجا کہ تمہیں راستہ دینا" وہ دلفریب انداز میں بولا۔

"مم.... مجھے جانے دو" میرب کی آواز کانپ رہی تھی۔کانپ تو اس کا پورا جسم رہا تھا۔پور پور پسینے میں بھیگ چکا تھا۔

"ایزیووش" عرش نے سر کو خم دیا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

میرب فرار کو رستہ دیکھتے ہی فوراً سے بھاگی پر عرش نے اس کی کلائی تھام کر ایک بار پھر اسے اپنی طرف کھینچا۔وہ کٹی شاخ کی طرح اس کے سینے سے آلگی۔عرش نے اسے بازوؤں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے بھاگنے کی۔لیٹس انجوائے دس مومنٹ" وہ اس کے کان کے قریب کے جھکا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

میرب کا خوف بڑھتا ہی جا رہا تھا۔اسے لگا کہ وہ ابھی گر جائے گا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے ایک بار پھر مزاحمت کرنا شروع کر دی۔پر عرش کی گرفت مضبوط تھی۔

"پلیز مجھے جانے دو" وہ روتے ہوئے بولی۔

"نو بے بی آج میرا ایسا کوئی موڈ نہیں" اس نے اس کی کلائی تھامی اور کچن سے باہر کی طرف بڑھا۔

"عرش چھوڑو مجھے" وہ مسلسل اپنی کلائی اس کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی جو اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا اس کے کمرے کی طرف لے کر جا رہا تھا۔

کچھ غلط ہونے کا احساس اسے بہت شدت سے ہوا۔

"غازی....غازی... غفور چچا" اس نے بلند آواز میں چلاتے ہوئے غازی اور گیٹ پر موجود چوکیدار کو آواز دی۔

میرب کی چیخیں سن کر غازی جو باہر گم سم سا بیٹھا تھا اندر کی طرف بھاگا جہاں عرش اسکی بہن کو گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔

"عرش بھائی..." غازی فوراً سے ان کی طرف بھاگا پر وہ نو سالہ بچا اس پچیس سالہ مرد کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔

عرش نے میرب کو کمرے میں دھکیلتے ہوئے اپنی طرف بڑھتے غازی پر ایک نظر ڈالی اور استہزایہ انداز میں ہنستے ہوئے کمرے میں گھس کر دروازہ لاک کر دیا۔

"عرش دروازہ کھولو مجھے باہر جانا ہے" میرب کسی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی۔اچانک سے اس میں بے پناہ طاقت آگئی تھی۔

"کم ان سویٹ ہارٹ مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنا تنگ کرو گی مجھے" عرش نے اسکی کمر کے گرد اپنے بازو باندھتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا۔

میرب کو اپنی کمر جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس نے اپنا پورا زور لگا کر عرش سے الگ ہونے کی کوشش کی۔اس کے ہاتھوں کی گرفت اسے آگ کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔

"میرب منگنی ہو چکی ہے ہماری" عرش نے اس سے دوستانہ انداز میں کہا اور اس کے بالوں میں موجود بینڈ کو اتارا۔

"ٹوٹ چکی ہے ہماری منگنی کمینے انسان۔دور رہو مجھ سے" وہ دھاڑی پر اگلے لمحے چہرے پر پڑنے والے تھپڑ سے وہ دور جا گری۔ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔منہ خون کا ذائقہ محسوس ہوا۔

دروازے پر غازی کی ہلکی ہلکی دستک سنائی دے رہی تھی۔وہ نو سالہ بچا اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اندر اس کی بہن پر کون سی قیامت ٹوٹنے والی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بہت سن لی میں نے تمہاری بکواس اب ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا چپ چاپ جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کروں" اس نے اسکی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ میرب نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے کھسکنے لگی۔

"نہیں پلیز نہیں"

"بہت پارسا ہو نا تم، پانچ وقت کی نمازی، بہت ایمان والی ہو آج تمہاری ساری اکڑ نکال دوں گا" وہ جھٹکے سے اس کے سر پر پہنچا اور اسکا بازو دبوچ کر اسے کھینچتا ہوا بیڈ پر لا کر پٹخا۔

"نہیں عرش پلیز تمہیں خدا کا واسطہ میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے پلیز نہیں کرو ایسا میں مر جاؤں گی" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کے سامنے گڑگڑائی۔

پر مقابل اس وقت ایک درندے کا روپ دھار چکا تھا۔ ایسا درندہ جو صرف نوچنا جانتا تھا۔

"اچھا لگ رہا ہے تمہارا یوں گڑگڑانا" عرش نے مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

میرب ماہی بے آب کی طرح تڑپ گئی۔ وہ مسلسل اپنی ٹانگوں کی مدد سے اس شیطان کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے دور رہو مجھ سے ناپاک انسان، تم غلاظت کا ڈھیر ہو میرے قریب آنے کی کوشش مت کرنا" وہ ایک بار پھر چلانے لگی تھی۔

"غازی.....غازی ماما کو کال کرو پلیز تمہاری بہن مر جائے گی" وہ اپنی پوری قوت سے چلائی۔

غازی کی آواز مسلسل اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی جو ایک ہی جملہ بول رہا تھا

"عرش بھائی پلیز میری آپی کو مت ماریں وہ بہت اچھی ہیں انہیں مت ماریں"

جس انسان کو وہ بھائی کہہ رہا تھا وہ اس وقت انسان چھوڑو جانور بھی نہیں رہا تھا۔

اب تو میرب کی مزاحمت بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس درندہ صفت انسان کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی تھی۔

عرش اس پر جھکا جگہ جگہ اپنی درندگی کے نشان چھوڑ رہا تھا اور میرب کو اپنا وجود دہکتی ہوئی آگ میں جلتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اسکی روح تک کو زخمی کر رہا تھا۔

اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کا دماغ مفلوج ہو رہا تھا۔ دور کہیں اسے غازی کے پکارنے کی آواز آ رہی تھی اور آنکھیں بند کرنے سے پہلے جو آخری خیال اس کے ذہن میں آیا تھا وہ اسکی خود کے لیے کی جانے والی موت کی دعا تھی۔

****

"یہ کیا کہہ رہا ہے تو" ارسل نے پیشانی پر ہاتھ رکھا اور ٹہلنے لگا۔ دیان ہونٹوں پر دائیں ہاتھ کی مٹھی جمائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا لگا" وہ واپس کرسی پر آگے کی جانب جھک کر بیٹھا۔

"میرے فرشتوں نے بتایا.........ظاہر سی بات ہے میں نے اسکی ڈیٹیل نکلوائی ہے" وہ ذرا برہمی سے بولا۔ اب ارسل نے الگ اس کا دماغ کھانا تھا۔ دیان کے ایک بار کہنے پر تو اسے کبھی یقین آنا نہیں تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ کوئی اور ہو۔ اب دنیا میں صرف ایک ہی زائشہ کے باپ کا نام تو طالب مراد نہیں"

"ارسل میں تمہیں شکل سے پاگل لگتا ہوں۔ میں نے ہر لحاظ سے کنفرم کیا ہے۔ وہ وہی ہے انفیکٹ اس کے بیگ میں تصویر بھی تھی"

"کیسی تصویر"

"اس کے باپ کی تصویر سالے....زیادہ بکواس نا کر اب۔بتا سیدھے طریقے سے ساتھ دے گا میرا"اس نے زور سے ٹیبل پر ہاتھ مارا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

ارسل نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔

"کیسا ساتھ.....تو کیا سوچ رہا ہے"

"سوچ تو میں بہت کچھ چکا ہوں"اس کی پر سوچ نظر آسمان پر ٹکی تھی۔

"اور اب میں وہی کروں گا جو میں کرنا چاہتا ہوں۔کوئی میرا ساتھ دے یا نا دے مجھے پرواہ نہیں پر اس بار ہار میری نہیں ہو گی"

ارسل اٹھا اور اس کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا

"تم جو بھی کرو گے مجھے ہر قدم پر اپنے ساتھ پاؤ گے"

دیان ارسل کی جانب دیکھ کر مسکرا دیا اور اس کے گلے لگ گیا۔

****

رات کے دس بج رہے تھے اور ہر طرف ہو کا عالم تھا جیسے اس گہری رات کے اندھیرے نے ہر ذی روح کو خوف میں مبتلا کر دیا ہو۔ پودوں میں دبکے حشرات اپنی مخصوص آواز پیدا کر کے ماحول کو مزید خوفناک بنا رہے تھے۔

چاند بھی ڈر کر بادلوں کی اوٹ میں چھپ چکا تھا۔ چاندنی بھی شاید زمین پر پھیلے گہرے اندھیرے سے روٹھ چکی تھی جو زمین تک پہنچنے سے انکاری تھی۔

ایسے میں اس شان سے کھڑے بنگلے کا ایک دروازہ کھلا۔ ماحول میں چرر کی آواز پیدا ہوئی اور پھر بوٹوں کی مخصوص دھمک سنائی دی۔

وہ چلتا ہوا غازی کے سامنے آیا جو دروازے سے کچھ دور زمین پر سو گیا تھا۔

"غازی..... غازی بیٹا" عرش نے نرمی سے اسکا گال تھپتھپایا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ بے انتہا خوفزدہ ہو چکا تھا۔

"غازی ڈرو نہیں میں ہوں تمہارا بھائی عرش"

اس نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا تو وہ ذرا پر سکون ہوا۔

"عرش بھائی اپیا کہاں ہیں؟"

"تمہاری اپیا سو رہی ہیں۔ یہ لیٹر ہے یہ کل صبح تم نے اپنی ماما کو دینا ہے۔ میری بات غور سے سنو غازی کل صبح دینا ہے اس سے پہلے نہیں۔ اگر اس سے پہلے دیا تو میں ناراض ہو جاوں گا؟" اس نے تنبیہہ کے سے انداز میں انگلی دکھاتے کہا۔

غازی نے اثبات میں سر ہلایا تو عرش نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اس کے سامنے کی۔

"پرامس"

غازی مسکرایا اور فوراً سے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اس کی انگلی سے ملائی

"پرامس"

گڈ بوائے" عرش نے اسکے بال بگاڑے

"اب میں جا رہا ہوں تم جاؤ اپنی آپی کے پاس اس کی طبیعت نہیں ٹھیک۔ زیادہ طبیعت خراب ہوئی تو اپنی ماں کو کال کر دینا......اوکے"

غازی نے فوراً سے کسی فرمانبردار بچے کی طرح سر ہلایا تو عرش اٹھ کھڑا ہوا اور باہر کی طرف بڑھ گیا

"اور ہاں...." وہ چلتا چلتا ایڑی کے بل گھوما

"آئی ول مس یو غازی۔ تم وہ واحد انسان ہو جس نے کبھی مجھ سے نفرت نہیں کی"

وہ مسکرا کر بولا اور کچن کی طرف بڑھا۔ وہاں گری سیاہ چادر اٹھا کر اپنے گرد لپیٹی اور باہر آیا۔

ایک آخری مسکراتی نظر خاموش کھڑے غازی پر ڈالی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی نے اپنے ہاتھ میں موجود اس لیٹر کو دیکھا اور پھر اسے فولڈ کر کے اپنی پینٹ کی جیب میں ڈالا۔

"میرب اپیا" اس نے کمرے کا دروازہ کھولتے اسے پکارا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا چھایا تھا۔ وہ سنبھلتے ہوئے چند قدم آگے آیا اور لائٹس آن کی۔

وہ مڑا

"اپیا مام...." اور سامنے کا منظر دیکھ کر اسکے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

میرب سامنے بیڈ پر چت لیٹی تھی۔ سارا وجود چادر سے ڈھکا تھا بس چہرہ نظر آرہا تھا۔

جو سوجا ہوا تھا۔ دائیں گال پر نیل کا نشان تھا اور ہونٹ کے کنارے سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ بال بکھرے پڑے تھے۔

دوبٹہ اسکا کمرے کے دوسرے کونے میں پڑا تھا۔

"یہ آپ کے چہرے کو کیا ہوا ہے؟ اپیا آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے" اس نے پاس آکر اس کا کندھا ہلایا

"اپیا مام کو کال کروں" اب کی بار اس نے اسکا چہرہ تھپتھپایا۔

"اپیا کیا ہوا ہے آپ کو" اس کی آواز رندھ گئی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما

"اپیا آپ کو پانی چاہیے........آپ بول کیوں نہیں رہی۔ اٹھیں نا مجھے ڈر لگ رہا ہے" اب وہ باقاعدہ طریقے سے رونے لگا تھا۔

"اگر تمہاری آپی کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو ماما کو کال کر لینا" اچانک سے عرش کی بات اس کے ذہن میں آئی۔

وہ باہر کی جانب بھاگا۔

فون سٹینڈ کے پاس آکر اس کی جانب ہاتھ بڑھایا اور پھر واپس کھینچ لیا

"مام کا نمبر کیا تھا" کچھ پل اپنے ذہن پر زور دیا اور پھر سے نمبر ڈائل کیا

کچھ دیر بعد ماوتھ پیس سے بتول حیدر کی آواز گونجی

"ہاں میرب بیٹا خیریت "ان کا انداز کافی مصروف تھا۔ پیچھے کافی شور کی آواز آرہی تھی۔

"مام میں غازی بول رہا ہوں"

"ہاں غازی بیٹا بولا"

"مام میرب اپیا کی طبیعت نہیں ٹھیک۔ وہ اٹھ نہیں رہیں"

"کیا ہوا اسے.....ابھی تو شام کو میری بات ہوئی ٹھیک تھی۔ تم ایسا کرو غفور بھائی سے بات کرواؤ میری "بتول حیدر ایک دم سے پریشان ہوتے بولیں

"ایک منٹ مام میں انہیں بلا کر لاتا ہوں "غازی نے ریسیور ہولڈر پر رکھا اور باہر کی جانب بھاگا

باہر ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لان بھی اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ سب لائٹس آف تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس قدر گہرے اندھیرے کو دیکھ کر وہ ڈر کر وہیں کھڑا ہو گیا

"غفور چچا...."اس نے وہیں کھڑے رہ کر کافی آوازیں لگائی مگر بے سود۔

وہ ناامید سا واپس اگیا۔

"مام باہر لان کی ساری لائٹس آف ہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے اور غفور چچا بھی نہیں ہیں"اس نے فوراً سے ریسیور اٹھاتے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میری جان تم ڈرو نہیں۔تم تو میرے بہادر بیٹے ہو نا آپی پاس جا کر بیٹھو میں بس آرہی ہوں"

"جی مام"بتول حیدر نے جلدی سے کہہ کر کال کاٹ دی تو وہ بھی ڈرتا ہوا اس کمرے میں آگیا جہاں میرب تھی۔

وہ بستر پر چڑھا اور اسکے ساتھ دبک کر کسی بلی کے خوفزدہ بچے کی طرح لیٹ گیا۔

****

بتول حیدر ڈرائیور کے ساتھ گھر کے پورچ میں داخل ہوئیں تو گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں نظر آتے سنسان ویران لان کو دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے تھم گئیں۔

ان کا گھر تو ہر وقت میرب اور غازی کی کھلکھلاہٹوں سے گونجتا رہتا تھا پر اب اس ویران بنگلے کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسا یہاں کوئی رہتا ہی نا ہو۔ پل بھر میں ان کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ شوہر ہسپتال کے بستر پر ہوش و خرد سے بے گانہ پڑا تھا۔ طالب مراد کی موت ان کے لیے کسی صدمے سے کم نا تھی۔ بیٹی کی منگنی شادی سے دو ہفتے پہلی ٹوٹ گئی تھی۔

آزمائشوں نے تو جیسے ان کے گھر کا ہی راستہ دیکھ لیا تھا۔

مشکلات کا یہ دور نا جانے کتنی دیر تک چلنا تھا۔ ہر مشکل کے آخر میں آسانی کی امید دل میں پیدا ہوتی تھی پر ساتھ ساتھ یہ امید ٹوٹتی بھی جا رہی تھی۔

اچانک سے انہیں غازی کی فون پر کہی بات یاد آئی۔

"عارف بھائی ذرا دیکھیں غفور چچا کہاں ہیں اور یہ لان کی سب لائٹس آن کریں" انہوں نے رندھی آواز میں کہا اور آنسو پونچھتی اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

لاونج میں اکادکا لائٹس چل رہی تھی جو کسی حد تک اندھیرے کو مات دینے میں کامیاب ہو رہی تھیں۔ گھڑی گیارہ کا حصہ عبور کر چکی تھی۔ طالب مراد کے گھر سے نکلتے نکلتے بھی انہیں آدھا گھنٹا لگ گیا تھا۔

"غازی..... غازی بیٹا کہاں ہو؟" انہوں نے سوئچ بورڈ پر موجود لائٹس آن کیں تو لاؤنج میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔

"میرب بیٹا کدھر ہو؟" انہوں نے اپنی چادر اتار کر صوفے پر رکھی اور سب کمروں پر نظر ڈالی۔ صرف ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور لائٹس بھی آن تھیں وہ اس جانب بڑھ گئی۔

گھر میں موجود سناٹا انہیں عجیب سی وحشت میں مبتلا کر رہا تھا۔

"میرب بیٹا....." انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے اسے پکارا پر جوں ہی نظر سامنے بستر پر نظر آتے وجود پر پڑی وہ فوراً سے تھم گئی۔

چادر سے ڈھکا، زخمی چہرہ لیے وہ وجود ان کی بیٹی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ غازی اس کی دائیں جانب اس سے لپٹا سو رہا تھا۔

بتول حیدر دوڑ کر اس کے پاس آئیں اور اس کے وجود پر سے چادر ہٹائی۔

ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلہ گھونٹا۔ وہ سر نفی میں ہلاتی پیچھے کی جانب چلنا شروع ہو گئیں۔

"میرب"

ایک دم وہ شدت سے چیخیں اور اس کی جانب بڑھی۔

وہ دیوانہ وار اس کا چہرہ تھپتھپا رہی تھیں اسے جھنجھوڑ رہی تھی پر اس کے بے جان وجود میں کوئی حرکت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ دھاڑیں مار مار کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی اٹھ چکا تھا اور سہم کر بستر کے ایک طرف لگ کر بیٹھ گیا۔میرب کا زخمی وجود دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا ہے۔

میرب کی حالت اس پر گزری قیامت کا صاف پتا دے رہی تھی۔

"میرب...."بتول حیدر چیختے ہوئے اس کے سر کو اپنی گود میں رکھ کر پھپھک کر رو دیں۔

یہ کیا ہو گیا تھا۔کون سا گناہ کر دیا تھا انھوں نے جس کی سزا وہ بھگت رہے تھے۔ایسی سزا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"یا اللہ یہ کیا ہو گیا"وہ چھت کی جانب دیکھتی چلائیں

"کیا قصور تھا میری بچی کا۔

یا خدا یہ زمین پھٹ کیوں نہیں گئی جب میری معصوم بیٹی کے ساتھ یہ سب ہو رہا تھا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ چیخ رہی تھی، رو رہی تھیں، تکلیف سے بلبلا رہی تھیں دل پر نشتر چل رہے تھے۔یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے ان کے دل کو ایک ساتھ کئی خنجروں سے زخمی کر دیا ہو۔

وہ والہانہ میرب کا چہرہ چوم رہی تھیں۔اس کے بال سنوار رہی تھیں۔ کبھی خاموش ہو تیں تو کبھی پھر سے چیخنے لگتی۔

ان کو دیکھ کر کسی پاگل کا گمان ہو رہا تھا۔

غازی اپنی ماں کی یوں بکھری حالت دیکھ کر اٹھ کر ان کے سامنے آیا

"مام..."اس نے ڈرتے ڈرتے انہیں پکارا پر بتول حیدر نے کوئی جواب نا دیا۔وہ بس میرب کے چہرے کو دیکھی جا رہی تھیں

غازی اٹھا اور باہر کی جانب بھاگا۔

باہر ڈرائیور نے سارے لان کی لائٹس جلا دیں تھیں اور اب اندر کی جانب ہی آ رہا تھا۔

"غازی بابا غفور کدھر ہے۔میں نے سارے کوارٹر اور ارد گرد کی سب گلیاں دیکھ لی ہیں وہ کہیں نہیں "غازی کو باہر آتا دیکھ کر اس نے پوچھا۔

غازی کچھ نا بولا بس آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ تھاما اور اسے اندر کی جانب کھینچنا شروع ہو گیا۔

"کیا ہوا غازی بابا "پر غازی نے کوئی جواب نا دیا اور اسے کھینچ کر اندر لے آیا۔

ڈرائیور کے کانوں میں جیسے ہی بتول حیدر کی چیخوں کی آواز پڑی وہ بھاگ کر اس کمرے کی جانب آیا۔

پر سامنے موجود میرب پر جوں ہی اسکی نظر پڑی وہ دروازے میں ہی کھڑا ہو گیا۔

نظریں فوراً سے جھکا دیں۔

بتول حیدر کو تو ارد گرد کا کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔

وہ بس میرب کو خود سے لپٹائے روئی جا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غازی بھی ڈرائیور کے ساتھ دروازے میں کھڑا تھا۔

"میڈیم میرب بیٹی پر چادر ڈال دیں" ڈرائیور نظریں جھکائے بولا پر بتول حیدر اس وقت ہوش میں نہیں تھیں۔انہوں نے اسکی بات پر کوئی دھیان نا دیا۔

"غازی بیٹا جاؤ بہن پر کپڑا ڈال کر آؤ" ڈرائیور اب غازی سے بولا۔

غازی نے ایک نظر اپنی بہن پر ڈالی۔سوجا ہوا چہرہ،پھٹے ہونٹ جگہ جگہ سے پھٹے کپڑے۔بازووں پر نیل کے نشان۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آگے آیا اور کانپتے ہاتھوں سے چادر اٹھا کر میرب کے وجود پر ڈال دی۔

دھار کی صورت میں طالب مراد کے جسم سے بہتا خون،فاروق حیدر کا بے جان ہوتا وجود اور اب میرب کا یہ زخمی اور لٹا ہوا سراپہ
ہر منظر ایک ایک کر کے غازی کی آنکھوں کے سامنے چل رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کا دل کسی پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ وہ اپنی ماں یا بہن کی آغوش میں چھپ جانا چاہتا تھا۔ اس دنیا سے اسے بہت خوف آ رہا تھا۔

بتول حیدر اب بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔ میرب کا سر انکی گود میں تھا اور وہ کسی غیر مرعی نقطے کو دیکھ رہی تھیں۔ چہرے پر آنسوؤں سے تر تھا۔

ڈرائیور باہر کی طرف چل دیا اور حامد جہانگیر کو فون ملانے لگا۔ فاروق حیدر ہاسپٹل میں تھے، بتول حیدر اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھیں۔ ایسے میں اسے واحد راستہ یہی نظر آ رہا تھا۔

انہیں بغیر کوئی تفصیل بتائے جلدی آنے کا کہہ کر اس نے فون کاٹ دیا اور خود گیٹ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

چوکیدار نا جانے کہاں غائب تھا۔ حالانکہ جیسے حالات تھے فاروق حیدر نے ان دونوں کو سختی سے تلقین تھی گھر پر رہنے کی۔ وہ تو بتول حیدر کو لے

کرہاسپٹل اور طالب مراد کے گھر کے چکر لگارہاتھا پر میرب اور غازی کو گھر صرف غفور کے سہارے چھوڑا تھا۔ وہ فاروق حیدر کا کافی پرانا ملازم تھا۔ پر اب وہ خود غائب تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد حیدر جہانگیر کی گاڑی کی آواز سنائی دی۔
ڈرائیور فوراً سے آگے بڑھا۔ گیٹ کھولا تو ان کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی۔ حیدر جہانگیر ثمینہ جہانگیر کے ساتھ بوکھلائے ہوئے گاڑی سے نکلے۔

"کیا ہوا؟" حامد جہانگیر نے پریشانی سے پوچھا۔ وہ فاروق حیدر سے ملنے کے لیے ہاسپٹل بھی جانا چاہتے تھے پر پھر خود پر ضبط کر گئے کیونکہ وہ ان سب حالات کا ذمہ دار خود کو گردان رہے تھے۔
"سر آپ میرے ساتھ آئیں اور میڈیم آپ اندر چلی جائیں" اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی تھا جو ثمینہ جہانگیر فوراً اندر کی جانب بھاگیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیا ہوا ہے؟" حامد جہانگیر نے ایک بار پھر سے پوچھا۔اس بار لہجے میں تھوڑا غصہ جھلک رہا تھا۔

ڈرائیور نے شروع سے لیکر آخر تک ساری بات انہیں سنا دی۔

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی حامد جہانگیر لڑکھڑا کر گرنے لگے جب ڈرائیور نے انہیں فوراً سے سہارا دیا۔

"یہ کیا ہو گیا" ان کے چہرے پر پسینے کے قطرے اور آنکھوں میں نمی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بتول...بتول کہاں ہو تم" ثمینہ جہانگیر انہیں پکارتی اندر آئیں اور سیدھی اس کمرے کی جانب بڑھیں۔

پر اندر موجود منظر نے دوسروں کی طرح ان کے دل کو بھی دہلا دیا تھا۔انہیں نے فوراً سے دروازے کی چوکھٹ کو تھاما۔

سامنے نظر آتا میرب کا وجود اور اسکی حالت انہیں نا قابل یقین لگی۔

"بتول" وہ تڑپ کر آگے بڑھیں اور بتول حیدر کے پاس آئیں۔

"بتول میری بہن یہ کیا ہوا ہے" اُنہوں نے روتے ہوئے بتول حیدر کے کندھے کو جھنجھوڑا جو بالکل ساکت بیٹھی تھیں۔

"بتول ہوش میں آؤ" وہ چلا کر بولیں تو بتول حیدر نے ان کی جانب دیکھا۔ چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ بلکہ چہرے پر کوئی جذبہ تھا ہی نہیں۔ آنکھیں سرد تھیں بالکل ان کے ہاتھوں کی طرح۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"حوصلہ کرو" وہ روتے ہوئے بولیں اور بتول حیدر کے گلے لگ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں پر بتول حیدر کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نا آئی۔

"کس نے کیا یہ" ثمینہ جہانگیر نے ان سے علیحدہ ہوتے پوچھا۔

وہ خاموش رہیں اور میرب کی جانب دیکھتی رہی۔

"آپ کو پتا ہے جب میرب بارہ سال کی تھی تو ایک دن حامد بھائی گھر آئے تھے۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ لاؤنج میں فاروق ساتھ بیٹھے ہیں تو میں بغیر سر

پر دوپٹہ لیے لاؤنج کی طرف جا رہی تھی۔ابھی میں دروازے کے پاس ہی پہنچی تھی جب یہ پیچھے سے ہانپتی ہوئی آئی۔

میں تو بوکھلا گئی کہ نا جانے کیا ہوا ہے جو یہ اس طرح بھاگ کر آئی ہے۔تو آپ جانتی ہیں اس نے مجھ سے کیا کہا....."

بتول حیدر نے اپنی سوکھی آنکھیں ثمینہ جہانگیر کی نم آنکھوں میں گاڑیں۔

"اس نے کہا کہ ماما حامد انکل آئے ہوئے ہیں آپ سر ڈھک کر جائیں۔ثمینہ مجھے تو کبھی اسے بتانا ہی نہیں پڑا کہ میرب تم ایسے کیا کرو ایسے مت کیا کرو۔میری بیٹی تو تھی ہی اتنی سمجھدار کہ وہ سب خود سمجھ جاتی تھی....پھر اسکے ساتھ یہ سب کس نے کر دیا" آخر میں وہ ثمینہ جہانگیر کے گلے لگ کر ضبط کے سارے بندھن توڑ گئیں۔

وہ اس قدر زور سے روئیں کہ ثمینہ جہانگیر کو لگا کہ آج اس ماں کی غم سے زمین پھٹ جائے گی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور فاروق حیدر جو اپنی بیٹی پر گزری قیامت سے انجان ہاسپٹل کے بستر پر پڑے تھے۔ ان کو جب معلوم ہو گا ان کا کیا حال ہو گا۔

"بتول حوصلہ کرو ہمیں میرب کو ہاسپٹل لے کر جانا ہو گا"

"نہیں میری بیٹی بدنام ہو جائے گی" وہ تڑپ کر بولیں۔

"بتول اس کی حالت دیکھو۔ وہ سانس لے رہی ہے ہمیں اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہو گا۔ ورنہ ایسا نا ہو کہ ہم اسے کھو دیں" ثمینہ جہانگیر نے میرب کی نبض چیک کی جو چل رہی تھی پر کافی مدھم۔

"ثمینہ ہمارے پاس تو کچھ رہا ہی نہیں۔ شوہر میرا ہاسپٹل کے بستر پر پڑا ہے۔ بیٹی کسی درندے کی درندگی کا نشان بن چکی ہے۔ اور بیٹا"

انہوں نے غازی کی جانب دیکھا جو بیڈ کی پائنتی پر گم صم سا بیٹھا تھا

"بیٹے سے تو اس کا بچپن ہی چھین لیا گیا۔ میں کیسے کروں یہ سب برداشت" بتول حیدر ایک دفعہ پھر ہزیانی کیفیت کا شکار ہو رہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ چیخنا چلانا شروع ہو گئی تھیں۔ ثمینہ جہانگیر کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

تبھی باہر ایمبولینس کے سائرن کی آواز آئی۔ انہوں نے چونک کر آواز کے تعاقب میں دیکھا۔ شاید حامد جہانگیر نے ایمبولینس کو بلا لیا تھا۔ اور کچھ لمحوں بعد دروازے کے پاس سے حامد جہانگیر کی آواز ابھری۔ "ثمینہ میرب کو ہاسپٹل لے کر جانا ہو گا۔ لیڈی ڈاکٹرز آئی ہیں تم دیکھ لینا" حامد جہانگیر کی آواز میں گھلی نمی کا اندازہ ثمینہ جہانگیر باخوبی کر سکتی تھیں۔

انہوں نے جیسے تیسے کر کے روتی چیختی ہوئی بتول حیدر کو میرب کے وجود سے الگ کیا اور لیڈی ڈاکٹرز کو اشارہ کیا۔ وہ سب آگے آئیں اور میرب کو سٹریچر پر ڈالا۔ اس کے جسم کو اچھے سے ڈھک کر انہوں نے کچھ لڑکوں کو بلایا جو اسے ایمبولینس تک لے گئے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بتول چلو ہمیں ہاسپٹل جانا ہے. غازی آؤ تم بھی" انہوں نے بتول حیدر کو سہارا دے کر اٹھایا اور غازی کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

ایمبولینس جا چکی تھی اور حامد جہانگیر ان کا گاڑی کے پاس انتظار کر رہے تھے۔ ثمینہ جہانگیر نے نڈھال سی بتول حیدر کو بیک سیٹ پر بٹھایا۔

غازی فوراً سے بتول حیدر کے ساتھ بیٹھا اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

یہ منظر دیکھ کر حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ بات پولیس تک تو جائے گی" انہوں نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے حامد جہانگیر سے پوچھا۔

"فلحال تو میں نے بندوبست کر لیا ہے تاکہ جلد از جلد میرب کا علاج شروع ہو۔ پر صبح تک یہ خبر پورے شہر میں پھیل جائے گی" حامد جہانگیر فرنٹ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیٹ پر بیٹھے تو ثمینہ جہانگیر بھی دوسری طرف آکر بیٹھ گئیں۔اب ان کا رخ ہاسپٹل کی جانب تھا۔

****

میرب کا علاج شروع ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔اس کی دل کی دھڑکن نارمل نہیں ہو رہی تھی۔بقول ڈاکٹرز کے وہ خود جینا نہیں چاہتی تھی۔ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسکی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔اس کا دماغ اس صدمے کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔

بتول حیدر کا بی پی یہ خبر سننے کے بعد خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اب وہ اسی ہاسپٹل کے ایک کمرے میں زیر علاج تھیں جہاں ان کے گھر کے دو افراد پہلے سے موجود تھے۔

حامد جہانگیر پوری کوشش کر رہے تھے کہ یہ معاملہ پولیس تک نا جائے پر ہاسپٹل کے عملے کی طرف سے مسلسل پریشر نے انہیں پولیس سے رابطہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اس وقت وہ پولیس سٹیشن ہی گئے ہوئے تھے۔اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے وہ اس خبر کو ہر لحاظ سے خوفیہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ثمینہ جہانگیر بتول حیدر کے کمرے سے باہر آئیں تو سامنے ہی انہیں ایک بینچ پر غازی بیٹھا نظر آیا۔انہیں اس بچے پر ٹوٹ کر ترس آیا جو ایک دن میں اتنی بڑی قیامت دیکھ چکا تھا۔

"غازی بیٹا" وہ اسکے پاس بیٹھی اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔

"مام،ڈیڈ اور ایپا مجھ سے ناراض ہیں کیا؟" اس نے آنسو بھری آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا۔

ثمینہ جہانگیر کے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔وہ تڑپ گئیں اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"مجھ سے کوئی بھی بات نہیں کر رہا۔میں نے تو کسی کو تنگ بھی نہیں کیا تھا ثمینہ آنٹی"وہ سسک اٹھا تھا۔وہ بچہ آخر کتنا برداشت کرتا۔جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کی سمجھ سے باہر تھا پر وہ اپنوں کی تکلیف کا اندازہ کر سکتا تھا۔

"کوئی آپ سے ناراض نہیں آپ بس دعا کرو کہ ہماری مشکلات دور ہو جائیں۔اللہ تو ویسے بھی بچوں کی دعائیں سنتے ہیں آپ کرو گے نا دعا"انھوں نے اسکا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسکے آنسو صاف کیے تو غازی نے زور وشور سے اثبات میں سر ہلا یا۔

وہ غازی سے پوچھنا چاہتی تھیں کہ میرب کے ساتھ یہ سب کس نے کیا ہے۔بتول حیدر کی غیر موجودگی میں کیا ہوا تھا،کون آیا تھا۔

پر غازی کی دماغی کیفیت انہیں اس وقت یہ سوال پوچھنے سے باز رکھ رہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا تو غازی بھی کرسیوں پر ٹانگیں اوپر کر کے لیٹ گیا اور آنکھیں موند گیا۔

ثمینہ جہانگیر دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔ غازی کی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں۔رات دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی۔

****

سیاہ کالی رات بہت سے گناہوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر اب ایک روشن صبح میں تبدیل ہو چکی تھی۔ صبح کا سورج ان گناہوں کی سیاہی کو مٹانے میں کسی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔پر رات کے اندھیروں میں چلتی خنک ہوا بہت سے گناہوں کی رازدار بن گئی تھی اور اب صبح کو مہکتی ہوئی بادِ صبا میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تبدیل ہو کر ان رازوں کے عیاں ہو جانے کے خوف سے چھپتی پھر رہی تھی۔

فاروق حیدر کے خاندان پر دکھوں کی جو کالی گھٹا چھائی تھی اس کی چمک دمک میں ہر گزرتے دن کے ساتھ شدت آتی جا رہی تھی۔

صبح کے سات بج رہے تھے جب حامد جہانگیر چند پولیس افسران کے ہمراہ ہسپتال کی حدود میں داخل ہوئے۔ وہ کل رات کے بعد اب لوٹے تھے۔ بتول حیدر اب ہوش میں آچکی تھیں پر وہ بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔ نا کچھ بول رہی تھیں نا کھا رہی تھی۔ ثمینہ جہانگیر نے انکی چپ توڑنے کی بہت کوشش کی تھی مگر ان کے منہ سے بس میرب کا نام ادا ہو رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرب کی حالت ابھی تک تشویش ناک تھی۔فاروق حیدر کو ڈاکٹرز نے چوبیس گھنٹے کی ڈیڈلائن دی تھی۔اگر انہیں ان گھنٹوں میں ہوش آجاتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ کومہ میں جا سکتے تھے۔ان چوبیس گھنٹوں میں سے بھی تقریباً پندرہ سولہ گھنٹے گزر چکے تھے۔

"میرب کی حالت کیسی ہے"حامد جہانگیر اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں بتول حیدر کو کل رات بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا تھا۔

وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر خاموش ہو گئی جب اچانک سے باہر شور گونجا۔حامد جہانگیر فوراً سے باہر کی جانب گئے۔

"دیکھیں پیشنٹ کی حالت ایسی نہیں کہ وہ کوئی بیان دے سکیں"ڈاکٹر یقیناً پولیس کے بیان لینے کی بات سن کر تیش میں آگیا تھا۔

"دیکھیئے ڈاکٹر آپ نے کہا تھا کہ پیشنٹ بات کر سکتیں ہیں اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ہمیں بس ریپسٹ کا نام پوچھنا ہے۔کیونکہ ہمارا شک ان کے

چوکیدار غفور پر تھا پر ڈی این اے رپورٹ کی مطابق مجرم کی عمر چوبیس پچیس کے درمیان ہے اسی لیے وہ کوئی اور ہی ہے جس کے بارے میں صرف مظلومہ جانتی ہیں" حامد جہانگیر بھی اس پولیس افیسر کے ساتھ آ کھڑے ہوئے۔

"دیکھیں پیشنٹ کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ ہمیں انہیں ہر قسم کی ذہنی پریشانی سے دور رکھا ہے اور آپ..."

"میں میرب سے ملنا چاہتا ہوں" حامد جہانگیر ڈاکٹر کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

"ہم ابھی کسی کو اجازت نہیں دے سکتے" وہ ڈاکٹر رکھائی سے بولا۔

"دیکھئیے میں میرب سے بس اس کے مجرم کا نام پوچھوں گا اور مجھے پوری امید ہے کہ میرب بھی یہی چاہے گی کہ اس کے مجرم کو جلد از جلد سزا ہو"

"آخر آپ ہمیں اپنی بیٹی سے ملنے کیوں نہیں دے رہے۔جب وہ ہوش میں ہے تو ہمیں جانے دیں اسکے پاس"بتول حیدر اچانک سے کمرے میں سے نکل کر اس ڈاکٹر کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"دیکھیں...."

"بس میں نے کہہ دیا کہ مجھے اپنی بیٹی سے ملنا ہے۔میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے"بتول حیدر نے اسکے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے ملنے دو اس سے۔میرا دل پھٹ جائے گا۔میں اسے سینے سے لگانا چاہتی ہوں۔اس کو بتانا چاہتی ہوں کہ ہم اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔وہ اس غم میں اکیلی نہیں۔میری بیٹی بہت معصوم اور کمزور دل والی ہے۔وہ یہ غم سہتے گھٹ گھٹ کر مر جائے گی"وہ سسکتے ہوئے بولیں۔

غازی کمرے کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا نم آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

ڈاکٹر نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلا

"ٹھیک ہے آپ مل لیں۔پر اگر پیشنٹ کی حالت خراب ہوئی تو ذمہ دار آپ لوگ ہوں گے"

بتول حیدر نے جلدی سے آنسو پونچھے اور اثبات میں سر ہلایا۔

ڈاکٹر نے انہیں ایک طرف چلنے کا اشارہ دیا تو وہ اسکے پیچھے چل دیں۔

"میرب سے نام پوچھنے کی کوشش کیجئے گا" حامد جہانگیر نے انہیں پیچھے سے پکار کر کہا۔انہیں روم میں جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

بتول حیدر نے مڑ کر اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔

ڈاکٹر نے ایک کمرے کے باہر رک کر انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا تو وہ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

سامنے میرب کا وجود لاتعداد مشینوں میں جکڑا پڑا تھا۔دونوں ہاتھوں پر ڈرپس لگی تھیں اور منہ پر آکسیجن ماسک لگا تھا۔چہرے کی سوجن اب پہلے

کی نسبت کم ہو چکی تھی پر نیل ابھی بھی صاف واضح ہو رہے تھے۔ای سی جی مشین پر ظاہر ہوتی لہریں اس کے وجود میں زندگی کی رمق باقی ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔

بتول حیدر اس کے بستر کے پاس آکر کھڑی ہو گئیں۔

وہ عہد کر کے آئی تھیں کہ وہ روئیں گی نہیں۔انہیں اپنی بیٹی کی طاقت بننا تھا،اس کا حوصلہ بڑھانا تھا۔اگر وہی ٹوٹ گئیں تو باپ کی غیر موجودگی میں ان کے بچوں کا سہارا کون بنے گا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرب" بتول حیدر نے اسکے بالوں پر ہاتھ پھیرتے اس کا نام پکارا۔آواز میں آنسوؤں کی آمیزش صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

میرب کی آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش ہوئی اور کچھ لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولی

لال دہکتے انگاروں جیسی آنکھیں، بھیگی پلکیں۔

اس نے ہاتھ بڑھایا اور آکسیجن ماسک اتارنا چاہا

"نہیں میرب بیٹا تمہیں ضرورت ہے اس کی"

بتول حیدر نے فوراً سے اس کا ہاتھ روکا پر وہ نفی میں سر ہلانے لگی اور دوسرا ہاتھ ماسک کی طرف لے جانے لگی۔

"تمہیں کچھ چاہیے؟" ان کے پوچھنے پر اسنے اثبات میں سر ہلایا تو بتول حیدر نے خود اسکا ماسک اتار دیا۔

"پانی" بتول حیدر اسکی آواز تو نا سن سکیں پر اسکے سوکھے ہونٹوں کی حرکت سے انہیں اسکی پیاس کا اندازہ ہو گیا۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی پانی کی بوتل میں سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک چمچ کی مدد سے اسے پلانے لگیں۔

وہ نا جانے کب سے پیاسی تھی جو اسکی پیاس بجھ ہی نہیں رہی تھی۔

"بس؟" کچھ دیر بعد اس نے ہونٹ بند کر دیے تو بتول حیدر نے گلاس واپس رکھ دیا اور فوراً سے اسکا آکسیجن ماسک واپس لگا یا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرب بیٹا باہر پولیس آئی ہے۔وہ تمہارا بیان لینا چاہتے ہیں پر ہم نے منع کر دیا ہے۔اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ سب کس نے کیا تا کہ ہم جلد از جلد اسے پکڑ سکیں" وہ اسکے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی جس کی بند آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"تم مجھے بتاؤ گی میرب "ان کے پوچھنے پر اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ہاتھ ایک بار پھر سے ماسک کی جانب بڑھ رہا تھا۔

وہ مسلسل ہونٹوں کو حرکت دے رہی تھی۔

بتول حیدر نے اسکا ماسک اتارا اور اپنا کان اسکے منہ کے نزدیک کیا۔اس کی آواز کافی مدھم تھی۔

"عرش...عرش.....عرش" وہ لمبے لمبے سانس لیتی بہت ہلکی آواز میں صرف ایک یہی لفظ دہرا رہی تھی۔

بتول حیدر جھٹکا کھا کر اس سے دور ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ میرب آنکھیں بند کیے اب لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

بتول حیدر نے اسے ماسک پہنایا اور بغیر اسکی جانب دیکھے باہر آگئی۔

ان کے قدموں میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

انہیں آئی سی یو سے نکلتا دیکھ کر ثمینہ جہانگیر ان کی جانب بڑھیں۔ ان کے ساتھ حامد جہانگیر اور پولیس اہلکار بھی تھے۔

"کیا کہا میرب نے" ثمینہ جہانگیر نے انہیں کندھوں سے تھاما۔ بتول حیدر نے ایک اجنبی نظر ان پر ڈالی اور انہیں دھکہ دے کر خود سے دور کیا۔

ثمینہ جہانگیر لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی۔

"تمہارے بیٹے نے کیا ہے یہ سب۔ سن رہی ہو تمہارے بیٹے عرش جہانگیر نے" بتول حیدر ہزیانی انداز میں چلانا شروع ہو گئی تھی۔

ان کی آواز تھی یا پھانسی کا فرمان، ثمینہ جہانگیر کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔ حامد جہانگیر کی حالت بھی اس سے مختلف نا تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"برباد کر دیا تمہارے بیٹے نے ہمیں۔سب کچھ چھین لیا ہم سے۔ایک عزت بچی تھی وہ بھی روند کر چلا گیا۔کیا بگاڑا تھا ہم نے تمہارے بیٹے کا" وہ چلاتے ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔

"خدا کرے وہ مر جائے۔اسے کتوں سے بھی بد تر موت نصیب ہوں۔وہ کبھی آباد نا ہو۔وہ برباد ہو جائے۔یااللہ......" وہ اوپر کی جانب دیکھ کر اس قدر شدت سے چلائیں کہ نرس اور ڈاکٹر بھاگے ہوئے آئے۔

ثمینہ جہانگیر کے دل پر نشتر چل رہے تھے۔بتول حیدر کی بد دعائیں سن کر ان کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔

"میرے بیٹے کو بد دعا مت دو بتول" وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئی۔

وہ ماں تھیں ان کا بیٹا لاکھ گنہگار سہی پر وہ کیسے یہ سب برداشت کر تیں۔

پولیس افسران وہاں سے جا چکے تھے۔انہیں مطلوبہ معلومات مل چکی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیوں ناں دوبدعا...ہاں.... کیوں نا دوں بد دعا۔ میری بیٹی کو جیتے جی مار دیا اس نے۔ میرا شوہر موت کے دہانے پر کھڑا ہے۔

تمہارا بیٹا قاتل ہی نہیں زانی بھی ہے۔ تم سن رہی ہو وہ زانی بھی ہے

یااللہ اسے مار دے۔ اسے برباد کر دے۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نا رہے۔ یااللہ مجھ سسکتی ہوئی ماں کی دعا سن لے"

چلا چلا کر بتول حیدر کا سانس پھول چکا تھا۔ ان کی حالت خراب ہوتے دیکھ کر نرسز نے آگے بڑھ کر انہیں تھاما اور انہیں روم میں لے گئیں۔

عرش کو دی جانے والی بتول حیدر کی بد دعاؤں نے ثمینہ جہانگیر کے دل کو لرزا دیا تھا۔

"حامد یہ کیا ہو گا۔ ہمارا عرش ایسا نہیں ہو سکتا وہ اتنا نہیں گر سکتا" ثمینہ جہانگیر ساکت کھڑے حامد جہانگیر کی جانب بڑھیں اور انہیں جھنجھوڑتے ہوئے بولیں۔

"اس نے برباد کر دیا ہم سب کو۔ کاش حامد وہ پیدا ہونے سے پہلے مر جاتا... کاش وہ مر جاتا" وہ بلک بلک کر رو دیں۔

حامد جہانگیر کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

انہوں نے آہستگی سے ثمینہ جہانگیر کو خود سے دور کیا اور کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح راہداری کو عبور کر گئے۔

ثمینہ جہانگیر بلکتے ہوئے وہیں بینچ پر بیٹھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ لمحوں بعد انہیں اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو انہوں نے سر اٹھایا۔

غازی ان کے سامنے بیٹھا انہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں وہی لیٹر تھا۔

اس نے بنا کچھ کہے وہ خط ان کی جانب بڑھا دیا۔

ثمینہ جہانگیر نے بھیگی الجھی ہوئی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور اس خط کو تھام لیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"عرش بھائی نے دیا تھا"

"عرش تم سے ملا تھا؟" ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"کیا کہہ رہا تھا"

"یہ لیٹر دیا تھا اور کہا تھا کہ مام کو دے دوں پر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اسی لیے آپ کو دے دیا"

"اس نے کیا کیا تھا میرب ساتھ" یہ پوچھتے ہوئے ان کی آواز لرز گئی۔

"پتا نہیں۔ بس مجھے میرب اپیا کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ شاید اپیا کو مار رہے تھے۔ پھر اپیا خاموش ہو گئیں تو میں سو گیا۔ عرش بھائی نے ہی مجھے اٹھایا تھا اور یہ لیٹر دیا تھا"

بتول حیدر نے تیزی سے وہ خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ڈئیر بتول حیدر یا جو کوئی بھی یہ خط پڑھ رہا ہے

امید کرتا ہوں یہ خط جب آپ کو ملے گا تو آپ اپنے ہوش و حواس میں ہوں گی۔ آپ کے گھر پر گزرنے والی قیامت کو لے کر میں بھی بہت افسردہ ہوں

میں جانتا ہوں آپ اس سب کا ذمہ دار مجھے سمجھ رہی ہیں۔ تو میں آپ کو بتاتا چلوں کہ ہاں یہ سب میں نے کیا ہے۔ طالب مراد کے قتل سے لے کر میرب کے ریپ تک سب کچھ میں نے ہی کیا ہے۔

میں یہ کرنا نہیں چاہتا تھا پر آپ لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے، اس کہانی کا آغاز آپ نے کیا تھا اب کسی نا کسی کو تو اسے اختتام تک پہنچانا تھا تو وہ میں کیوں نہیں۔

میں جانتا ہوں اس وقت پورے شہر کی پولیس پاگلوں کی طرح مجھے ڈھونڈ رہی ہے اور ڈھونڈنا بھی چاہیے پر مجھے نہایت دکھ کے ساتھ یہ کہنا

پڑ رہا ہے کہ جب تک آپ کو میرے گناہوں کا یہ اعتراف نامہ ملے گا تب تک میں اس ملک کی حدود سے بہت آگے نکل گیا ہوں گا۔

وہ کیا ہے نا کہ بائی ایئر تو میں جانے سے رہا اسی لیے میں نے اپنے سمگلر دوست سے مدد لی۔اس نے چٹکیوں میں میرا مسئلہ حل کر دیا اور میں راتوں رات سمندری جہاز کے ذریعے آپ لوگوں کی پہنچ سے دور نکل گیا۔

میں جانتا ہوں آپ کو دکھ تو بہت ہو رہا ہو گا کہ میں آپ کے ہاتھوں سے نکل گیا پر میں کیا کرتا میں بھی مجبور تھا۔اور مجھے مجبور بھی آپ سب نے ہی کیا تھا۔جب میں نے آپ کو وارن کیا تھا کہ میرے ساتھ مت الجھیں تو کیوں آپ لوگوں نے خطرہ مول لیا اب بھگتیں۔

خیر مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجیے گا کیونکہ ایسا کر کے آپ بس اپنا وقت ضائع کریں گے اور کچھ نہیں۔وہی وقت آپ اپنی بیٹی اور خاوند کو دیں۔

زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی حالانکہ میں جانتا ہوں آپ مجھ سے کبھی ملنا نہیں چاہیں گیں۔مجھے زیادہ بد دعائیں مت دیجئے گا۔

خدا حافظ

آپ کا پیارا

عرش جہانگیر"

بتول حیدر کے ہاتھ سے وہ خط چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

انہوں نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ایک ایک کر کے آسمان ان کے سروں پر ٹوٹ رہے تھے۔

وہ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے،ان کے وجود ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔

انہیں اپنا سب کچھ ریت کی مانند ہاتھ سے پھسلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جب مشکل آتی ہے تو ساتھ آسانی بھی لاتی ہے پر یہ کیسی مشکلیں تھیں جنہوں نے آسانی کے ساتھ سب ناطے ہی توڑ دیے تھے۔

ٹوٹی ہوئی امیدوں کی کرچیوں کو جمع کرنا نہایت تکلیف دہ امر ہے۔ جب امید ٹوٹتی ہے تو اپنے ساتھ ہمارے وجود کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی لے جاتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ٹوٹی امیدیں ہمارے وجود کو ختم کر دیتی ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا کہہ کر اب وہ میرب اور اسکے ماں باپ کو حوصلہ دیں گیں؟ کس طرح وہ طالب مراد کے معصوم یتیم بچوں کا سامنا کریں گیں؟

ان کی تو واحد امید واحد سہارا ہی عرش جہانگیر کی گرفتاری تھی۔

جو ہو چکا تھا وہ اسے ماضی کے پنوں سے مٹا نہیں سکتے تھے، کھوئے ہوئے لوگوں کو واپس نہیں لا سکتے تھے پر عرش جہانگیر کو سزا دلوا کر وہ کسی حد تک اپنے دکھ کم کر سکتے تھے۔

پر اب تو ان کی یہ امید بھی ختم ہو گئی تھی۔

بے گناہ ہو کر سزا بھگتنا تکلیف دہ ہے، پر گنہگار ہوتے ہوئے بھی کسی کو عیش و عشرت میں دیکھنا نہایت تکلیف دہ ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دفعتاً انہیں آئی سی یو کے دروازے کے پاس بھگدڑ محسوس ہوئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو دو ڈاکٹرز بوکھلائی ہوئی نرسوں کے ساتھ میرب کے روم میں داخل ہو رہے تھے۔

وہ عرش کے لفظوں میں اس قدر کھو چکی تھیں کہ انہیں ارد گرد کا کوئی ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے ؟" انہوں نے ساتھ بیٹھے غازی سے پوچھا جو زرد ہوتا چہرہ لیے آئی سی یو کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرب اپیا کی حالت ٹھیک نہیں"

****

آج غازی پورے دس سال کا ہو گیا تھا۔اس کی وہ بہن جو اس کی پیدائش پر سب سے زیادہ خوش ہوئی تھی، جو ہر سال اسکی سالگرہ اس قدر جوش و خروش سے مناتی کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے.... آج بستر پر پڑی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔

غازی کی سالگرہ کا جشن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ہر سال کی طرح اس سال بھی اس کی سالگرہ کو لے کر میرب نے بہت سی پلاننگ کی تھی پر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

آج غازی اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا۔ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسکی دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔خوف ہر چیز پر غلبہ پا رہا تھا۔

میرب کی حالت کیسی تھی انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ڈاکٹرز کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے۔اس کی حالت کبھی بگڑ رہی تھی تو کبھی سنبھل رہی تھی۔

بتول حیدر پر ایک بار پھر سے ہزیانی کیفیت طاری ہو چکی تھی اسی لیے انہیں نیند کا انجیکشن دے کر سلا دیا گیا تھا۔حامد جہانگیر نا جانے کہاں تھے۔ثمینہ جہانگیر بھی گم صُم سی آئی سی یو کے باہر بیٹھی تھیں۔

غازی نے آج سے پہلے کبھی خود کو اتنا اکیلا محسوس نہیں کیا تھا۔ہسپتال میں موجود ہر شخص اسے خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ دنیا اور اسکے ظالم لوگ اسے ختم کر دے گیں۔وہ بلی کے معصوم بچے کی طرح سہما سا ایک کونے میں بیٹھا تھا۔گہری سیاہ آنکھوں میں خوف واضح تھا۔

اندر آئی سی یو کے بستر پر میرب نیم وا آنکھیں کھولے پڑی تھی۔ کمرے کے خاموش ماحول میں ای سی جی مشین کی مخصوص آواز وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھی۔

سانسیں مدھم تھیں اور آنکھیں چھت پر ٹکی تھی۔

آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان چہرے پر موجود تھے البتہ اس وقت آنکھیں خشک تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اچانک سے اس کے کانوں میں مدھم سی ایک آواز آئی۔ بہت میٹھی اور پر سکون سی آواز

"موت یا زندگی"

کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔ کون تھا.... وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

"موت"

"اتنی آسان ہے موت"؟"

"ہاں"

"ڈر نہیں لگتا موت سے"

"نہیں"

"کیوں؟"

میرب نے آہستگی سے آنکھیں جھپکی۔

"اللہ سے ملاقات کرنے میں کس کو ڈر لگتا ہے"

"جانتی بھی ہو موت کتنی تکلیف دہ ہے"

"ہاں"

"پھر بھی موت کی خواہش کر رہی ہو"

اس نے ایک لمبا سانس لیا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہاں کیونکہ موت کی تکلیف اس تکلیف سے زیادہ نہیں جو میں اس وقت سہہ رہی ہوں۔میں مرنا چاہتی ہوں تاکہ میں اللہ کو بتاسکوں کہ اس کے بندے بہت ظالم ہیں"

خشک آنکھیں ایک بار پھر سے بہنا شروع ہو گئی تھیں۔

"یہ دنیا بہت ظالم ہے۔مجھے نہیں رہنا یہاں،مجھے اب جنت میں داخل ہونا ہے"

"اتنی پر یقین کیسے ہو کہ تم جنت میں ہی جاؤ گی"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرب آہستہ سے مسکرائی

"اتنی تکلیف سہنے کے بعد بھی جنت نا ملی تو زیادتی ہو گی"

"تمہاری نظر میں موت کیا ہے؟"

"موت..........!!"اس نے چند پل کے لیے سوچا

"موت تو موت کی موت ہے۔ایک ایسی دنیا میں داخل ہونے کا دروازہ ہے جہاں موت کا نام ونشان نہیں۔جہاں ابد ہے ازل نہیں، آغاز ہے پر اختتام نہیں۔جہاں ظلم وزیادتی کا بھی کوئی وجود نہیں"

"تو پھر تم موت کو چن رہی ہو"

"ہاں"

"دنیا کی آرائش وزیبائش کو چھوڑ رہی ہو"

"ہاں"

"ماں باپ کی یاد نہیں آئے گی"

اور یہاں آکر اس کا دل لرزا تھا۔

"آئے گی"

آنسوؤں میں شدت آگئی تھی۔نیم وا آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

"اور غازی......اس کے بارے میں نہیں سوچا"

"سوچا ہے سب کے بارے میں سوچا ہے"

"پھر بھی زندہ رہنے کے لیے تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں"

"نہیں ہے" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"زندہ رہنے کے لیے صرف ایک چیز ضروری ہے.... روح۔ میری روح بری طرح زخمی ہے۔ وہ درد سے بلبلا رہی ہے۔ میری روح کے اس درد کو ختم کر دو۔ مجھے اس جسم کی قید سے آزاد کروا دو"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"ہاں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور پھر میرب نے ایک لمبی سانس فضا میں خارج کی۔ ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے، اس کے جسم نے ایک جھٹکا کھایا اور نیم وا آنکھیں بند ہو گئیں۔ روح اور جسم کا تعلق ٹوٹ گیا۔ ای سی جی مشین پر اس کی سانسوں کی جڑی ڈور کو ظاہر کرتی سمندری لہریں ایک سیدھی لکیر میں تبدیل ہو گئیں۔ اور میرب فاروق حیدر پر سکون ہو گئی۔ اس دنیا کی بے چینیوں اور تکلیفوں سے آزاد۔

اس کی زندگی کی کہانی اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

باہر بینچ پر بیٹھے غازی کو اپنا آپ سناٹوں کی زد میں آتا محسوس ہوا۔ وہ بچہ تھا اس احساس کو نہیں سمجھ سکتا تھا پر اس کا دل اس کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے جسم کا آدھا حصہ اتار کر لے گیا ہو۔ وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہوا۔ ساتھ بیٹھی ثمینہ جہانگیر کو دیکھا جو ساری رات جاگنے کی وجہ سے اب سو چکی تھیں۔

وہ آئی سی یو کہ دروازے کی جانب بھاگا۔ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولا۔

وہ کھل گیا۔ دروازہ دھکیل کر غازی اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی میرب کا ساکت وجود پڑا تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا اس کے بستر کے پاس آیا۔

انگلی سے اس کے ہاتھ پر لگی سرنج کو چھوا۔ پھر اس کی جانب دیکھا۔

"اپیا"

"آپ اٹھ جائیں۔میں آپ کو بہت مس کر رہا ہوں۔مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔نامام میرے پاس ہیں ناڈیڈ، میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں۔

آپ کو یاد ہے ناآج میرا برتھڈے ہے۔مجھے کسی نے وش نہیں کیا، زائشہ نے بھی نہیں۔پر اس نے کل میرے لیے کارڈ بنایا تھا۔میں گھر جا کر آپ کو دکھاؤ گا"

وہ اسکے ہاتھ کی سرنج پر انگلی پھیر تا بنا ایک پل کا وقفہ لیے بولتا چلا جا رہا تھا۔نا جانے کتنا وقت گزرا تھا جب دروازہ کھلا اور ایک نرس کمرے میں آئی۔

"ارے بیٹا آپ یہاں کیا کر رہے ہو۔چلو باہر"

نرس نے دوائیوں کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور میرب کی جانب مڑی پر اچانک سے اس کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔

جلدی سے میرب کی نبض چیک کی پھر مشین۔ہر طرف سے تسلی کر کے وہ باہر کی جانب بھاگی۔

غازی آنکھوں میں اچھنبا لیے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

چند منٹ بعد ہی ڈاکٹر کمرے میں آیا۔پیچھے وہی نرس تھی۔

ڈاکٹر نے اس کے دل کی دھڑکن چیک کی پھر نبض.... کبھی وہ اس کی آنکھیں کھول کر دیکھ رہا تھا تو کبھی اس کے سینے پر دباؤ ڈال رہا تھا۔

"بچے کو باہر لے جائیں سسٹر"اس نے ذرا برہمی سے کہا۔

نرس نے غازی کا ہاتھ پکڑا اور اسے باہر لے جانے لگی۔

"مجھے نہیں جانا باہر....مجھے اپیا پاس رکنا ہے۔چھوڑو مجھے"وہ خود کو چھڑا رہا تھا۔چلانا شروع ہو گیا تھا۔نرس اسے کھینچتی کوئی باہر لے آئی۔

ثمینہ جہانگیر فوراً سے اس کے پاس آئیں۔

"کہاں چلے گئے تھے تم غازی"شاید وہ اسکی غیر موجودگی محسوس کر کے اٹھ گئی تھیں۔

"یہ اندر آئی سی یو میں تھا"

تبھی ڈاکٹر اندر سے نکل کر باہر آیا۔ایک افسردہ سی نظر غازی پر ڈال کر وہ ثمینہ جہانگیر کے پاس آیا۔

"سوری شی از نو مور"

ڈاکٹر پیشہ وارانہ انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا جبکہ ثمینہ جہانگیر نے اچانک سے دیوار کو تھاما۔

پاؤں کے نیچے سے زمین نکلنے کا احساس کیسا ہوتا ہے آج وہ اس سے آشنا ہو گئی تھیں۔

نرس نے آگے بڑھ کر انہیں تھاما۔وہ رونا شروع ہو چکی تھی۔

غازی نے وحشت زدہ ہو کر ان کی جانب دیکھا اور اندر کی جانب بھاگنے لگا جب نرس نے اسے فوراً بازو سے پکڑ کر واپس کھینچا۔

وہ لڑکھڑا کر واپس آیا۔

"چھوڑو مجھے چھوڑو مجھے اپیا پاس جانا ہے۔میرب اپیا مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔پلیز یہ مجھے آنے نہیں دے رہے۔یہ سب بہت برے ہیں مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔ماما ڈیڈ۔۔۔۔"وہ پوری شدت سے چلا رہا تھا۔خود کو نرس سے چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ بلبلا رہا تھا سسک رہا تھا۔ثمینہ جہانگیر آگے بڑھیں اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"حوصلہ کرو میرے بچے"

"مجھے اپیا پاس جانا ہے آپ سب لوگ بہت برے ہیں۔نا مجھے ڈیڈ سے ملنے دے رہے ہیں نا اپیا سے اور نا ماما سے"

ثمینہ جہانگیر غازی کو ساتھ لگائے اسے خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور دو وارڈ بوائے سٹریچر کھینچتے باہر آئے۔ میرب کا سفید چادر سے ڈھکا وجود جب غازی کی آنکھوں سے گزرا تو وہ ساکت ہو گیا۔

وہ دھندلی آنکھوں سے دور جاتے سٹریچر کو دیکھ رہا تھا۔

آنسو ایک دم آنکھوں سے بہنا بند ہو گئے۔

ثمینہ جہانگیر نے اس کی انگلی کو تھاما اور اسے بتول حیدر کے کمرے میں لے آئیں جو ابھی تک نیند میں تھیں۔

انہوں نے غازی کو کمرے میں بٹھایا اور ایک نرس کو اسکا خیال رکھنے کا کہہ کر باہر آگئیں۔

انہیں اب ہسپتال کے تمام معاملات دیکھنے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ریسیپشن پر جا کر اپنے ڈرائیور کو بلوایا۔ پھر حامد جہانگیر کو ڈھونڈتی باہر آئیں۔

وہ باہر لان کے بینچ پر انہیں بیٹھے دکھائی دیے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"حامد"اُنہوں نے پیچھے سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

حامد جہانگیر پیچھے کی جانب مڑے۔نم پلکیں،چہرے پہ آنسو،وہ رو رہے تھے۔

پر ثمینہ جہانگیر کی حالت دیکھ کر انہیں کچھ غلط ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔وہ جھٹکے سے اٹھے۔

"میرب...."ثمینہ جہانگیر نے اسکا نام لیتے نفی میں سر ہلایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حامد جہانگیر کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔انہوں نے چند قدم پیچھے کی جانب لیے اور پھر وہ اندر کی جانب بھاگے۔

ثمینہ جہانگیر بھی شکستہ قدموں سے اندر کی جانب بڑھی۔

اندر حامد جہانگیر ڈاکٹرز پر چلا رہے تھے۔وہ خاموشی سے آنسو بہاتی بتول حیدر کے کمرے میں آگئیں۔

غازی سفید فرش پر نظریں ٹکائے خاموش سا بیٹھا تھا۔

وہ اسکے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"میری اپیا کو کیا ہوا ہے؟"اس نے نم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ کی اپیا اللہ تعالیٰ پاس چلی گئی ہیں"

"کیوں"غازی کے آنسو گالوں پر پھسل گئے۔

"کیونکہ وہ بہت اچھی تھیں اور اللہ اچھے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔اسی لیے اللہ نے انہیں اپنے پاس بلالیا"

"پر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری اپیا چھین لیں"اس نے ہچکی لیتے ہوئے کہا

ثمینہ جہانگیر نے فوراً سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔وہ رودیا اور اس قدر شدت سے رویا کہ اسکا جسم جھٹکے کھانے لگا۔

ثمینہ جہانگیر کی نم آنکھیں بتول حیدر کے وجود پر ٹکی تھیں۔

وہ کیسے بتائیں گی انہیں میرب کی موت کے بارے میں۔کیسے کہیں گی کہ تمہاری بیس سالہ جوان بیٹی اب اس دنیا میں نہیں رہی۔وہ تو آگے ہی ہمت

ہار چکی تھیں۔اور اب یہ خبر.....شاید اس کی موت کی خبر کے بعد وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد حامد جہانگیر کمرے میں داخل ہوئے۔غازی تب سے رو رہا تھا، ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ایک پل کے لیے بھی اس کی آنکھیں خشک نہیں ہوئی تھیں۔غازی کی یہ حالت دیکھ کر حامد جہانگیر کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔انہوں نے اسے اپنے پاس بلایا تو وہ فوراً سے ان کے پاس آیا۔

"غازی بیٹا آپ کے بابا بیمار ہیں اور آپ اپنے گھر کے واحد مرد ہو۔اب آپ کو ہمت سے کام لینا ہے۔اپنی ماں کو سنبھالنا ہے۔آپ خود رو گے تو انہیں کون چپ کروائے گا۔ابھی کچھ دیر میں انہیں ہوش اجائے گا آپ اپنی ماں کا خیال رکھو گے نا"

حامد جہانگیر کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بتول بھابھی کو ہوش آجائے تو پھر گھر چلتے ہیں"

"فاروق بھائی کی طبیعت کیسی ہے؟"

فاروق حیدر نے شکستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"ڈاکٹر یہی کہہ رہے ہیں کہ اس کے ہوش میں آنے کی کوئی امید نہیں۔ سر کی چوٹ بہت شدید تھی۔ وہ شاید کومہ میں چلا جائے"

حامد جہانگیر کہہ کر باہر چلے گئے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بتول حیدر اب آہستہ آہستہ ہوش کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھیں۔ اور ثمینہ جہانگیر کو اپنی جان سولی پر لٹکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اسی لیے انہوں نے ایک نرس کو بلایا اور اسے بتول حیدر کو یہ سب بتانے کے لیے کہا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ مکمل ہوش میں آچکی تھی پر ان کی

سرخ آنکھوں کی تپش نے ثمینہ جہانگیر کی روح فنا کر دی تھی۔

وہ دوپٹہ سے آنسو پونچھتی باہر آگئی۔

وہ ایک بار پھر بتول حیدر کو اس ہزیانی کیفیت کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

وہ باہر بے چینی سے ٹہلتی رہی جب اچانک نرس باہر آئی۔

"کیا ہوا" وہ لپک کر اسکی جانب بڑھیں

"مجھے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی ہے ان سے"

"کیوں کیا ہوا"

"جب میں نے انہیں ان کی بیٹی کی موت کے بارے میں بتایا تو وہ مسکرانے لگیں اور آپ جانتی ہیں انہوں نے کیا کہا"

"کیا"

"انہوں نے دعا کی طرح ہاتھ بلند کیے اور کہنے لگی کہ اللہ تیرا شکر تو نے میری بیٹی کی تکلیف آسان کر دی۔

مجھے ان کی دماغی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔شاید انہیں اس خبر کا گہرا صدمہ لگا ہے"

نرس کہہ کر آگے بڑھ گئی تو ثمینہ جہانگیر کمرے میں واپس آئیں۔

بتول حیدر غازی کو گلے سے لگائے اس کی پیٹھ سہلا رہی تھیں اور مسلسل منہ میں ہی کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

"بتول"

ثمینہ جہانگیر ان کے پاس آ کر ان کا ہاتھ تھامتے بولیں

"ہمیں گھر جانا ہے" ان کے دیکھنے پر وہ بولیں

"میری میرب کے پاس" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔ان کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے پکنک پر جاتے ہوئے کسی بچے کے چہرے پر ہوتی ہے۔

"ہمم......میرب سے ملنے۔ چلو اٹھو" انہوں نے سہارا دے کر انہیں اٹھایا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

"ایک منٹ ثمینہ آنٹی میں آیا" غازی کہتے ہی آئی سی یو کی جانب بھاگا۔ پیچھے ثمینہ جہانگیر اسے پکارتی رہ گئی پر وہ نظر انداز کر گیا۔

آئی سی یو کے پاس موجود کاریڈور میں آکر اس نے کسی چیز کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر گھمائیں۔

جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز ایک کونے میں پڑی مل گئی۔

اس نے جھک کر عرش کا وہ خط اٹھایا اور اسے فولڈ کر کے اپنی پاکٹ میں ڈالا اور باہر کی جانب بھاگا جہاں بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر اسکا انتظار کر رہی تھیں۔

****

صبح آٹھ بجے میرب اس جھوٹی اور فریبی دنیا کو چھوڑ کر ابدی دنیا میں قدم رکھ چکی تھی۔

شام چار بجے اس کا جنازہ تھا۔

مشہور بزنس مین فاروق حیدر کی بیٹی کا ریپ ہوا ہے یہ بات ہر نیوز چینل پر ہیڈلائن بنا کر نشر کی جا رہی تھی تاہم اس کا ریپ کس نے کیا تھا اس سب سے ابھی کوئی آگاہ نہیں تھا۔ میڈیا کا کام ہے کسی خبر کو جنگل میں آگ کی طرح پھیلانا اور وہ اپنا یہ کام باخوبی کر رہا تھا۔ عرش والا معاملہ ابھی بھی میڈیا پر اتنا ہی گرم تھا پر فرق بس یہ آیا تھا کہ انہیں ایک اور موضوع مل گیا تھا۔

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ وہ سفید کفن میں لپٹی گارڈن کے وسط میں پر سکون نیند سو رہی تھی۔ دمکتی ہوئی رنگت، ہونٹوں پر مدھم سی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مسکراہٹ، سرخ گلابوں سے ڈھکا بدن۔ ہر طرف گلابوں اور اگربتیوں کی مخصوص خوشبو پھیلی تھی۔

وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ بہت معصوم.... پرنور چہرہ لیے وہ ہر کسی کو اس پر رشک کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے نور پھوٹ رہا تھا۔

وہ سب کو بتا رہی تھی کہ دیکھو اگر میں نے اتنا ظلم سہا ہے تو زیادتی میرا خدا بھی نہیں کرے گا۔ اس اذیت بھری زندگی کے بدلے مجھے جنت دی جائے گی۔

لان کھچا کھچ لوگوں سے بھرا تھا۔ کہیں میڈیا کے لوگ تو کہیں فاروق حیدر اور حامد جہانگیر کے جاننے والوں کی ایک کثیر تعداد۔ ہر کوئی اس جوان موت کے بارے میں سن کر افسردہ تھا۔ میرب کے ریپ کی خبر واقعی سب کے لیے بہت حیران کن تھی۔

وہ تھی ہی اتنی پیاری، اتنی ملنسار۔ ہر کسی سے گھل مل جانے والی، ہر کسی سے دوستی کر لینے والی۔ آج اس کی موت نے ہر کسی کی آنکھ کو نم کر دیا اور اوپر سے اس پر بیتے ظلم کی داستان سن کر سب کے دل غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے تھے۔

موسم نے بھی اچانک سے ہی کروٹ لی تھی۔ سیاہ بادل ہر طرف چھا چکے تھے۔ ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول میں چھائی غم کو تپش کو کم کرنے میں اپنا تھوڑا سا کردار ادا کر دیا تھا۔

بتول حیدر میرب کے جنازے کے پاس گم سم سی بیٹھی تھیں۔ سفید چہرہ، سفید ہونٹ، بکھرے بال..... وہ کہیں سے بھی ہر وقت تازہ دم

رہنے والی بتول حیدر نہیں لگ رہی تھیں۔ غموں کی اس کاری ضرب نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔

بہت سی عورتیں ان کے پاس آرہی تھیں انہیں صبر و حوصلہ کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ پر وہ انہیں کیسے بتاتی کہ یہ لفظ صبر ہی ایک بہت بڑی تکلیف ہے۔ دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک۔

کس طرح سمجھاتی وہ سب کو کہ نہیں آرہا انہیں صبر...... ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اذیت بڑھتی جارہی ہے۔ کیسی کر سکتی ہے ایک ماں اپنی جوان اولاد کی موت پر صبر۔ اولاد بھی وہ جسے اتنے ارمانوں سے پالا ہو۔ وہ پہلی اولاد تھی ان کی.... اور پہلے بچے سے تو رشتہ ہی الگ ہوتا ہے۔

ثمینہ جہانگیر بھی ان کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ ہر آنے جانے والے کے ساتھ وہی گفتگو کر رہی تھیں۔

کسی نے بتول حیدر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔وہ کوئی دبلی پتلی سی عبائے میں ملبوس لڑکی تھی جس کی نقاب میں سے بس آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ہاتھوں پر بھی سیاہ گلوز تھے۔

بتول حیدر انہیں پہچان گئی تھیں۔وہ سیرت مراد تھیں۔طالب مراد کی بیوی اور زائشہ مراد کی ماں۔

"صبر کریں" سیرت مراد نے روتے ہوئے کہا۔وہ عورت جس کے اپنے شوہر کو مرے ابھی ایک دن ہوا تھا وہ انہیں صبر کی تلقین کر رہی تھی۔وہ عدت میں ہونے کے باوجود ان سے ملنے سے آئیں تھی۔وجہ صرف ایک تھی...طالب مراد کی کوئی بہن نہیں تھی اور اس نے میرب کو ہی اپنی بہن بنایا تھا۔بالکل بہن بھائیوں جیسا رشتہ تھا دونوں کا۔اور سیرت مراد کی بھی میرب ساتھ بہت دوستی تھی۔

"نہیں آرہا صبر سیرت نہیں آرہا" بتول حیدر کا سکتہ ٹوٹا تھا اور وہ سیرت مراد کے گلے لگ کر اس قدر زور سے روئیں کہ لگا آسمان پھٹ جائے گا۔

ان کی آہ و بکا سن کر وہاں موجود سب لوگوں کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔آسمان بھی پگھل کر ننھی بوندوں کی صورت میں بہنا شروع ہو گیا تھا۔گویا اس ماں کا غم دیکھنے کی سکت اس میں بھی نہیں تھی۔

بتول حیدر اور سیرت مراد.......خود پر بیتے ظلم کی داستان کو بھلائے ایک دوسرے کو حوصلہ دے رہی تھیں۔

"سیرت یہ کیا ہو گیا۔کس کی نظر لگ گئی ہمارے گھروں کو.....میرا ہنستا کھیلتا گھر اجڑ گیا.......میں کیسے برداشت کروں اس غم کو۔مجھے لگ رہا ہے میرا دل پھٹ جائے گا" بتول حیدر روتے روتے نیچے بیٹھ گئیں۔

سیرت مراد اور ثمینہ جہانگیر نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا۔وہ ایک بار پھر سے اپنے ہوش و حواس کھو رہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگر اس وسیع رقبے پر پھیلے گھر کے اندر جھانکیں تو اوپر سیڑھیوں کے بائیں طرف بنے کمرے کا دروازہ بند تھا۔پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔سارے گھر میں شور برپا تھا پر اس ایک کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔

اس گہری خاموشی میں کسی کی سسکیاں گونج رہیں تھی۔

غازی میرب کے بستر کے بائیں طرف نیچے زمین پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔گھٹنوں پر سر رکھے وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا۔پاس ہی میرب اور اسکی مسکراتی ہوئی تصویر قالین پر پڑی تھی۔تصویر کے ساتھ عرش کا خط رکھا تھا....آنسوؤں سے بھیگا۔

آہستہ آہستہ غازی کا ہچکیاں لیتا وجود رکا۔اس نے سر اٹھایا۔

آنسوؤں سے تر چہرہ....سرخ آنکھیں....نم پلکیں۔

اس نے وہ خط اور تصویر اٹھائی اور کمرے میں موجود دروازہ کھولا۔یہ دروازہ میرب اور غازی دونوں کے کمرے میں کھلتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اپنے کمرے میں آکر اس نے لائٹ آن کی۔

سائیڈ ٹیبل کے پاس پڑی کرسی دھکیل کر بیٹھا اور پاس پڑی نوٹ بک اٹھائی۔

تاریخ اور گھڑی پر نظر ڈال کر وقت لکھا اور لکھنا شروع کیا۔

میرا نام دیان غازی ہے۔ میرے بابا کا نام فاروق حیدر اور "میری اپیا کا نام میرب فاروق حیدر ہے۔

میں اپنے مام ڈیڈ کا اکلوتا بیٹا اور بہن کا اکلوتا بھائی ہوں۔

میرے بابا نے میرا نام دیان رکھا تھا پر میرب اپیا غازی رکھنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے انہوں نے دونوں ناموں کو ملا کر دیان غازی رکھ دیا۔ پر سب مجھے غازی کے نام سے ہی جانتے ہیں میرا نام دیان بھی ہے یہ بہت کم لوگوں کو پتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج ہمارے گھر میں بہت سے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ماما بہت رو رہی ہیں۔ڈیڈ ہاسپٹل میں ہیں اور میرب اپیا کو سفید کپڑے پہنا کر انہوں نے لان میں ایک چارپائی پر لٹا دیا ہے۔وہ اٹھ نہیں رہیں۔میں کافی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا......انہیں کہتا رہا کہ اٹھ جائیں مجھ سے بات کریں پر وہ بالکل چپ ہیں۔

سب کہہ رہے ہیں کہ وہ ہم سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی ہیں۔پر مجھے پتا ہے وہ کہیں نہیں گئی۔

آج سے دو دن پہلے جب ہم میری برتھڈے کی پلاننگ کر رہے تھے تو میرب اپیا نے مجھ سے کہا تھا کہ غازی ہم دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون بہہ رہا ہے۔ہم مر تو سکتے ہیں پر کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔

وہ زندہ ہیں..میں انہیں محسوس کر سکتا ہوں۔مجھے ابھی بھی اپنے کانوں میں ان کی آواز محسوس ہو رہی ہے۔وہ مجھ سے بات کر رہی ہیں۔

میرب اپیا آج سے آپ میری ڈائری ہیں۔میں اپنے دل کی ہر بات اس ڈائری میں لکھوں گا اور وہ آپ تک پہنچ جائے گی۔

میں آپ کو بہت مس کروں گا..بہت زیادہ۔مجھے بہت رونا آرہا ہے پر حامد انکل نے کہا تھا کہ مجھے رونا نہیں مجھے مضبوط بننا ہے۔کوئی مجھے روتا ہوا دیکھ نا لے اسی لیے میں آپ کے روم میں بیٹھا تھا۔مجھے لگ رہا تھا کہ آپ ابھی آئیں گی اور مجھے چپ کروائیں گی پر آپ نہیں آئی۔

آپ نے کہا تھا نا کہ سب کے سامنے رونے والے کمزور بنتے ہیں۔ان کے آنسو انہیں کھوکھلا کر دیتے ہیں جب کہ اکیلے میں رونے والے مضبوط ہوتے ہیں۔ان کے آنسو انہیں توانائی دیتے ہیں۔

میں نے دیکھا تھا عرش بھائی نے آپکو مارا تھا۔آپ کے چہرے پر نشان پڑے تھے۔اور انہوں نے اپنے لیٹر میں بھی یہی لکھا ہے کہ یہ سب انہوں نے کیا ہے۔میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب وہ آئیں گے تو

میں ان سے پوچھوں گا کہ انہوں نے آپ کو کیوں مارا۔اور پھر میں بھی انہیں ویسے ہی ماروں گا جیسے انہوں نے آپ کو مارااور تب تک مارتا رہوں گا جب تک وہ سوری نہیں کہہ دیتے آپ سے۔

اب مجھے نیچے جانا ہے۔میں پھر بات کروں گا آپ سے۔ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔وہ بہت رو رہی تھیں مجھے چپ کروانا ہے انہیں جا کر"

غازی نے وہ ڈائری بند کی، تصویر اور اس خط کو سائیڈ دراز میں رکھا، ہاتھوں کی مدد سے چہرے پر موجود آنسو صاف کیے۔

اور کمرے سے باہر آ گیا۔ ریلنگ پر جھک کر نیچے جھانکا۔

نیچے ایک بھگدڑ سی مچی تھی۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور باہر لان میں آ گیا۔

سامنے کا منظر ویسا ہی تھا جیسا وہ کچھ دیر پہلے پہلے چھوڑ کر گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چار بج چکے تھے۔میرب کا جنازہ اٹھائے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔بتول حیدر میرب کے جنازے کے پاس ہی بیٹھیں تھی اوران کے ساتھ سیرت مراد تھیں۔

سیرت مراد کو دیکھ کر اس نے کسی کی تلاش میں ارد گرد نظر دوڑائی۔لان کے وسط میں بنے فوارے کے پاس وہ اسے بیٹھی نظر آ گئی۔

خاموشی سے چہرہ جھکائے فانوس کے پانی کو دیکھتی۔

غازی قدم قدم چلتا اس کے پاس آیا۔

"زائشہ" اس کے پکارنے پر زائشہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

اور آہستگی سے مسکرائی۔

"ہیپی برتھڈے غازی"

اسے برتھڈے وش کر کے وہ پھر سے پانی کی جانب دیکھنے لگی۔چہرے پر بے انتہا معصومیت تھی۔

وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرب اپیا چلی گئیں"

"ہمم.... بالکل ویسے جیسے میرے بابا چلے گئے" وہ سر جھکائے بولی۔

آواز میں آنسوؤں کی آمیزش صاف ظاہر تھی۔

"تمہیں پتا ہے میں ساری رات ان کا انتظار کرتی رہی۔غازی میں کل رات کو بہت روئی ہوں بہت زیادہ، کھانا بھی نہیں کھایا.... کیونکہ جب میں ناراض ہو کر کھانا نہیں تھی کھاتی بابا اپنا ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر میرے لیے آتے تھے اور مجھے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے تھے پر اس بار وہ نہیں آئے غازی..... کیوں نہیں آئے وہ" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ گرے آنکھیں ایک بار پھر سے بہنا شروع ہو گئی تھیں۔

"میں نے بھی بہت پکارا میرب اپیا کو، اتنی دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر ان کے کان میں بولتا رہا پر انہوں نے کچھ نہیں سنا۔ کسی بات کو جواب نہیں دیا"

اچانک سے لان میں شور اٹھا۔ دونوں نے بیک وقت اس جانب دیکھا۔

میرب کا جنازہ اٹھایا جارہا تھا اور بتول حیدر کی چیخ و پکار سب کے دل دہلا رہی تھی۔

غازی اٹھا اور اپنی ماں کی جانب بھاگا۔

"مام...."اس نے اپنی ماں کے بازو پر ہاتھ رکھ کر ان کا رخ اپنی جانب موڑا۔

"غازی دیکھو وہ میرب کو لے کر جا رہے ہیں۔انہیں بولو میری میرب مجھے دے دیں۔میں کیسے رہوں گی اس کے بغیر۔حامد بھائی مجھ پر یہ ظلم مت کریں......"وہ چیخ رہی تھیں چلا رہی تھیں۔غازی خود روتے ہوئے اپنی ماں کو سہارا دے رہا تھا۔

پر جس کو وہ پکار رہے تھے وہ ان سب سے بے خبر ابدی نیند سو چکی تھی۔اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکی تھی۔

وہ دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے کے گلے لگے رو دیے۔

کسی کی موت پر ہمیں کیا چیز رلاتی ہے.....!!!

اس کا بچھڑنا... یا ہمارا اکیلا ہو جانا۔

کیا ہم واقعی اسی لیے روتے ہیں کہ ہمارا پیارا ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔

شاید نہیں... ہم تو اس لیے روتے کہ اس شخص کے جانے کے بعد ہمارا کیا ہو گا۔

جو مرنے والے کا سوچتے ہیں وہ واویلا نہیں کرتے، ماتم کر کے پر کسی کو یہ ظاہر نہیں کرتے کہ مرنے والے سے ہمیں بہت محبت ہے۔

بلکہ وہ تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ صبر کی عملی تصویر بن جاتے ہیں۔ مرنے والے کے لیے ایک نعمت بن جاتے ہیں۔ ان کی بخشش کا سامان بن جاتے ہیں۔

بالکل ویسے جیسے بنا تھا اور مستقبل میں بننے والا تھا۔

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزرتا چلا جاتا ہے۔ سمندر کی لہروں کی طرح آسمان پر اڑتے بادلوں کی طرح۔ کسی کی خوشی یا غم کی پرواہ کیے بغیر وہ بس بہتا چلا جاتا ہے۔اس کے تیز بہاؤ میں کون جی رہا ہے اور کون مر رہا ہے.... وہ کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

وقت پرواہ کرنے لگ جائے تو اور کیا چاہیے ہی کیا۔

کیا وقت واقعی مرہم ہوتا ہے؟

کیا وہ واقعی پرانے زخموں کو بھر دیتا ہے؟

نہیں..... کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جنہیں جتنی مرتبہ کھرید و وہ پہلے سے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ وقت ان کے لیے مرہم نہیں بنتا۔ بلکہ وقت مرہم بنتا ہی نہیں۔

دس سال گزر جائیں یا بیس سال...... یادوں کا دکھ ویسے ہی تازہ رہتا ہے۔ ہر بار سوچنے پر تکلیف پہلے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

بالکل ایسا ہی دیان غازی کے ساتھ ہوا تھا۔ وقت اس کے لیے مرہم نہیں بنا تھا بلکہ ناسور بن گیا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی تکلیف بڑھ رہی تھی۔ جوں جوں وہ بڑا ہو رہا تھا اس واقعے کے اثرات اس پر ظاہر ہو رہے تھے۔

میرب کی موت کے ایک چند دنوں بعد ہی جو خیال اس نے اپنے دماغ میں بنایا ہوا تھا کہ وہ مضبوط ہے وہ مٹنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ راتوں کو ڈرتا تھا، اس نے اپنے دوستوں سے ملنا بند کر دیا تھا۔ آئے دن وہ تیز بخار میں پھنک رہا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو کئی دنوں تک اسکا بخار نا اترتا۔ دن بدن وہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ ایسے میں بتول حیدر اپنا غم بھلائے اب پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھیں۔

حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ ان کے گھر آ کر رہیں پر بتول حیدر کسی قیمت پر اپنا گھر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھیں۔

اسی لیے مجبوراً حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھر آ گئے تھے۔

جیسے ہی غازی نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تھا وہ بے انتہا سنجیدہ ہو گیا تھا۔اسے سب سمجھ میں آ گیا تھا....وہ سب جان گیا تھا۔
اس کی بہن کے ساتھ کیا ہوا تھا،اسے کس چیز کی سزا دی گئی تھی،اس کے خاندان کو کیوں تباہ کیا گیا تھا اور سب سے بڑھ کر کس نے کیا تھا۔ہر چیز اس کے دماغ میں پنجے گاڑ گئی تھی۔وہ اب بچپن والا غازی نہیں رہا تھا۔

عرش جہانگیر سے اسے بے پناہ نفرت محسوس ہوتی تھی۔اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے دنیا کے کسی بھی کونے سے ڈھونڈھ لائے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

"آئی ول مس یو غازی..... تم وہ واحد انسان ہو جس نے کبھی مجھ سے نفرت نہیں کی"

عرش کے یہ الفاظ اس کی ذہن میں ہتھوڑے بن کر برستے تھے۔ وہ آخری ملاقات اس کے لیے کوئی ڈراؤنا خواب تھی۔

وہ اس سے مل کر اسے بتانا چاہتا تھا کہ غازی وہ واحد انسان ہے جس نے اس سے بے پناہ نفرت کی ہے۔ اس قدر نفرت کہ وہ اسے مار کر قتل کا الزام اپنے سر لینے کے لیے بھی تیار ہے۔ پھانسی کے پھندے پر چڑھنے کے لیے بھی تیار ہے۔ عرش کا وہ خط اس نے آج تک سنبھال کر رکھا تھا۔ وہ روز رات کو سونے سے پہلے اسے پڑھتا تھا اور خود سے عہد کرتا تھا کہ اگر زندگی نے اسے موقع دیا تو وہ عرش جہانگیر سے سب چیزوں کا بدلہ ضرور لے گا۔

وہ سولہ سال کی عمر میں ہی انسومنیہ کا مریض بن چکا تھا۔ میرب کا چہرہ، میرب کی چیخیں، اسکا سوجا چہرہ، اس کی بھیگی آنکھیں اسے راتوں کو سونے نہیں دیتی تھیں۔ وہ بکھرا ہوا کمرہ اور بستر پر ہوش و خرد سے بے گانہ میرب کا وجود اسے راتوں کو بے چین کیے رکھتا تھا۔

نیند کی گولیوں کی بدولت ہی وہ سونے کے قابل ہو پاتا تھا۔ لیکن ہفتے میں ایک دفعہ ایسا ضرور ہوتا تھا جب وہ چیختے ہوا اٹھ بیٹھتا تھا اور جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی جا رہی تھی وہ مزید اس بیماری کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ لمبے عرصے سے نیند کی گولیوں کا استعمال کرنے کی وجہ سے اب وہ اثر کرنا چھوڑ چکی تھی۔ اسے ڈپریشن ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن خاموش بیٹھے گزار دیتا تھا۔ وہ کئی کئی دنوں تک گھر سے نہ نکلتا۔ کسی سے بات نا کرتا۔

ٹین ایج نوجوانوں کے لیے گولڈن پیریڈ ہوتی ہے پر دیان غازی کے لیے بس ایک ڈراؤنا اور بھیانک خواب تھی۔ جس سے وہ جلد از جلد چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔

وہ سترہ سال کا تھا جب فاروق حیدر پورے سات سال بعد کومہ سے جاگے تھے۔ جہاں باپ کی صحت یابی پر وہ پھولے نہیں سما رہا تھا وہیں یہ سوچ کر اسکا دل ڈوب رہا تھا کہ وہ کیسے انہیں میرب کی موت کے بارے میں بتائے گا۔ ایک بار پھر اس تکلیف اس اذیت سے گزرنا اس کے لیے سوہان روح تھا۔

بہرحال جیسے تیسے کر کے انہوں نے فاروق حیدر کو یہ خبر دے دی تھی۔ وہ مرد تھے مضبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا پر بس ایک دفعہ وہ غازی کے سینے سے لگ کر بے تحاشا روئے تھے۔

غازی کے دل میں عرش کے لیے نفرت بڑھتی جارہی تھی۔ہر وہ چیز جو اسے میرب کی یاد دلاتی تھی ساتھ عرش کے لیے بے پناہ نفرت بھی لاتی تھی۔

فاروق حیدر کی وفات کے بعد حامد جہانگیر نے سارے بزنس کو سنبھالا تھا۔حامد جہانگیر نے غازی کو بالکل باپ بن کر پالا تھا۔اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔وہ ہر وقت اس کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔وہ اس کے واحد دوست اور ہمراز تھے۔وہ غازی کی ان باتوں سے بھی واقف تھے جن کے بارے میں بتول حیدر بھی نہیں جانتی تھیں۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح وہ ان کا دکھ کم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔فاروق حیدر کے بعد وہ ان کے لیے دیوار بن گئے تھے۔

غازی آٹھویں جماعت میں تھا جب اسکی دوستی ارسل سے ہوئی تھی۔ارسل اس کا کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ ہمسایہ بھی تھا۔غازی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کی طرف دوستی کا ہاتھ ارسل نے ہی بڑھایا تھا پر غازی نے انکار کر دیا تھا۔ میرب کی

موت کے بعد اس نے دوست بنانا بند کر دیے تھے اور جو تھے وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ پر نا جانے ارسل کو کیا مسئلہ تھا اس نے حامد جہانگیر سے سفارش ڈلوا کر اس سے دوستی کر کے ہی سکون کا سانس لیا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ دیان ارسل کا اس قدر عادی ہو گیا کہ وہ اسکی زندگی کے اہم ترین لوگوں میں شامل ہو گیا تھا۔ سکول سے کالج اور پھر کالج سے لے کر یونی تک کا سفر دونوں نے ایک ساتھ طے کیا تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے تک ارسل اسکا واحد دوست تھا۔ پہلے وہ اپنی ہر بات حامد جہانگیر کو بتاتا تھا لیکن پھر ارسل نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے غم کو چھپانا سیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنے اوپر کئی خول چڑھا لیے تھے اور اس کے اندر سے صرف اس کے قریبی لوگ

واقف تھے۔ لیکن اس کا باطن اب بھی ویسا ہی تھا جیسا آج سے چند سالوں پہلے تھا۔

****

شام اپنے پر مکمل طرح سے پھیلا چکی تھی۔ پرندوں چہچہاتے ہوئے اپنی پناہ گاہوں کو لوٹ رہے تھے۔ نارنجی رنگ کا آسمان سورج کو خیر آباد کہنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ رفتہ رفتہ آسمان پر سیاہ رنگ بکھر نا شروع ہو چکا تھا۔ اکیڈمی کے کھلے میدان میں کھڑی موٹر بائیکس کی کثیر تعداد میں اب کافی کمی آگئی تھی۔ چھٹی ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا اور اب بس اکیڈمی میں وہی سٹاف موجود تھا جو اس سیکشن کو پڑھاتا تھا جہاں کافی قابل طلباء تھے۔
آج سائنس سبجیکٹس کے ٹیسٹ ہونے کی وجہ سے زائشہ کی کوئی کلاس نا تھی۔

وہ اکیڈمی کی بیک سائیڈ پر بنے کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔زینب اپنی کلاسز لے کر چلی گئی تھی پر اسے شازیہ شاہ کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا تھا۔اس کی ٹیسٹ کے دوران ایک کلاس میں ڈیوٹی تھی اسی لیے وہ زینب ساتھ جا نہیں پائی تھی۔ابھی بھی وہ کلاس سے ٹیسٹ اکٹھے کر کے،انہیں جمع کروا کر کیفے ٹیریا میں آئی تھی۔

سامنے چائے کا ایک بھاپ اڑاتا کپ رکھا تھا اور نظریں ارد گرد لاپرواہ سی بھٹک رہی تھیں۔

اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور ایک سپ لے کر واپس رکھا۔ہاتھ بڑھا کر سر پر موجود چادر کو ٹھیک کیا۔

جب اچانک سے کوئی اس کے پیچھے سے آیا اور ٹیبل کے اس پار رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم" وہ دیان تھا.....دیان غازی۔

زائشہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور گہری سانس لی۔

"واعلیکم السلام"

"آپ گھر نہیں گئیں" دیان نے بائیں بازو کو میز پر بچھانے کے سے انداز میں رکھا اور ذرا سا سامنے کی جانب جھکا۔

"میم فری نہیں ہیں"

"اوہ..." دیان نے ہاتھ بلند کر کے ویٹر کو بلوایا

"آپ کو برا تو نہیں لگ رہا میرا یہاں بیٹھنا......ایک کپ چائے" زائشہ سے سوال پوچھنے کے ساتھ ساتھ اس نے ویٹر کو بھی اپنا آرڈر دیا۔

"نہیں مجھے کیوں برا لگے گا۔ہاں اگر آپ کی جگہ آپ کا دوست یہاں ہوتا تو یقیناً میرا جواب مختلف ہوتا"

دیان دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر آگے کی جانب جھکا

"زائشہ آپ پلیز اس کی باتوں پر زیادہ دھیان مت دیا کریں۔اس کی عادت ہے مذاق کرنے کی،وہ دل کا بہت اچھا اور نیک نیت انسان ہے" وہ

فکر مندی سے بولا تو زائشہ اس کی بات پر "ہونہہ" کے سے انداز میں سر ہلا کر چائے پینے لگی۔ دیان بھی اپنی چائے کی جانب متوجہ ہوا۔

"تو کیا سٹڈی کر رہی ہیں آپ" کچھ لمحے سرکے تو دیان نے اس خاموشی کو توڑا۔ چہرے پر بلا کی نرمی تھی پر آنکھوں میں بہت کچھ جاننے کا تجسس تھا۔

"ایم اے"

"ہمم گوڈ... سبجیکٹس کیا ہیں آپ کے"

زائشہ نے آنکھوں میں ذرا سی حیرت لیے اسکی جانب دیکھا اور جب بولی تو آواز میں سرد پن تھا۔

"میں خود سے متعلق معلومات غیروں کو نہیں دیتی" سنجیدگی سے کہہ کر اس نے اپنا چہرہ موڑ لیا اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

دیان نے اسکے سرد رویے کو واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

"ایم سوری اگر......."

"آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟" دیان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے چہرہ موڑا اور سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی.." دیان نے کچھ الجھ کر پوچھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ ہمارے درمیان کبھی اتنے دوستانہ تعلقات رہے ہیں کہ آپ یوں مجھ سے بات کریں۔اس وقت یہاں بہت سے ٹیبل خالی ہیں بلکہ پورا کیفے خالی ہیں آپ کسی بھی ٹیبل پر بیٹھ سکتے تھے پھر اپ یہاں ہی کیوں آئے؟" وہ بلا کا سنجیدہ چہرہ اور سرد آنکھیں لیے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے سوالات پر ایک پل کے لیے دیان بھی گڑبڑا گیا لیکن پھر سنبھل کر بولا۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی تھی"

"میں اسی چیز کے انتظار میں ہوں کہ کب آپ اپنی ضروری بات پر آئیں گے"

دیان کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا یوں بات کرنا زائشہ کو اچھا نہیں لگا پر وہ یوں بھگو بھگو کر مارتی ہے..........اس بات کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

"آپ کافی صاف گو ہیں زائشہ" دیان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ایک پل کے لیے زائشہ کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا لیکن وہ اپنے تاثرات نارمل کرتے بولی۔

"شکریہ...اور کچھ"

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔آپ نے شاید میری بات کا غلط مطلب لے لیا ہے" وہ گڑبڑا گیا۔

زائشہ سے بات کرتے نا جانے کیوں اسے اپنے پسینے چھوٹتے محسوس ہو رہے تھے۔

"مجھے آپ کے کسی مطلب سے کوئی مطلب نہیں۔آپ پلیز کام کی بات پر آئیں" وہ ہنوز سنجیدہ تھی۔

"کام کی بات" دیان بڑبڑایا۔

کون سی کام کی بات۔ بلکہ وہ تو کوئی کام کی بات کرنے ہی نہیں آیا تھا۔ وہ تو بس زائشہ سے تھوڑی سی بات کرنا چاہ رہا تھا پر اسکے ردِ عمل نے اسے گڑبڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔

زائشہ نے کوفت سے نظریں گھمائیں اور چائے کا آخری گھونٹ لے کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے نہیں لگتا آپ کی ضروری بات اتنی ضروری ہے کہ میں مزید یہاں بیٹھو" وہ اپنی بات کہہ کر یہ جا وہ جا پر دیان غازی پر آج ایک بات واضح ہو گئی تھی۔

زائشہ مراد اگر گہری گفتگو کرنے میں ماہر تھی تو وہ مخمل کے کپڑے میں لپیٹ لپیٹ کر مارنے کا ہنر بھی باخوبی جانتی تھی۔

"اور ہیرو کیا بات ہوئی"

زائشہ کے جانے کے بعد ارسل دھڑام سے سامنے کرسی پر بیٹھا اور ٹیبل بجانے لگا۔

"کوئی بات نہیں ہوئی" دیان بگڑے موڈ سے بولا اور چائے پینے لگا۔

"اوئے چھوٹے ایک کپ چائے لا چینی روک کے پتی ٹھوک کے" ارسل نے وہی بیٹھے بیٹھے صدا لگائی تو دیان نے اسے گھورا

"تو ایک نمبر کا دو نمبر انسان ہے" دیان نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تو ارسل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا

"دیان یہ کیا ہوتا ہے ایک نمبر کا دو نمبر" وہ پھر سے قہقہہ لگا اٹھا۔

دیان کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"اچھا چھوڑ سب بتا کیا بات ہوئی" اب کی بار وہ سنجیدگی سے بولا

"بات ہی تو نہیں ہوئی یار" دیان کے لہجے میں بے چارگی صاف ظاہر تھی۔

"کیوں"

"یار اسے پسند نہیں میرا اس سے یوں بات کرنا"

"ہاں اس بات کا تو مجھے اندازہ ہے۔وہ کافی سیر ئیس اور ریزروسی ہے"

"ہمم......."

"تو پھر اب کیا کروگے تم"

"میں......."اس نے میں کو لمبا کرتے کہا

"میں اب زائشہ سے نہیں اس کی والدہ سیرت مراد سے ملوں گا"وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

ارسل پرجوش سا آگے ہوا

"کیا مطلب کیا سوچا ہے تو نے"

"بتادوں گا اتنی بھی کیا جلدی ہے"

"یار دیان تو ہمیشہ ایسے کرتا ہے۔بات شروع کرکے پھر چھوڑ دیتا ہے۔تجھے پتا ہے نا مجھے اس سسپنس نام کے کیڑے سے سخت نفرت ہے"ارسل کوفت زدہ سا کہہ رہا تھا اور دیان مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"تونے اسائنمنٹ بنائی" دیان مسکراتی نظروں سے اس کی جانب دیکھتے بولا۔ ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ بائیں گال میں مدھم ساڈمپل ظاہر ہو رہا تھا۔

اور یہاں آکر ارسل کی بولتی بند ہو گئی۔

"یار اتنی مشکل ہے تھوڑی مدد ہی کر دے" وہ بے چارگی سے بولا

"بس تو ہر وقت مظلومیت کے رونے رو یا کر"

"یار دیان تو ہر وقت مجھے اتنا بے عزت کیوں کرتا رہتا ہے"

"بے عزت اور تجھے" دیان نے حیرت سے اپنی دونوں ابرو اچکائیں

"بے عزت انہیں کیا جاتا ہے جن کی کوئی عزت ہو، تمہاری عزت ہے؟"

ارسل کے تو سر پر لگی تلوؤں پر بجھی۔

"ارے جاؤ جاؤ ایک زمانہ ارسل شاہ کی عزت کرتا ہے" وہ اپنی شرٹ کے کالر درست کرنے لگا۔

"اچھا......مجھے بھی ان لوگوں سے ملواو جو ارسل شاہ کی عزت کرتے ہیں"

"ملوائیں گے ملوائیں گے ایسی بھی کیا جلدی ہے" ارسل نے ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور ہاتھ بڑھا چائے کا کپ تھاما جو ویٹر لیے کھڑے تھا۔

اور ایک مخصوص شاہانہ انداز میں چائے پینے لگا۔

"ارسل وہ تمہارا نوکر نہیں ہے جس کے سامنے تم اس طرح بیہیو کر رہے ہو" دیان کا اشارہ اس ویٹر کو کافی دیر تک کھڑا کیے رکھنے کی طرف تھا جو ارسل کی بات مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

دیان کچھ برہمی سے بولا تو ارسل گڑبڑا گیا

"یار یہ تو اپنا یار ہے" اس نے فوراً اس بارہ تیرا سال کے لڑکے کے گرد اپنا بازو پھیلا یا اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

"بتا چھوٹے کیا پیئے گا، کوئی چائے پانی کوئی بسکٹ کیک"

"ارے نہیں نہیں ارسل بھائی اسکی کوئی ضرورت نہیں"

"کیوں ضرورت نہیں اس نے بدتمیزی کی ہے تمہارے ساتھ" دیان نے اس بچے کو آنکھیں دکھائیں تو وہ روہانسا ہو گیا

"دیان سر ارسل بھائی کرتے رہتے ہیں ایسا آپ مجھے جانے دیں استاد کو پتا لگا کہ میں یہاں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہا ہوں تو وہ مجھے ڈانٹے گا"

"ارے دیکھ لیں گے تمہارے استاد کو بھی..... شکور بھائی" ارسل نے وہی بیٹھے بیٹھے کیفے کے مالک کو آواز لگائی

"میں اس کو چھوٹی سی پارٹی دے رہا ہوں۔ کیا اسے تھوڑی دیر کے لیے کام سے چھٹی مل سکتی ہے؟"

ارسل کے اس طرح کیفے کے مالک کو پکارنے پر ارسل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ارسل یقیناً اپنے رویے کو محسوس کر چکا تھا اسی لیے وہ اتنا اصرار کر رہا تھا۔

"مجھے کیا مسئلہ ہو گا ارسل بھائی"

اکیڈمی میں سب دیان کو سر جبکہ ارسل کو بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وجہ دیان کا ریزرو اور ارسل کا دوستانہ رویہ تھا۔دیان پڑھاتا بھی تھا پر ارسل بس پانچ منٹ کے لیے کلاس میں بیٹھتا تھا اور بقایا سارا وقت وہ اکیڈمی میں گھومتا رہتا تھا۔

یہ اکیڈمی شہر کی مشہور ترین اکیڈمیز میں سے ایک تھی جہاں سٹوڈنٹس کی ایک کثیر تعداد پڑھ رہی تھی۔

دیان نے کولڈ ڈرنکس کے ساتھ کچھ چھوٹی موٹی چیزوں کا آرڈر دیا اور اس بچے کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔وقفے وقفے سے وہاں دونوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔دیان کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ تھی لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا،کوئی اور لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔

****

رات کا گہرا اندھیرا ہر طرف چھا چکا تھا۔ہر جاندار اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپ چکا تھا۔

ایسے میں اس پوش علاقے میں بنے بنگلے کا جائزہ لیا جائے تو رات کا وقت ہونے کے باوجود وہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔وسیع لان اور اس کے وسط میں موجود سفید ماربل کا فوارا آج بھی ویسا ہی تھا۔لان کی طرف بنی سیڑھیوں سے اندر کی جانب قدم رکھیں تو سامنے شیشے کا ایک دیوار گیر دروازہ تھا۔اس دروازے کے اس پار لاونج تھا جہاں خوبصورت صوفوں پر فاروق حیدر بتول حیدر کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا۔

ان کے بائیں طرف موجود سیڑھیوں سے اوپر جائیں تو دائیں طرف بنے دوسرے کمرے کا دروازہ بند تھا۔کمرے کے اندر جھانکیں تو کوئی وجود ٹیبل پر جھکا دھڑا دھڑ لکھ رہا تھا۔

براؤن لکڑی کا فرش اور چھت پر خوبصورت سیلنگ۔ایک دیوار پر گرے کلر تھا اور باقی تین دیواروں پر آف وائٹ پینٹ کیا گیا تھا۔جہازی سائز بیڈ گرے دیوار کے آگے رکھا تھا۔ساتھ ہی دو سائیڈ ٹیبل تھے۔بیڈ کے بالکل سامنے کی دیوار پر پچاس انچ کی ایل ای ڈی لگی تھی اور ایل ای ڈی کے گرد لکڑی کی خوبصورت تراش خراش کی گئی تھی جس میں کئی ایوارڈز اور ایسے ڈیکوریشن پیس رکھے تھے جو اپنی قیمت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔نیچے ایک ریک بنا تھا جہاں کافی کتابیں موجود تھیں۔اسی دیوار کے آخر میں ایک دروازہ بنا تھا جو واشروم اور وارڈروب کا تھا۔بیڈ کے دائیں جانب صوفہ سیٹ رکھا تھا اور بائیں جانب ایک خوبصورت سی بالکنی تھی جس کا دروازہ شیشے کا تھا پر اس وقت وہ دبیز پردوں سے ڈھکا تھا۔اسی دیوار کے کے بائیں جانب سٹڈی ٹیبل تھی جس کے ساتھ کتابوں کی الماری بنائی گئی تھی۔

سٹڈی ٹیبل پر بند لیپ ٹاپ پڑا تھا اور دیان اپنی ڈائری کھولے لکھ رہا تھا

"وہ بہت بدل گئی ہے......بہت زیادہ۔ لیکن بدل تو میں بھی گیا ہوں۔ میں اس سے جاننا چاہتا ہوں وہ کہاں چلی گئی تھی۔ کتنا ڈھونڈا تھا حامد انکل نے انہیں پر وہ ہمیں کہیں نہیں ملے تھے۔

میں چاہتا ہوں وہ مجھ سے سب کچھ شئیر کرے جیسے میں اس سے کرنا چاہتا ہوں پر وہ تو مجھے پہچان ہی نہیں رہی۔ وہ بھول گئی ہے کہ اسکی زندگی میں کوئی غازی بھی تھا۔

اسکا واحد اور اکلوتا دوست......اور میری بھی تو صرف ایک وہی دوست تھی۔

اس کی آنکھیں بہت ویران ہو گئی ہیں۔ اب وہ بچپن والی زائشہ نہیں رہی۔ اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔ اور میں بھی تو بچپن والا غازی نہیں رہا۔ وقت نے ہمیں بدل دیا ہے۔ وقت نے ہمارا بہت نقصان کیا ہے۔ وقت کے اس چکر میں اگر کوئی سب سے زیادہ برباد ہوا ہے تو وہ میں اور زائشہ ہیں، ہمارے اندر کو مار کر ہمیں جینے پر اکسایا جا رہا ہے۔

میں چاہتا ہوں وہ پہلے جیسے ہو جائے۔بے فکر سی، ہر لمحے مسکرانے والی، سب کے چہروں پر بھی مسکراہٹ لے آنے والی۔

پر وہ تو اندر سے ہی ویران ہو گئی ہے۔اس کی آنکھیں اس کا چہرہ، اسے دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے وہ سب کچھ لٹا بیٹھی ہے۔مجھے جاننا ہے اسے.... مجھے اسکی سوچوں میں اترنا ہے۔مجھے اس کے اندر کے اندھیروں کو ختم کرنا ہے۔ہم دونوں کو ایک دوسرے کے اندھیروں کو ختم کرنے کے لیے خود کو روشنی بنانا ہو گا"

ڈائری بند کر کے وہ چند لمحے اس کے کور پر بے مقصد انگلی پھیرتا رہا۔پھر دراز کھولا کر ڈائری اندر رکھی اور اندر موجود چیزوں پر نظر ڈالی۔

میرب اور اسکی تصویر، عرش کا وہ خط، زائشہ کا بنایا ہوا برتھڈے کارڈ

سب کچھ ویسے ہی رکھا تھا۔اس نے گہرا سانس لے کر دراز بند کیا اور تالا لگا دیا۔

اس کا رخ اب سائڈ ٹیبل کی جانب تھا جہاں اسے اپنی دوائیاں کھانی تھیں۔

****

"زائشہ آپی اماں کی بات سن لیں وہ کب سے بلا رہی ہیں آپ کو" زائشہ اپنی کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ناگوار تاثرات لیے اس نے اپنا چہرہ اٹھایا۔وہ نہا کر آئی تھی اور سارے بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔

"ایک تو اماں کو بھی سارے کام تب یاد آتے ہیں جب میں پڑھ رہی ہوتی ہوں۔ہزار دفعہ کہا ہے میرا کل ٹیسٹ ہے پڑھنے دیں پر نہیں میرے گھر والے مجھے سکون کہاں لینے دیتے ہیں" وہ مسلسل غصے سے بڑبڑا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جوتا پہنا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سامنے ہی چارپائی پر سیرت مراد سلائی مشین لیے بیٹھی تھیں۔

"زائشہ یہ ذرا مشین میں دھاگہ ڈال دو" انہوں نے اسے اپنے پاس کھڑے دیکھ کر کہا۔

"اماں یہ کوئی وقت ہے کپڑے سلائی کرنے کا رات کے آٹھ بج رہے ہیں"

"تو چپ کر.....کل سے میرا سر کھایا تھا میرا سوٹ سلائی نہیں کیا اب کر رہی ہوں تو بولنا شروع ہو گئی ہے۔ڈال کے دو دھاگہ"

انہوں نے زائشہ کو ہی جھاڑ پلا دی۔وہ ضبط کرتی چارپائی پر بیٹھی اور مشین میں دھاگہ ڈالا

"اب کہاں جا رہی ہو" اسے اٹھتے دیکھ کر وہ فوراً سے بولی

"اماں پڑھنا ہے مجھے ٹیسٹ ہے میرا"

"اچھا بعد میں پڑھتی رہنا ابھی بیٹھو مجھے ایک بات کرنی ہے"

"بولو اماں" وہ دوبارہ چارپائی پر بیٹھی۔

"وہ شمیم آئی تھی آج" سیرت مراد نے اپنی عینک اتار کر سائیڈ پر رکھی اور اس کی جانب دیکھا۔

"کون شمیم؟"

"وہی جمیل کی بہن"

جمیل کا نام سن کر زائشہ کے چہرے پر چھائی ناگواری حد سے زیادہ ہو گئی۔

"اب کیا کہہ کر گئی ہے وہ"

"زائشہ تم سوچو تو سہی اس بارے میں" سیرت مراد کے چہرے سے فکرمندی واضح جھلک رہی تھیں۔ وہ کسی صورت یہ رشتہ اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں پر زائشہ کی ضد کے سامنے وہ مجبور ہو گئی تھیں۔

"اماں پلیز پتا نہیں کیا پٹی پڑھائی ہے اس نے آپکو۔پر میری ایک بات سن لیں میں اس جمیل سے شادی نہیں کروں گی"

"انکار کی کوئی وجہ بھی تو بتاؤ مجھے۔اتنی دفعہ آچکی ہے اسکی بہن میرے پاس۔نا جہیز مانگ رہے ہیں نا کچھ اور سادگی سے شادی کر دیں گے۔ملے گا کوئی ایسا رشتہ،جو بھی آئے گا جہیز کی ایک لمبی لسٹ اپنے ساتھ لائے گا"

"مجھے نہیں پتا اماں بس مجھے نہیں کرنی اس سے شادی۔اور رہی بات وجہ کی تو ایک نمبر کا آوارہ انسان لگا ہے وہ مجھے۔جب بھی میں کالج سے آتی تھی گلی کے کونے میں کھڑا ہوتا تھا۔اور سر سے پیر تک گھورتا تھا مجھے۔پتا نہیں کہاں سے وہ آپ کو اتنا نیک لگا ہے۔اس کی بہن اب پوچھے نا کہ کیوں انکار کر رہی ہے تو بتا دیجیے گا پہلے اپنے بھائی سے سوال کرے کیا تک بنتی تھی اس کی یوں گلی میں کھڑے ہو کر میری بیٹی کو تاڑنے کی"وہ اپنی بات کہہ کر تن فن کرتی کمرے میں چلی گئی۔پر پیچھے سیرت مراد اس کی باتیں سن کر سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

"عجیب مصیبت ہے" اپنے کمرے میں آ کر اس نے کتاب اٹھا کر زور سے بیڈ پر پٹخی

"آگے کم مسئلے ہیں زندگی میں جو یہ جمیل بھی آگیا۔ عجیب جینا حرام کر دیا ہے اس نے۔اب بھیجے اپنی بہن کو منہ پر ذلیل کر کے بھیجو گی"

وہ کتابوں کو مسلسل ادھر ادھر پٹختے بڑبڑا رہی تھی۔

****

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اندھیرے میں ڈوبے اس سفید بنگلے پر اب سورج کی کرنیں بکھر چکی تھیں۔دھوپ تیز تھی پر ہوا میں ہلکی سی ٹھنڈک تھی۔

لاونج کی طرف بنے گلاس وال سے اندر کی جانب دیکھو تو ڈائنگ ٹیبل پر فاروق حیدر سربراہی کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ سامنے ڈائنگ ٹیبل پر ناشتے کے چند لوازمات رکھے تھے۔

"دیان آجاؤ نیچے" بتول حیدر سیڑھیوں کے کنارے کھڑی دیان کو آوازیں لگا رہی تھیں۔

وہ کچن میں جاتی اور کچھ دیر بعد پھر سیڑھیوں کے پاس آکر وہی عمل دہراتیں۔

فاروق حیدر نے مسکراتے ہوئے اخبار فولڈ کر کے ٹیبل پر رکھا اور ورنج جوس گلاس میں انڈیلا۔

یہ سب ان کے گھر روز کا معمول تھا۔ دیان ہر صبح بتول حیدر کو یوں ہی ستاتا تھا۔

"مجال ہے جو یہ لڑکا ایک بار بلانے پر آجائے" بتول حیدر کرسی کھینچ کر فاروق حیدر کے دائیں جانب بیٹھ گئیں۔

"تمہیں پتا تو ہے وہ تمہیں ستاتا ہے۔جب تک تم خاموشی سے ڈائنگ ٹیبل پر آکر بیٹھ نہ جاؤ وہ بھی نیچے نہیں آئے گا"

"پتا ہے مجھے۔جان بوجھ کر ستاتا ہے مجھے"

بتول حیدر نے مصنوعی غصے سے بولا۔

"لو آ گیا صاحبزادہ"

فاروق حیدر نے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سن کر کہا۔

"السلام علیکم مام ڈیڈ"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان بتول حیدر کے سامنے کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور مسکراتی نظریں اپنی ماں پر ٹکا دیں۔

"بہت بدتمیز ہو تم دیان"

"شکریہ ملکہ عالیہ اور کچھ" دیان سینے پر ہاتھ رکھ کر مؤدبانہ انداز سے آگے کی جانب جھکا

وہ اس وقت نک سک تیار نکھرا نکھرا سا بہت خوبرو لگ رہا تھا۔

گرے جینز کے اوپر وائٹ شرٹ پہنے اسنے بلیک جیکٹ اتار کر ساتھ والی کرسی پر رکھی

"یہ اتنی گرمی میں جیکٹ کا کیا کرنا ہے تم نے"

"مام اٹس فیشن, آپ کو سمجھ نہیں آئے گا"

"ہاں مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آئے گا۔سب کچھ تو تمہیں معلوم ہے۔چپ کر کے ناشتہ کرو"

بتول حیدر برہمی سے بول کر اپنی کرسی سے اٹھی اور دیان کے ساتھ والی کرسی پر جا بیٹھی۔

ہاٹ پاٹ سے گرم گرم پراٹھے نکال کر اس کی پلیٹ میں رکھے اور اورنج جوس اس کے گلاس میں ڈالا۔ساتھ ہی دینا کا فیورٹ انڈوں کا حلوہ تھا۔

بتول حیدر اسے اسی طرح ہمیشہ کھانا نکال کر دیتی تھیں۔اور اگر کبھی وہ ضد کرتا تو اپنے ہاتھوں سے کھلا بھی دیتی۔وہ ان کے لیے آج بھی دس سال کا غازی ہی تھا۔

"آج آب وہوا ذرا گرم ہے"

دیان فاروق حیدر کی طرف جھک کر سرگوشی کے سے انداز میں بولا

"چپ کر کے ناشتہ کرو۔آواز نا آئے مجھے اب تمہاری "بتول حیدر نے ایک چپت اسکے کندھے پر لگائی۔

"مام....."وہ احتجاجاً چلایا

"میں چھوٹا بچہ نہیں ہوں"

"حرکتیں تمہاری دو سال کے بچوں والی ہی ہیں۔ابھی تمہارے کمرے میں جاؤ گی تو اتنا گند پھیلا ہو گا کہ سارا دن لگ جائے گا مجھے صاف کرتے کرتے"

"وہ تو میں جان بوجھ کر کرتا ہوں مام تاکہ آپ سارا دن مصروف رہیں"وہ مسکراتے ہوئے بولا

اور سچ بھی یہی تھا۔دیان ویسے بہت صفائی پسند تھا پر یہاں وہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتا تھا۔ٹوتھ پیسٹ کا ڈھکن بند کرنے سے لے کر گیلا تولیہ لٹکانے تک وہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔

وجہ صرف ایک تھی۔وہ بتول حیدر کو ان سوچوں کے دھارے میں ڈوبنے سے بچانا چاہتا تھا جو وہ ان کی غیر موجودگی میں ہر وقت کرتی رہتی تھیں۔وہ گھر خصوصی طور پر اپنا کمرہ اس قدر گندا کر کے جاتا تھا کہ بتول حیدر کا سارا دن اسکے کام کرتے گزر جاتا تھا۔

"پتا ہے مجھے سب۔کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میرے ایک نہیں دس بیٹے ہیں تم اتنا گند پھیلاتے ہو"

"او میری پیاری ماں" دیان نے انکے گرد بازو پھیلائے اور ان کا سر چوما

فاروق حیدر ماں بیٹے کی محبت دیکھ کر مسکرا دیے

"کب تک چلنا ہے تمہارا اکیڈمی کا شوق دیان" فاروق حیدر کے پوچھنے پر دیان نے انکی جانب دیکھا۔

"تقریباً تین ماہ ڈیڈ"

"ہمم......ماشاءاللہ سے اب تمہاری گریجویشن بھی کمپلیٹ ہونے والی ہے۔اب جلداز جلد آفس جوائن کرو"

"جی ڈیڈ بس کچھ ضروری کام ہیں وہ نبٹالوں چند مہینوں میں پھر ریلا کس ہو کر آفس آؤں گا"

"کیسے کام"

بتول حیدر نے ابلا ہوا انڈا چھیل کر اسکی پلیٹ میں رکھا

"ہیں کچھ کام مام...بتادوں گا آپ کو"

"اچھا....یہ حلوہ میں تمہیں پیک کر دیتی ہوں۔ارسل کے لیے لے جانا پسند ہے اسے" بتول حیدر کہتے ہی اٹھیں اور کچن جانب بڑھ گئ۔

پیچھے دیان فاروق حیدر سے معمول کی گفتگو میں مصروف ہو گیے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

دوپہر کی چلچلاتی دھوپ نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔جولائی کے مہینے کا آخری ہفتہ چل رہا تھا۔ہوا دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ حبس زدہ ماحول میں ایک عجیب سے گھٹن چھائی تھی۔ ایسے میں زائشہ ایک بڑے سے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں تنہا بیٹھی تھی۔دور تک گراؤنڈ پھیلا تھا جہاں اکا دکا لڑکیاں درختوں کے سائے میں بیٹھی تھیں۔

وہ اس وقت کالج میں موجود تھیں۔ گرمی کی وجہ سے وہ آخری لیکچر بنک کر کے یہاں گراؤنڈ میں آگئی تھیں۔

"یہ لو" زینب دھڑام سے اس کے ساتھ بیٹھی اور پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی جو وہ کچھ دیر پہلے واٹر کولر سے بھرنے کے لیے گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو" زائشہ کو گم صم بیٹھا دیکھ کر زینب نے پوچھا۔ ساتھ ہی اس نے لیز کا پیکٹ کھول کر اسکی جانب بڑھایا تو زائشہ نے چند چپس نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھے۔

"کچھ نہیں یار اسی جمیل کے بارے میں سوچ رہی ہوں"

"پھر کچھ کیا اس نے"

"کرنا کیا ہے اس قدر ڈھیٹ انسان ہے وہ۔ میرے بار بار انکار کرنے کے باوجود وہ رشتہ بھیجی جا رہا ہے۔ اماں بھی عجیب ضد پر اڑی ہیں۔ جینا محال کر دیا اس نے میرا جب سے محلے میں آیا ہے آگے کیا کم ٹینشنز تھیں"

وہ کوفت ذدہ سے اسکے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ تمہیں واقعی پسند کرتا ہو؟"

"کرتا رہے میری بلا سے"

زائشہ ہاتھ جھلا کر کہنے لگی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تم جانتی نہیں کس قدر زہر لگتا تھا وہ مجھے جب گلی کے کونے میں کھڑا تاڑ رہا ہوتا تھا"

اس کے چہرے پر غصہ صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ماتھے پر لاتعداد بل تھے۔

"اچھا تو تم نے انکار کر دیا ہے"

"اور نہیں تو اقرار کرنا تھا۔میں نے تو بول دیا اماں کو اب آئے اس کی بہن تو صاف صاف بول دیجئے گا"

"کیا"

"یہی کہ آپ کا بیٹا ایک نمبر کا آوارہ انسان ہے۔میری بیٹی کو وہ بالکل پسند نہیں"

زائشہ اس قدر ناگوار تاثرات سے بولی کہ زینب قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"تمہیں ہنسی آرہی ہے"

"سوری سوری یار"زائشہ کے برہمی سے کہنے پر وہ سرینڈر کرنے کے سے انداز میں ہاتھ بلند کر گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا زائشہ ایک بات تو بتاؤ"

زینب نے چپس کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے کہا

"پوچھو"

"یہ جو دیان ہے.......اکیڈمی والا کتنا ہینڈسم ہے یار" وہ حسرت زدہ سی کہتی تھوڑی تلے ہاتھ جما کر سامنے دیکھنے لگی۔

زائشہ نے نفی میں سر ہلاتے اس کی جانب دیکھا

"باز مت آنا تم اپنی حرکتوں سے"

"نہیں زائشہ سچ سچ بتاؤ تمہیں اسے دیکھ کر ہیر و والی وائب نہیں آتی۔یہ لمبا قد، باڈی بلڈر جیسے بازو اور یار اسکی آنکھیں کتنی پیاری ہیں۔اور اسے ڈمپل بھی ہے"

وہ پرجوش سی بتا رہی تھی جب زائشہ نے ایک زوردار تھپڑ اسکے بازو پر مارا

"شرم کر لو زینب۔وہ نامحرم ہے تمہارے لیے اور تم یوں اسکی خوبصورتی کے قصیدے پڑھ رہی ہو"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یار حسن کی تعریف کرنی چاہیے"

"بس ہم انسانوں کے پاس ہزار باتیں ہوتی ہیں اپنے گناہوں کو جسٹی فائے کرنے کے لیے

مجھے سخت نفرت ہے ان لوگوں سے جو گناہ کرنے کے بعد اس گناہ کو نیکی کی شکل دینے لگ جاتے ہیں۔

گناہ گناہ ہی رہتا ہے۔ ہمارے لڑنے جھگڑنے سے وہ نیکی میں نہیں بدل جائے گا"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یار میں ایک عام سی بات کی ہے"

"یہ عام سی بات نہیں ہے زینب۔

تمھیں لگتا ہے یہ عام سی بات ہے پر یہ نہیں ہے۔ یہ جو دو فرشتے تمہارے یہاں بیٹھے ہیں نا"

زائشہ نے زینب کو کندھوں سے تھاما

"یہ تمہاری زبان سے نکلے ایک ایک لفظ کو تولتے ہیں۔ پھر چاہے وہ کسی کی تعریف ہو یا بے عزتی۔

تم اس کی تعریف کر رہی ہو، اسے سوچ رہی ہو اور کل کلاں کو تم اپنی سوچ میں اس قدر آگے نکل جاؤ گی کہ تمہیں احساس بھی نہیں ہو گا کہ تم کتنے گناہ لکھوا بیٹھی تھی"

"ہم کیا بولتے ہیں، کیا دیکھتے ہیں، کیا سنتے ہیں ان چیزوں کا جواب تو دینا ہو گا پر ہم کیا سوچتے ہیں اس کا بھی سوال کیا جائے۔ برائی کی جڑ ہی ہماری سوچ ہے۔ گناہ کی ابتداء سب سے پہلے سوچ کے ذریعے ہوتی ہے۔ بعد میں وہ ہاتھوں، زبان یا آنکھوں کے ذریعے وجود میں آتی ہے"

"اچھا یار آئیندہ سے خیال رکھوں گی"

صرف خیال رکھنے کی بات نہیں ہے ذینب یہ بہت حساس چیز ہے۔

اپنی سوچ کو بہتر کرو کیونکہ یہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ہم جس چیز کے بارے میں جتنا سوچتے ہیں وہ ہمارے ساتھ اتنی ہی شدت سے پیش آنا شروع ہو جاتی ہے"

"زائشہ تمہیں کبھی کوئی انسان اچھا نہیں لگا"

زینب کے اس طرح اچانک سے پوچھنے پر زائشہ خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ بولی تو آواز میں سرد پن تھا، سنجیدگی تھی۔

وہ پھر سے وہ زائشہ بن گئی تھی جس سے زینب بالکل انجان تھی

"مجھے انسان اٹریکٹ نہیں کرتے زینب۔ جو چیز خود کو چھپا کر رکھے، جو اصل کے جگہ نقل دکھائے اس سے کون متاثر ہوتا ہے۔

پھولوں کے ٹوکرے میں سے بچھوؤں کو نکلتے دیکھا ہے میں نے"

وہ سامنے دیکھتی گم صم سی بولی

"تم انسانوں کو لے کر اتنا نیگیٹو کیوں سوچتی ہو زائشہ"

"انسان ہمیں اتنا نیگیٹو سوچنے پر مجبور کیوں کرتے ہیں زینب"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ چہرہ موڑ کر اسکی جانب دیکھتے بولی۔ سوال کے بدلے سوال سن کر زینب خاموش ہو گئی۔

اس کے پاس زائشہ کے سوالوں کا جواب نہیں ہوتا تھا۔

"تم ابھی اس انسان نامی مخلوق کو پہچاننے سے قاصر ہو زینب۔ یہ تمہیں اس طرح ڈستی ہے کہ تم درد سے بلبلا بھی نہیں پاتی۔

ان انسانوں نے میرے دل کو پتھر کر دیا ہے اور نرم دل سے پتھر دل بننے کا سفر آسان نہیں ہوتا"

"تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا زائشہ"

زینب نے ایک بار پھر سے وہی سوال دہرایا اور جواب اسکی توقع کے عین مطابق تھا۔

"مجھے کھوجنے کی کوشش مت کرو زینب خود کو کھو بیٹھو گی"

اور زائشہ کے اس سرد رویہ نے ایک بار پھر سے زینب کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

****

"دیان ہم یہاں کیوں کھڑے ہیں" شام کے چار بج رہے تھے۔

دیان ایک بار پھر ارسل کو اپنے بغل میں بٹھائے اس جانی پہچانی چھوٹی سی گلی کے کونے میں کھڑا تھا۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہو رہا ہے۔چپ کر کے بیٹھو"

"یار کچھ بتاؤ تو صحیح کیا سوچ کر آئے ہو"

"اور میں تمہیں دس دفعہ بتا چکا ہوں کہ کچھ دیر انتظار کر و لگ جائے گا پتا"

"نا جانے کیا کچھ سوچتے رہتے ہو" وہ بڑبڑاتے ہوئے چہرہ موڑ گیا۔

ارسل کو خاموش ہوئے ابھی کچھ دیر ہوئی تھی جب کسی نے دیان کے شیشے پر دستک دی۔

دونوں نے چونک کر اس جانب دیکھا

ایک نوجوان لڑکا نیلی پینٹ پر چیک شرٹ پہنے کھڑا تھا۔بال گردن تک تھے اور چہرے پر ہلکی داڑھی تھی۔اس کی عمر تقریباً پچیس چھبیس کے لگ بھگ تھی۔

اگر وہ زیادہ خوبرو نہیں تھا تو اتنا برا بھی نہیں تھا۔

"جی کون"

دیان نے شیشہ نیچے کرتے پوچھا

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام"

"مجھے بات کرنی ہے آپ سے کچھ"

"مجھ سے" دیان نے حیرت سے ساتھ بیٹھے ارسل کی جانب دیکھا۔وہ پہلی بار اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسی بات"

"آپ گاڑی سے باہر آیئے پلیز"

"کیوں"

اب کی بار سوال ارسل کی جانب سے تھا۔

"آپ کو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں میں آپ کو کوئی نقصان نا پہنچا دوں"

وہ لڑکا طنزیہ انداز میں ابرو اچکا کر بولا تو دیان فوراً سے دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر گیا۔

ارسل بھی اسکی پیروی کرتا باہر آیا اور اس لڑکے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بولو کون ہو آپ اور کیا بات کرنی ہے مجھ سے"

دیان نے سینے پر بازو لپیٹتے سنجیدگی سے پوچھا

"یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے کہ کون ہو تم اور ہر روز ہماری گلی میں یوں آکر کیوں کھڑے ہو جاتے ہو"

وہ لمحوں میں آپ سے تم پر آگیا تھا

"یہ گلی آپ کی پرسنل پراپرٹی ہے"

دیان ابرو اچکا کر بولا تو مقابل ایک پل کے لیے گڑبڑا گیا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں"

"تو پھر آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے یوں سوال کرنے والے"

"تم یوں ہمارے محلے میں آ کر ہماری بہن بیٹیوں کو گھورو اور ہم کچھ بولیں بھی نا واہ" وہ لڑکا ہاتھ نچا نچا کر بولا تو ارسل اس کی بات سن کر بپھر کر اس کی طرف بڑھا

کسے دیکھ لیا تو نے ہمیں تاڑتے" وہ اسکی کالر پکڑ کر بولا پر دیان نے فوراً سے اسے کھینچ کر دوسری جانب کیا

"آرام سے ارسل اور تم"

وہ دو قدم آگے بڑھا اور اس کا کالر سنوارتے بولا

"آج تو یہ بات کر دی لیکن آئیند تم اس محلے میں مجھے اپنے آس پاس نظر بھی آئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ کیونکہ میں تو اب یہاں آؤں گا اور ہزار دفعہ آؤں گا اور دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے"

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اسکا گال تھپتھپا کر واپس گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ارسل بھی ایک غصیلی نظر اس پر ڈال کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

البتہ گاڑی نہیں چلائی۔وہ اپنے کام کیے بغیر یہاں سے جانا والا نہیں تھا۔

جمیل کڑھتا ہوا واپس اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چار سے سوا چار اور پھر ساڑھے چار ہو گئے تھے۔انہیں گلی کے کونے میں کھڑے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔ارد گرد سے گزرتے لوگ حیرت سے گلی میں کھڑی اس بڑی سی گاڑی کو دیکھ رہے تھے جس کا یہاں ہونا ان کے لیے کافی حیران کن تھا۔

پورے آدھے گھنٹے بعد زائشہ کے گھر کا دروازہ کھلا اور سیرت مراد سفید چادر اپنے گرد لپیٹے باہر آئیں۔ایک ہاتھ میں چھوٹا سا کالے رنگ کا لیدر کا پرس تھا۔دوسری ہاتھ سے انہوں نے دروازے کو بند کر کے تالہ لگایا۔

جوں ہی وہ پلٹی دیان کا اگنیشن میں چابی گھماتا ہاتھ تھم گیا۔وہ ششدر سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

چہرے پر بے پناہ جھریاں،آنکھوں کے گرد گہرے حلقے،سفید بال اور لاغر وجود۔وہ اس سیرت مراد سے بہت مختلف تھیں جنہیں اس نے دس سال پہلے دیکھا تھا۔

حالات کس طرح ان پر اثر انداز ہوئے تھے،ان کا کمزور وجود سب صاف ظاہر کر رہا تھا۔

دھوپ ابھی بھی تھی پر اسکی تپش میں قدرے کمی آگئی تھی۔سیرت مراد اپنے گھر کے دروازے کو تالا لگا کر ساتھ والے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ دیر بعد وہاں سے ایک عورت نکلی جسے گھر کی چابیاں تھما کر وہ گلی کے دوسرے کونے کی طرف پیدل چل دیں۔

دیان نے بھی گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ارسل ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔حقیقتاًاُسے دیان پر غصہ آرہا تھا جو اپنی مشکوک حرکتوں سے محلے والوں کی نظروں میں آرہا تھا۔جمیل کی باتوں نے اسکا دماغ گھما دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیرت مراد نے گلی کے کونے پر آکر ہاتھ کے اشارے سے ایک رکشہ روکا اور اس میں بیٹھ گئی۔دیان کی گاڑی اب کچھ فاصلے پر ان کے رکشے کا پیچھا کر رہی تھی۔

تقریباً دس منٹ کے بعد ایک سبزی منڈی کے باہر رکشہ رکا۔ارد گرد کثیر تعداد میں سبزیوں اور پھلوں کے ٹھیلے تھے۔مکھیاں بھن بھن کرتی ان پر منڈلا رہی تھیں۔ہر کوئی صدائیں لگاتا گاہکوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا

ارسل کے لیے یہ سب کافی نیا تھا پر دیان یہ دیکھ کر حیران نہیں ہوا تھا۔

سیرت مراد رکشہ سے اتری، کرایہ دے کر وہ ایک ٹھیلے والے کی طرف بڑھ گئی۔ دیان نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور جیب سے فون نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا۔

"سبزی منڈی کے باہر آجاؤ" دو لفظی بات کر کے اس نے فون بند کر دیا اور ارسل کی جانب مڑا۔

"کون تھا" ارسل کے سوال پر دیان نے ایک نظر سامنے سبزی خریدتی سیرت مراد پر ڈالی اور بولا

"کچھ دیر اور انتظار کر لو بس"

ارسل ناراضگی سے چہرہ موڑ گیا اور باہر کی جانب دیکھنے لگا۔

تقریباً پندرہ منٹ ایک لڑکے نے دیان کی طرف کا شیشہ بجایا۔ وہ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس تھا جو کافی پرانے لگ رہے تھے اور بار بار دھلنے کی وجہ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سے ان کا رنگ بھی خراب ہو چکا تھا۔ چہرے پر سیاہ کپڑے کا ماسک بندھا تھا۔

دیان کے دیکھنے پر اس نے تھمز اپ کا اشارہ دیا تو وہ گاڑی سے اتر گیا اور کھلے دروازے سے اندر کی جانب جھک کر ارسل کو مخاطب کیا

"میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔ تم کہیں جانا مت"

ارسل نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے جب دیان دروازہ بند کر کے اس لڑکے کے ساتھ چل دیا۔

"عزت ہی نہیں ہے میری کوئی" ارسل بس بڑبڑا کر رہ گیا۔

دیان اس لڑکے سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ کچھ آگے آ گئے تھے۔ ارسل دور سے انہیں دیکھ سکتا تھا۔

دیان نے سیرت مراد کی تلاش میں ارد گرد نظریں گھمائیں۔

سیرت مراد کچھ فاصلے پر ایک سبزی فروش کے پاس کھڑی تھی۔وہ شاید قیمت پر اس سے بحث کر رہی تھیں۔

دیان چلتا ہوا ان کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور یونہی بے مقصد کچھ سبزیاں اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"بھائی سو روپے کے کلو دینے ہیں تو دو ورنہ بہت دکانیں ہیں میں کہیں اور چلی جاؤں گی" سامنے رکھی سبزیوں کی جانب اشارہ کرتے وہ غصے سے بول رہی تھیں۔

"باجی سو روپے کلو تمہیں اس پوری منڈی میں نہیں ملیں گے۔ایک سو تیس روپے دے دو"

"ہرگز نہیں میں..."

سیرت مراد کا جملہ منہ میں ہی رہ گیا جب وہ نقاب پوش لڑکا ان کے قریب آیا اور جھٹ سے ان کا بیگ کھینچ کر بھاگا۔سیرت مراد کے ہاتھ میں موجود سبزیوں کے شاپر نیچے گر گئے اور ساری سبزیاں ارد گرد بکھر گئیں۔

"ارے میرا پرس" وہ وہیں کھڑی چلانا شروع ہو گئی۔

دیان ہاتھ میں پکڑا آلو فوراً سے ٹھیلے پر پھینکتا اس لڑکے کے پیچھے بھاگا۔

کچھ دور جاتے ہی وہ اس لڑکے کو دبوچ چکا تھا۔اس کے بازو کو پشت سے لگائے وہ اسکی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ چکا تھا۔سیرت مراد کو آتا دیکھ کر لڑکے نے بیگ چھوڑا تو وہ زمین پر گر گیا۔دیان نے اپنی گرفت ذرا سی ہلکی کی تو وہ لڑکا دیان کا بازو ہٹا کر بھاگ نکلا۔

"اے رک" وہ اسکے پیچھے بھاگنے لگا تھا پر وہ پھرتی سے ہجوم کو چیرتا آگے نکل گیا۔

دیان نے جھک کر اپنے قدموں میں گرا بیگ اٹھایا اور ہانپتی ہوئی سیرت مراد کے پاس آیا۔

"آپ کا بیگ"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بہت بہت شکریہ بیٹا۔اللہ تمہیں خوش رکھے۔پورے مہینے کا خرچ تھا میرا اس بیگ میں" سیرت مراد اسکے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے اسے دعائیں دے رہی تھیں۔

"آپ پانی پی لیں آئیں میرے ساتھ" دیان نے انہیں اشارہ کیا تو وہ بھی اسکے ساتھ چل دیں۔ان کا گلا واقعی خشک ہو چکا تھا۔

کچھ فاصلہ طہ کرنے کے بعد وہ واپس سے منڈی کے شروع میں آ گئے تھے جہاں اسکی گاڑی کھڑی تھی۔

"باجی سنیں" کسی نے پیچھے سے سیرت مراد کو مخاطب کیا تو دونوں مڑے

"یہ آپکا سامان وہاں گر گیا تھا" وہ وہی سبزی فروش تھا جس کے پاس سے سیرت مراد کا پرس چھینا گیا تھا۔

"بہت شکریہ بھائی"

ان کے ہاتھ بڑھا کر شاپر تھامنے سے پہلے ہی دیان نے وہ پکڑ لیے۔

"آیئے"

ارسل دیان کے ساتھ سیرت مراد کو آتا دیکھ کر گاڑی سے اترا۔

"ارسل پانی لاؤ" دیان کے کہنے پر اسنے گاڑی میں موجود پانی کی بوتل باہر نکالی اور دیان کو دی جو اس نے سیرت مراد کی طرف بڑھائی۔

وہ پانی پینے لگیں تو اس نے سبزیوں کے شاپر پچھلی سیٹ پر رکھ دیں۔

"آنٹی آپ کو کہاں جانا ہے میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں"

"ارے نہیں بیٹا تمہیں زحمت ہو گی۔میں خود چلی جاؤں گی"

"آنٹی زحمت کیسی آپ بیٹھیں میں چھوڑ دوں گا"

اور پھر سیرت مراد کے لاکھ نا نا کرنے کے باوجود وہ انہیں گاڑی میں بٹھانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ان سے ایڈریس پوچھ کر اس نے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔

"تم دونوں بھائی ہو؟"

"جی نہیں آنٹی یہ دوست ہے میرا" جواب ارسل کی طرف سے آیا تھا۔

"اچھا اچھا کیا کرتے ہو بیٹا تم دونوں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آنٹی پڑھ رہے ہیں یونیورسٹی میں آخری سال ہے اور ایک اکیڈمی میں ٹیوشن بھی دیتے ہیں" دیان سڑک پر نظریں جمائے ان کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

"ماشاءاللہ میری بیٹی بھی پڑھاتی ہے ایک اکیڈمی میں۔ بہت بڑی اکیڈمی ہے" وہ فخر سے بولیں

"کتنے بہن بھائی ہو تم دونوں" کچھ دیر کے وقفے کے بعد وہ پھر سے بولیں۔

زائشہ بالکل ٹھیک کہتی تھی، اس کی ماں کو دوسروں کا خاص طور پر نوجوان لڑکوں کا شجرہ نصب جاننے کا بہت شوق تھا۔

ان کا بس چلتا تو ہر لڑکے کی شادی کروانے کی ذمی داری وہ اپنے سر لے لیتیں۔

"آنٹی میں تو اکلوتا ہوں اور ارسل کی بس ایک چھوٹی بہن ہے"

"کوئی منگنی وغیرہ ہوئی ہے تم دونوں کی"

اور ان کی بات سن کر ارسل کے کے لیے اپنا قہقہہ روکنا مشکل ہو گیا۔

"ہاہاہاہا...... نہیں آنٹی ابھی تو دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آرہے منگنی کے"

وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا

"آنٹی ویسے آپ کے کتنے بچے ہیں"

ارسل اب کے بار دلچسپی سے بولا

"میرے.... میرے ماشاءاللہ سے تین بچے ہیں۔ایک بیٹی اور دو بیٹے، بیٹی تم لوگوں کے عمر کی ہی ہو گی"

"اور آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں" ارسل نے مسکراتے ہوئے پوچھا لیکن

اسکی بات سن کر سیرت مراد کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

دیان نے فوراً سے ارسل کو گھورا تو وہ گڑ بڑا گیا

"ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے" سیرت مراد سنجیدگی سے کہہ کر باہر دیکھنے لگیں۔

"اوہ ایم سوری آنٹی" ارسل شرمندگی سے بولا

"کوئی بات نہیں بیٹا" سیرت مراد کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

گاڑی میں ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔

"آنٹی آپ کا گھر آ گیا"

دیان نے سیرت مراد کے گھر سے کچھ دور گاڑی روکتے کہا۔

دیان فوراً گاڑی سے اترا اور سیرت مراد کی طرف کا دروازہ کھول کر سب سبزیاں اٹھانے لگا۔

"آئیں میں آپ کو چھوڑ دوں"

"بیٹا تم بھی آؤ"

انہوں نے اندر بیٹھے ارسل کو کہا تو وہ مسکراتا ہوا گاڑی سے اتر گیا۔

سیرت مراد نے اپنے ہمسایوں کا دروازہ کھٹکھٹا کر چابی لی اور اپنے گھر کا دروازہ کھولا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آجاؤبیٹا" دیان نے صحن میں رکھی چارپائی پر سب شاپنگ بیگز رکھ دیے۔

"اچھا آنٹی اب ہم چلتے ہیں"

"ارے ایسے کیسے رکو میں پانی لاتی ہوں" دیان کے کہنے پر سیرت مراد فوراً بول اٹھیں اور اس کے جواب سننے سے پہلے ہی کچن میں چلی گئی

"بیٹھ جا ہیرو" ارسل نے اسے اشارے سے کہا اور خود چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"اب بتا کیا تھا یہ سب"

دیان نے گہری سانس لی اور اسے اپنی پلاننگ کے بارے میں بتانے لگا کہ کس طرح اس نے اس لڑکے کو پیسہ دے کر سیرت مرادما پرس چھنوایا تھا۔

"واہ یہ تو سہی مووی والا کا سین ہو گیا بس فرق یہ ہے کہ یہاں ہیروئن کی جگہ اس کی ماں ہے....ہاہاہا" وہ اپنی بات سے ہی محظوظ ہوتے قہقہہ لگا اٹھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ویسے تجھے کیسے پتا چلا آنٹی اسی ٹائم مارکیٹ جائیں گی"

"کل اکیڈمی میں زائشہ کے منہ سے ہی سنا تھا کہ کل جمعہ ہے اور امی نے ہفتے کا راشن لینے جانا ہے"

"یہ لو بیٹا" سیرت مراد جگ میں لال شربت بنا کر لائیں اور دونوں کو گلاس میں ڈال کر دیا۔

"ارے آنٹی تکلف کیا آپ نے"

دیان ٹھنڈے شربت کا گلاس تھامتے بولا

"ارے بیٹا تکلف کیسا اتنی گرمی ہے باہر۔ چلو پیو شاباش"

"بھلا دیکھو اتنی باتیں کر لی اور نام تو پوچھا ہی نہیں میں نے۔ کیا نام ہے بیٹا تم دونوں کا"

"آنٹی میں دیان ہوں اور یہ ارسل" دیان نے شربت کا گھونٹ لیتے کہا

"ماشاءاللہ بہت پیارا نام ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا آنٹی اب ہم چلتے ہیں" دیان نے جلدی جلدی جوس ختم کیا اور اٹھ کھڑا ہوا

"ہمیں اکیڈمی بھی جانا ہے۔ آگے ہی لیٹ ہو گیا ہے"

"اچھا بیٹا خیریت سے جاؤ" دیان اور ارسل دونوں ان کے سامنے جھکے تو سیرت مراد نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا

"آنا پھر کبھی۔ مجھے اچھا لگے گا"

"جی آنٹی ضرور"

اور پھر وہ دونوں سیرت مراد کو خدا حافظ کہہ کر باہر آ گئے۔

وہ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

"ماننا پڑے گا یار بڑے بڑے کمینے دیکھے ہیں پر تیرے جیسا کوئی نہیں دیکھا" ارسل سیٹ بیلٹ لگاتے کڑ ھتے ہوئے بولا تو گلی کا موڑ کاٹتے دیان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"ہم کمینوں کے سردار ہیں میری جان"

"تو زیادہ ہی شوخا نہیں ہو گیا" ارسل طنزیہ انداز میں بولا

"بس یار کیا کروں تھک گیا ہوں خاموش رہ رہ کر" مسکراہٹ دیان کے ہونٹوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی

"ویسے تو پہلے تیرے منہ پر مسکراہٹ صرف عید کے عید آتی تھی پر اب کیا معجزہ ہو گیا بتانا پسند کرے گا"

"میری مسکراہٹ کی گہرائی میں مت جا ڈوب جائے گا"

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ لہراتے ہوئے بولا

"تو میری سمجھ سے باہر ہے دیان"

"میں دیان غازی ہوں اور میں کسی کی سمجھ میں نہیں آتا سیدھا دل میں آتا ہوں" دیان آنکھیں مٹکا مٹکا کر بولا تو ارسل جل کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا

"آیا بڑا"

البتہ دیان کو یوں ہنستا مسکراتا دیکھ کر وہ اندر سے بہت خوش تھا۔

ان دونوں کا رخ اب اکیڈمی کی جانب تھا۔دیان کی باقی کلاسز تو مس ہو گئی تھیں پر اس کی آخری کلاس میں ابھی وقت تھا۔

****

یہ زائشہ کی آخری کلاس تھی۔اس کے بعد دیان کی کلاس تھی اور ابھی کلاس ختم ہونے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔

وہ مطمئن سی ڈائس کے سامنے کھڑی تھی۔گلابی رنگ کی سادہ سی شلوار قمیض پہنے وہ چھوٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔سیاہ رنگ کی چادر سر کو ڈھانپے ہوئے تھی اور ہمیشہ کی طرح اس کے جوڑے سے کچھ بال نکل کر اس کے چہرے کے گرد آ گئے تھے۔

ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی اور مسکراتی ہوئی گرے آنکھیں سامنے موجود کلاس پر ٹکی تھیں۔

اس نے ایک نظر اپنے سامنے رکھی کتاب کو دیکھا، کچھ سطریں پڑھیں اور بولنا شروع کیا

"سب سے پہلے بات کرتے ہیں اس سورت کے بارے میں۔ سورت مومنون قرآن کی تئیسویں سورت ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان بنیادی صفات کا ذکر فرمایا ہے جو ایک مسلمان کو مومن بناتی ہے۔ مسلمان سے مومن کیسے بنا جاتا ہے؟

مسلمان تو ہم تب ہی ہو جاتے ہیں جب ہمارے کانوں میں اذان دی جاتی ہے، جب ہم پہلی مرتبہ کلمہ پڑھتے ہیں پر مومن بننے کے لیے کڑے

مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ مسلمان تو بہت ہوتے ہیں پر مومن کوئی کوئی ہوتا ہے۔

اس سورت کی جو پہلی دس آیات ہیں ان میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہیں اپنا کر ہم مسلمان سے مومن ہونے تک کا سفر طے کر سکتے ہیں۔

تو سبحان آپ اس کی پہلی دس آیات کو پڑھیں آج ہم صرف ان پر بات کریں گے"

زائشہ نے پہلے بینچ پر بیٹھے لڑکے کی جانب اشارہ کیا تو وہ کھڑا ہو کر بلند آواز میں آیات کا ترجمہ پڑھنے لگا

"یقیناً ایمان والوں نے فلاں حاصل کرلی

جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں

جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں

جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں

بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں

ہیں۔

جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں

جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں

جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں

یہی وارث ہیں"

دس آیات کا ترجمہ پڑھ کر وہ بچہ بیٹھ گیا تو زائشہ نے پھر سے بولنا شروع کیا

"پہلی آیت میں ایمان اور فلاح کا ذکر کیا گیا ہے۔ کامیابی و کامرانی کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان دل سے یقین کرنے کا نام ہے۔ صرف کلمہ پڑھ

لینے سے یقین نہیں آتا بلکہ اس یقین کو مضبوط کرنا پڑتا ہے اور یقین کے مضبوط ہونے پر ہی ہمارا ایمان پختہ ہوتا ہے۔

ایمان کی پختگی ہمارے دل کو مضبوط کر دیتی ہے، چٹانوں جتنا مضبوط اور پھر انسان کامیابی کی سب منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد آتی ہے نماز۔

خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے؟

میری امی پتا کیا کہتی ہیں

کہ اگر نماز پڑھنی ہے تو دل سے پڑھا کرو جائے نماز پر بیٹھ کر زمین سے ٹکریں مار کر نا آجایا کرو۔

ہماری نمازیں کیسی ہیں۔ جو ہی جائے نماز پر کھڑے ہوتے ہیں اور نیت کرتے ہیں ساتھ ہی دنیا جہان کے خیالات ہمارے دماغ میں یوں وارد ہوتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ فلانے کا ادھار دینا ہے تو اس سبجیکٹ کا کام نہیں

کیا۔آج اس سے لڑائی ہوئی تو دوپہر کو کیا کھایا تھا۔اس ٹیچر نے کس کلر کا سوٹ پہنا تھا تو فلانے ڈرامے میں کیا سین ہوا تھا۔

ایک ایک بات کسی فلم کی طرح ہمارے دماغ میں چلنا شروع ہو جاتی ہے۔یہ ہوتی ہیں بے روح نمازیں۔

چند لمحوں کے لیے خدا کے سامنے جانا اور وہ بھی بھٹکے ذہن کے ساتھ۔شرمندگی کا مقام ہے ہمارے لیے۔ہم چند منٹوں کے لیے بھی سچے دل سے اللہ کو یاد نہیں کر سکتے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو اپنی نمازوں کو دل لگا کر پڑھتے ہیں وہی مومن ہوتے ہیں۔

اس کا آسان حل صرف یہی ہے کہ انسان نماز میں جو پڑھ رہا ہے اس پر دھیان دے اور اگر کوئی خیال ذہن میں آتا بھی ہے تو اسے فوراً جھٹک دے۔

کیونکہ ہمارے جائے نماز پر کھڑے ہونے کے بعد بھی شیطان ہمیں بہکاتا رہتا ہے اور یہ سب خیالات اس کا ایک بہکاوا ہی ہیں۔

اس کے بعد لغویات سے مراد ایسے کام ہیں جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں۔ جو محض بہکاوا ہیں۔

اس کے بعد آتی ہے زکوٰۃ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا جن کے کے بارے میں آپ سب باخوبی آگاہ ہیں۔

ناجائز تعلقات پیدا کرنے کی بجائے اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے ساتھ خدا کی رضا کے مطابق رشتے میں آنا

اور جو لوگ اس سے زیادہ کی خواہش کرتے ہیں وہ یقیناً اسلام کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگنے والے ہیں۔

اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرنا۔ یہ ایک مومن شخص کی سب سے بڑی خوبیوں میں سے ایک ہے۔

ایک مومن شخص اپنی نمازوں کی بھی حفاظت کرتا ہے۔

نمازوں کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے؟

نماز کو پڑھنا نہیں ہوتا نماز قائم کرنی ہوتی ہے اس کے لیے نماز کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ان کو باقاعدگی سے پڑھنا پڑتا ہے اور ان کے آداب کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔

ایسے لوگ ہی پھر حق دار ہوتے ہیں مومن کے درجے کے۔یہی لوگ اصل وارث ہوتے ہیں جنت کے۔

چار نمازیں پڑھ لینے اور دو روزے رکھ لینے سے کوئی مومن نہیں بنتا۔ مومن کی تعریف ہی ایمان ہے۔اگر بس ہمارا ایمان مضبوط ہو جائے تو بقایا کام خود بخود ہو جاتے ہیں۔ نمازوں میں دل بھی لگنے لگتا اور سب برائیاں بھی دور ہونے لگتی ہیں۔

میں امید کرتی ہوں کہ آج جو اتنا کچھ میں نے آپ کو بتایا یقیناً آپ لوگ اس سے ضرور کچھ سیکھے ہوں گیں اور میرا اتنا وقت ضائع نہیں گیا ہو گا"

زائشہ کے پوچھنے پر سب بچوں نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ مسکراتے ہوئے ٹیبل کے پاس آئی اور اپنا بیگ اٹھایا۔

کلاس ختم ہو چکی تھی۔

وہ بچوں کو خدا حافظ کہہ کر باہر آئی تو سامنے ہی دیان کو کھڑے پایا۔

جو اسکی جانب دیکھتا آسودگی سے مسکرا رہا تھا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"السلام علیکم" زائشہ کے باہر آتے ہی دیان نے فوراً سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" زائشہ نے سنجیدگی سے جھکے سر کے ساتھ جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔

"زائشہ بات سنیں" ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھی تھی جب اسے اپنے پیچھے دیان کی آواز آئی۔ ناگواریت کی ایک لہر اسکے چہرے پر چھا گئی۔ گہری سانس لے کر اسنے خود کو پرسکون کیا اور پیچھے کی جانب مڑی

"آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے مسٹر دیان"

اس بندے کی شخصیت نے عام مردوں کی نسبت کسی حد تک اسے متاثر کیا تھا پر اب وہ دیان کی حرکتوں سے شدید کوفت میں مبتلا ہو رہی تھی۔ وہ اسے یوں مخاطب کرتا تھا جیسے اسکا برسوں پرانا دوست ہو۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات" دیان چند قدم آگے آیا۔ اب وہ کلاس کے دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔

"مسٹر دیان میں آپ کو آخری مرتبہ کہہ رہی ہوں، یوں سر راہ مجھے مخاطب کرنا بند کر دیں۔ ایسا نا ہو کہ میں میڈیم سے آپ کی شکایت لگانے پر مجبور ہو جاوں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ غصے سے بولی تو اسکی بات سن کر دیان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے اچھنبا ابھرا، پھر حیرت اور پھر غصہ

جب بولا تو چہرے پر غصے کے تاثرات تھے ہاں البتہ آواز میں نرمی تھی

"آپ کا دوپٹہ آپ کے بیگ کی زیپ میں اٹکا ہے"

اس کے بیگ کی جانب اشارہ کرتے ایک سرد نظر اس پر ڈال کر وہ کلاس میں چلا گیا۔

زائشہ نے فوراً سے اپنے بیگ کی جانب دیکھا جہاں اسکے دوپٹہ کے کنارہ بیگ کی زیپ میں اٹکا تھا۔ شاید جلدی جلدی میں زیپ بند کرتے وہ پھنس گیا تھا۔

اس نے ایک آنکھ میچ کر زبان دانتوں تلے دبائی۔

پھر دوپٹہ باہر نکال کر ایک نظر کلاس کے دروازے کو دیکھا۔ اندر سے دیان کی آواز آرہی تھی۔

"میں بھی ناپاگل ہوں بالکل۔ بولنے سے پہلے ذرا نہیں سوچتی"

اپنے سر پر ایک چپت لگاتے وہ خود کو کوستی آگے بڑھ گئی۔

اکیڈمی کے ریسیپشن کے حصے کی جانب دیکھا جائے تو وہاں ارسل کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ وہاں اکیلا تھا اور بقایا لوگوں کو نو دو گیارہ کر چکا تھا۔ کمپیوٹر پر نظریں جمائے اس نے مخصوص فولڈر میں جا کر ایک فائل نکالی جہاں اکیڈمی کے ہر ٹیچر کی ڈیٹیل تھی۔

کی بورڈ پر چند بٹن دبانے کے بعد وہ مطمئن سا پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ گردن کے پیچھے ہاتھوں کا تکیا بنائے وہ اپنے پاؤں کو جھلانے لگا۔ نظریں پاس پڑے پرنٹر پر مرکوز تھیں۔

چند سیکنڈز بعد اس میں سے ایک سفید کاغذ لہراتا ہوا باہر آیا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ پکڑا اور اس پر ایک نظر ڈالی۔

"گڈ جاب ارسل" اپنے ہی کندھے کو تھپک کر خود کو شاباشی دیتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اسکا رخ کلاس کی جانب تھا جہاں دیان اسکا انتظار کر رہا تھا۔

****

سفید بنگلے کی خوبصورت دیواروں پر رات کی سیاہی چھا چکی تھی۔لان میں جلتی لائٹس نے ماحول کو فسوں انگیز بنا دیا تھا۔آبشار پر پڑتی مختلف رنگوں کی روشنی دھنک کی خوبصورتی کو مت دے رہی تھی۔

ایسے میں لان کی طرف بنی بالکنی میں دیان ہاتھ میں ایک سفید کاغذ تھامے کھڑا تھا۔ نظریں آسمان پر چمکتے چاند پر تھیں۔

"تم بچپن سے ہی میرے لیے اہم رہی تھی.....بہت اہم۔ تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھ جلن کا ایک عجب احساس میرے دل میں جاگتا تھا۔اور جب تم لوگ چلے گئے تھے........"

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ہاتھ میں تھامے کاغذ کو دیکھا۔

"میں نے بہت ڈھونڈا تھا تمہیں۔بہت دعائیں مانگیں کہ تم یا میرب میں سے کوئی تو واپس اجائے میرے پاس۔پر کوئی نہیں آیا۔میں ڈپریشن کا مریض تم دونوں کی وجہ سے بنا تھا۔تم دونوں نے مشکل وقت میں مجھے تنہا کر دیا۔

مجھ پر بیتے ہر برے حال کے ذمہ دار تم دونوں ہو۔تم دونوں نے مجھے ایک ایسا بچہ ایک ایسا انسان بنا دیا جس کا بچپن تباہ ہو گیا تھا۔جس نے اپنی ٹین اتج کمرے میں گھٹ گھٹ کر گزار دی"

وہ ریکنگ کے ساتھ بیٹھتا چلا گیا۔ٹانگوں کے گرد دونوں بازو باندھ کر سر جھکا دیا۔

"میں بہت ٹوٹا ہوا انسان ہوں زائشہ۔میں نے اپنی زندگی میں جس چیز کو چاہا ہے وہ مجھ سے چھین لی گئی۔دیان غازی سے دیان حیدر بننے تک کا سفر بہت مشکل تھا میرے لیے۔

مجھے محبت تھی اپنے نام سے.....غازی سے۔کیونکہ یہ نام میری بہن نے رکھا تھا۔پر اب اگر کوئی مجھے اس نام سے پکارتا ہے تو میرے دل پر نشتر چلتے ہیں۔یہ نام اپنے ساتھ سب بری یادوں کو بھی لاتا ہے۔یہ نام میرے دل کو چیر کے رکھ دیتا ہے۔

غازی تو جنگ فتح کر کے لوٹنے والے کو کہتے ہیں۔جنگ تو میں نے بھی لڑی ہے پر افسوس جیت نہیں سکا۔پھر میں کہاں کا غازی"

وہ استہزائیہ انداز سے ہنسا

اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ماضی کا غم ایک بار پھر سے اسے رلا رہا تھا۔

"میری موجودگی میں میری بہن کو اسکی روح تک زخمی کر دیا گیا۔ایک دروازے صرف ایک دروازے کا فاصلہ تھے میرے اور اس عرش جہانگیر کے درمیان۔

پر افسوس صد افسوس میں کچھ نہیں کر سکا۔

میں زمہ دار ہوں اپنی بہن کی موت کا۔ مجھ سا بد قسمت، منحوس اور بے بس انسان کوئی نہیں ہوگا۔ مجھے تو اب ہنسی آتی ہے خود پر کہ مرتا بھی نہیں میں۔ اتنے سالوں سے اتنی تکلیف سہہ رہا ہوں اور ایک بھول بھٹکا ہارٹ اٹیک بھی نہیں آتا"

اس نے نم پر شکوہ آنکھوں سے آسمان کی جانب دیکھا

"میری زندگی کیوں اتنی لمبی لکھ دی ہے اگر اتنی تکلیفوں سے گزارنا تھا"

اس نے آنکھیں موند کر سر ریلنگ سے ٹکا دیا۔

بند آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ ہاتھ میں موجود وہ سفید کاغذ ہوا کے دوش پر پھڑ پھڑا رہا تھا۔

چند لمحے خاموشی سے سرکے جب اندر پڑے اس کے فون پر رنگ ہوئی۔

وہ نظر انداز کرتا وہیں بیٹھا رہا۔ پر فون مسلسل بج رہا تھا۔

وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں آیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ فون اٹھا کر چہرے کے سامنے کیا۔

فون کی روشنی سے ایک پل کے لیے اسکی آنکھیں چندھیا گئیں۔

ارسل کی کال تھی۔اس نے فون اور وہ کاغذ بیڈ پر پھینک دیا۔سائیڈ ٹیبل کے پاس جاکر اپنی دوائیوں کا ڈبہ اٹھا کر چند گولیاں ہاتھ پر لیں اور پانی کے ساتھ پھانک گیا۔

پھر واشروم میں جا کر ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھو کر وہ کچھ دیر بعد تولیہ سے منہ تھپتھپاتا باہر آیا۔

اب وہ پہلے کی نسبت قدرے بہتر لگ رہا تھا۔

تولیہ ایک طرف اچھال کر اس نے فون آن کیا۔ارسل کی پانچ مسڈ کالز تھیں۔

کال لاگ میں جا کر اسے کال بیک کی۔

اگلے سیکینڈ ہی کال اٹھالی گئی تھی

"ہیلو" وہ بھاری آواز میں بولا

"تو ٹھیک ہے؟"

اسکی بھاری آواز ارسل محسوس کر چکا تھا۔

"ہاں مجھے کیا ہونا ہے "اس نے ایک گہرا سانس لے کر خود پر سکون کیا

"اچھا مجھے پوچھنا تھا کہ تو انکل آنٹی کو بتا رہا ہے"

"نہیں پہلے بتانے کا سوچا تھا پر ابھی مناسب وقت نہیں آیا"

"تو کیسے مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہے"

"میں چاہتا ہوں کہ میں پہلے زائشہ کو سب بتا دوں......شاید وہ ہم سے نفرت کرتی ہے۔ماں ڈیڈ کو دیکھ کر وہ یقیناً ہائپر ہو جائے گی"

"لیکن وہ تم لوگوں سے نفرت کیوں کرتی ہو گی"

"میں نہیں جانتا پر مجھے ایسا لگا ہے جیسے وہ اپنی ماضی کو لے کر کچھ لوگوں کو قصوروار سمجھتی ہے اور ان لوگوں میں شاید ہمارا بھی شمار ہوتا ہے"

"کچھ زیادہ ہی نہیں سمجھنے لگے اسے؟"

وہ شرارت سے بولا پر آگے سے دیان کا جواب اتنا ہی سنجیدہ تھا۔

"ہاں شاید"

"اچھا اب آگے کیا کرنا ہے""آگے......."

وہ اپنے آگے کے لائحہ عمل کے بارے میں ارسل کو آگاہ کرنے لگا۔

****

زائشہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اب اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ بستر پر سب کتابیں پھیلائے وہ مسلسل رٹے مار رہی تھی۔ سیرت مراد کو اسکی اس عادت سے بہت چڑ تھی۔ وہ جب بھی پڑھتی تھی ایک ایک کتاب نکال کر بیڈ پر پھیلا دیتی تھی۔ اور کام ختم ہونے پر ہی بیگ میں رکھتی تھی۔ وہ ہلکے زرد رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی جس کی قمیض پر چھوٹے چھوٹے گلاب کے پھول بنے تھے۔

ان کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ مہنگے کپڑے بنوا پاتے پر زائشہ جو بھی سوٹ بنواتی تھی وہ کم قیمت میں بھی ان پر ایسی ڈیزائننگ کروالیتی تھی کہ وہ بہت دلکش اور توجہ طلب ہو جاتے تھے۔

ابھی بھی وہ جس سوٹ میں ملبوس تھی اس کا کپڑا چاہے معمولی سا تھا پر ڈیزائن بہت خوبصورت تھا۔

سیرت مراد، حسیب اور جنید سب باہر تھے۔ گرمی کا موسم تھا اور وہ لوگ اپنا بستر باہر صحن میں لگاتے تھے۔ نو بج رہے تھے۔ زائشہ رات دیر تک پڑھنے کی عادی تھی اسی لیے وہ لوگ سونے کے لیے چلے گئے تھے۔

وہ رجسٹر تھامے اس پر دھڑا دھڑ لکھ رہی تھی جب اسکے پاس رکھے فون پر رنگ ٹون ہوئی۔ اس نے فون پکڑا۔

کوئی ان ناون نمبر تھا۔ چند لمحوں کے لیے فون کو دیکھنے کے بعد اس نے کال کاٹ دی اور پھر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔

کچھ دیر بعد پھر اسی نمبر پر کال آنا شروع ہو گئی۔

اس نے کچھ حیرت سے فون کی جانب دیکھا

"کسی سٹوڈنٹ کے پیرنٹ کا نمبر نا ہو" اس نے یہ سوچتے ہوئے کال اٹھائی اور فون کان سے لگایا۔البتہ بولی کچھ نہیں۔

"السلام علیکم زائشہ مراد" مقابل گھمبیر بھاری آواز میں بولا۔وہ جو کوئی بھی تھا اسکی آواز بہت دلکش تھی۔

"کون"

اس کی آواز میں حیرت تھی۔

کسی لڑکے کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ بہت حیران ہوئی تھی۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے زائشہ مراد" وہ اسکے سوال کو اگنور کرتا اپنی سحر انگیز آواز میں بولا

"کون ہو"

اب کی بار اس کی آواز میں ڈر تھا۔کیسے جانتا تھا وہ اسکے بارے میں۔اور اتنے دوستانہ انداز میں بات کیوں کر رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تم جانتی ہو مجھے"

زائشہ کو لگا وہ مسکرا رہا تھا۔اس نے فوراً سے کال کاٹ دی۔

اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ایک بار پھر فون پر رنگ ٹون ہوئی۔اسی نمبر سے کال آرہی تھی۔اس کی ہمت ہی نا ہوئی کال ریسیو کرنے کی۔

فون بجتا خود بخود بند ہو گیا۔وہ خاموش بیٹھی سکرین کو دیکھتی رہی۔

کچھ دیر بعد میسج کی رنگ ٹون بجی تو اس نے فون اٹھایا

"کال کر رہا ہوں ریسیو کرو۔ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی"

اسکا دھمکی آمیز انداز دیکھ کر اب سہی معنوں میں زائشہ کو روح فنا ہوئی تھی۔

"نہیں نہیں زائشہ تمہیں ڈرنا نہیں۔مجھے معلوم کرنا ہے یہ کون ہے"

فون پر آتی کال کو دیکھ کر اس نے خود کو حوصلہ دیتے کہا اور کال اٹھالی

"ہم تو کہاں تھے ہم..........!

ہاں تو کیسی ہیں آپ زائشہ مراد"

"کون ہو تم"

"کہا تو ہے تم جانتی ہو مجھے"

"میں نہیں جانتی"

"تم ہی تو جانتی ہو" آواز ہلکی تھی پر زائشہ کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

"اوئے مسٹر میری بات سنو۔ میں نے آج تک فون پر تو دور کبھی آمنے سامنے بھی کسی لڑکے سے بات نہیں کی۔ تم کہاں سے میرے جاننے والے نکل آئے"

اسکی باتوں پر زائشہ کو ایک دم سے غصہ آگیا۔

"میں نے کب کہا کہ آپ کی میرے ساتھ دوستی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے جانتی ہیں۔ لفظوں پر غور کیا کریں زائشہ مراد"

کبھی تم تو کبھی آپ..... مقابل پتا نہیں کیا چاہ رہا تھا۔

"ایک ہی مطلب ہے"

"ایک ہی مطلب نہیں ہے"

"تم کون ہو اور میرا نمبر کیسے ملا تمہیں"

"میں کون ہوں یہ تو میں بتا ہی دوں گا پر مجھے نمبر کیسے ملا یہ تو مت ہی پوچھیں کیونکہ آج کل کے زمانے میں یہ مشکل نہیں۔ میں تو آپ کا پورا بائیوڈیٹا جانتا ہوں"

"کیسا بائیوڈیٹا"

زائشہ کو اپنی آواز کانپتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یہ بات اسکی توقع کے برخلاف تھی۔

"کیسا بائیوڈیٹا؟............اوکے۔

زائشہ مراد عمر بائیس سال۔ گورنمنٹ کالج سے ایم سے کر رہی ہیں۔ باپ کا نام طالب مراد اور ماں کا نام سیرت مراد۔ دو چھوٹے بھائی ہیں حسیب اور جنید۔ سٹار اکیڈمی میں آپ ٹیوشنز بھی دیتی ہیں اور آپ کا ایڈریس"

وہ اسکا ایڈریس بتا رہا تھا۔ اور زائشہ کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ صاف ظاہر تھی۔

"کون ہو تم پلیز بتاؤ مجھے"

آواز رندھ گئی تھی۔

شاید مقابل کو بھی اس پر ترس آگیا تھا اسی لیے مسکراتی ہوئی آواز میں بولا

"میں..............."

وہ خاموش ہو گیا۔

تقریباً دس سیکنڈ کے وقفے کے بعد فون کے اسپیکر میں سے اسکی آواز ابھری۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں غازی ہوں۔ فاروق حیدر کا بیٹا غازی"

زائشہ کو لگا اسکے ارد گرد موجود ہر چیز تھم گئی ہے۔ اسے اپنے اطراف میں جھکڑ چلتے محسوس ہوئے۔ وقت دس سال پیچھے چلا گیا تھا۔

وہ غازی کے ساتھ اس سفید ماربل کے فوارے کے کنارے بیٹھی ہے۔

وہ غازی کے ساتھ سکول کے بینچ پر بیٹھی اس سے کلاس کے بچوں کی شکایتیں لگا رہی ہے۔

اسکی بر تھڈے پر اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا کارڈ دے رہی ہے اور غازی اسکا شکریہ ادا کر رہا ہے۔

وہ سوچ کے دھاروں میں بہتی چلی جارہی تھی۔ماضی کسی فلم کی طرح اسکی آنکھوں کے سامنے چل رہا تھا۔

وہ اس وقت اپنے کمرے میں،اپنے بستر پر کتابیں پھیلائے

فون کان سے لگائے بیٹھی ہے اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

دفعتاً غازی کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس لائی

"تم نے چھپنے کی بہت کوشش کی زائشہ پر دیکھو میں نے بھی تمہیں ڈھونڈھ نکالا۔

آفٹر آل میں غازی ہوں۔زائشہ مراد کا اکلوتا اور واحد دوست "وہ یقیناً مسکرا رہا تھا۔

"پھر بات ہو گی

خدا حافظ "

اور کال کٹ گئی۔زائشہ نے دھیرے سے فون اپنی گود میں پھینکا اور سر ہاتھوں میں گرادیا۔

سامنے رکھی کتاب دھندلی ہوتی گئی اور پھر اس پر موتی کے سے قطرے ظاہر ہونے لگے۔

صاف شفاف نمکین پانی سے بنے موتی۔

زائشہ رونے لگی۔ہچکیوں سے رونے لگی۔

ہائے یہ ماضی اور ماضی کے دیے یہ ناسور۔

وہ اپنی ماضی سے جتنی خوفزدہ تھی...اس کا مستقبل اسے مزید ڈرا رہا تھا۔

غازی اس طرح اسکی زندگی میں لوٹے گا اس کے فرشتوں نے بھی نہیں سوچا تھا۔

****

گرم گرم پراٹھوں کی خوشبو پورے کچن میں پھیلی ہوئی تھی۔زائشہ کچن میں بچھی چٹائی پر بیٹھی تھی۔ساتھ حسیب اور جنید بھی موجود تھے۔سیرت مراد چولہے کے پاس کھڑی گرم گرم پراٹھے بنا کر انہیں دے رہی تھیں۔

"اچھا اماں اب ہم جا رہے ہیں"حسیب اور جنید اٹھے اور باہر کی جانب بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد دونوں کندھوں پر بیگ پہنے کچن میں آئے اور سیرت مراد سے مل کر سلام کہتے باہر چلے گئے۔

"یہ لو تمہارا پراٹھا"سیرت مراد نے پلیٹ اسکے سامنے رکھی اور واپس چولہے کی جانب بڑھ گئی۔

"کیا ہوا کھانا کیوں نہیں کھا رہی" زائشہ کا کھانا اس کے سامنے ویسے ہی رکھا دیکھ کر سیرت مراد نے ذرا سختی سے بولا۔

اس کے کالج کا ٹائم ختم ہونے میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے اور پھر اس نے آخر میں دوڑتے ہوئے سب کام کرنے تھے۔

"اماں" اس نے گہرے سوچ میں ڈوبے ہوئے انہیں پکارا

"فاروق انکل لوگ کہاں ہو گیں"

اسکی بات سن کر توے پر پراٹھا پلٹتا سیرت مراد کا ہاتھ ایک پل کے لیے تھما۔

"پتا نہیں"

"انہوں نے ہمیں ڈھونڈا ہو گا؟"

"شاید"

"اگر وہ کبھی واپس آ گئے۔ ہم سے ملنے تو آپ کیا کریں گی"

سیرت مراد نے پراٹھا اتار کر پلیٹ میں رکھا اور اسکے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"وہ اب شاید کبھی نا آئیں"

"کیوں"

"میرے خیال میں وہ اس ملک میں نہیں ہوتے"

"لیکن پھر بھی امی آپ ایک منٹ کے لیے سوچیں تو اگر وہ کبھی ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہمارے دروازے پر آ گئے تو آپ کیا کریں گیں؟"

"میں.........میں کیا کروں گی۔ان سے مل لوں گی"

وہ ذرا ٹھہر کر سوچ کر بولیں۔

"آپ سب کچھ بھول جائیں گیں"

زائشہ کا چہرہ پل میں سپاٹ ہوا تھا۔جہاں کچھ دیر پہے فکر مندی تھی اب سختی تھی۔

"زائشہ میں نے تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا کہ اس سب میں ان کا قصور نہیں تھا۔ظلم ان کے ساتھ بھی ہوا تھا۔صرف ہم ہی نشانہ نہیں بنے

تھے۔انہوں نے بھی اپنی بیٹی کو کھویا تھا اور فاروق بھائی وہ تو کومہ میں چلے گئے تھے"

"مجھے نہیں پتا میں بس اتنا جانتی ہوں کہ ہمارے خاندان کو تباہ کرنے والا شخص فاروق حیدر کا دشمن تھا اور اس نے انہی سے بدلا لینے کے لیے بابا کو مارا تھا"

"تم غلط سوچ رہی ہو"

"میں ٹھیک سوچ رہی ہوں امی"

"زائشہ تمہارے بابا انہیں اپنے بھائی کا درجہ دیتے تھے اور وہ ان کے پرسنل سیکرٹری اور مینیجر بھی تھے۔ان کا فرض تھا فاروق حیدر کی مدد کرنا۔وہ چاہتے تو ہر کام سے انکار کر سکتے تھے پر انہوں نے نہیں کیا۔تم اپنے بابا کی قربانی کا یہ صلہ دو گی۔جن لوگوں کے لیے تمہارے بابا نے اپنی جان کی پرواہ نا کی تم ان کے لیے اپنے دل میں اس قدر نفرت پال کر بیٹھی ہوں"

"امی سارا دکھ ہی اس بات کا ہے کہ بابا نے ان کی پرواہ کی ہماری نہیں کی"

وہ تلخی سے کہہ کر چہرہ موڑ کر کھانا کھانے لگی۔

سیرت مراد نے ایک برہم اور بے بس نظر اس پر ڈالی

"زائشہ زائشہ میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں کہ....."

ان کی بات کاٹ کر زائشہ ذرا بلند آواز میں بولی

"رہنے دیں امی مت سمجھائیں مجھے۔میں ایسا کچھ نہیں سمجھنا چاہتی جو مجھے اس بات پر مجبور کرے کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جن سے میں نے ہمیشہ نفرت کی ہے"

اس کی باتیں سیرت مراد کو غصہ دلا گئی پر انہوں نے اس وقت خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی کیونکہ وہ زائشہ کی ذہنی کیفیت سے بہت اچھی طرح آگاہ تھیں۔

جب بھی ان دونوں کے درمیان طالب مراد کا ذکر ہوتا تھا زائشہ کئی دن تک ڈسٹرب رہتی تھی۔وہ اپنی کوئی بات سیرت مراد سے شئیر نہیں کرتی

تھی۔ کبھی کبھی جب وہ بہت زیادہ ذہنی تکلیف میں ہوتی تو تنگ آ کر ان سے لڑتی یا طالب مراد کا ذکر چھیڑ کر فاروق حیدر کو برا بھلا کہتی۔

وہ شاید فاروق حیدر اور ان کے خاندان سے نفرت بھی اپنی ذہنی تسکین کے لیے کر رہی تھی۔ وہ خود کو یہ جواز پیش کر کے مطمئن کر رہی تھی کہ اسکے باپ کو فاروق حیدر کی وجہ سے مارا گیا تھا۔

اس کے باپ کا قتل ہوا تھا یہ بات اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔

"تم کیوں پوچھ رہی تھی یہ سب"

اچانک سے سیرت مراد کے پوچھنے پر وہ سٹپٹا گئی۔

"ایسے ہی"

سیرت مراد نے کچھ مشکوک نظروں سے کھانا کھاتی زائشہ کو دیکھا۔ وہ مہینے میں ایک دفعہ تقریباً فاروق حیدر اور ان کے خاندان کا ذکر کرتی تھیں لیکن کبھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ واپس آئیں گے یا نہیں پر اب وہ فلحال اس سے پوچھ کر اسکا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

صبح کے نو بج رہے تھے۔آج دیان کا پہلا لیکچر فری تھا اسی لیے وہ ذرا لیٹ جا رہا تھا۔

بلیک جینز پر چیک شرٹ پہنے، بازو کہنیوں تک موڑے وہ انگلی میں گاڑی کی چابی گھماتا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔وائٹ سنیکرز پہنے کندھے پر بیگ لٹکائے وہ بالکل یونیورسٹی کے لحاظ سے ڈریس اپ ہوا تھا۔

فاروق حیدر لاونج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔اسے سیڑھیاں اترتا دیکھ کر انہوں نے اپنی عینک اتاری اور اخبار ٹیبل پر رکھا۔

"دیان بیٹا بات سنو"

وہ کچن کی طرف جا رہا تھا جب فاروق حیدر کی بات سن کر ان کے پاس آیا۔

"جی ڈیڈ"

"بیٹھو"

دیان ان کے سامنے موجود صوفے پر ٹک گیا۔

"کتنے بجے تک آؤ گے تم"

"بارہ بجے تک فری ہو جاوں گا"

"ہم تو وہاں سے سیدھا ائیر پورٹ چلے جانا۔ایک بجے کی فلائیٹ ہے ان کی"

"اوکے"

"ارسل بھی جائے گا ساتھ"

"ایسا ہو سکتا ہے وہ نا جائے"

وہ مسکراتے ہوئے بولا تو فاروق حیدر بھی ہنس دیا۔

"اور جس طرح مام صبح صبح کچن میں گھس گئی ہیں اگر میں اسے اپنے ساتھ نالا یا تو وہ مجھے ساری زندگی معاف نہیں کرے گا"

"ہاہاہا مطلب آج ایک بار پھر ہمارے گھر جنگ عظیم ہو گی"

"بالکل صوفیہ بھی آرہی ہے اور جہاں صوفیہ ہو ارسل اسے بخش دے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا"

"بالکل" فاروق حیدر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"کیا ہوا خیریت ہے، کس بات پر ہنسا جارہا ہے"

بتول حیدر کچن سے باہر آتے ہوئے بولیں

"کچھ نہیں بس ارسل اور صوفیہ کی باتیں کر رہے تھے

"اچھا دیان بیٹا ٹائم سے چلے جانا ائیر پورٹ"

"جی مام چلا جاؤں گا ویسے آج تو لگ رہا کافی اہتمام ہو رہا ہے دعوت کا"

"اور نہیں تو کیا عمرے سے واپس آرہے ہیں وہ لوگ دعوت تو ہو گی"

"جی بالکل.... اچھا آپ نے ناشتہ بنایا"

"ہاں آؤ کچن میں دیتی ہوں"

"یہی لادیں" وہ سستی سے بولتا صوفے کے سامنے رکھے ٹیبل پر پاؤں لمبے کر کے بیٹھ گیا۔

"دیان پاؤں نیچے کرو" اس کے پاؤں رکھنے پر وہ فوراً غصے سے بولیں۔

"مام......." دیان احتجاجاً چلایا۔

فاروق حیدر اس کی حرکتیں دیکھ کر مسکرا دیے۔ وہ کبھی کبھی بالکل بچہ بن جاتا تھا۔

"کر رہا ہوں نیچے" بتول حیدر کے گھورنے پر وہ منہ بسورتا پاؤں نیچے کر گیا پر جیسے ہی وہ لاونج سے نکل کر کچن میں گئی پھر سے ویسے ہی بیٹھ گیا۔

"باز مت آنا تم" فاروق حیدر کے کہنے پر وہ مسکراتے ہوئے کندھے اچکا کر موبائل دیکھنے لگا۔

****

جولائی کا مہینہ ختم ہو چکا تھا اور اگست کے شروع کے دن تھے۔ گرمی کی شدت ابھی بھی ویسے ہی تھی۔ زائشہ کے کالج میں چھٹی کا وقت تھا۔

ایک عرصے سے اسے گرمیوں کی چھٹیاں ملنا بند ہو گئی تھی اور اب شدید گرمی ہو یا سردی وہ کالج آتی تھی۔

کسی سیلاب کی طرح لڑکیاں کالج کے گیٹ سے باہر آرہی تھیں۔ گاڑیوں اور ویگنوں کا ایک جم غفیر تھا۔

وہ رش میں سے دھکے کھاتے جیسے تیسے باہر آئی۔ پسینے سے اس کا سارا چہرہ بھیگ چکا تھا۔ دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے اسنے ہاتھ کا چھجا بنا کر ارد گرد دیکھا۔ ذینب کو کالج سے لینے اور چھوڑنے اسکا بھائی آتا تھا۔ زائشہ روز رکشے پر جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ارد گرد نظریں دوڑاتی کسی رکشے کو تلاش کر رہی تھی۔

لیکن کالج کے سامنے صرف وہی گاڑیاں ہوتی تھیں جو لڑکیوں کو پک کرنے آتی تھیں اور رکشہ کے لیے اسے تھوڑا آگے جانا تھا۔

ہاتھوں میں رجسٹر تھامے وہ چہرہ جھکائے آگے بڑھ گئی۔

"زائشہ"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چلتی جا رہی تھی جب اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی۔

وہ حیرت سے پلٹی۔اسکی حیرانی کی وجہ وہ مردانہ آواز تھی جس نے اسکا نام پکارا تھا۔

پیچھے پلٹنے پر وہ پکارنے والے کو دیکھ چکی تھی۔وہ جمیل تھا۔

سادا سے کپڑوں میں ملبوس وہ آنکھیں چندھیائے اسکی جانب دیکھ رہا تھا۔

زائشہ کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

"اس قدر گرا ہوا انسان ہے یہ میرے کالج بھی پہنچ گیا" وہ بس سوچ کر رہ گئی۔

زائشہ جواب دیے بغیر پلٹ گئی جب وہ اسے دوبارہ سے پکارتا ہوا اسکے ساتھ چلنے لگا۔زائشہ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ بول پڑا اور اسکے منہ سے ادا ہونے والے لفظ زائشہ کے پاؤں سے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھی۔

"میری بات سنیں آپ کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ان کا بی پی بہت لو ہو گیا تھا۔ہاسپٹل میں ہیں وہ"

اسکی بات سن کر وہ فوراً سے پلٹی۔چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا

"کیا ہوا امی کو"

"ان کا بی پی لو ہو گیا تھا۔ہاسپٹل میں ہیں آپ کو لینے کے لیے بھیجا ہے"

"پر کیسے ہوا یہ سب صبح تک تو وہ ٹھیک تھیں"

اسکی آنکھیں پل میں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ اسکی ماں گھر میں اکیلی تھی جب ان کی حالت خراب ہوئی۔ناجانے کیسے انہوں نے جمیل سے رابطہ کیا ہو گا اور طبیعت اتنی خراب تھی کہ انہیں ہاسپٹل لے کر جانا پڑ گیا۔

"پتا نہیں آپ چلیں میرے ساتھ"

اس کے اشارے کرنے پر زائشہ اسکے ساتھ چلنے لگی۔

اسکا دماغ کام کرنا بند کر چکا تھا۔

آنسو چہرہ بھگو رہے تھے۔رش کا خیال کرتے ہوئے اسنے ہاتھ بڑھا کر اپنے چہرہ صاف کیا۔

وہ سر جھکائے جمیل کی قیادت میں چل رہی تھی جب ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے دماغ میں کوندا

"کہیں امی نے میری باتوں کی ٹینشن تو نہیں لے لی یا..........یا پھر کہیں غازی نے امی سے کوئی رابطہ تو نہیں کیا؟"

وہ چلتے چلتے رک گئی۔

"کیا ہوا؟" جمیل نے رک کر اسے پکارا۔

"کیسے جائیں گے ہاسپٹل"

جمیل کے پکارنے پر وہ اپنی سوچوں سے باہر آئی۔

"میں گاڑی لایا ہوں وہ کھڑی ہے"

جمیل نے چند قدم دور کھڑی گاڑی کی جانب اشارہ کیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گاڑی کے پاس سے پہنچ کر اس نے زائشہ کے لیے دروازہ کھولا تو وہ فوراً سے بیٹھ گئی۔ جمیل دوسری طرف آ کر بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔زائشہ دروازے کے ساتھ چپک کر بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں غرق تھی۔

"زائشہ.......زائشہ"

جمیل نے ذرا چلا کر اسے پکارا تو وہ فوراً سے متوجہ ہوئی۔

"جی"

"کہاں گم ہیں آپ"

"کہیں نہیں"

"ہمم.......آپ کی امی کو کوئی ذہنی پریشانی تھی"

زائشہ نے ایک لمحے کے لیے اپنی اور سیرت مراد کی صبح کی گفتگو کے بارے میں سوچا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں"

"انہیں پہلے بھی مسئلہ تھا بی پی کا؟"

"جی کبھی کبھی لو ہو جاتا تھا"

وہ جواب دے کر چہرہ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی میں ایک بار پھر سے خاموشی چھا گئی۔

کچھ منٹ گزرنے کے بعد جمیل نے ایک عالیشان ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی۔

گاڑی رکنے پر زائشہ سامنے سڑک کی جانب متوجہ ہوئی پر یہ دیکھ کر اسکی حیرت کی انتہا نا رہی کہ وہاں کسی ہاسپٹل کا نام و نشان نہیں تھا۔ بس ایک ہوٹل کی بڑی سی پارکنگ تھی۔

اسنے حیرت سے جمیل کی طرف دیکھا

"کون سی جگہ ہے یہ"

پر جمیل نے کوئی جواب نہ دیا۔

آرام سے گاڑی بند کر کے پھر اسکی جانب متوجہ ہوا

"کیا مطلب"

"ہاسپٹل کہاں ہے۔ہم توامی کے پاس جا رہے تھے"

"میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا"

"کیسا جھوٹ"

"یہی کہ سیرت آنٹی کی طبیعت خراب ہوئی تھی اور یہ کہ ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔وہ بالکل ٹھیک ہیں اور یقیناًاس وقت اپنے گھر میں ہوں گی"

اور یہاں آکر زائشہ کو احساس ہوا تھا کہ وہ ایک انجان مرد کے ساتھ انجان جگہ پر اسکی ہی گاڑی میں بیٹھی ہے۔ایک سرد لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔

کتنی بڑی غلطی کر بیٹھی تھی وہ۔

وہ اتنی بیوقوف کیسے ہو سکتی ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کی گاڑی میں بیٹھ جائے پر جمیل نے جھوٹ ہی ایسا بولا تھا کہ زائشہ کچھ سوچ ہی نا سکی۔

وہ فوراً اُسے دروازے کی جانب پلٹی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولنا چاہا پر یہ دیکھ کر اسکے ہاتھ کانپ اٹھے کہ گاڑی لاک تھی۔

اس نے دو تین دفعہ کوشش کی مگر بے سود۔

"یہ کھل کیوں نہیں رہا"

خود پر جمیل کی مسکراتی نظریں محسوس کر کے اسکا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"کیونکہ یہ لاکڈ ہے"

"کھولو اسے مجھے گھر جانا ہے"

جمیل سٹیرئینگ پر کہنی جما کر اسپر سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

"اچھا اور آپ کو کیا لگتا ہے آپ کے کہنے پر میں یہ کھول دوں گا"

مجھے کیوں لائے ہو یہاں کیا چاہتے ہو"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ چلائی۔اب وہ رو دینے کو تھی۔خوف کے مارے اسکے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

"بس کچھ سوالوں کے جواب چاہیے تھے"

"کیسے سوال"

"بتاتا ہوں بتاتا ہوں اتنی بھی کیا جلدی ہے"

وہ فرصت سے زائشہ کو دیکھ رہا تھا اور زائشہ کو اسکی نظریں اپنے اندر تک گڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"یا اللہ پاک پلیز مجھے اس انسان سے بچا لے۔میری عزت کی حفاظت کرنا" وہ آنکھیں بند کیے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"فکر نہیں کرو کچھ غلط نہیں کروں گا تمہارے ساتھ۔

بس مجھے میرے سوالوں کے جواب دے دو پھر چلی جانا"

وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"کیسے سوال" وہ چونکی

"رشتے سے انکار کیوں کیا تھا"

وہ اسکی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے پوچھ رہا تھا۔

زائشہ کو لگا اگر وہ کچھ دیر اور اسکی گاڑی میں رہی تو اسکے ہاتھ پاؤں کام کرنا چھوڑ دیں گے۔اسکا جسم اس قدر شدت سے کانپ رہا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان اور ارسل دونوں ائیر پورٹ کے باہر کھڑے تھے۔لوگوں کا ایک جم غفیر ان کے ارد گرد سے گزر رہا تھا۔

دیان صبح والے کپڑوں میں ہی ملبوس تھا جبکہ ارسل کی ڈریسنگ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"یہ تو کس کے ماے کی بارات پر آیا ہے جو اتنا تیار ہوا ہے"

دیان نے اسکے کوٹ پر چوٹ کرتے کہا۔

ارسل نے بلو جینز پر وائٹ ٹی شرٹ اور اوپر بلو کوٹ پہنا ہوا تھا۔ بالوں کو جیل سے سیٹ کیے وہ ارد گرد موجود لوگوں کو متوجہ کرنے کا پورا انتظام کر کے آیا تھا۔

"بس یار کبھی کبھی مجبوری ہوتی ہے۔ کرنا پڑتا ہے"

ارسل نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ دیان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ اپنی چھپ دکھلا کر غائب ہو گئی۔

"تمہاری مجبوری بہت اچھے سے سمجھ آ رہی ہے مجھے"

دیان کے کہنے پر ارسل چہرہ نیچے کی جانب کر کے مسکرا دیا۔

"سدھر جا تو"

ایک زبردست گھوری سے ارسل کو نواز کر وہ سامنے کی جانب متوجہ ہوا جہاں مختلف مسافر اپنے اپنے سامان کی ٹرالیاں پکڑے ویٹنگ ایریا سے باہر آ رہے تھے۔ جہاں ان کے عزیز و اقارب ان کا انتظار کر رہے تھے۔

دیان کی متلاشی جبکہ ارسل کی بے چین نگاہیں سامنے موجود ہجوم پر ٹکی تھیں۔

"یار کدھر رہ گئے یہ"

ارسل نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔دیان بھی حیرانگی سے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔فلائٹ لینڈ ہو گئی تھی تو وہ سب کہاں تھے۔

"دیان بھائی"

اچانک سے دیان کو اپنے پہلو میں ایک چہکتی ہوئی آواز آئی۔وہ مسکراتا ہوا پیچھے کی جانب مڑا۔

صوفیہ سامنے بلیک عبایہ پہنے کھڑی تھی۔بلیک حجاب میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔بڑی بڑی کالی گہری آنکھیں دیان کی جانب متوجہ تھیں۔گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"صوفی....."دیان نے اپنا دائیاں بازو اسکی جانب بڑھایا تو وہ فوراً اس کے سینے سے لگ گئی۔

"ویلکم ہوم بھائی کی جان" وہ اسکا سر چومتے بولا۔

"بھائی مام ڈیڈ" صوفیہ نے سامنے گیٹ سے آتے حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کی طرف اشارہ کیا۔

"السلام علیکم" صوفیہ کو گلے لگائے اس نے حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کو سلام کیا جو سامنے سے آرہے تھے۔

"وعلیکم السلام کیسا ہے میرا بیٹا" حامد جہانگیر نے فوراً سے اسے گلے لگایا۔

"بہت بہت مبارک ہو انکل"

"خیر مبارک بیٹا"

"مبارک ہو آنٹی" اب وہ ثمینہ جہانگیر کی جانب متوجہ ہوا۔

"بہت شکریہ بیٹا" انہوں نے اسکے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

"بھائی میں بھی ہو یہاں پر" ان سب کا پیار دیکھتے ارسل نے دہائی دی۔ وہ سب اسکو اگنور کیے آپس میں مصروف تھے۔

"آپ کون؟" صوفیہ نے ابرو اچکا کر حیرانگی سے پوچھا۔

"تمہیں تو میں گھر جا کر بتاؤں گا کون ہوں میں"

اس نے مصنوعی غصے سے کہا تو صوفیہ آنکھیں گھما کر سر جھٹک گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو انکل آنٹی" صوفیہ کو اگنور کرتے اب وہ حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر سے بولا۔

"بہت شکریہ بیٹا" وہ دونوں بیک وقت بولو۔

"اب چلیں بھی مجھے بھوک لگی ہے" ارسل کو توجہ ملتے دیکھ کر صوفیہ نے بے چارگی سے کہا۔

"تمہیں انہوں نے فلائٹ میں کھانا نہیں دیا"

"نہیں انہوں نے کہا تھا پاکستان میں ایک ارسل نامی شخص ہے جا کر اسکا دماغ کھانا"

"اوہ....اچھا وہ تو پھر تم بہت اچھے سے کھا رہی ہو" ارسل نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلایا۔

"اب یہاں مت شروع ہو جانا تم دونوں۔ ارد گرد کا لحاظ کر لیا کرو" حامد جہانگیر کے غصے سے کہنے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

دیان اور ارسل ان کے سامان کی ٹرالی کھینچتے پارکنگ ایریا کے جانب بڑھ گئے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حامد جہانگیر، ثمینہ جہانگیر اور صوفیہ ایک ماہ پہلے عمرہ کے لیے گئے تھے۔ صوفیہ حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کی بیٹی تھی۔ عرش کی جانے کے دو سال بعد جب دیان بارہ سال کا تھا انہوں نے صوفیہ کو اڈاپٹ کیا تھا۔ اس وقت اسکی عمر آٹھ سال تھی۔ عرش کو حامد جہانگیر اپنی جائیداد سے بے دخل کر چکے تھے۔ لیکن اسکے جانے کے بعد سے ثمینہ جہانگیر نارمل نہیں رہی تھی۔ ان کی طبیعت سنبھل کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ اور ڈاکٹرز

نے انہیں یہی مشورہ دیا تھا کہ کسی بھی طرح انہیں مصروف رکھا جائے۔تب انہوں نے صوفیہ کو اڈاپٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

صوفیہ کے انکی زندگی میں آنے سے جیسے ایک دم بہار آگئی تھی۔وہ فاروق حیدر اور دیان کی لاڈلی تھی۔اپنے ماں باپ سے زیادہ وہ فاروق حیدر کے گھر پائی جاتی تھی۔اور چونکہ شروع میں وہ سب فاروق حیدر کے گھر رہتے تھے اسی لیے ان کے اپنے گھر واپس آجانے کے بعد بھی صوفیہ کا وہاں بہت آنا جانا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ہفتہ کے دو دن اپنے گھر جبکہ بقایا دن فاروق حیدر کے گھر گزارتی تھی۔وہ صرف حامد جہانگیر کی ہی نہیں بلکہ فاروق حیدر کی بیٹی اور دیان غازی کی بہن بھی تھی۔

صوفیہ دیان سے چار سال چھوٹی تھی اور اسکے سگے ماں باپ کی ایک کار ایکسیڈنٹ میں موت ہوگئی تھی۔اسکے ماں باپ کا تعلق ایک مڈل کلاس فیملی سے تھا۔اس کے بعد سے وہ ایک یتیم خانے میں رہ رہی تھی۔

صوفیہ اور ارسل کی چھوٹی بہن مسکان دونوں ہم عمر تھیں اور ایک ہی یونیورسٹی میں ایک ہی کلاس میں پڑھ رہی تھیں۔

****

"دیان بھائی آپ کو بھی ہمارے ساتھ آنا چاہیے تھا" صوفیہ فرنٹ سیٹ پر دیان کے بغل میں بیٹھی تھی۔ ارسل حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کے ساتھ پیچھے بیٹھا تھا اور اسکا موڈ کافی آف تھا۔ وجہ ابھی سب کے سامنے تازہ تازہ ہونے والی بے عزتی تھی اور کرنے والی بھی اس سے چار سال چھوٹی تھی۔

صوفیہ جہانگیر

وہ کار میں بیٹھنے لگا تھا جب صوفیہ فوراً سے فرنٹ سیٹ کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کدھر"

"گاڑی میں بیٹھنا ہے مجھے ہٹو"

"فرنٹ سیٹ پر تو میں بیٹھوں گی"

وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"نہیں تو میں انکل آنٹی کے درمیان پھنس کر بیٹھوں؟"

"ہاں"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا"

"الحمدللہ" وہ اطمینان سے بولی

"صوفی پیچھے ہٹو مجھے بیٹھنا ہے"

"میرے بھائی کی گاڑی ہے میں ہی بیٹھوں گی"

"میرے دوست کی گاڑی ہے میں ہی بیٹھوں گا" وہ بھی دوبدو بولا

"کیا تکلیف ہے تم دونوں کو بیٹھ کیوں نہیں رہے"

دیان جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا جھنجھلاتے ہوئے باہر نکلا۔

صوفیہ بغیر کچھ بولے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ارسل ہونک بنا اسے دیکھتا رہا۔

"میں بھی فرنٹ سیٹ پر ہی بیٹھ کر جاؤں گا"وہ ضدی لہجے میں کہتا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"گود میں بیٹھ جاؤ میری"صوفیہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

وہ غصے میں ہمیشہ ارسل کو تم کہہ کر پکارتی تھی۔

اس کی بات سن کر ارسل ایک پل کے لیے سٹپٹا گیا پر اپنی ضد پر قائم رہا۔

"ارسل بیٹھو پیچھے"دیان نے تنبیہہ کرتے کہا۔

"میں نہیں بیٹھ رہا"

دیان نے غصے سے اسکی طرف دیکھا۔پارکنگ ایریا میں اتنی گاڑیاں تھیں اور یہ دونوں لڑنے سے پہلے ارد گرد موجود ماحول کا بالکل خیال نہیں رکھتے تھے۔

دیان نے صوفیہ کی جانب دیکھا۔وہ مطمئن سی بیٹھی تھی۔وہ دونوں کی ضد سے باخوبی آگاہ تھا۔دونوں میں سے کوئی بھی اپنے بات سے ہٹنے والا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے پھر کھڑے رہے یہاں پر"

وہ دروازہ کھول کر اپنی جگہ پر بیٹھا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

اسے گاڑی سٹارٹ کرتا دیکھ کرارسل نے ایک زوردار لات صوفیہ کی سیٹ کے دروازے پر ماری اور پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔

تب سے اب تک وہ بالکل خاموش تھی۔دیان نے اسے ایک دو دفعہ پکارنے کی کوشش کی تھی پر اسنے کوئی جواب نا دیا تھا۔تنگ آ کر دیان بھی خاموش ہو گیا تھا۔

"میری یونیورسٹی تھی بچے اور ویسے بھی مام ڈیڈ کے پاس بھی تو کسی کو رکنا تھا"

"تو وہ بھی چلتے نا" وہ ضدی انداز میں بولی

"صوفی بیٹا اب تو ہم آ گئے ہیں۔ پھر کبھی اکٹھے چلیں گے "

حامد جہانگیر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"انشاللہ ڈیڈ"

اور اسی طرح صوفیہ کی باتوں سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ لوگ گھر پہنچ گئے

جہاں فاروق حیدر ان کے استقبال میں کھڑے تھے۔

سب سے مل کر وہ لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

"دیان بیٹا بات سنو میری"

بتول حیدر نے اسے اشارے سے بلایا اور اٹھ کر باہر آ گئی۔

"جی مام" وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آیا۔

"بیٹا مجھے یاد ہیں نہیں رہا ڈیزرٹ منگوانا۔ صوفی کا فیورٹ ہے تم جا کر لے

آؤ"

"اچھا ماما میں لے آتا ہوں.....کچھ اور تو نہیں منگوانا"

"نہیں تم بس یہ لے آؤ"

دیان نے سر ہلا یا اور جیب میں چابی کی موجودگی کو یقینی بناتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔اس کا رخ اب شہر کے ایک مشہور ہوٹل کی جانب تھا جہاں سے اسے صوفیہ کا پسندیدہ ڈیزرٹ خریدنا تھا۔

****

"مجھے حق تھا انکار کرنے کا" جمیل کے سوال پر زائشہ اپنے ڈر پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

ایک چور نظر ارد گرد پر ڈالی۔لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔

"انکار کی وجہ"

"مجھے نہیں معلوم"

"اس طرح تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گا مس زائشہ "

"مجھے نہیں اچھے لگتے تم "اب کی بار وہ چلا کر بولی۔اسے جمیل پر کسی پاگل کا گمان ہو رہا تھا۔

"کیوں "

زائشہ نے ایک بے بس نظر اس پر ڈالی۔

"دیکھو یہ دروازہ کھولو مجھے جانا ہے "

"میں نے کہا تھا اپنے سوال کا جواب جانے بغیر میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا"

"کہا تو ہے نہیں اچھے لگتے مجھے تم اسی لیے انکار کیا ہے "

"تو کوئی اور اچھا لگتا ہے؟"

زائشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔منظر دھندلا گیا۔کہاں پھنس گئی تھی وہ۔اسنے آنکھیں جھپک کر ان آنسوؤں کو اپنے اندر اتارا۔

"میں تمہیں جواب دینے کی پابند نہیں "

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اوہ تو اس کا مطلب ہے واقعی کوئی اچھا لگتا تھا"

زائشہ ضبط سے اس کی بات سنتی ایک بار پھر سے دروازے کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

"مت کرو دروازے پر اتنا تشدد کرائے کی کار لے کر آیا ہوں صرف تمہارے لیے"

زائشہ نے کوئی کوئی جواب نا دیا اور یونہی چہرہ موڑے بیٹھی رہی۔

"اچھا یہ بتاؤ ہے کون وہ؟ کہیں وہی تو نہیں جو تمہیں چھوڑنے آتا ہے"

زائشہ نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا۔کس کی بات کر رہا تھا وہ۔

"ارے وہی کالی مرسڈیز والا......"وہ اسکی آنکھوں میں حیرت بھانپ گیا تھا۔

زائشہ کے دماغ میں جھماکہ ہوا۔وہ دیان کی بات کر رہا تھا۔وہ اس دن اسے چھوڑنے آیا تھا اور یقیناً جمیل نے اسے دیکھ لیا تھا۔

"ویسے وہ کافی امیر ہے شاید اسی لیے تم مجھے منہ نہیں لگا رہی

خیر تمہیں واقعی پسند ہے وہ یا ٹائم پاس کر رہی ہو۔اس کا بھی دیکھ لینا سیریس ہے کہ نہیں۔ایسا نا ہو تمہیں چونا لگا جائے" وہ اپنی ہی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

جمیل کو لے کر زائشہ کے اندازے بالکل درست ثابت ہوئے تھے۔اس نے اسے جیسا سوچا تھا وہ ویسا ہی نکلا تھا۔

گھٹیا اور غلیظ سوچ کا مالک۔

"بکواس بند کرو اپنی"

وہ ایک دم غصے سے چلا اٹھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اگلا جملہ بولتی جمیل کی طرف کے شیشے میں نظر آتے وجود کو دیکھ کر اسکا سانس تھم گیا۔جمیل کی شیشے کی جانب پشت تھی اسی لیے وہ آنے والے کو دیکھ نا سکا۔

پر جب اسنے شیشے پر دستک دی تو وہ پلٹا۔

اور شیشے کے اس پار دیان کو کھڑا دیکھ کر اسکا رنگ سفید پڑ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان صوفیہ کے لیے ڈیزرٹ پیک کروا کر پارکنگ ایریا میں اپنی کار کی طرف جا رہا تھا جب اسکی نظر ایک کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی زائشہ پر پڑی۔وہ ٹھٹھک کر رکا پر ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھ کر اسکو اپنا آپ انگاروں پر لوٹتا محسوس ہوا۔

جمیل ہنس رہا تھا اور زائشہ سرخ چہرہ لیے اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔اسنے جلدی سے اپنی کار میں جا کر پیک کیا سامان رکھا اور ان کی کار کی طرف آیا۔

وہ شیشے میں سے دیکھ سکتا تھا کہ زائشہ غصے میں کچھ چلا رہی تھی اور اسے دیکھتے ہی وہ خاموش ہو گئی۔اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا۔پر دیان اس طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔اس کی ساری توجہ فلحال جمیل پر مرکوز تھی۔

جمیل ہونک بنا دیان کو دیکھتا رہا جب دیان نے اسے انگلی سے شیشہ نیچے کرنے کا اشارہ دیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جمیل کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر ہاتھ بڑھا کر شیشہ نیچے کر دیا۔

"گاڑی کا دروازہ کھولو"

دیان کی سرد آواز زائشہ کے کانوں میں پڑی۔اسے ایک لہر سی اپنے جسم میں دوڑتی محسوس ہوئی۔وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

جمیل نے کسی روبوٹ کی طرح دیان کی بات پر عمل کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

دیان اسے اگنور کرتا گھوم کر زائشہ کے دروازے کے پاس آیا اور دروازہ کھول کر بولا

"باہر آؤ"

زائشہ نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا۔وہ سورج کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔روشنی اسکے اطراف سے نکل کر اسکی آنکھوں کو چندھیا رہی تھی۔

وہ خاموشی کے ساتھ گاڑی سے اتر گئی۔

"چلو"

ٹھاہ کی آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتے اس نے اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ دیا۔

"میں چلی...."

"گاڑی میں بیٹھو آکر"

زائشہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس نے سپاٹ سے انداز میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

چاروناچار زائشہ اسکے پیچھے چل دی۔

یہ کون سی جگہ تھی اسے معلوم نا تھا۔اور اسکے پاس رکشہ کا کرایہ بھی بہت کم تھا اور نا جانے وہ اس وقت گھر سے کتنا دور تھی۔اس کے پاس کوئی آپشن نہیں تھا۔

وہ گاڑی کے پاس پہنچی تو دیان اسکے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ گھوم کر دوسری طرف آیا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ چہرہ جھکائے خاموش سی بیٹھی تھی۔بار بار آنکھوں میں آنسو آرہے تھے جنہیں وہ بہت مشکل کے ساتھ بہنے سے روک رہی تھی۔

اگر آج دیان نا آتا تو اسکی بیوقوفی اسے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی۔

اسکے جھکے چہرے کے سامنے اچانک سے پانی کی ایک بوتل آئی۔اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔

دیان سامنے سڑک پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

"پانی"

خود پر اسکی نظریں محسوس کرتا وہ بولا پر چہرہ موڑ کر اسکی جانب نا دیکھا۔

زائشہ نے وہ بوتل تھام لی اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگی۔اسے واقعی اس وقت بہت پیاس لگی تھی۔پر بے دھیانی میں وہ اس بات پر غور ہی نا کر سکی کہ بوتل آدھی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آ کر غائب ہو گئی۔ فاتحانہ تاثرات لیے وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد دیان نے گلی کے کونے پر گاڑی روکی۔ زائشہ نے سامنے گلی کو دیکھا جو اس وقت بالکل خالی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کوئی اسے دیان کی گاڑی سے اترتا دیکھتا تو یقیناً بہت مسئلہ ہو جاتا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان اب بھی خاموش بیٹھا تھا۔

"وہ جھوٹ بول کر مجھے اپنے ساتھ لے کر گیا۔ کہہ رہا تھا کہ امی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے وہ ہاسپٹل میں ہیں۔ وہ میرا ہمسایہ ہے اسی لیے مجھے اس کی بات پر یقین آ گیا"

وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔

لیکن دیان کو بہت حیرت ہوئی۔وہ وضاحت دے رہی تھی۔کیوں دے رہی تھی۔دیان نے تو اس سے کوئی وضاحت مانگی ہی نہیں تھی۔نا کوئی سوال کیا تھا نا ہی کوئی طنز........پھر یہ سب۔

وہ خاموشی کے ساتھ گاڑی سے اتر کر چلی جاتی وہ تب بھی اس کے بارے میں کچھ نا سوچتا پر وہ وضاحت دے رہی تھی۔اس سے اپنی بات شئیر کر رہی تھی۔اسکو اپنے ارد گرد تتلیاں منڈلاتی محسوس ہوئی۔وہ پل میں بہت خوش نظر آنے لگا۔

"میں آپ کو بس اس لیے سب بتا رہی ہوں تاکہ آپ میرے بارے میں کچھ غلط نا سوچیں"

اور زائشہ کا جملہ سن کر خوش فہمی کا وہ پہاڑ دھڑام سے زمین بوس ہو گیا۔

ایک جملہ صرف ایک جملے نے ارد گرد منڈلاتی خوبصورت تتلیوں کا بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔

"وہ اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔اور تم ایویں خوش فہمی کے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے"

وہ بس سوچ کر رہ گیا۔

"تمہیں وضاحت دینے کی ضرورت نہیں۔مجھے بھروسہ ہے تم پر۔جاو تمہاری امی انتظار کر رہی ہوں گی"

دیان کی بات سن کر زائشہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

وہ کیوں اس قدر دوستانہ انداز میں بات کرتا تھا۔وہ کیوں اس طرح بات کرتا تھا کہ زائشہ کا دل چاہتا تھا کہ اپنے دل میں موجود تمام راز اس پر آشکار کر دے۔اسے سب کچھ بتا کر اپنا دل ہلکا کر دے۔

"شکریہ"

وہ شکریہ ادا کرتی سر جھٹک کر گاڑی سے اتر گئی۔اس کا دماغ ابھی تک دیان کے کہے جملے میں اٹکا ہوا تھا۔

جب تک وہ دروازے سے اندر داخل نا ہو گئی دیان اسے دیکھتا رہا۔

پھر اپنا موبائل نکال کر اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور چٹانوں کی سی سختی تھی.

****

"اتنی دیر کہاں لگا دی"

دروازہ کھولتے ہی سیرت مراد نے اس سے پوچھا۔

وہ صحن میں رکھی چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔

"پانی پلا دو اماں آتے ہی سوال جواب شروع کر دیے"

حسیب اور جنید پاس ہی زمین پر بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔

سیرت مراد کچن میں پانی لینے چلی گئیں تو اس نے چادر اتار کر اپنے پاس رکھ دی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ لو"

سیرت مراد نے پانی اسکی جانب بڑھایا جسے وہ گٹاگٹ ایک ہی سانس میں پی گئی۔

"بتاؤ کیوں ہو گئی دیر"

"اماں میری بات سن لیں یہ دونوں اب اس جمیل کے پاس ٹیوشن پڑھنے نہیں جائیں گے"

اس نے گیم کھیلتے حسیب اور جنید کی جانب اشارہ کیا۔ زائشہ کی بات سن کر وہ گیم چھوڑ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"پر کیوں آپی"

"بس میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا ایک لفظ نہیں سنوں گی میں اب"

"کوئی وجہ بھی تو بتائیں۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر رزلٹ اچھا نا آیا پھر ہی آپ ہمیں جانے سے روکے گیں پر رزلٹ تو ٹھیک ہے"

"میں نے کہہ دیا نا حسیب کہ تم لوگ نہیں جا رہے تو بس نہیں جا رہے۔ کوئی بحث نہیں ہوگی اس بات پر اب"

وہ شدید غصے سے بولی تو حسیب پیر پٹختا کمرے میں چلا گیا۔ جنید نے بھی لڈو اٹھائی اور حسیب کے پیچھے چل دیا۔

"کیا ہوا زائشہ "

وہ غصے میں تھی۔ اسی لیے سیرت مراد نے آرام سے پوچھا۔

وہ بنا کسی بات پر غصہ نہیں کرتی تھی۔ اپنے بھائیوں پر تو بالکل بھی نہیں۔

وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے پیچھے چارپائی پر لیٹ گئی۔

"اماں آج جمیل میرے کالج آیا تھا"

آسمان پر نظریں جمائے اس نے کہا۔

"کیا........پر کیوں"

سیرت مراد کا ردعمل اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"چھٹی ٹائم وہ مجھے باہر ملا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ تمہاری والدہ کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔ ان کا بی پی شوٹ کر گیا ہے۔ اس نے مجھے ساتھ چلنے کا کہا تو میں پاگلوں کی طرح اس کی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ یہ بھی نا سوچا کہ اسکے پاس کار آئی کہاں سے"

وہ طنزیہ ہنسی

"پھر اس نے ایک ہاسپٹل کے سامنے کار روکنے کی بجائے ایک ہوٹل کے سامنے روکی۔ اور یہاں آ کر مجھے پتا چلا کہ آپ تو صحیح سلامت گھر پر ہیں اور وہ مجھ سے صرف ایک سوال کا جواب لینے کے لیے وہاں لایا تھا۔ میں نے شادی سے انکار کیوں کیا؟

میں اسے کہتی رہی کہ وہ مجھے نہیں پسند اسی لیے منع کر دیا پر وہ دھمکیاں دیتا رہا کہ جب تک صحیح جواب نہیں مل جاتا وہ مجھے جانے نہیں دے گا۔

میں بہت ڈر گئی تھی اماں۔ بہت زیادہ....... مجھے لگ رہا تھا کہ میری یہ چھوٹی سی غلطی میری پوری زندگی کو میرے لیے سزا بنا دے گی"

اس کی آواز رندھ گئی پر آنکھوں سے ایک آنسو نا بہا۔

"پھر شکر ہے خدا کا کہ میری اکیڈمی کے ایک ٹیچر کا وہاں سے گزر ہو رہا تھا تو انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اس شخص سے مجھے بچا کر گھر ڈراپ کر گئے"

سیرت مراد کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا اماں وہ شخص ٹھیک نہیں پر آپ کو مجھ سے زیادہ اس دنیا کے ہر شخص پر بھروسہ ہے۔خدا کے لیے اب اس سے کوئی رابطہ مت رکھیے گا۔ورنہ نقصان آپ کی بیٹی کو اٹھانا پڑے گا"

وہ اٹھی اور اندر چلی گئی۔

سیرت مراد ابھی تک گم صم سی خاموش بیٹھی تھیں۔

****

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سورج غروب ہو کر زمین سے روشنی جیسی نعمت چھین چکا تھا اور اندھیروں کو دعوت نامہ دے آیا تھا۔

مغرب کی اذانیں ہوئے ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے۔

فاروق حیدر کے بنگلے کا جائزہ لیا جائے تو ان کے ڈرائنگ روم میں اس وقت قہقہوں کی آوازیں وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھیں۔

صوفیہ درمیان میں رکھے شیشے کے ٹیبل پاس بیٹھی تھی اور بقایا سب ارد گرد صوفوں پر براجمان تھے۔

ان کے بیگ کھلے ہوئے تھے اور سامان کا ایک ڈھیر صوفیہ کے سامنے میز پر لگا تھا۔

"یہ سب کچھ تم دیان کے لیے لے کر آئی ہو"

ارسل آنکھیں پھاڑے سامان کے اس ماؤنٹ ایورسٹ کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو دس سال تک شاپنگ نا کرے پھر بھی یہ چیزیں ختم نہ ہوں"

"ہاں تو نا کریں شاپنگ۔اس میں ضرورت کا سارا سامان موجود ہے"

وہ کندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔

"یہ تم عمرہ کرنے گئی تھی یاں دیان کا جہیز بنانے"

"جہیز لڑکیوں کا ہوتا ہے ارسل صاحب"

"جس حساب سے تم سامان لائی ہو میں تو اسے ہی جہیز کہوں گا"

"تم نے عمرہ کیا بھی ہے نہیں؟"

اب کی بار دیان نے بھی ذرا مشکوک ہو کر پوچھا۔وہ اتنا سامان دیکھ کر واقعی حیران تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بھائی میں نے کیا ہے۔آپ لوگوں کو کیوں یقین نہیں آرہا"

"تو پھر اتنی ڈھیر ساری شاپنگ کب کی؟"

"لو تو شاپنگ کرنا کون سا مشکل ہے۔یہ سب کچھ تو میں نے چند دنوں میں ہی خرید لیا تھا"

وہ کندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔

"پر صوفیہ یہ سب واقعی بہت زیادہ ہے۔ارسل بالکل ٹھیک کہہ رہا اگر دیان دس سال تک شاپنگ نا بھی کرے تب بھی اس کا گزارا ہو جائے گا"

بتول حیدر نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"ماما مجھے بھائی کے لیے جو جوا چھا لگا میں لے آئی۔وہ تو مجھے پیکنگ کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ سامان اتنا ہو گیا ہے"

وہ اپنی بات پر ہی کھسیانی ہنسی ہنس دی۔

"ہاں اور اس کے اس سامان پیچھے ہمیں کچھ چیزیں وہی چھوڑنی پڑیں کیونکہ یہ میڈیم تو دیان کے سامان میں سے ایک تنکا واپس رکھنے کو تیار نا تھیں۔اور کمٹار اوزن ضرورت سے کہیں زیادہ ہو گیا تھا"

حامد جہانگیر کی بات پر وہ بس منہ بسور کر رہ گئی۔

صوفیہ حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر کو مام ڈیڈ جبکہ فاروق احمد اور بتول حیدر کو ماما بابا کہتی تھی۔

"اچھا یہ سب چھوڑو بتاؤ میرے لیے کیا لائی ہو"

ارسل نے پر جوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

دیان کی چیزیں دیکھ کر اسے بھی ایکسائٹمنٹ ہو گئی تھی۔

"آپ کے لیے"

وہ سوچنے لگی اور پھر ایک دم سے اٹھ کر پیچھے موجود بیگ کی طرف گئی۔

ارسل مسکراتا ہوا اسکی جانب دیکھ رہا تھا۔

پر جب وہ مڑی اس کے ہاتھ میں موجود چیز کو دیکھ کر اسکی مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی۔

وہ ایک چاکلیٹ کا چھوٹا سا ڈبہ تھا۔ جس کے اوپر کے ڈھکن میں سے گن کر آٹھ چاکلیٹ نظر آ رہی تھیں۔

"یہ آپ کے لیے"

اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ڈبہ ارسل کی جانب بڑھایا۔

"یہ.......دیان کی چیزوں کے مقابلے میں تم یہ لے کر آئی ہو میرے لیے"

اس نے سنجیدگی سے اس ڈبے کی جناب اشارہ کرتے کہا۔

ارسل کی سنجیدگی دیکھ کر ایک پل کے لیے صوفیہ کو ڈر لگا پر پھر ہٹ دھرمی سے بولی۔

"ہاں"

"اپنے پاس ہی رکھو مجھے نہیں چاہیے"

وہ اس کا ہاتھ پرے کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔

صوفیہ ہونک بنی یہ سب دیکھ رہی تھی۔

"کیا ضرورت تھی اس سب کی صوفیہ۔ناراض کر دیا نا بچے کو"ثمینہ جہانگیر غصے سے بولیں۔انہیں ابھی دوپہر والی ان دونوں کی لڑائی پر ہی بہت غصہ تھا۔

"صوفیہ بیٹا مزاق ایک حد تک اچھا لگتا ہے۔ ناراض ہو گیا ناوہ۔ جاو جا کر سوری کرواسے اور ساتھ گفٹس بھی دو جو لائی ہو"

حامد جہانگیر نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی کچھ شاپنگ بیگز اٹھا کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔

وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر ابھی لاؤنج میں ہی آئی تھی جب اسے ارسل کے گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔ وہ واپس جا رہا تھا۔

اس نے شاپنگ بیگز وہی پھینکے اور ایک سو بیس کی سپیڈ سے باہر کی جانب بھاگی۔

چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا اور ارسل اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر سنجیدہ سا بیٹھا تھا۔

وہ بھاگی اور کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

ارسل نے ناگواری سے اس اچانک ٹپکنے والی آفت کو دیکھا اور گاڑی بند کر کے اتر گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بند کر دیں دروازہ" اس نے ٹھاہ کی آواز کے ساتھ گاڑی کا دروازہ بند کرتے چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کا کہا اور لان میں رکھی سیڑھیوں کی جانب چل دیا۔

"ہائے اللہ اپنی ہی گاڑی کا دروازہ کون بند کرتا ہے ایسے"

وہ بھی گاڑی سے اتر گئی۔ارسل کی گاڑی گیٹ کے سامنے راستے میں کھڑی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صوفیہ ارسل کی ہی تقلید میں لان میں رکھی کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئی۔

ارسل خاموشی سے فون استعمال کر رہا تھا۔

"ویسے میں کچھ اور چیزیں بھی لائی تھی"

اس نے کھنکار کر اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا مگر بے سود۔

"اس سامان میں کسی کے فیورٹ پرفیومز بھی ہیں"

اس نے کن انکھیوں سے ارسل کی طرف دیکھا۔وہ ویسے ہی لا تعلق بیٹھا تھا۔

"اور بہت ساری فیری لائیٹس بھی"

ارسل کو لائیٹس کا پاگلوں کی حد تک شوق تھا۔اس کے کمرے میں بھی مختلف اقسام کی لائٹس موجود تھیں۔جب ان سب کو ایک ساتھ جلایا جاتا تو منظر بہت دلفریب ہوتا تھا۔

"صوفیہ جاؤ یہاں سے دماغ مت کھاؤ میرا"

"اللہ اللہ اتنا غصہ"

وہ ہتھوڑی پر ہتھیلی جما کر آنکھیں مٹکا مٹکا کر اسے دیکھنے لگی۔

ارسل نے اپنا فون بند کر کے پینٹ کی جیب میں رکھا اور اسکی طرف دیکھا۔

"کیا چاہتی ہو اب"وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"یہ ناراضگی ختم کر دیں"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"مطلب میں اب اپنی مرضی سے ناراض بھی نہیں ہو سکتا"

"نہیں"

"اور اگر میں یہ ناراضگی ختم نا کرنا چاہوں تو؟"

"تو سوچ لیں۔ایسا نا ہو کہ بدلہ میں میں ناراض ہو جاوں اور پھر آپ کے لیے منانا مشکل ہو جائے گا"

"اوپ یعنی ناراض بھی میں ہی ہوں اور مناؤ بھی میں"

وہ حیرت سے بولا

"جی بالکل"اس کی ہٹ دھرمی پر ارسل نے نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا پہلے سوری بولی"

"لو یہ کون سا مشکل کام ہے۔

ایس او ڈبل آر وائے

"(SORRY)

وہ بے فکری سے ہاتھ جھلاتے ہوئے بولی۔اس نے بس انگلش کے حروف پڑھے تھے پورا لفظ نہیں۔ارسل تو اسکے سوری پر ہی عش عش کر اٹھا۔

"یہ کیسا اسٹائل ہے سوری کہنے کا"

"یہ صوفیہ جہانگیر کا اسٹائل ہے مسٹر ارسل شاہ"

وہ گردن اکڑا کر بولی تو ارسل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

کیا ایٹی ٹیوڈ، کیا غرور، کیا شاہانہ انداز تھا اسکا۔بالکل شہزادیوں جیسا۔

"پر صوفیہ جہانگیر آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ارسل شاہ نے آپ کی سوری قبول نہیں کی"

دیان نے سر کے پیچھے ہاتھوں کا تکیہ بناتے کہا۔

اور صوفیہ کا منہ ایسے ہو گیا جیسا غبارہ سے ہوا نکل جانے پر غبارے کا ہوتا ہے۔

"اچھا چلو ایک شرط پر معاف کر دوں گا تمھیں"

اسکا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ احسان کرنے والے انداز میں بولا۔

"کیا ہے شرط"

صوفیہ اب کے پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔ارسل کی شرطیں کیسی ہوتی تھیں صوفیہ کو باخوبی اندازہ تھا

"دو دن تک تمہارا فون میرے پاس رہے گا"

وہ جتنے اطمینان سے بولا اتنے ہی زور سی صوفیہ چیخ لان میں گونجی۔

"کیا

میں کسی صورت اپنا فون نہیں دوں گی۔اتنا ہی شوق ہے ناراض رہنے کا تو رہیں ناراض"

وہ کھڑی ہو گئی اور جانے کے لیے پلٹی۔پر چند قدموں کے بعد وہ پھر سے واپس گھومی

"مسٹر ارسل شاہ آئی ہیٹ یو"

وہ تلملاتے ہوئے بولی تو ارسل قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"محبت تو سبھی کرتے ہیں کوئی نفرت کرنے والا بھی ہونا چاہیے ورنہ زندگی کا سارا اتھرل ختم ہو جاتا ہے۔

بہت شکریہ صوفیہ جہانگیر مجھ سے نفرت کرنے کے لیے"

وہ آنچ دیتی مسکراہٹ کے ساتھ بول رہا تھا۔صوفیہ پیر پٹختی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"پتا نہیں کون سی مٹی لگی ہے اس بندے کو۔میری سمجھ سے بالکل باہر ہے"

وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے لاونج میں داخل ہوئی جب ڈرائنگ روم سے باہر آتے دیان نے اسے پکارا

"ہو گئی صلح" وہ فون پر ٹائپنگ کرتے پوچھ رہا تھا۔

"مان ہی نا جائے آپ کا پاگل دوست" وہ بولتے ہوئے آگے بڑھ گئی تو دیان نے بھی مسکراتا ہوا باہر آگیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چلیں"اس نے پورچ میں کھڑے ہو کر لان میں بیٹھے ارسل کو آواز دی تو وہ اٹھ کر اسکے پاس آگیا۔

"ہو گیا کام؟"

"ہاں ہو گیا چلو"

وہ دونوں گیٹ کے سامنے کھڑی ارسل کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

جمیل اس وقت اپنے گھر میں بنے چھوٹے سے لاونج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

وہ مسلسل آج ہونے والے واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"زائشہ اب یقیناً چپ نہیں بیٹھنے والی"اس کا مسلسل ہلتا ہوا پاؤں اس کی اضطرابی کیفیت کو ظاہر کر رہا تھا۔

" جمیل تو نے اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اور اسکا وہ دیوانہ وہ امیر زادہ اگر وہ کسی پاگل پن پر اتر آیا تو"

اسے اب صحیح معنی میں فکر لاحق ہو چکی تھی۔

وہ اسی سوچ میں ڈوبا تھا جب باہر دروازے پر بیل بجی۔ وہ حیرت سے اٹھا۔

"اس وقت کون آگیا"

گھڑی پر نظر ڈالی جو نو بجا رہی تھی۔

"کون ہے ؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا پر کوئی جواب نا آیا۔

وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

سامنے دیان اور ارسل کھڑے تھے۔ سنجیدہ تاثرات لیے وہ اسے دیکھ کم اور گھور زیادہ رہے تھے۔

جمیل ہڑبڑا کر دروازہ بند کرنے لگا پر ارسل نے زور لگا کر دروازہ پکڑ لیا اور اسے دھکہ دے کر خود اندر آگیا۔

دیان بھی ارسل کی پیروی میں اندر آیا اور دروازے کو لاک کر دیا۔

"کیا گنڈہ گردی ہے یہ۔ایسے کیسے گھس سکتے ہو تم لوگ میرے گھر میں"

وہ چلایا پر ارسل نے فوراً سے اسکے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسے گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔اس کا صحن باہر سے کھلا تھا اور اسکے چلانے سے ساتھ والے گھروں میں آواز جا سکتی تھی۔

اندر کمرے میں لا کر اس نے اسے ایک کرسی پر پٹخا اور خود اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔دیان دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھوں کو باندھے کھڑا تھا اور شعلہ بار نظروں سے جمیل کو گھور رہا تھا۔

"تم اس طرح مجھے میرے ہی گھر میں باندھ نہیں سکتے"

وہ ایک بار پھر چلایا۔ارسل نے دیان کی جانب گھوم کر آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ پوچھا تو دیان نے اثبات میں سر ہلایا۔

ارسل نے اپنے کندھے پر لٹکا بیگ اتارا اور اس کی زپ کھول کر اندر سے رسی نکالی۔

"خبر دار جو تم نے مجھے باندھا"

"لیکن میرا ارادہ بالکل ایسا ہی ہے اور میں یہی کروں گا"

ارسل نے اسے کرسی کے ساتھ باندھ دیا اور خود پیچھے ہو گیا۔

"تمہارا شکار تیار ہے دیان"

اس نے جمیل کی جانب اشارہ کرتے دیان کو مخاطب کیا۔

دیان قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا۔اور جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیوں لے کر گئے تھے تم زائشہ کو اپنے ساتھ"

وہ سرد آواز میں بولا۔آنکھیں غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ گئی۔

"مم.....میں اسے ساتھ لے کر نہیں گیا وہ خود آئی تھی"

دیان ذرا پیچھے ہو کر سیدھا ہوا اور گھما کر ایک مکہ جمیل کے منہ پر مارا۔

"جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔سچ سچ بتاؤ کیوں لے کر گئے تھے اسے"

اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔ جمیل کے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خون کی ایک لکیر اسکے ہونٹوں سے بہہ رہی تھی۔

زائشہ کا وہ خوف ذدہ چہرہ دیان کی آنکھوں کے سامنے سے نہیں جا رہا تھا۔ اس کی وہ ہراسان آنکھیں اسے میرب اور جمیل کا قہقہے لگاتا چہرہ عرش کی یاد دلا رہا تھا۔

غصے سے اسکا سانس پھول چکا تھا

"میں جھوٹ بول کر اسے ساتھ لے کر گیا تھا"

"کیوں"

"میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے رشتے سے انکار کیوں کیا"

اس کی بات سن کر دیان چونکا

"کیسا رشتہ"

"میں نے رشتہ بھیجا تھا اپنا زائشہ کے لیے۔اس کی ماں راضی تھی پر اس نے انکار کر دیا"

"اوہ تو تم نے سوچا کیوں نا اسے دھمکایا جائے.....ہے نا"

دیان نے آخر کے الفاظ چلا کر کہے۔صرف ایک مکا کھا کر ہی جمیل کی ساری ہوا نکل چکی تھی۔

اس کی چلانے پر اسکا رنگ سفید پڑ گیا۔

"نہیں نہیں میں اسے دھمکا نہیں رہا تھا"

وہ نفی میں سر ہلاتے بولا۔

دیان نے کرسی کے بازو پر اپنا پاؤں رکھا اور جھک کر اسکی آنکھوں میں دیکھا

"میری بات کان کھول کر سن لو۔آئیندہ تم مجھے اسکے سایہ کے نزدیک بھی نظر نا آؤ۔ورنہ میں تمہیں اس قدر تباہ و برباد کر دوں گا کہ تمہاری سوچ ہے۔

تمہارے کالے کرتوتوں سے تو میں باخوبی آگاہ ہو چکا ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک نمبر کے رشوت خور انسان ہو تم۔ کتنے لوگوں کی جانوں سے کھیل چکے ہو۔ میرے پاس ایک ایک چیز کا ثبوت ہے اسی لیے اگلا قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا۔

ہو سکے تو یہ علاقہ ہی چھوڑ دو۔ یہی تمہارے حق میں سب سے زیادہ بہتر ہے"

وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو ارسل اسکے سامنے آیا اور اپنے بیگ سے کچھ کاغذات نکالے۔

ان کاغذات پر نظر آتی بلیک اینڈ وائٹ تصاویر کو دیکھ کر اسکا رنگ فق ہو گیا۔

جمیل ایک میڈیکل سٹور میں کام کرتا تھا۔ وہ میڈیکل سٹور کافی بڑا تھا اور وہاں سے شہر کے چھوٹے میڈیکل سٹورز میں ادویات جاتی تھی۔ وہ آدھی قیمت میں ایکسپائر ہوئی ادویات بیچتا تھا۔

ان کاغذات پر جمیل کے میڈیکل سٹور کے مالکان کے ساتھ گفتگو کی تصاویر تھیں۔

"اسی لیے کہتے ہیں بکواس کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے" ارسل کا اشارہ اسکے ہونٹ سے نکلتے خون کی طرف تھا۔

"احتیاط کرنا آئندہ سے۔ کیونکہ میرا جو یہ دوست ہے نا اسکی صرف ایک ہی کمزوری ہے اور وہ ہے زائشہ مراد۔ وہ اسکی خاطر سولی پر بھی چڑھ سکتا ہے اور کسی کو چڑھا بھی سکتا ہے۔
میں تمہیں پہلے ہی بتا رہا ہوں بعد میں مت کہنا وارن نہیں کیا"

ارسل نے اسکی شرٹ کا کالر درست کرتے کہا اور مڑ گیا۔

لیکن پھر اچانک سے مڑا اور ایک زوردار مکہ اسکے منہ پر مارا۔

"یہ میرے دوست کی محبت اور میری ہونے والے بھابھی کو تنگ کرنے کے لیے"

وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور جمیل اپنا چکراتا سر لے کر وہی بندھا بیٹھا رہا۔

****

"زائشہ آپی آپ کے فون پر کال آرہی ہے" زائشہ کچن میں کھڑی رات کے برتن دھو رہی تھی جب جنید نے تھرتھراتا ہوا فون اس کے پاس شلف پر رکھا اور خود جمائی روکتا باہر نکل گیا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ سوتے سے اٹھ کر آیا تھا۔ زائشہ روز پڑھنے کے بعد رات کے برتن دھوتی تھی۔

فون اب بند ہو چکا تھا۔ زائشہ نے پانی سے ہاتھ دھو کر دوپٹہ سے پونچھے اور حیرت سے فون اٹھایا۔

"اس وقت کس نے فون کیا" اس نے سوچتے ہوئے کال لاگ کھولا پر وہاں نظر آتا نمبر اسکا سانس روکنے کے لیے کافی تھا۔

وہ خاموش سی فون کو دیکھ رہی تھی جب وہ ایک بار پھر سے بجنا شروع ہو گیا۔اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔

اس نے کال نہیں اٹھائی۔

فون ایک بار پھر بند ہو گیا۔پر اب دوبارہ کال آنے کی بجائے میسج ٹون بجی۔

"کال اٹھاؤ ایسا نا ہو کہ میں تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔ایڈریس معلوم ہے مجھے تمہارا اور اسے دھمکی مت سمجھنا"

ابھی اس نے میسج پڑھا ہی تھا جب کل آنا شروع ہو گئی۔

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم مس زائشہ مراد" اسپیکر سے غازی کی گمبھیر آواز گونجی۔کانوں کو سکون بخشتی پر سکون آواز۔

زائشہ نے کوئی جواب نا دیا۔

"میں نے تم پر سلامتی بھیجی ہے تو اب تم پر بھی لازم ہے کہ مجھے پر سلامتی بھیجو" غازی کی نرم آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"واعلیکم السلام" زائشہ کی لہجہ سے ناگواری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"گڈ تو اب آتے ہیں کام کی بات پر۔

تمہیں اندازہ ہے میں نے تمہیں آج کتنے بڑے نقصان سے بچایا ہے"

غازی کی بات سن کر زائشہ کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے اچھنبا ابھرا۔

آج پیش آنے والے واقعے کا خیال فوراً سے اس کے ذہن میں آیا پر وہ سر جھٹک گئی۔

"کیسا نقصان؟"

"انسان کو اتنا لاپرواہ بھی نہیں ہونا چاہیے زائشہ مراد کہ بعد میں پچھتانے کا بھی موقع نہ ملے"

اب اسکی آواز سنجیدہ تھی۔ ہر قسم کے تاثر سے پاک۔

"کس بارے میں بات کر رہے ہیں آپ"

اس نے کرید ناچاہا۔جو خیال اس کے ذہن میں آرہا تھا وہ اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔

"تم جانتی ہو میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں"

زائشہ کو اپنے گرد گھنٹیاں بجتی محسوس ہوئی۔کچھ تو ایسا تھا جس سے وہ مکمل طور پر انجان تھی۔

"میں نہیں سمجھ پارہی آپ کی بات کو"

اس نے کرید ناچاہا۔

"خیر سے سمجھ تو تم بہت اچھے سے گئی ہو۔بس مجھے اتنا کہنا تھا کہ آئندہ سے احتیاط کرنا ہر بار تمہیں بچانے کے لیے کوئی دیان نہیں آئے گا"

وہ اپنی بات کہہ کر کال بند کر چکا تھا اور یہاں زائشہ نے بے اختیار شلف کو تھاما۔اس کو اپنا وجود سرد پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"دیان نے مجھے بچایا اس بات کا غازی کو کیسے پتا چلے اور یہ غازی فاروق احمد کا بیٹا ہے بھی یا نہیں۔کون ہے یہ جو سب کچھ جانتا ہے میرے بارے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں۔جسے میرے پل پل کی خبر ہے۔کہیں دیان کو غازی نے ہی تو نہیں بھیجا"

زائشہ کی آنکھوں کے سامنے دیان کی جانچتی اور اندر تک اترتی نظریں آئیں۔

"اف میرے خدایا یہ کیا ہو رہا ہے۔کون ہے یہ دیان اور یہ غازی کون ہے۔یہ دونوں شخص کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

کوئی نا کوئی تعلق تو ضرور ہے دونوں کا۔شاید غازی تک مجھ سے متعلقہ تمام خبریں دیان پہنچاتا ہے۔

یااللہ میں کیا کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔میری زندگی آگے کم الجھی ہوئی تھی جو اب بقایا کی کسر یہ دونوں پوری کر رہے ہیں"

وہ اپنا سر پکڑے کھڑی تھی۔جو ہو رہا تھا اسے لے کر کوئی سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔جتنا سوچ رہی تھی ذہن اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کس سے مشورہ مانگے کسے بتائے اپنی مشکل۔ کوئی تھا ہی نہیں جو اسے سمجھ پاتا۔ جو اس کی مشکل کو اپنی مشکل سمجھ کر اسے مشورہ دیتا۔

بے بسی کے مارے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ تھک چکی تھی دل کی باتیں دل میں رکھ رکھ کے۔

دل کا بوجھ بھی ہلکا کرنا پڑتا ہے، پانی بھرے بادلوں کی طرح..... جو برس کر خود کو بوجھ سے آزاد کر دیتے ہیں۔

کبھی کبھار صرف رونے سے سکون نہیں آتا..... دل چاہتا ہے اپنے اندر موجود گھٹن اذیت خاموشی سے کسی اور کو سونپ دی جائے جو بے انتہا خوشی اور گہری مسکراہٹ کے ساتھ ان تمام چیزوں کو اپنے وجود میں چھپا لے۔

پر افسوس زائشہ کی زندگی میں ایسا کوئی نہیں تھا۔

وہ بچپن سے ایسی نہیں تھی۔ سب لوگوں کی طرح وہ ابھی اپنے دل کی باتیں دوسروں کو بتاتی تھی پر زائشہ مراد میں ایک خامی تھی۔

اور وہ خامی یہ تھی کہ وہ خاص تھی، منفرد تھی۔

اور خاص لوگوں کی باتیں عام لوگوں کو کہاں سمجھ آتی ہیں۔ کوئی انہیں سمجھ نہیں پاتا اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تنہا ہو جاتے ہیں۔ اپنے ہم راز اپنے ساتھی خود بن جاتے ہیں۔

لوگ انہیں چھوڑ دیتے ہیں، ان سے دور ہو جاتے ہیں۔ تو وہ خود کا سہارا بن جاتے ہیں۔

لوگوں پر انحصار کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کسی دوسرے وجود کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا اپنا ضبط ہی کمال کا ہوتا ہے۔

وہ ڈگمگا کر سنبھلنے والے ہوتے ہیں۔ گر کر اٹھنے والے ہوتے ہیں۔

"یار تم کیسی باتیں کرتی ہو....... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تم کیا کہہ رہی ہو....... یار ایسا کچھ نہیں ہوتا یہ سب تمہارے دماغ کا فتور ہے زیادہ سوچو مت"

وہ تھک چکی تھی یہ اپنے مسئلوں کے حل میں ایسے جوابات سنتے سنتے۔ اس کے مسئلے جسمانی نہیں تھے۔اس کے مسئلے روحانی تھے۔ایسے مسئلے جو عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔

"ہر کسی کو میری باتی ڈرامائی لگتی ہیں۔اسی لیے میں نے بتانا چھوڑ دیا ہے کہ میں کیا محسوس کرتی ہوں"

ایک دفعہ زینب کے بہت زیادہ اصرار کرنے پر زائشہ نے اسے بس یہ جواب دیا تھا۔

وہ بند کتاب نہیں تھی......ہر انسان کی طرح وہ بھی ایک کھلی کتاب تھی پر مسئلہ یہ تھا کہ ابھی تک کوئی اس کتاب کو پڑھ نہیں پا رہا تھا۔اس کتاب کی گہرائی میں نہیں اتر پا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

زائشہ مراد کے صحن میں چھائی گہری رات روشن صبح میں تبدیل ہو گئی تھی اور اسی طرح کئی روشن صبحیں اور راتیں اس صحن میں اتری تھیں۔

اگست کا پہلا ہفتہ گزر چکا تھا۔

اس رات کے بعد سے سب کچھ نارمل ہو گیا تھا۔ جیسا آج سے چند ماہ پہلے تھا۔ غازی نے پھر سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ جمیل نامی چیپٹر بھی بند ہو گیا تھا۔ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر ہی گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔

بقایا سب تو بہت حیران ہوئے تھے پر زائشہ بس اس بارے میں سوچ کر رہ گئی۔

جمیل کے چلے جانے کے پیچھے اسے غازی کا ہاتھ ہی نظر آرہا تھا۔ ضرور اس نے کچھ ایسا کیا تھا جو وہ چند دنوں میں یہ محلہ چھوڑ چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی پر دوبارہ کال نہیں آئی تھی۔اور خود کال کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

آج کا دن بھی معلوم کے دنوں کی طرح تھا۔وہ کالج سے آنے کے بعد اکیڈمی کے لیے نکل چکی تھی۔

سیرت مراد باہر صحن میں چارپائی پر سلائی مشین رکھے بیٹھی تھیں۔حسیب اور جنید دونوں اندر سو رہے تھے۔

صحن میں دھڑا دھڑ مشین چلنے کی آواز آرہی تھی جب اس آواز میں دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز بھی شامل ہو گئی۔

سیرت مراد نے بے زاری سے دروازے کی جانب دیکھا۔

ایک نظر اس کمرے پر ڈالی جہاں حسیب اور جنید سوئے تھے اور پھر اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

دروازے کھولنے کے بعد سامنے نظر آتے وجود کو ایک پل میں پہچان گئیں۔

"السلام علیکم آنٹی" دیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ گرے چیک پینٹ پر وائٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ کف فولڈ کر کے بازو کہنیوں تک مڑے ہوئے تھے۔ بال بکھرے تھے اور ماتھے پر پسینے کے چند قطرے نظر آ رہے تھے۔ براون بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔

"وعلیکم السلام بیٹا تم یہاں کیسے"

سیرت مراد خوش ہوتے بولی۔

"بس آنٹی یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا آپ سے ملتا جاؤں"

"ارے یہ تو بہت اچھا کیا تم نے آؤ اندر آؤ"

سیرت مراد نے خود سائیڈ پر ہو گئی اور اسے اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔

دیان صحن میں رکھی چارپائی پر ہی جا کر بیٹھ گیا جہاں ایک طرف سیرت مراد کی سلائی مشین رکھی تھی۔

چار پائی چھاؤں میں پڑی تھی اسی لیے ہلکی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔

سیرت مراد اسے بے تکلفی سے وہاں بیٹھے دیکھ کر مسکرا دیں اور خود کچن میں چلی گئیں۔ کچن میں آکر انہوں نے اس کے لیے جلدی جلدی شربت بنایا اور گلاس اٹھا کر باہر آگئی۔

"یہ لو بیٹا" انہوں نے گلاس اس کے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ آنٹی آج واقعی بہت گرمی ہے"

"بیٹا اندر پنکھے کے نیچے آکر بیٹھ جاؤ"

"نہیں آنٹی کوئی بات نہیں میں کمفرٹیبل ہوں"

سیرت مراد مسکرا دیں اور اسے شربت پیتے دیکھنے لگی۔

"آنٹی آپ کے بچے نظر نہیں آرہے"

"بیٹا چھوٹے دونوں سو رہے ہیں۔ سکول سے آکر تھک جاتے ہیں۔ اور بیٹی میری اکیڈمی گئی ہے"

دیان نے اثبات میں سر ہلایا اور گلاس ان کی جانب بڑھا دیا۔

"تمہارا دوست نہیں آیا؟"

"وہ ذرا مصروف تھا تو میں اکیلا ہی آگیا"

"چلو یہ تو اچھا کیا تم نے........اور بتاؤ بیٹا گھر میں سب خیریت ہے"

"جی جی الحمدللہ سب ٹھیک ہے"

"بیٹا تمہارے والد صاحب کیا کرتے ہیں؟"

"آنٹی ہمارا بزنس ہے اپنا۔ بابا اور ان کے دوست ہیں دونوں مل کر دیکھتے ہیں سب"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا........"

دیان کافی دیر تک ان کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ وہ چند لمحوں میں ہی ان کے ساتھ کافی گھل مل گیا تھا اور سیرت مراد بھی جیسے کسی ساتھی کی تلاش میں تھیں جو انہیں دیان کی صورت میں مل گیا تھا۔

وہ بھی خوب اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔ان کی اولاد کس قدر نافرمان ہے، محلے میں کس کے گھر کیا ہو رہا ہے،ان کے بیٹے پڑھائی میں کیسے ہیں.......وہ سب بتاتی چلی گئیں اور دیان مسکراتے ہوئے سنتے گیا۔

وہ ایک اچھا لیسنر تھا۔سامنے والی کی بات اس قدر دلچسپی سے سنتا تھا کہ اگلا مزید پرجوش ہو جاتا تھا اور یقین کرنے لگتا کہ وہ اس کے ہر مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھ رہا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا آنٹی اب میں چلتا ہوں کافی وقت ہو گیا"

وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

پھر چکر لگانا بیٹا۔اچھا لگا مجھے تمہارا آنا۔ورنہ میں تو سارا سارا دن اکیلے بیٹھے گزار دیتی ہوں"

دیان سیرت مراد کے سامنے جھکا تو انہوں نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"جی آنٹی وقت ملا تو ضرور آؤں گا

خدا حافظ "

"اللہ حافظ بیٹا"

سیرت مراد نے دیان کے لیے دروازہ کھولا تو وہ سن گلاسس لگاتا باہر نکل گیا۔

سیرت مراد اپنے پرانے مشغلہ میں کپڑے سلائی کرنے میں مشغول ہو گئیں اور گلی میں دیان اپنی گاڑی آگے بڑھا کر اس محلے کی حدود سے دور نکل گیا۔

****

"میں اس کے ساتھ مزید جھوٹ نہیں بولنا چاہتا۔ میرا یہ جھوٹ شاید............شاید نہیں یقیناً اسے ذہنی پریشانی میں مبتلا کر رہا ہے۔ آج اکیڈمی میں وہ مجھے پہلے سے زیادہ گم صم لگی۔ پہلے سے زیادہ خاموش۔ یہ سب ختم ہو جانا چاہیے۔ میں اسے سکون دینا چاہتا تھا پر میں ہی وہ پتھر بن گیا ہوں جس نے اسکی زندگی کی پر سکون ندی میں ارتعاش پیدا کر دیا ہے۔ ناجانے وہ مجھے قبول کرے گی بھی یا نہیں۔ حقیقت کھلنے پر اسکا ردِ عمل کیا ہو گا۔ یہ سب کچھ ہی مجھے ایک بار پھر سے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

میرا دل کہتا ہے کہ ایک بار دیان بن کر اسکو تسخیر کر لوں پھر غازی کو منظر پر لاؤں۔

پر ارسل کہہ رہا تھا مجھے جلد از جلد زائشہ کو سچ بتا دینا چاہیے ایسا نا ہو کہ مجھے دیر ہو جائے۔

اسی لیے اب میں نے ایک فیصلہ لیا ہے اور اب میں بہت جلد اس پر عمل کرنے والا ہوں۔"

دیان نے قلم بند کر کے سائیڈ پر رکھا اور اپنا جھکا سر اٹھایا۔

کمرے میں نیم اندھیرا چھایا تھا اور وہ ٹیبل لیمپ کے نیچے بیٹھا لکھ رہا تھا۔

وہ سیدھا ہو کر بیٹھا اور سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا۔

پر سوچ نگاہیں آسمان پر ٹکی تھیں۔

بنا پلکیں جھپکائے اس کا دماغ ماضی کے سفر کو نکل پڑا تھا۔ ذہن کے دریچوں پر آہستہ آہستہ کچھ منظر واضح ہونے لگے تھے۔

"آپی میں کل پورے دس سال کا ہو جاوں گا"

دیان پر جوش سا میرب کے پہلو میں لیٹا اسے بتا رہا تھا۔ میرب آہستگی سے اس کے بھورے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی۔

"جانتی ہوں غازی"

"ہم اس بار بھی میری برتھڈے ویسے ہی سیلی بریٹ کریں گے؟"

"انشاللہ"

"آپی آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھو"

"آپ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں؟"

وہ آنکھوں میں بے پناہ معصومیت لیے پوچھ رہا تھا۔میرب اسکے سوال پر کافی حیران ہوئی۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو"

بتائیں نا" وہ ضدی انداز میں بولا

"میں.............!!!!!!!!!!!!

اس نے میں کو کافی لمبا کرتے کہا

اچھا تم بتاؤ تم مجھ سے کتنا پیار کرتے ہو"

میرب نے مسکراہٹ دباتے اس کے سوال کے بدلے سوال کر دیا

"میں تو آپ سے بہت پیار کرتا ہوں"

"اچھا تو پھر میں بھی تم سے بہت زیادہ پیار کرتی ہوں"

"پر میں آپ سے مام ڈیڈ سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں"

"تو پھر میں بھی تمہیں موم ڈیڈ سے زیادہ پیار کرتی ہوں"

میرب مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔غازی منہ بسور کر سامنے دیکھنے لگا۔اس سوال میں اسکی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

"آپی آپ نے مجھے کل زائشہ کے لیے نگٹس بنا کر دینے ہیں۔

آج سکول میں ایک بچے نے اسکا لنچ گرا دیا تو میں نے کہا کہ کل میں اسپیشل آپ سے نگٹس بنوا کر لاؤں گا اس کے لیے"

"ٹھیک ہے بنا دوں گی"

چند لمحے خاموشی کے سر ہوئے غازی کے سوالوں کا پٹارا ایک بار پھر سے کھلنے لگا تھا جب میرب بول اٹھی

"غازی مجھ سے ایک وعدہ کرو گے"

میرب چھت پر نظریں ٹکائے ایک ٹرانس کی کیفیت میں بول رہی تھی۔

"تم یونہی ساری عمر زائشہ کا خیال رکھنا۔اسے اپنی بہترین دوست بنا کر رکھنا۔اسے کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔

اس کے باپ بہت احسان ہیں ہم پر۔انہوں نے تب ہمارا ساتھ دیا جب سب نے ہمیں اکیلا کر دیا۔

اپنے بیوی بچوں کی جان خطرے میں ڈال کر انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔

تمہیں اس سب کا بدلہ چکانا ہے غازی۔

تمہیں زائشہ کا بہترین ساتھی بننا ہے۔اس کے باپ کے سامنے ہمیشہ جھکے رہنا ہے۔

ہم میں اب اتنی سکت نہیں کہ ان کے سامنے سر اٹھا سکیں۔انہوں نے ہمیں احسانوں کے بوجھ تلے دبا دیا ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ غازی کی سمجھ سے کافی آگے کی باتیں کر رہی تھی۔پر غازی کو بس اتنا سمجھ میں آیا تھا کہ اسے ہمیشہ زائشہ کے ساتھ رہنا ہے۔ہر پل ہر لمحہ۔

میرب ابھی بھی کچھ بول رہی تھی پر غازی کے ذہن میں صرف ایک ہی بات چل رہی تھی۔

"زائشہ میری سب سے اچھی دوست ہے۔میں اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں اپنا وعدہ نبھاؤں گا اپیا۔میں اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ہر وقت اسکے ساتھ کھڑا رہوں گا۔اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے احسانوں کا بدلہ چکانا ہے۔ماضی میں ہوئے نقصانات ازالہ کرنا ہے"

دیان آنکھیں بند کیے مدھم آواز میں بول رہا تھا۔

دس سال پہلے کہی گئی میرب کی بات اسے اب سمجھ آگئی تھی۔

کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی تھی۔پر سکون سی خاموشی......جو دیان کے تنے اعصاب کو آہستہ آہستہ سکون دے رہی تھی۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج اتوار تھا اور ہمیشہ کی طرح صبح صبح ہی صوفیہ فاروق حیدر کے گھر پہنچ گئی تھی۔

نو بج رہے تھے۔فاروق حیدر نیچے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔بتول حیدر کچن میں ناشتہ کی تیاریاں کر رہی تھیں اور دیان ابھی تک سو رہا تھا۔وہ اتوار کے روز دس گیارہ بجے تک سونے کا عادی تھا۔پر یہ سب بھی صرف اسی دن ہوتا تھا جس دن صوفیہ صبح سویرے آ کر اسکے کمرے کا دروازہ نا پیٹتی۔

اور آج حسب معمول یہی ہو رہا تھا۔ایک مہینے کے وقفے کے بعد آج بھر دیان کے کمرے کا دروازہ اپنی بے بسی پر رو رہا تھا۔صوفیہ دھڑا دھڑ دروازہ بجا رہی تھی اور ساتھ اس نے چیخ چیخ کر پورا گھر سر پر اٹھالیا تھا۔

"دیان بھائی اگر دو منٹ میں آپ باہر نا آئے تو میں نے ریلنگ سے چھلانگ لگا کر خود کشی کر لینی ہے"اس نے چلاتے ہوئے دھمکی دی۔نیچے لاؤنج میں بیٹھے فاروق حیدر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

وہ جارحانہ تاثرات لیے ریلنگ کی جانب بڑھی اور جھک کر نیچے دیکھا

"خیریت"ابرو اچکائے وہ تیکھی نظروں سے فاروق حیدر کو دیکھ رہی تھی۔

"جی بیٹا جی الحمدللہ خیریت ہی ہے"

فاروق حیدر مسکراہٹ روکے اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔اگر وہ ہنس دیتے تو اسکی توپوں کا رخ انکی جانب ہو جاتا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان نے بھی قسم کھائی ہوتی تھی وہ صوفیہ کو خوب تپا کر رہی کمرے سے نکلتا۔

"دیان بھائیہیہیییی !!!!!!"

وہ ایک بار پھر سے چلانا شروع ہو گئی اور ساتھ ساتھ دروازے بجانے کا شغل بھی جاری تھا۔

"ایک تو یہ دونوں میری سمجھ سے باہر ہیں"

بتول حیدر نے فاروق حیدر کے پاس بیٹھتے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ایک ڈھیٹ ہے تو دوسرا سواڈھیٹ ہے۔ شکر خدا کہ ابھی ارسل نہیں یہاں ورنہ اللہ کی پناہ"

انہوں نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے تو فاروق حیدر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"کیا ہو گیا۔اتنے دنوں بعد گھر میں رونق لگی ہے۔میں تو کہہ رہا ہوں ارسل کو بھی بلا لو"

"تو آجائے گا وہ بھی کچھ دیر میں۔اسے بھلا پتا نہیں آج عمرے کے بعد شہزادی صوفیہ پہلی دفعہ اتوار کا کھانا ہمارے گھر کھا رہی ہیں"

بتول حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اوپر صوفیہ کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا ہوا تھا۔

"بھائیییییییی"

"کیا تکلیف ہے تمہارے ساتھ؟"

دھاڑ کے ساتھ دروازہ کھلا تھا اور دیان چلاتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔

براؤن بال ماتھے پر بکھرے تھے، چہرے کے نقوش شدید بے زاری لیے ہوئے تھے۔آنکھوں میں نیند کا خمارا ابھی بھی موجود تھا۔ٹراوزر پر سلیولیس شرٹ پہنے وہ کھولتا ہوا صوفیہ کے سامنے کھڑا تھا۔

"اٹھ کیوں نہیں رہے آپ"

"اٹھ گیا ہوں میری ماں جاؤ اب نیچے"

دیان نے ہاتھ جوڑ کر اپنے ماتھے سے لگائے اور نیچے جاتی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ شدید غصے میں تھا۔

صوفیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جلد سے تیار ہو کر نیچے آجائیں۔گرم گرم ناشتہ آپ کا انتظار کر رہا ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ مسکراتے ہوئے بولی اور نیچے چلی گئی۔

دیان بڑبڑاتا ہوا واپس کمرے میں بند ہو گیا۔

نیچے ڈائنگ ٹیبل کا کچھ دیر بعد کا منظر دیکھیں تو سربراہی کرسی پر فاروق حیدر بیٹھے تھے۔ان کی دائیں طرف بتول حیدر اور ان کے ساتھ صوفیہ

بیٹھی تھیں۔ بائیں جناب کی کرسی خالی تھی جہاں دیان نے آکر بیٹھنا تھا۔ ٹیبل پر ناشتہ لگ چکا تھا۔

صوفیہ نے اکتاتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی جو ساڑھے نو بجا رہی تھی۔

"اتنا ٹائم تو نئی نویلی دلہن بھی نہیں لیتی جتنا یہ لے رہے ہیں" وہ آنکھیں گھماتے ہوئے بڑبڑائی۔

"السلام علیکم"

دفعتاً لاونج کے داخلی دروازے سے اندر آتے ارسل نے سب کو سلام کیا۔

صوفیہ نے صدمے کی کیفیت میں گھرے ارسل کی جانب دیکھا۔

"اب یہ کہاں سے آ گئے" وہ بس سوچ کر رہ گئی، بولی کچھ نہیں۔ البتہ تاثرات سب ظاہر کر رہے تھے۔

جہاں حیرت، ناگواری، جھنجھلاہٹ سب کچھ تھا۔

"واہ آنٹی کیا خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ مجھے میرے کمرے میں بھی آرہی تھی اسی لیے میں اڑ کر آگیا"

اس نے فاروق حیدر کے بائیں جانب دوسری کرسی سنبھال لی۔

ارسل کا گھر دیان کے گھر سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا۔

"تجھے تیرے گھر میں کوئی رکھتا نہیں کیا جو روز یہاں ٹپک پڑتا ہے"

دیان گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتا سیڑھیاں اترتا نظر آیا۔ بلو جینز پر بٹنوں والی چیک شرٹ پہن ہوئی تھی جس کے سارے بٹن کھلے تھے اور نیچے سے سفید شرٹ نظر آرہی تھی۔ بازو کہنیوں تک مڑے تھے اور بائیں ہاتھ میں گھڑی تھی۔ وہ نک سک سا تیار آکر فاروق حیدر اور ارسل کے درمیان بیٹھ گیا۔

"بس یار کیا کریں مجھے محبت ہی بہت ہی تم لوگوں سے"

"ہمیں نہیں چاہیے ایسی محبت تو اپنے گھر رہا کر بس"

"واہ یار گھر میں ماں باپ اور بہن کوئی عزت نہیں کرتے اور یہاں تو"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"مجھے بھی شامل کرلیں" صوفیہ پلیٹ پر سر جھکائے بولی۔

ارسل نے چونک کر اسکی جانب دیکھا جیسا کہہ رہا ہو اوہ تم بھی یہاں پر موجود ہو۔ وہ اسے کوئی کرارہ جواب دینا چاہتا تھا پر پھر اپنی پرانی ملاقات اور ناراضگی کو یاد کر کے خاموش ہو گیا۔

"تجھے ذرا احساس نہیں اپنے ماں باپ کا۔ چھٹی والے دن تو اپنے بوڑھے ماں باپ کو وقت دے دیا کر"

"فکر کس بات کی کرتے ہو یار۔ میں ابھی امی کے ہاتھ کا بنا ناشتہ ہی کھا کر آیا ہو"

"مطلب تو ناشتہ کر کے آیا ہے اور اب پھر کرے گا" دیان کے حیرت سے کہنے پر اس نے بس معصومیت سے سر ہلا دیا۔

دیان سر جھٹک کر ناشتہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ایک ایسے شخص کے لیے وہ اپنی حیرت کا جذبہ ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا جو کبھی اسے انسان لگا ہی نہیں۔

"ارسل تومان لے تیری شکل ہی نہیں ہے کہ تجھے عزت دی جائے"

دیان نوالہ چباتا پرسوچ نظریں گلاس وال کے پار نظر آتے لان پر جمائے بول رہا تھا۔

"اب تو ماننا ہی پڑے گا" ارسل ٹھنڈی آہ بھر کہ رہ گیا۔

اس کے انداز پر صوفیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

ارسل نے خونخوار تاثرات سے اس کی جانب دیکھا۔اب اگر وہ سے جواب نا دیتا تو اسکی توہین ہوتی۔

"تمہارے کیوں دانت نکل رہے ہیں"

"میرے دانت ہیں میں نکال کر باہر پھینک دوں آپ کو کوئی مسئلہ" وہ ٹیبل پر ذرا آگے کی جانب جھکی اور آنکھیں پٹپٹا کر بولی

"میری طرف سے کرایہ پر دے آؤ پر مس صوفیہ جہانگیر میرے سامنے ان کا استعمال کم ہی کیا کرو۔جب دیکھو توتھ پیسٹ کا اشتہار بنی ہوتی ہو"

صوفیہ کے تو سر پر لگی تلوؤں پر بجھی۔

بتول حیدر نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔اب یقیناً ایک بار پھر سے جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔

"دیان بھائی اپنے دوست کو چپ کروالیں"اس نے چلاتے ہوئے دیان کو مخاطب کیا۔

"بھائی مجھے تو تم لوگ اپنے اس جھمیلے سے دور ہی رکھو"

دیان نے صاف ہری جھنڈی دکھائی تو صوفیہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

اس سے پہلے کہ دونوں جانب سے ایک بار پھر سے گولیوں کی بارش شروع ہوتی فاروق حیدر بول اٹھے۔

"بس کردو اب تم دونوں۔صبح کی شفٹ لگالی ہے نا بقایا شام کے لیے چھوڑ دو اور ناشتہ کرو خاموشی سے"

اور فاروق حیدر کا ابھی اتنا رعب تھا کہ وہ دونوں خاموش ہوگئے۔بتول حیدر نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کیونکہ ان دونوں کی لڑائی رکوانا ان کا یا دیان کے بس کا کام نہیں تھا۔

"مام ڈیڈ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے"

دیان نے اپنی خالی پلیٹ پرے کھسکھاتے ہوئے کہا۔

"بولو"

"میں روم میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں آپ وہاں آجائیں"

وہ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ صوفیہ اور ارسل بھی خاموش رہے کیونکہ بات ضرور کوئی ایسی تھی جو دیان ان کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ البتہ ارسل بات کی نوعیت سے کسی حد تک واقف تھا۔

کچھ دیر بعد سب ناشتہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ فاروق حیدر اور بتول حیدر کمرے میں چلے گئے جہاں دیان ان کا انتظار کر رہا تھا۔ صوفیہ اپنے کمرے تھی جبکہ ارسل ڈائننگ ٹیبل پر ہی سب کو سلام کہہ کر واپس جا چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو دیان فاروق حیدر کی سٹڈی کے سامنے ہاتھ میں کتاب تھامے کھڑا تھا۔ان کے آتے ہی کتاب واپس رکھ دی۔

"بیٹھ جائیں آپ دونوں"

ان کے صوفے پر بیٹھتے ہی سٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کران کے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

دیان نے گہری سانس لی اور بولنا شروع کیا

"مجھے سیرت مراد مل گئی ہیں۔طالب مراد کی بیٹی"

الفاظ تھے یہ دھماکہ جو ان کے سر پر ہوا تھا۔وہ یوں ساکت ہوئے جیسے کوئی بت ہو۔بغیر پلکے جھپکائے وہ حیرت سے دیان کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

"زائشہ شازیہ آنٹی کی اکیڈمی میں پڑھاتی ہے۔مجھے پہلے معلوم نہیں تھا کہ وہ وہی زائشہ ہے پھر ایک دن اسکے پرس سے ایک تصویر گری تھی۔میں نے اٹھائی تو وہ طالب مراد کی تھی۔اور جب میں نے اس کی معلومات نکلوائی تو میرا شک یقین میں بدل گیا۔وہ واقعی طالب مراد کی بیٹی ہے"

"اب کہاں رہتے ہیں وہ"

فاروق حیدر خود کو سنبھالتے ہوئے بولے۔جھٹکا کافی شدید تھا۔بتول حیدر کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"ڈیڈ وہ ایک عام سے علاقے میں رہ رہے ہیں۔سیرت آنٹی سے میری ایک دو دفعہ ملاقات ہوئی انہوں نے تو یہی بتایا ہے کہ ان کی آمدنی کا واحد ذریعہ یا تو زائشہ کے ٹیوشن کی فیس ہے یا پھر ان کے پرانے گھر کا کرایہ"

"پر حامد نے تو کہا تھا کہ جب وہ ان کے گھر گیا تھا تو وہاں کے رہائشیوں نے کہا تھا کہ وہ یہ گھر کے بیچ کر جا چکے ہیں"

"مجھے نہیں معلوم ڈیڈ حقیقت کیا ہے"

"مجھے کھل کر بتاؤ دیان"

اور پھر دیان نے شروع سے لے کر آخر تک سب باتیں انہیں بتا دیں۔ جمیل والا واقعہ اور سیرت مراد کا پرس چوری کروانے والی حرکت کو وہ گول مول کر گیا۔

"پر ڈیڈا اصل بات یہ نہیں ہے۔ مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے" اب اس کے چہرے پر کچھ ہچکچاہٹ تھی۔ بتول حیدر اس وقت صرف ایک سامع کا کردار ادا کر رہی تھیں۔

"بولو"

"ڈیڈ میں چاہتا ہوں آپ زائشہ کے گھر رشتہ لے کر جائیں گے۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس سے"

وہ اپنی بات کہہ کر سر جھکا گیا

بتول حیدر کے چہرے پر حیرت ابھری اور پھر بے پناہ خوشی۔

انہوں نے دیان کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کے اس کا چہرہ چوم لیا۔

خوشی ان کے چہرے کے ہر نقش سے پھوٹ رہی تھی۔

"واقعی دیان بیٹا" ان کی آنکھوں میں اب خوشی کے آنسو تھے۔ کتنی عزیز تھی انہیں زائشہ اور طالب مراد کی مدد کے بعد تو وہ اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔

دیان نے محض اثبات میں سر ہلایا تو وہ پر جوش سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہم جائیں گے ضرور جائیں گے۔ بلکہ آج ہی جائیں گے ان کے گھر"

"ماں میری پوری بات سن لیں پہلے" دیان نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں واپس بٹھایا۔

"ایک مسئلہ ہے" اس کے چہرے پر واضح پریشانی تھی۔

"بولو بیٹا"

فاروق حیدر کے کہنے پر اسنے گہری سانس لی اور بولنا شروع کیا۔

"ڈیڈ وہ ہم سے نفرت کرتی ہے۔ وہ اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار آپ کو سمجھتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا نا آپ دشمنی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیتے نا اسکا باپ مرتا، جو کہ غلط بھی نہیں ہے۔ سیرت آنٹی کی باتوں سے بھی مجھے یہی اندازہ ہوا ہے۔ وہ ہمارا نام سننا بھی پسند نہیں کرے گی"

اسکے چہرے پر پریشانی ہر لمحے بڑھتی جارہی تھی۔

"آپ جائیں ان کے گھر پر پہلے اسکی غلط فہمی دور کریں۔ میں نہیں چاہتا اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہو"

فاروق حیدر اسکی بات سن کر خاموش ہو گئے۔

وہ جو بھی کہہ رہا تھا اس میں کچھ غلط نہیں تھا۔ زائشہ کے دل میں ان کے لیے نفرت ہونا کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ جب طالب مراد کی وفات ہوئی تھی وہ محض آٹھ سال کی تھی اتنی سی عمر میں وہ یتیم ہو گئی اور بعد میں ان سب کے ساتھ کیا ہوا باقی کی زندگی کیسے گزری وہ بالکل انجان تھے۔ ان مشکلات بھری زندگی نے اسکے دل میں اگر نفرت پیدا کر دی تو یہ کچھ غلط نہ تھا۔

ہاں البتہ بتول حیدر کی پر جوشی ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novel|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چلو آج ہم جاتے ہیں نا پھر دیکھیں گیں کیا کرنا ہے"

وہ اٹھی اور باہر چلی گئیں۔

"دیان تم پسند کرتے ہو اسے "بتول حیدر کے جاتے ہی انہوں نے دیان کو مخاطب کیا۔

وہ سر نیچے کر کے مسکرا دیا۔

"جی بہت زیادہ"

اس کے چہرے پر کھلتے محبت کے رنگوں کو دیکھ کر فاروق حیدر مطمئن سا مسکرا دیے۔

ان کے بیٹے نے اپنی زندگی میں بہت آزمائشیں بہت تکالیف دیکھی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ جو بھی لڑکی اس کی زندگی میں آئے وہ اسے سمیٹ

لے۔اس کے ہر زخم پر مرہم رکھ دے۔اسے ہر قسم کی تکلیف سے آزاد کر دے۔

اور زائشہ کا نام سن کر ہی وہ مطمئن ہو گئے تھے۔بے شک انہوں نے اسے دیکھا نہیں تھا وہ کیا پڑھ رہی ہے، کیسی دکھتی ہے وہ ہر چیز سے انجان تھے پر ان کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ طالب مراد کی بیٹی تھی۔ان کے محسن کی بیٹی۔

ہاں وہ طالب مراد کو اپنا محسن ہی سمجھتے تھے جنہوں نے مشکل وقت میں ان کا بے انتہا ساتھ دیا تھا۔

"میں ذرا امام کو دیکھ لوں۔زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گئی ہیں"

وہ ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ہاں جاؤ میں بھی حامد کو فون کر کے بتا دوں"

"ڈیڈ صوفیہ کو مت بتائیے گا ابھی کچھ"

"ہمم ٹھیک ہے"

دیان کمرے سے نکل گیا تو وہ اپنا فون نکال کر حامد جہانگیر کو کال کرنے لگے۔

باہر سے مسلسل آوازیں آ رہی تھیں۔شاید بتول حیدر دیان سے مارکیٹ جانے کا کہہ رہی تھی۔فاروق حیدر اپنی بیوی کے جوش کے بارے میں سوچ کر مسکرا دیے۔ابھی تو وہ بس ان کے گھر جا رہے تھے تو خوشی کا یہ عالم تھا جب رشتہ پکا ہو گیا تب کیا ہو گا۔

ماضی میں بچھڑے عزیز لوگوں کا ایک لمحے میں مل جانا کس قدر پر سکون اور فرحت بخش تھا کوئی فاروق حیدر سے پوچھتا۔

کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا حامد جہانگیر نے انہیں پر ہر طرف سے انہیں ناکامی ہوئی تھی۔

وہ پختہ ارادے کیے بیٹھے تھے کہ وہ سیرت مراد سے ایک ایک تفصیل پوچھیں گے کہ وہ اتنے عرصے سے کہاں تھی اور کیا ہوا تھا ان کے ساتھ۔

****

شام اپنے پر ہر طرف پھیلا چکی تھی۔ سیرت مراد کے گھر صحن میں پھیلی تپتی دھوپ اب ٹھنڈی چھاؤں میں تبدیل ہو گئی تھی۔

اتوار ہونے کی وجہ سے زائشہ آج ریلیکس سی باہر چارپائی پر لیٹی تھی۔ پاس حسیب اور جنید پڑھ رہے تھے۔

ہلکے آسمانی رنگ کی سادہ سی شارٹ فراک کے ساتھ سیاہ پاجامہ اور سیاہ دوبٹہ لے رکھا تھا جو چارپائی کی سائیڈ پر پڑا تھا۔ بال چارپائی سے نیچے لٹک

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رہے تھے۔ سر کے نیچے ہاتھ رکھے وہ مسلسل آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سوچوں کے سمندر سے باہر وہ دروازے پر ہونے والی دستک کی وجہ سے آئی تھی۔

"حسیب دیکھو کون ہے دروازے پر" اس نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ دروازے کی جانب اسکی پشت تھی۔

حسیب اٹھا اور دروازہ کھولنے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دروازے کے پاس ہی کھڑا چلایا

"امی آپ کا کوئی جاننے والا ہے"

سیرت مراد چند لمحوں بعد بڑبڑاتی ہوئی دوبٹہ سے ہاتھ پونچھتی کچن سے باہر آئی۔

"تمیز نہیں ہے تمہیں اندر بلالیتا ہے بندہ۔ دروازے پر کھڑا کر دیا" وہ حسیب پر غصہ کرتی دروازے کی جانب مڑی پر سامنے موجود افراد کو دیکھ

کر انہیں اپنے پاؤں سے زمین پھسلتی محسوس ہوئی۔انہوں نے بے اختیار دروازے کو تھام کر خود کو سہارا دیا۔

فاروق حیدر،بتول حیدر،حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر سب سامنے کھڑے تھے۔ان کے پیچھے دروازے کے سامنے بلیک مرسڈیز کھڑی تھی جسے محلے کے بچے اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔

بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر دونوں کی آنکھیں نم تھیں پر سیرت مراد کی آنکھیں خشک تھیں۔بس چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

ماضی ایک بار پھر کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈسنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

سب واقعات ایک ایک کر کے ذہن کی سکرین پر ابھر رہے تھے۔

"سیرت "بتول حیدر روتے ہوئے آگے بڑھیں اور انہیں گلا لگا لیا۔

پر سیرت مراد ساکت تھیں۔پتھر کی طرح۔

بتول حیدر ہچکیوں سے رو رہی تھیں لیکن سیرت مراد ہوا کے دوش پر ماضی کے دنوں اور راتوں کا سفر کر رہی تھیں۔

رونے کی آواز سن کر زائشہ جھٹکے سے اٹھی اور دوبٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالتی دروازے کی جانب مڑی۔اچانک اٹھنے کی وجہ سے اسکے سارے بال پشت پر بکھر گئے۔

سامنے کا منظر دیکھ کر اسکا حال بھی سیرت مراد سے مختلف نہ تھا۔وہ یونہی چارپائی پر ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی تھی اور حیران نظریں دروازے پر ٹکی تھی۔

جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہی ہو،سامنے نظر آتے منظر کر قبول کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

وہ سب خودی اندر آ گئے تھے اور حامد جہانگیر دروازہ بند کر رہے تھے۔اس نے اپنے بھائیوں کو دیکھا۔جنید اور حسیب دونوں حیرت سے ان مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ان سے پھسل کر اسکی نظر اپنی ماں پر پڑی جو اسکی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

جھریوں سے بھرا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ کو اپنا جسم کانپتا محسوس ہوا۔وہ سب ابھی اسکی جانب متوجہ نہیں ہوئے تھے۔بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر سیرت مراد کے گرد کھڑی تھیں۔

اچانک سے فاروق حیدر نے حسیب سے کچھ پوچھ کر اسکی طرف دیکھا۔اسے انکی آنکھوں میں واضح حیرت اترتی محسوس ہوئی۔

وہ حامد جہانگیر کو بھی اسکی جانب متوجہ کر رہے تھے۔زائشہ کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

اس کے ہاتھ پاؤں ساکت تھے۔وہ چاہتے ہوئے بھی حرکت نہیں کر پا رہی تھی۔

اب سب اسکی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔اسکی طرف والہانہ انداز میں بڑھ رہے تھے۔اسکی ماں پیچھے کھڑی نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے آنکھوں میں بے پناہ خوف لیے انکی جانب دیکھا جو اسکی طرف آرہے تھے۔اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔سانسوں کی رفتار پہلے سے بڑھ گئی۔

اسے اپنے سینے میں کچھ اٹکتا محسوس ہوا۔کوئی گولہ سا۔اس کا دم گھٹنے لگا۔رنگ سفید پڑ گیا۔زائشہ نے اپنا چہرہ جھکا دیا۔وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

وہ سب جو اسکے پاس پہنچ چکے تھے ٹھٹھک کر رکے۔

زائشہ شدت سے کانپنا شروع ہو گئی۔اسکی سانسوں کی آواز انہیں صاف سنائی دے رہی تھی۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔بال آگے گر کر اسکے چہرے کو ڈھانپ چکے تھے۔دوپٹہ پھسل کر بس ایک کندھے پر ہلکا سا ٹکا تھا۔

"زائشہ" سیرت مراد بھاگتی ہوئی اسکے پاس آئیں۔

"زائشہ بچے لمبے لمبے سانس لو" انہوں نے اسکی پیٹھ تھپتھپانا شروع کردی پر اسکی حالت میں کوئی فرق نا آیا۔

اس نے چہرہ اٹھایا سرخ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ۔وہ کھینچ کھینچ کر سانس لے رہی تھی۔

"حسیب بہن کا انہیلر لاؤ" سیرت مراد چلائی تو حسیب اندر کی جانب بھاگا۔

"ام....ما....ں ام..." وہ لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ہونٹ نیلے پڑنا شروع ہو گئے۔ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔سب کچھ گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

فاروق حیدر سمیت وہ سب پتھر کے بن گئے تھے۔

"اماں انہیلر" حسین دوڑتا ہوا اندر سے آیا اور سیرت مراد کو انہیلر تھمایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ نے جھپٹنے کے انداز میں وہ انہیلر پکڑا اور کانپتے ہاتھوں سے اسے اپنے منہ کے ساتھ لگایا۔ لمبے لمبے سانس کھینچتی زائشہ کی گرے آنکھیں بالکل سرخ ہو چکی تھیں۔

دو تین دفعہ انہیلر کے بٹن کو دبانے کے بعد جیسے ہی دوا اندر گئی اسے اپنا وجود پر سکون ہوتا محسوس ہوا۔

جیسے کوئی بند راستہ کھل گیا ہو۔

وہ سر جھکا کر اپنا تنفس بحال کرنے لگی۔

سب بت بنے اسکی جانب دیکھ رہے تھے۔

"حسیب جنید جاؤ اندر سے کرسیاں لاؤ۔ بیٹھیں آپ سب "سیرت مراد نے سپاٹ سے انداز میں کہتے جنید کو کرسیاں لانے کا کہا اور زائشہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ سب کیا تھا سیرت "سب سے پہلے فاروق حیدر نے پوچھا۔

حسیب اور جنید کرسیاں لے آئے تھے اور ایک ایک کر کے ان کے سامنے رکھنے لگے۔ وہ بھی خاموشی سے ان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

وہ سب بے چینی سے زائشہ اور سیرت مراد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یقیناً وہ فاروق حیدر کے سوال کا جواب جاننا چاہ رہے تھے

"سیرت..."

"میری بیٹی آٹھ سال کی عمر سے دمہ کے مرض کا شکار ہے۔ ہر کسی کے ڈپریشن اور انزائٹی کی علامات مختلف ہوتی ہیں۔ زائشہ کی دمہ کا اٹیک ہے۔ جب اسکا دماغ شدید ذہنی بے چینی کا شکار ہوتا تب اسے یہ اٹیک ہوتا ہے" سیرت مراد ان کے بولنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔ ان کا انداز سرد اور سپاٹ تھا۔

"زائشہ بچے آپ ٹھیک ہو" ثمینہ جہانگیر نے فکر مندی سے زائشہ کی جانب دیکھا جس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

زائشہ نے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔جو بھی تھا وہ اپنی کمزوریاں کبھی ان پر ظاہر نہیں کرے گی۔

انسان کو اپنی کمزوریاں خود سے بھی چھپا کر رکھنی چاہیے۔یہ کمزوریاں ہی ہمیں مضبوط بننے سے روکتی ہیں۔ان کو مات دینے کا واحد حل انہیں قبول کر کے اپنے اندر چھپا لینا ہے۔

یہ ہمیں تب تک ستاتی ہیں جب تک ہم انہیں قبول نہیں کر لیتے پر ایک دفعہ جب انہیں سچے دل سے اپنے دل میں جگہ دی جائے تو یہی کمزوریاں ہماری مضبوطی بن جاتی ہیں۔

آپ میں کوئی کمزوری ہے، کوئی خوبی ہے، کوئی اچھی بات ہے۔اسے قبول کریں سچے دل سے قبول کریں اور پھر اسے اپنے اندر چھپا لیں۔کسی پر ظاہر مت ہونے دیں۔کیونکہ پھر یہی ہمارے لیے مشکلات کھڑی کرتی ہیں۔کبھی حسد، کبھی جھوٹ اور کبھی دھوکہ کی شکل میں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ کو بھی خود کو مضبوط کرنا تھا۔ جس مستقبل سے وہ ڈر رہی تھی وہ اب اسکے خدشات درست ثابت کرنے کے لیے اسکے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے جوں ہی اپنا جھکا چہرہ اٹھایا سامنے موجود تمام لوگ اسکا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

پہلے اسکا چہرہ زرد تھا پر اب ہلکا گلابی اور ملائی جیسا سفید۔ گہرے کانچ سی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ بھرے ہوئے ہونٹ گہرے سرخ رنگ کے تھے۔ بال کسی آبشار کی طرح پشت بکھرے تھے

آسمانی رنگ کا سوٹ اسکے جسم پر الگ ہی رنگ بکھیر رہا تھا۔

اسکا حسن واقعی ٹھٹھکانے والا تھا۔ معصومیت، حسن اور مضبوطی کا کیا دلفریب امتزاج تھا۔

بتول حیدر کو وہ بالکل طالب مراد کا عکس لگی۔ وہی نقوش وہی مغرورانہ انداز وہی گہرے آنکھیں۔ وہ بالکل اپنے باپ جیسی تھی۔

"کیسی ہو بیٹا اب آپ" سیرت مراد نے ذرا ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ اسکے انداز ہی ایسے تھے کہ مقابل خود بخود محتاط ہو جاتا۔

"ٹھیک ہوں" اس نے سرد تاثرات کے ساتھ کہا اور دوبٹہ اچھی سے طرح سے سر پر اوڑھا۔

"تم کیسی ہو سیرت" بتول حیدر نے اب کے مسکراتے ہوئے پوچھا

"میں بھی ٹھیک ہوں"

"یہ تمہارے بیٹے ہیں؟" انہوں نے پاس کھڑے حسیب اور جنید کی طرف اشارہ کیا جو اتنا سمجھ چکے تھے کہ یہ سامنے موجود لوگ ان کے کوئی رشتہ دار ہیں وہ بھی بہت امیر۔

"جی" ایک بار پھر سے وہی سپاٹ انداز۔

"ماشاءاللہ ادھر آؤ بچوں" فاروق حیدر نے انہیں بلایا تو وہ ان کے سامنے آئے اور اپنا سر انکے سامنے جھکایا۔

فاروق حیدر مسکراتے ہوئے کھڑے ہوئے اور انہیں سینے سے لگالیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بیٹے باپ کے سینے سے لگ کر ملتے ہیں سر جھکا کر نہیں" انہوں نے دونوں کو گلے لگایا۔طالب مراد کی اولاد انہیں بہت عزیز تھی۔

فاروق حیدر سے ملنے کے بعد وہ باقی سب سے ملے۔حامد جہانگیر کے سینے سے لگ کر اور بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر سے پیار لے کر۔

کچھ لمحوں کی خوشی کے بعد ماحول میں ایک بار پھر سے وہی تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔

"تمہیں ہمارا آنا اچھا نہیں لگا سیرت "بتول حیدر کے لہجے میں واضح مایوسی تھی۔

"نہیں مجھے برا نہیں لگا پر خوشی بھی نہیں ہوئی"

"سیرت ہم تم سے معافی......."

"کس چیز کی" فاروق حیدر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی زائشہ ذرا زور سے بولی۔

"میرے باپ کی موت کی، ہمیں یتیم کرنے کی۔ ہم سے ہمارا بچپن چھیننے کی، میری ماں کے آنسوؤں کی...... کس کس چیز کی معافیاں مانگے گے آپ مسٹر فاروق حیدر" وہ تلخی سے قدرے بلند آواز میں بولی۔

"زائشہ" سیرت مراد نے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے خاموش رہنے کا کہا تو وہ ایک برہم نظر سب پر ڈال کر چہرے کا رخ پھیر گئی۔

"میں معافی چاہتی ہوں فاروق بھائی"

سیرت مراد کو زائشہ کا انداز برا لگا تھا۔ان سب کو دروازے پر دیکھ کر ان کے دل میں جو واحد جزبہ تھا وہ صرف حیرت کا تھا۔انہیں ان کے آنے پر برا نہیں لگا تھا اور نا ہی کوئی خوشی ہوئی تھی۔ جس واحد چیز نے انہیں پریشان کیا تھا وہ زائشہ کا ردعمل تھا جو انکی توقع کے خلاف آیا تھا۔ان کا خیال تھا کہ وہ چیخے کی چلائے گی انہیں گھر سے نکل جانے کا کہے گی پر وہ بالکل خاموش اور پر سکون بیٹھی تھی۔

لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ زائشہ نے خود کو اس سب کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔غازی کی فون کالز نے اسے آنے والے وقت کے بارے میں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔

"نہیں سیرت آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ہماری بیٹی کو بولنے دیں" فاروق حیدر نرمی سے بولے پر زائشہ ان کی بات سن کر اٹھی اور تیزی سے اندر چلی گئی۔اس نے ایک نظر بھی ان پر ڈالنا گوارا نا کی۔وہاں کسی کو بھی زائشہ کی جانب سے ایسی حرکت کی توقع نہ تھی۔

وہ سب حیرت سے بند دروازے کو دیکھ رہے تھے جس کے اس پار زائشہ گئی تھی۔

زائشہ نے کمرے میں آکر دروازہ بند کر دیا۔وہ کافی دیر دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔اسے سیرت مراد کی مدھم سی

آواز آرہی تھی جو شاید اسکی اس حرکت کی کوئی وضاحت دے رہی تھیں۔پر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

وہ کچھ دیر کھڑی گہرے سانس لیتی رہی اور پھر وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گئی۔

ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹ کر سر گھٹنے پر ٹکا دیا۔ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ اسکے جسم کی لرزش بڑھنے لگی۔وہ رونے لگی شدت سے رونے لگی۔

آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو اسکی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔کیا تھی زندگی اور کیا بن گئی تھی۔

دل کا بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔سکون تو جیسے زائشہ مراد کی زندگی سے روٹھ چکا تھا۔درد اور غم نے ہر طرف پنجے گاڑ دیے۔

وہ کتنی دیر روتی رہی اسے پتا نہیں چلا۔شاید دس منٹ یا پندرہ منٹ۔باہر سے ابھی بھی آوازیں آرہی تھی۔یہ گفتگو بہت لمبی چلنے والی تھی اسے اندازہ تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کمرے کی ساری لائٹس بند تھیں۔بس روشن دان سے کچھ روشنی آرہی تھی۔

وہ دروازے کے پاس رکھے میز کاسہارا لے کر اٹھی اور مدھم روشنی کی مدد سے لڑکھڑاتے ہوئے بیڈ پر آئی۔

وہ اس وقت صرف اپنے ذہن کو پر سکون کرناچاہتی تھی۔رونے کی وجہ سے آنکھوں میں درد شروع ہو گیا تھا۔اسے اپنی گردن کے پچھلے حصے میں بھی ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوئی۔

زائشہ نے ہاتھ سے گردن کی پشت کو ہلکا سادبایا پھر آنسو پونچھے اور دوبٹہ سائیڈ پر پھینک کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔

وہ پیٹ کے بل لیٹی تھی۔بالکل سیدھی آنکھیں دروازے کے اوپر بنے روشن دان پر مرکوز تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کانچ سی آنکھیں اندر تک زخم زخم تھیں۔قطرہ قطرہ آنسو نکل کر سرہانے میں جذب ہو رہے تھے۔

اس نے آہستگی سے آنکھیں بند کر دیں۔درد بڑھتا جا رہا تھا۔وہ سونا چاہتی تھی۔اس دنیا سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

کاش اس دنیا کا کوئی کھڑکی یا دروازہ ہوتا جسے کھول کر ہم چند پل کے لیے اس دنیا سے چھٹکارا حاصل کر پاتے۔جس سے آتی ٹھنڈی ہوائیں ہمارے وجود کو تروتازہ کر دیتیں۔جس کے سامنے بیٹھ کر ہم خود کو اس دنیا سے بے نیاز کر لیتے۔

پر افسوس کاش ہمیشہ کاش ہی رہتے ہیں۔وہ پورے نہیں ہوتے۔جو پورا ہو جائے وہ پھر کاش کیسا وہ تو الحمدللہ بن جاتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ دھیرے دھیرے نیند کی وادیوں میں اترتی گئی۔چہرے پر آنسوؤں کے مٹے نشان اور نم پلکیں لیے وہ ایک ایسے جہان میں اتر گئی تھی جہاں ہر جانب سکون ہی سکون تھا۔کوئی فکر کوئی پریشانی نہیں تھی۔

نیند کتنی مہربان ہوتی ہے نا بالکل ایک ماں کی طرح۔جب بھی وہ اپنی اولاد کو تکلیف یا مشکل میں دیکھتی ہے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہے۔جس کی آغوش میں آتے ہی ہم چند لمحوں کے لیے ہی پر ہر چیز سے بے نیاز ہو کر پر سکون ہو جاتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

واقعی نیند کتنی بڑی نعمت ہے نا۔ان بے شمار چیزوں میں سے ایک ایسی چیز جس پر ہم نے کبھی غور نہیں کیا۔جس کا ہم نے کبھی شکر ادا نہیں کیا۔ ایک پل کے لیے سوچ کر دیکھو اگر نیند کی ممتا جیسی آغوش نا ہوتی تو اس دنیا کے ٹھکرائے ہارے ہوئے انسانوں کا کیا ہوتا۔

****

"میں معذرت چاہتی ہوں آپ سب سے وہ بچی ہے۔اسے سمجھ نہیں ان باتوں کی"زائشہ کے اٹھ کر جاتے ہی سیرت مراد ان سے معافی مانگنے لگی۔بتول حیدر فوراً سے اٹھی اور ان کے پہلو میں آکر بیٹھ گئی۔

ان کے گرد بازوؤں کا حصار باندھا اور بولی

"وہ بیٹی ہے ہماری اور اگر بیٹیاں ناراض ہو جائیں تو ان کی باتوں کا برا نہیں منایا جاتا سیرت"بتول حیدر کے کہنے کی دیر تھی سیرت مراد کی آنکھیں اتنے عرصے بعد کسی مہربان ساتھی کا حصار محسوس کر کے بھیگنے لگی۔

بتول حیدر نے انہیں گلے لگا لیا اور ان کی پیٹھ تھپتھپانے لگی۔ان کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔

کچھ دیر بعد جب وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے بتول حیدر سے الگ ہوئی تو فاروق حیدر بولے۔

"سیرت آپ کہاں چلی گئی تھیں۔ہم نے آپ کو کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔میں تو کومہ میں تھا پر حامد نے پوری کوشش کی تھی آپ کو ڈھونڈنے کی۔آپ کے پرانے گھر بھی گئے تھے پر انہوں نے کہا کہ آپ گھر بیچ چکے ہیں"

سیرت مراد نے نم آنکھوں سے ان کی بات سنی اور چہرے سے آنسو پونچھتی ماضی کی کتاب کے بکھرے ورق سمیٹنے لگی۔

"عدت کی وجہ سے میرا آپ لوگوں سے رابطہ بالکل بند تھا۔میرب کی موت کے بعد بتول باجی تو ہوش وحواس میں ہی نہیں تھیں آپ کومہ میں تھے اور بقایا سب ذمہ داریاں حامد بھائی پر تھی۔انہوں نے ہمارا بہت خیال رکھا۔کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔

جیسے تیسے کر کے میں طالب کی موت کے غم کو برداشت کر گئی تھی اپنے بچوں کے لیے۔پر زائشہ نہیں کر پائی۔اس کی اندر ایک بہت بڑا خلا رہ گیا ہے جسے میں چاہ کر بھی نہیں بھر پائی۔یہ دونوں تو تب بہت چھوٹے تھے

اس وقت انہیں کچھ یاد بھی نہیں" انہوں نے پاس کھڑے حسیب اور جنید کی طرف اشارہ کیا جو غور سے ماں کی بات سن رہے تھے۔ بہت سی باتوں سے وہ دونوں ابھی تک انجان تھے۔ ان کے باپ کی موت کیسے ہوئی کیوں ہوئی یہ آنے والے کون تھے وہ نہیں جانتے تھے۔

"طالب کے بھائی شروع میں ہمارے ساتھ بہت اچھے تھے۔ ہر چیز کا خیال رکھتے تھے پر پھر آہستہ آہستہ وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ باپ کے جاتے ہی سارا خاندان بچوں کے سر پر سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ وہ یوں ہو گئے جیسے ہمیں جانتے ہی نہیں۔ جیسے یہ طالب کہ نہیں صرف میرے بچے ہیں۔

میرے بھائی تو تھے پر وہ اس ملک سے باہر تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے پاس آجاؤں پر میں جانتی تھی وہاں جا کر میرے بچوں ساتھ اور برا سلوک ہو گا۔ میری بھابھیاں زیادہ دیر میرے بچوں کو برداشت نہ کرتی۔ اور مین انجان ملک میں پھر کیا کرتی۔ اسی لیے میں نے انہیں منع

کر دیا اور کہا کہ یہاں سب ٹھیک ہے۔ میں اپنے سسرال والوں کے ساتھ خوش ہوں۔ وہ بھی مطمئن ہو گئے۔

زندگی اتنی مشکل نہیں تھی پر کسی حد تک آسان ہو گئی تھی۔ حامد جہانگیر ابھی بھی ہمارا ویسے ہی خیال رکھتے تھے۔ ماہانہ اتنا خرچ بھیج دیتے کہ آرام سے ہمارا گزارا ہو جاتا۔

پھر میری عدت پوری ہوتے ہی میں نے ایک سکول میں ٹیچنگ شروع کر دی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک دن میں سکول سے واپس آ رہی تھی جب ایک شخص مجھے گھر سے نکلتا دکھائی دیا۔

میں بچوں کو بھیج کر سکول جاتی اور ان کے آنے کے آدھے گھنٹے بعد آ جاتی تھی پر اس دن مجھے دیر ہو گئی۔ یہ گھر میں اکیلے ہوتے تھے۔ میری ملازمہ کے ساتھ۔ پہلے میرے پاس کوئی ملازمہ نہیں تھی پر پھر نوکری کی وجہ سے رکھ لی۔

وہ ملازمہ اچھی عورت نہیں تھی۔ زائشہ اور جنید بھی اس وقت نا سمجھ تھے۔ حسیب سال کا تھا۔ بہت مشکل تھا مجھے اسے گھر چھوڑ کر جانا پر اس ملازمہ نے مجھے پوری تسلی دی تھی اور اسے بھیجا بھی میری ہمسائی نے ہی تھا۔ تو مجھے اس پر بھروسہ تھا۔ اور تقریباً تین ماہ سے وہ میرے پاس کام کر رہی تھی۔

لیکن اس شخص کو اپنے گھر سے نکلتا دیکھ کر میں مشکوک ہو گئی۔ میں نے اس سے پوچھا پر اسنے بہانہ بنا دیا۔

میں کچھ دنوں سے نوٹ کر رہی تھی۔ حسیب پہلے سے بہت زیادہ سونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ دن اور رات کو سوتا رہتا تھا۔ مجھے تھوڑی ٹینشن ہوئی تھی پر اور پریشانیاں اتنی تھیں کہ میں نے دھیان نہیں دیا۔

ایک دن میں سکول سے گھر واپس آ رہی تھی۔ میں رکشہ میں تھی تو میری نظر ٹریفک سگنل پر بھیک مانگتی ایک عورت پر پڑی۔ باجی اسکے ہاتھ میں میرا حسیب تھا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیرت مراد کہتے کہتے رونے لگی۔سب گنگ تھے، حسیب کو بھی اس بات نے حیران کیا تھا۔وہ آنکھیں پھاڑے اپنی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں فوراًاس عورت کے پاس گئی اور حسیب کو اس سے چھینا۔وہ چیخنے لگی کہ یہ اسکا بچہ ہے۔لوگ جمع ہو گئے۔میں نے سب سے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے۔وہ سب لوگ مجھے پاگل سمجھنے لگے کہ میرا ذہنی توازن ٹھیک نہیں اور میں کسی اور کو اپنا بچہ سمجھ رہی ہو۔

میں روتی رہی چیختی رہی کہ یہ میرا بچہ ہے پر انہوں نے اسے مجھ سے چھین لیا۔

جو بھی تھا میں گھر آ گئی کہ شاید واقعی مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔وہ میرا حسیب نہ ہو۔میں حامد بھائی سے رابطہ کرنے والی تھا اور جب میں گھر آئی تو حسیب واقعی گھر پر نہیں تھا۔وہ ملازمہ مجھے دیکھ کر بوکھلا گئی۔

میں اس پر کافی چلائی کہ میرا بچہ کہاں ہے کیونکہ ایک سال کا بچہ خود کہیں نہیں جا سکتا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں حامد بھائی کو کال کرنے لگی تو وہ میرے پاؤں میں بیٹھ گئی۔وہ آپ کو اچھے سے جانتی تھی۔اسے معلوم تھا کہ اگر یہ معاملہ آپ تک پہنچ گیا تو اسکا بچنا مشکل ہے۔

اور پھر جو حقیقت اسنے مجھے بتائی سن کر میری روح کانپ گئی"

سیرت مراد نے اپنی ہچکیاں روکتے ایک گہری سانس لی۔ایک نظر ارد گرد پر ڈالی جہاں وہ سب انہیں ہی دیکھ رہے تھے

"وہ میرے بچے کو کرایہ پر بھکاریوں کو دیتی تھی۔وہ اسے ڈر گز دیتے تھے جس کی وجہ سے وہ سوتا رہتا تھا۔

اور اس دن وہ آدمی وقت پر بچے کو لایا نہیں تھا۔

میں نے پولیس سے رابطہ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا پر وہ شخص جب آیا تو میں اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔وہ شکل سے ہی کوئی ظالم درندہ لگ رہا تھا۔اس نے مجھے بہت دھمکیاں دیں۔میں بہت خوفزدہ ہو گئی۔

میں کسی سے رابطہ کرنے کے قابل نہ رہی کیونکہ وہ لوگ مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔اکیلی عورت کو دیکھ کر وہ لوگ خوب فائدہ اٹھا رہے تھے۔اور یہ میں بھی جانتی تھی کہ ایسے لوگوں کی رسائی کہاں تک ہوتی ہے۔

پھر ایک دن وہ شخص دوبارہ میرے گھر آگیا اور کہنے لگا کہ اپنے دونوں چھوٹے بیٹے اسے دے دیا کروں اور بدلہ میں وہ مجھے روز پیسے دے گا۔میں نے انکار کر دیا بلکہ اس دن میں اس پر بہت چلائی بھی تھی۔وہ غصے میں گھر سے تو نکل گیا پر میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا اس گھر کو چھوڑنے کا۔یہی واحد حل تھا ان سے پیچھا چھڑوانے کا۔

میرے سکول کے پرنسپل نے اس سب میں میری بہت مدد کی۔انہوں نے ہی مجھے گھر ڈھونڈھ کر دیا اور اس پرانے گھر کو کرایہ پر چڑھا دیا۔پر وہاں یہی کہا کہ ہم گھر بیچ کر جا چکے ہیں تاکہ وہ شخص پھر میرے پیچھے نا آ سکے۔

میں ان دنوں بہت خوفزدہ تھی۔مجھے لگ رہا تھا کہ اگر میں نے کسی سے بھی رابطہ کیا تو وہ مجھ تک پہنچ جائیں گے۔رشتہ دار تو آگے ہی منہ موڑ چکے تھے ان سے کوئی امید نہیں تھی مجھے۔

میں اپنی اولاد کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آگئی"

وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئی۔

سب کے لیے یہ بات بہت حیران کن تھی۔

زمانے میں کیسے کیسے ظلم ہیں۔

جہاں ایک معصوم کی سوچ ختم ہوتی ہے وہاں ان ظالموں کی سوچ شروع ہوتی ہے۔ایک انسان اتنا ظلم کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتا ہے وہ بھی ایک سال کے بچے پر۔

ظلم کا دائرہ واقعی بہت بڑا ہے۔

بتول حیدر اپنے منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں جبکہ باقی سب بھی حیرت سے آنکھیں کھولے سیرت مراد کی طرف دیکھ رہے تھے جن کے آنسو خشک ہی نہیں ہو رہے تھے۔

"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا سیرت" حامد جہانگیر کا لہجہ شکست خوردہ سا تھا۔

"میں کیا کرتی بھائی انہوں نے مجھے ڈرایا دھمکایا تھا۔میں اپنے شوہر کو کھو چکی تھی اگر میرے بچوں کو کچھ ہو جاتا تو میں مر جاتی"

"ہمیں معاف کر دو سیرت ہماری وجہ سے تم نے اتنا کچھ برداشت کیا"

فاروق حیدر سیرت مراد کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"بھائی آپ کو مجھ سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔یہ سب میرا اور میرے بچوں کا نصیب تھا۔آزمائش تھی گزر گئی۔ظلم یہاں موجود ہر

شخص پر ہوا ہے۔اس تکلیف سے صرف میں ہی نہیں گزری آپ سب بھی گزرے ہیں۔

اس دنیا میں سب زیادہ درد اولاد کی تکلیف پر ہوتا ہے اور یہ آپ سب سے بہتر کون جانتا ہے"

ماحول میں ایک افسردہ اور غمگین لہر بکھر گئی۔ہر کوئی چند لمحوں کے لیے ماضی میں چلا گیا۔ایک طویل خاموشی چھا گئی۔

بولنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا۔کوئی شکایت کوئی وضاحت کچھ بھی تو نہیں تھا۔

جسے شکایت تھی اور جسے وضاحت دینی تھی اسنے تو کسی سے بات کرنا گوارہ نہیں کی تھی۔

"سیرت اب تو تمہیں کوئی ڈر خوف نہیں نا۔اور نا ہی ہم سے کوئی شکایت ہے"

بتول حیدر کے پوچھنے پر سیرت مراد زخمی سا مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں تھی"

بتول حیدر انکا ہاتھ تھام کر بولی

"میں تم سے آج کچھ مانگنے آئی ہوں سیرت۔ مجھے یقین ہے تم مجھے انکار نہیں کرو گی۔ میں یہ سب کسی مفاد کے لیے نہیں کر رہی بلکہ یہ ہم سب کی دلی خواہش ہے"

بتول حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایک پل میں ماحول میں چھائی ساری اداسی غائب ہو گئی۔ بتول حیدر کی بات سن کر سب مسکرا دیے جبکہ سیرت مراد نے الجھی ہوئی نظروں سے انکی طرف دیکھا

"میں زائشہ کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں میرے غازی اور تمہاری زائشہ کو آپس میں جوڑ دیا جائے۔ میں زائشہ کے لیے غازی کا رشتہ لائی ہوں"

بتول حیدر کی بات گویا کوئی بمب تھا جو سیرت مراد پر گرا تھا۔

وہ ششدر تھیں۔

بتول حیدر ایک ایک کر کے انہیں سب کچھ بتانے لگیں۔ وہ کیسے ان تک پہنچے۔ انہیں کس نے ڈھونڈا سب کچھ۔

انہیں یہ باتیں بتانا بہت ضروری تھا کیونکہ ان کا اصل مقصد زائشہ کا دل اپنی طرف سے صاف کرنا تھا جس کے لیے سیرت مراد کو بھروسہ میں لینا ضروری تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"زائشہ بیٹا" مدھم سی میٹھی سرگوشی زائشہ کو گہرے اندھیرے سے باہر لائی تھی۔

ناجانے وہ کیسی جگہ تھی۔ہر طرف اندھیرا تھا۔گہرا اندھیرا انسان کو نگل جانے والا۔

وہ مسلسل ارد گرد ہاتھ مارتے ہوئے کسی سہارے کو تلاش کر رہی تھی پر ہر بار ہاتھ ہوا میں معلق محسوس ہوتا۔

اچانک سے اسے سامنے روشنی نظر آئی۔تیز روشنی اتنی تیز کہ اسکی آنکھیں چندھیا گئی۔اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اس روشنی کا راستہ روکا پر کانوں میں پڑنے والی یہ آشنا سی آواز اس کو ساکت کر گئی۔

اسنے آہستگی سے ہاتھ آنکھوں سے ہٹایا۔روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی۔نیلا آسمان اور چمکتا سورج جس کی تپش نا ہونے کے برابر تھی۔پر سکون ماحول ٹھنڈی ہوا چہچہاتے پرندے وہ شاید جنت تھی۔ایسا سکون تو صرف جنت میں ہی ہو سکتا ہے۔گہرا سبز میدان چاروں طرف پھیلا تھا۔پوری زمین پر رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ایک میٹھی سی خوشبو پورے ماحول پر چھائی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ٹکٹکی باندھے سامنے نظر آتے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسکے دل میں یہ خوف ہو کہ وہ آنکھیں بند کرے گی اور سامنے نظر آتا شخص غائب ہو جائے گا۔

انہیں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اسکی آنکھوں کی ساکت پتلیوں میں حرکت ہوئی۔ اس نے آنکھیں جھپکی۔

منظر وہی تھا۔ سامنے طالب مراد کھڑے تھے۔ سفید بے داغ سوٹ زیب تن کیے وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اسکی طرف آرہے تھے۔

وہ بالکل ویسے ہی تھے۔ خوبرو اور جوان۔ گہرے آنکھیں پر سکون تھیں اور چہرے پر ایک چمک تھی۔

"بابا" زائشہ کے ہونٹوں نے حرکت کی۔ وہ چلتے ہوئے اسکے پاس آئے اور زمین پر بیٹھ گئے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیسا ہے میرا بچہ" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسکے سر پر ہاتھ رکھا پر زائشہ فوراً سے انکے گلے لگ گئی۔

وہ شدت سے رو دی۔

"بابا میں ٹھیک نہیں بالکل بھی ٹھیک نہیں۔ میں اندر سے ختم ہو رہی ہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا مجھے کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ میرا اندر بالکل خالی ہو چکا ہے مجھ میں کچھ نہیں رہا بابا میری مدد کریں پلیز بابا میں بہت تکلیف میں ہوں"

کوئی مجھے نہیں سمجھتا کوئی بھی نہیں۔ یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے بابا اور آپ" اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر انکی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے

"آپ بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے"

طالب مراد نے اسکے آنسو صاف کیے اور اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرا اور ماتھے پر بوسہ دیا

"اتنا گہرا مت سوچو زائشہ۔ ہر چیز کی گہرائی میں اتر نا ضروری نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی یہ گہرائی لے ڈوبتی ہے"

"مطلب"

قسمت لکھی جا چکی ہے بیٹا۔ اسے دوبارہ لکھنے کی کوشش مت کرو۔ اسے قبول کر لو۔ جو ہو رہا ہے ہونے دو۔

اور جو یہ تم اندر سے خالی ہوتی جا رہی ہو نا یہ سب نفرت کا نتیجہ ہے۔ نفرت کھا جاتی ہے انسان کو۔ ختم کر دو اس نفرت کو۔

تم محبت کے پیچھے بھاگنے کی بجائے نفرت کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔

تم نفرت کو چھوڑ دو محبت خود چل کر تمہارے پاس آئے گی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم انجان ہو بہت سی باتوں سے۔ان کے پس منظر سے ناواقف ہو۔اسی لیے چھوڑ دو ایسی چیزوں کے بارے میں سوچنا۔

سب کچھ چھوڑ دو اللہ پر میرے بہادر بیٹے"

وہ خاموشی سے انکی بات سن رہی تھی۔

بولی تو بس اتنا۔

"آئی مس یو بابا" نم آنکھوں میں حسرت لیے اس نے طالب مراد کو دیکھا۔

اسکی بات سن کر طالب مراد کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ آگئی۔

"بابا مس یو ٹو میری جان" انہوں نے جھک کر اسکی نم آنکھوں پر بوسہ دیا۔اور اسے گلے لگا لیا۔

زائشہ پر سکون ہو کر آنکھیں موند گئی۔

جب دوبارہ آنکھیں کھلیں تو وہ اپنے پلنگ پر تھی۔ کمرے میں اب پہلے سے زیادہ اندھیرا تھا۔ ناجانے کیا وقت ہو رہا تھا۔ دن تھا بھی یا رات ہو گئی تھی۔ وہ کتنی دیر بستر پر لیٹی اپنے اس خواب کر بارے میں سوچتی رہی۔ پھر گہری سانس لیتی اٹھی اور ہاتھوں کی مدد سے سنبھل سنبھل کر چلتی سوئچ بورڈ تک آئی۔

لائٹ جلتے ہی کمرے میں روشنی ہو گئی۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو شام کے سات بج رہے تھے۔

اس نے اپنی روٹین کے خلاف کافی سو لیا تھا۔

ہاتھ بڑھا کر بکھرے بالوں کو سمیٹا، بیڈ سے دوبٹہ اٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

بھوک اور پیاس کی شدت نے اسے اس پر سکون نیند سے جاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیرت مراد باہر چارپائی پر بیٹھی تھی اور اسکی جانب ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے کچن میں چلی گئی وہ ابھی کچھ بھی سننے یا کہنے کی حالت میں نہیں تھا۔

****

زائشہ نے چاولوں کی پلیٹ اٹھائی اور ساتھ ایک گلاس میں پانی ڈال کر باہر آگئی۔ سیرت مراد کی نظریں ابھی بھی اسی پر تھیں۔ کمرے کا دروازہ بند کرنے تک اسے اپنی پشت پر انکی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر پلیٹ بیڈ پر رکھی اور سر جھکا کر بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

لمبے لمبے سانس لے کر اسنے خود کو پر سکون کیا اور بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ایک ہاتھ میں پلیٹ تھامے وہ چاول کھانے میں مصروف تھی۔اس کا ذہن ہر قسم کی سوچوں سے پاک تھا۔

اس نے آخری نوالا چباتے پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔اسی لمحے سیرت مراد دروازہ کھول کر کمرے میں آئی۔

"مجھے بات کرنی ہے تم سے" وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے بستر پر بیٹھ گئیں۔

"پر مجھے کوئی بات نہیں کرنی" وہ سپاٹ سے انداز میں کہہ کر بستر سے اٹھنے لگی جب سیرت مراد نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھایا۔

"میری ماں بننے کی ضرورت نہیں۔چپ کر کے یہاں بیٹھو"

زائشہ چار و ناچار واپس بیٹھ گئی۔چہرے پر ناگواری صاف ظاہر تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"زائشہ تم ان کے بارے میں بہت غلط سوچ رہی ہو۔ وہ ایسے نہیں جیسا تم سمجھ رہی ہو میرے بچے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہمیں ضرورت ہے ان کی"

"زائشہ"

اسے خاموشی سے سر جھکائے دیکھ کر سیرت مراد نے پکارا۔

اس نے سر اٹھایا اور گہرا سانس لیا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ"

"بیٹا معاف کر دو انہیں۔ ان کی غلطی اتنی نہیں جتنی تم انہیں سزا دے رہی ہو"

"اور میرے معاف کر دینے سے کیا ہو گا۔ ہماری ساری تکلیفوں کا مداوا ہو جائے گا" اس کا انداز بھی سرد اور سپاٹ سا تھا۔

یہ وہ سوال تھا جس کا جواب سیرت مراد کے پاس نہیں تھا۔

"تم میری خاطر بھی انہیں معاف نہیں کر سکتی"

اور یہاں شروع ہوئی تھی سیرت مراد کی ایمو شنل بلیک میلنگ۔ جو ہر ماں کا آخری حربہ ہوتا ہے۔

زائشہ نے بے اختیار آنکھیں گھمائی۔ یہ اماں کے ساتھ ہر لڑائی یہاں آکر ہی کیوں ختم ہوتی تھی۔

"اماں کیا ہے" زائشہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"میری خاطر انہیں معاف کر دو زائشہ۔ احسان کر دو مجھ پر یہ"

زائشہ چند پل انہیں دیکھتی رہی پھر پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھ گئ۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے"

"کتنا" سیرت مراد نے بے تابی سے پوچھا

"نہیں معلوم"

"تم جتنا چاہے وقت لے لو پر انہیں معاف کر دینا"

وہ کچھ دیر اسکی طرف دیکھتی رہی پھر اسکا سر تھپتھپا کر کمرے سے نکل گئیں۔

زائشہ سر پیچھے کی جانب گرا کر آنکھیں موند گئی۔ نیند تو اب کسی صورت نہیں آنے والی تھی۔ اتنا سوچ لیا تھا۔

"کیا کروں میں اللہ

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ کون غلط ہے کون سہی۔ ایک الجھن سی ہے۔

معاف کرنے کا سوچوں تو دماغ مطمئن نہیں ہوتا اور اگر نہ کرنے کا سوچوں تو دل مطمئن نہیں ہوتا۔

کس کی مانوں کس کو جھٹلاؤ۔

دل اور دماغ کی اس جنگ میں تکلیف ہمیشہ جسم کے دوسرے اعضاء سہتے ہیں۔

اور میری اندر چلتی اس جنگ نے میرے سارے جسم کو تھکا دیا ہے۔

ان دونوں کی جنگ میں فیصلہ خود نہیں کرنا چاہیے۔ جب تک دونوں ایک بات پر متفق نہ ہو جائیں انہیں لڑنے دو۔ اور اگر یہ دونوں متفق نہ ہوں تو کسی اچھے انسان سے مشورہ کر کے اسکی بات مان لینی چاہیے۔

توکیا مجھے اماں کی بات مان لینی چاہیے؟ انہیں معاف کر دینا چاہیے؟"

اور یہاں آ کر اسے اپنا آپ خالی ہوتا محسوس ہوا۔

****

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فاروق حیدر کے گھر کے لان سے لاؤنج کی گلاس وال کے ذریعے اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

فاروق حیدر کے ساتھ حامد جہانگیر اور بتول حیدر کے ساتھ ثمینہ جہانگیر بیٹھی تھیں۔ سامنے ایک صوفے پر دیان اکیلا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

لاؤنج میں عجیب سی خاموشی چھائی تھی۔

دیان نے سر اٹھا کر ان سب کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔
بلیک پینٹ پر بلیک ہی ٹی شرٹ پہنے اسکے چہرے پر اداسی اور بے چینی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"تو کیا اب وہ نہیں مانے گا"

"ہم کچھ نہیں کہہ سکتے دیان بیٹا۔ جو ہے تمہارے سامنے ہے۔ اس نے ہمارے سامنے بیٹھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ سیرت نے تو امید دلائی ہے ہمیں اب دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے" فاروق حیدر فکر مندی سے بولے۔ دیان کے چہرے پر چھائی اداسی ان کا دل دہلا رہی تھی۔

وہ دیان کی خوشی کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کے لیے تیار تھے پر یہاں وہ بے بس تھے۔ وہ دعا کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

"ہمم" اس نے الجھے ہوئے تاثرات سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیان بیٹا فکر نہیں کرو۔ انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ مان جائے گی وہ"

بتول حیدر اسکے پاس آئی اور اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا۔

وہ پھیکا سا مسکرادیا اور اوپر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

پیچھے سب فکر مندی سے اسکی جانب دیکھ رہے تھے۔

"یااللہ میرے بچے کو اب کسی آزمائش سے مت گزارنا"

بتول حیدر شکستہ سی صوفے پر ڈھے گئی۔

بقایا سب کی زبان پر بھی ایک یہی دعا تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں داخل ہوا۔اس کے قدموں میں ایک شکستگی سی تھی۔

سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر لائٹس آن کیں اور چلتا ہوا صوفے کے پاس آیا اور گرنے کے سے انداز میں وہاں بیٹھ گیا۔

سر صوفے کی پشت پر گرا دیا۔

اسے اندازہ تھا کہ زائشہ غصہ کرے گی پر وہ اسکے ماں باپ سے اس قدر نفرت کا اظہار کرے گی۔اسے اندازہ نہیں تھا۔

اسکی نفرت دیان کے دل کو خوف کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا رہی تھی۔

جب اسے فاروق حیدر نے بتایا تھا کہ انہیں دیکھتے ہی اسکی حالت خراب ہو گئی تھی۔اسے اٹیک ہوا تھا۔وہ سن کر ششدر رہ گیا تھا۔اسے اس بات کا بالکل بھی اندازہ نہیں تھی کہ زائشہ بھی اس سب سے گزر رہی ہے جس سے وہ گزر رہا ہے۔

اس لمحے اسے سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔ساری امیدیں ٹوٹتی محسوس ہوئی تھیں۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ اب اسے حاصل نہیں کر سکے گا اور اس خیال کے بعد دل جیسے خالی ہو جاتا تھا۔کوئی جذبہ کوئی احساس نا بچتا تھا۔

"کوئی اتنی نفرت کیسے کر سکتا ہے کسی سے

معاف کر دو اب زائشہ۔ تھک گیا ہوں میں۔

اگر وہ واقعی میری نہ ہوئی۔ اگر اس نے مجھے معاف نہ کیا تو.........!

تو کیا ہو گا"

دیان نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

اس کا چہرہ ذرد پڑ رہا تھا۔ ماتھے پر پسینہ آنے لگا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

سانسوں کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی۔

وہ اٹھا اور لڑ کھڑاتے ہوئے سائیڈ ٹیبل تک آیا۔

دراز کھول کر اندر سے اپنی دوائی اٹھائی اور چند گولیاں اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ پر رکھی۔

پھر گلاس میں پانی ڈالا اور گولیاں پھانک گیا۔

سائیڈ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر وہ جھک گیا۔ بال اسکے ماتھے پر بکھر گئے۔ اسے متلی سے محسوس ہونے لگی۔

وہ ٹیبل سے پیچھے ہوا اور دوڑتا ہوا بالکونی میں آگیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اسکے پسینے سے شرابور جسم سے ٹکرایا تو وہ کانپ گیا۔ پھر چلتا کرسیوں تک آیا اور پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گیا۔
اندر ایک آگ سی لگی تھی۔ عجیب بے چینی تھی۔ دل وسوسوں سے بھر گیا تھا۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھا اور آنکھیں موند گیا۔

گولیوں نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ اب وہ پہلے کی نسبت قدرے پر سکون تھا۔ جسم کی کپکپاہٹ میں بھی کمی آگئی تھی۔ یوں ہی بیٹھے بیٹھے وہ نیند کی وادی میں اتر گیا۔

"میری بات تو سنو" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی برستی ہوئی بارش میں چلتی جا رہی تھی جب دیان نے اسکا بازو پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب کیا۔
وہ دونوں سر سے پاؤں تک بھیگ چکے تھے۔ بارش اس قدر تیز تھی کہ انہیں آنکھیں کھولنے میں دقت ہو رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پانی کے قطرے پتھر محسوس ہو رہے تھے۔

دیان اسکا ہاتھ پکڑ کر چند قدموں کے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے لے آیا۔

"کہاں جارہی تھی" اس نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تم سے دور"

"تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھ سے دور جا سکتی ہو؟"

"ہاں" وہ سپاٹ انداز میں کہہ کر سامنے سڑک کی جانب دیکھنے لگی۔

"تم بہت ظالم ہو زائشہ۔ ہمیشہ مجھے تکلیف دینے کے نئے سے نئے طریقے ڈھونڈھتی ہو" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا پر اس کی آنکھوں میں رقم تکلیف کی داستان کوئی اندھا بھی دیکھ سکتا تھا۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔

"کیوں کر رہی ہو یہ سب؟ کیوں خود کو اور مجھے تکلیف میں مبتلا کر رہی ہو" اس نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب موڑا اور اسے بازوؤں سے تھاما۔

"کیوں مجھے ایک بار پھر سے اس آگ میں جھونک رہی ہو جس سے نکلنے میں مجھے چودہ سال لگے ہیں۔ معاف کر دو مجھے، نہیں ہے مجھ میں ہمت مزید تکلیفیں جھیلنے کی" وہ شدید قرب کی کیفیت میں بول رہا تھا پر مقابل بے حس بنا کھڑا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ زندگی نے سارے دکھ صرف تمہیں دیے ہیں۔ نہیں... زائشہ نہیں۔ میں نے زندہ رہتے ہوئے موت کا مزہ چکھا ہے۔ میں مر کر زندہ ہوا ہوں اور کئی بار زندہ ہوتے ہوئے مرا ہوں۔ قبر کے اندھیرے اور گھٹن کو محسوس کیا ہے میں نے۔ پر تم کیا جانو تکلیف کیا ہوتی ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ابھی بول ہی رہا تھا جب اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے بازوؤں سے ہٹائے اور چلا اٹھی۔

"بس کرو خدا کا واسطہ ہے بس کرو اپنی مظلومیت کے رونے رونا۔ تمہیں میری تکلیف تکلیف نہیں لگتی کیا۔ میں نے سات سال کی عمر میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے باپ کو مرتے دیکھا ہے۔ تمہیں معلوم ہے جب گولی لگتی ہے تو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ خون کسی آبشار کی طرح بہتا ہے۔ ان ہاتھوں کو" اس نے اپنے ہاتھ اسکے سامنے کیے" ان ہاتھوں کو اپنے باپ کے زخم پر رکھ کر میں نے خون کو روکنے کی ایک ناممکن سی کوشش کی تھی۔ پر ان کا خون بہتا چلا گیا اور ان کے جسم نے کوئی حرکت نا کی۔ میری کسی بات کو جواب نہیں دیا۔ میں چیختی رہی چلاتی رہی اور..." اس کی آواز مدھم سے مدھم تر ہوتی جا رہی تھی۔ بارش کی تر تراہٹ کی وجہ سے وہ بس اس کے ہلتے ہونٹوں کو دیکھ پا رہا تھا۔

اس نے اسکا ہاتھ تھامنا چاہا پر وہ کچھ بڑبڑاتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئی اور پلٹ کر بھاگنا شروع ہو گئی۔

وہ بھاگ رہی تھی، فل سپیڈ سے بھاگ رہی تھی۔

وہ اسکے پیچھے جانا چاہتا تھا اسے روکنا چاہتا تھا پر اسکے اپنے پاؤں شل ہو گئے تھے۔اس کا جسم حرکت نہیں کر پا رہا تھا۔

"زائشہ"

دیان ہڑ بڑا کر اٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا تھا۔

اسکی بے چین نگاہیں ارد گرد بھٹک رہی تھیں۔

اسکا جسم حد سے زیادہ کانپ رہا تھا۔ چہرہ خطرناک حد تک زرد تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آیا اور دروازہ کھول کر اندھا دھند نیچے کی جانب دوڑا۔

وہ کئی بار لڑکھڑا کر گرنے لگا تھا جب اسنے ریلنگ کو تھام کر خود کو گرنے سے بچایا۔

ایک رات چودہ سال پہلے آئی تھی اور ایک رات آج کی تھی جب دیان غازی کو اپنی زندگی ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"مام ڈیڈ"

وہ چلاتے ہوئے فاروق حیدر کے کمرے کی طرف بھاگ رہا تھا جب اچانک ایک کمرے کے بند دروازے کے سامنے رکا۔یہ وہی کمرہ تھا جہاں میرب سے اپنی زندگی کا سب سے تکلیف دہ وقت گزارا تھا۔

"میرب.........زائشہ"

وہ دروازے کی طرف دیکھتا پیچھے کی طرف قدم بڑھانے لگا۔اس کے ہونٹوں سے مسلسل دو نام ادا ہو رہے تھے۔

میرب اور زائشہ

"دیان میرے بیٹے" فاروق حیدر دوڑتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آئے اور اسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔

وہ دونوں سو چکے تھے اور اسکے چیخنے کی آواز سن کر بھاگتے ہوئے باہر آئے تھے۔

"ڈیڈ وہ میرب آپی وہ یہاں پر ہی تھیں اس دن اور وہ زائشہ وہ بھی وہ میرب"

وہ ٹوٹے پھوٹے جملے بڑبڑا تھا اور مسلسل فاروق حیدر کی گرفت سے نکلنے کے لیے مچل رہا تھا۔

بتول حیدر منہ پر ہاتھ رکھے روتے ہوئے اپنے جوان بیٹے کی ایسی حالت دیکھ رہی تھیں۔

جس بات کا انہیں ڈر تھا وہی ہوا تھا۔

"ڈیڈ وہ چلی گئی میرب بھی چلی گئی اسے لے آئیں ڈیڈ پلیز

مام لے آئیں آپ نے کہا تھا"

فاروق حیدر سے اپنا آپ چھڑوا کر وہ بتول حیدر کی جانب بھاگا اور ان کے گلے لگ گیا۔

"مام آپ لائیں گی نا"

اس کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

اس نے ایک آس سے ان کے گلے لگ کر پوچھا۔

"دیان بیٹا آؤ اندر روم میں چلیں"

بتول حیدر روتے ہوئے بولیں

"نہیں آپ وعدہ کریں مجھ سے پہلے"

وہ بچوں کی طرح بولا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں اسے لاؤں گی۔چاہے مجھے اسکے قدموں میں ہی کیوں نا بیٹھنا پڑے میں اسے واپس لاؤں گی"

انہوں نے اسکے بال سہلاتے ہوئے کہا تو وہ ذرا پر سکون ہو گیا۔

فاروق حیدر نے آگے بڑھ کر اسے بتول حیدر سے جدا کیا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئے۔

اسے بیڈ پر بٹھا کر پانی کا گلاس اسے تھمایا۔اور اپنی دوائیوں کے ڈبے سے دوائیاں نکالی۔

"میں کھا چکا ہوں"

"یہ دوسری دوا ہے"

"مجھے نہیں کھانی میں سونے جا رہا ہوں اپنے روم میں"

وہ کھڑا ہونے لگا تو فاروق حیدر نے اسے واپس بٹھایا

"چپ کر کے کھاؤ اور یہی لیٹو"

"پر ڈیڈ"

"دیان" وہ برہمی سے بولے تو دیان منہ بسورتے ہوئے وہ دوائی کھا گیا۔

"اب لیٹو"

وہ کسی ناراض بچے کی طرح کمفرٹر میں منہ کر کے لیٹ گیا۔

بتول حیدر اسکے قریب ہو کر اسکے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں تو بند آنکھوں سے مسکرا دیا۔

چند لمحوں بعد اس کی بھاری سانسیں اسکے نیند میں ہونے کا پتہ دے رہی تھی۔

فاروق حیدر شکستہ سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

بتول حیدر مسلسل کچھ پڑھ پڑھ کر دیان پر پھونک رہی تھیں۔

وہ ایک بار پھر اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں کے سامنے بکھرتا دیکھ رہے تھے پر وہ ایک بار پھر مجبور تھے جیسے پہلے تھے۔

پر بتول حیدر کا ذہن اب تیزی سے ایک لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔

وہ ماں تھی اور ماں جب اپنی اولاد کو تکلیف میں دیکھتی ہے تو ہر حد سے گزر جاتی ہے۔

وہ میرب کو تو نہیں بچا پائی تھیں پر اب دیان کی خاطر وہ سب کچھ کر جانے والی تھیں۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔دھوپ ابھی بھی تھی پر تپش میں کمی آگئی تھی۔

زائشہ گراؤنڈ کے ایک طرف بنے سیمنٹ کے بنچ پر بیٹھی تھی۔پاس ہی ٹیسٹ کا ایک بنڈل رکھا تھا۔ہاتھ میں پکڑے ٹیسٹ پر جھکے وہ دھڑا دھڑ اسے چیک کرنے میں مصروف تھی۔

اچانک سے اس نے اپنا جھکا سر اٹھا کر ارد گرد دیکھا۔

آنکھوں میں حیرت اور کوفت تھی۔اطراف کا جائزہ لینے کے بعد وہ ایک بار پھر سے ٹیسٹ پر جھک گئی لیکن وہ زیادہ دیر تک اپنے کام میں مصروف نہ رہ سکی۔

جھنجھلاتے ہوئے پاس رکھے ٹیسٹ اٹھا کر انہیں سمیٹا اور ایک برہم نظر ارد گرد ڈال کر اندر کی جانب چل دی۔

وہ کافی دیر سے محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے پھر اطراف میں دیکھنے پر اسے کوئی ایسا نظر نہ آتا۔

اب وہ تنگ آکر اندر چلی گئی تھی۔

اس کے اٹھ کر اندر چلے جانے پر دیان جو کہ اوپری منزل کی ایک کھڑکی کے پاس کھڑا تھا، گہری سانس لے کر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ایک خالی کلاس کی کھڑکی تھی۔کچھ ٹوٹی پھوٹی کرسیوں کا ایک طرف ڈھیر لگا تھا۔

دروازے کے قریب ارسل ایک کرسی پر بیٹھا لیز کا پیکٹ ہاتھ میں پکڑے کھا رہا تھا۔کانوں میں ہینڈ فری لگی تھی۔اس کے سامنے ہی ایک خالی کرسی پڑی تھی۔دیان وہاں آ کر بیٹھ گیا۔

"اوئے مجنوں کی اولاد ہو گیا دیدار" ارسل جھومتے ہوئے بولا۔ہاتھ اور منہ ایک ساتھ چل رہے تھے۔ہینڈ فری میں چلتے گانے کا نتیجہ۔

"بکواس نا کیا کر فضول" دیان ناگواریت سے کہہ کر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔

چہرے پر سنجیدگی تھی اور اسکی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

ارسل نے چہرہ اونچا کر کے لیز کے پیکٹ کو منہ کے قریب کیا۔بچے کچے ذرات اسکے منہ میں گر گئے۔

ہاتھ جھاڑ کر اسنے لیز کا پیکٹ دوسری طرف اچھالا، ہینڈ فری اتاری اور آگے کی جانب جھک کر بیٹھ گیا۔

"تو کیا چاہتا ہے دیان"

دیان نے جھنجھلاتے ہوئے تاثرات سے اسکی طرف دیکھا

"تجھے ابھی بھی نہیں معلوم کہ میں چاہتا کیا ہوں"

"نہیں مجھے نہیں معلوم۔

کیونکہ تجھے خود نہیں معلوم تو چاہتا کیا ہے۔تجھے زائشہ کو حاصل بھی کرنا ہے لیکن تو کسی کو زبردستی بھی نہیں کرنے دے رہا۔وہ تجھ سے نفرت کرتی ہے پر تو سب کچھ کلیر کرنے پر بھی راضی نہیں۔

(شادی کے بعد سب کچھ کلئیر کروں گا)

اب شادی ہوگی تو کرے گا نا" ارسل دیان کے ہی بولے گئے جملے کا حوالہ دے کر بولا

"تو کیا کروں میں پھر اغواہ کروالوں اسے یا گن پوائنٹ پر نکاح کروں" دیان ارسل کے طنز سن کر بھڑک اٹھا۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔اور بھی بہت سے طریقے ہیں" ارسل کہہ کر مطمئن سا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔اس کا کام تھا آگ لگانا وہ لگ گئی تھی بس بھڑکنے کا انتظار تھا۔

"مطلب"

"میرے دوست اس کے لیے تو تمہیں ارسل شاہ کو ایک عالیشان سے ہوٹل میں زبردست قسم کا ڈنر کروانا ہوگا۔

پھر میں تمہیں ایسے ایسے طریقے بتاؤ گا کہ تم ارسل شاہ کی سوچ پر عش عش کر اٹھو گے"

دیان نے کوفت سے آنکھیں گھمائی۔

اس نے بوڑھا ہو جانا تھا پر اس شخص کا فرمائشی پروگرام قبر تک جاری رہنا تھا۔

"تجھے دوسروں کو لوٹنے کے علاؤہ اور کچھ نہیں سوجھتا۔بیغیرت کبھی اپنے پر بھی پیسے لگا کیا کر یہ شرٹ بھی تو نے میرے پیسوں سے لی تھی اور یہ شوز"

جیسے ہی اسکی نظر ارسل کے پاؤں میں موجود ایڈیڈاس کے وائٹ سنیکرز پر پڑیں وہ بھڑک اٹھا

"کنجوس انسان یہ شوز تو واپس کر دے۔اتنے مہنگے ہیں اور تو قبضہ کر کے بیٹھ گیا ہے"

یہ وہ شوز تھے جو دیان نے اسپیشل اسلام آباد سے خریدے تھے اور اچھے خاصے مہنگے تھے۔

پر ارسل کے منتیں کرنے پر اسے چند دنوں کے لیے ادھار دے دیے تھے لیکن دیان کو واپس لینا یاد نا رہے جس کا بھرپور فائدہ اٹھا کر ارسل ان کو اچھے سے استعمال کر چکا تھا جو انکی حالت سے صاف ظاہر ہو رہے تھے

"ایک چیز بھول رہے ہو تم"

ارسل نے کہتے ہوئے اپنا دائیں ہاتھ کی کلائی سامنے کی جہاں راڈو کی گھڑی موجود تھی۔

دیان اچھل کر آگے آیا اور اسکی کلائی پکڑ لی

"یہ کہاں سے لی تم نے"

"تمہارے ڈریسنگ کے دراز سے" وہ دانت نکال کر بولا اور یہاں دیان کا صبر جواب دے گیا۔

اس نے گھما کر ایک مکہ اسکے جبڑے پر مارا

ارسل بھرپور ایکٹنگ کا مظاہرہ کرتے کرسی سے ہی نیچے گر گیا۔

"ہائے میرا جبڑا..... تو بوڑھا ہونے سے پہلے ہی میرا منہ خالی کر دے گا۔ پھر میں بوڑھوں کی طرح ہپھف ہپھف کر کے بولوں گا"

اس نے باقاعدہ نکل اتارتے ہوئے کہا لیکن دیان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"گھڑی اتار میری" اس کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا یار اتار رہا ہوں" ارسل زمین پر ہی بیٹھا منمنایا اور گھڑی اتار کر اسے دیدی۔

دیان واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"پھر آج رات کو ڈن کریں ڈنر" ارسل کرسی پر بیٹھ کر بولا۔ دیان نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر کلاس سے باہر کوری ڈور میں دیکھنے لگا۔

"ہاں ٹھیک ہے رات کو نو بجے ڈن کرو۔ پھر میں وہی پر تمہیں اپنا پلان بتا دوں گا"

"ارے یار تکلف کیسا تو یار ہے اپنا"

ارسل دیان کی جانب دیکھ کر یوں جواب دے رہا تھا جیسے اس ڈنر کے لیے دیان واقعی اسکا بہت احسان مند ہے۔

"کیا ہو گیا دیان ہم دوست ہیں اور دوستی میں چلتا ہے۔ شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارسل نے سختی دل کے ساتھ اس شکریہ کو رد کر دیا جو دیان نے کہا ہی نہیں تھا۔

ارسل گردن گھما کر ایک برہم نظر اس پر ڈالی تو وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش ہو گیا۔

کسی طابعدار بچے کی طرح۔

پر دیان جانتا تھا کچھ لمحوں بعد اسکی زبان میں پھر سے کھجلی ہونے لگ جانی تھی۔

اور اس کی یہ سوچ کچھ لمحوں بعد ہی سہی ثابت ہو گئی تھی۔

"یار میں کیا کہہ رہا تھا....."

****

سیرت مراد کے گھر کے صحن میں بچھی چارپائی پر اس وقت ان کے ساتھ بتول حیدر بیٹھی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

"بات کی تم نے زائشہ سے"

"کی تو ہے اب دیکھیں کیا کہتی ہے" سیرت مراد ذرا مایوسی سے بولی۔

"کہہ کیا رہی تھی"

"وقت مانگا ہے اس نے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"سیرت" بتول حیدر نے اپنے ہاتھ ان کے سامنے جوڑ دیے "کچھ بھی کرو پر زائشہ کو ہماری جھولی میں ڈال دو"

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ بتول باجی" سیرت مراد نے فوراً سے ان کے جڑے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

"نہیں مجھے کرنے دو۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہے آج ایک ماں تمہارے سامنے جھولی پھیلائے کھڑی ہے۔ زائشہ ہمیں دے دو۔ میرا بیٹا بہت

تکلیف سے گزر رہا ہے سیرت۔اس کے دکھوں کو صرف زائشہ کم کر سکتی ہے۔اسے صرف زائشہ سمجھ سکتی ہے، سنبھال سکتی ہے"

"میں کوشش کر رہی ہوں پر آپ زائشہ کو نہیں جانتی وہ اپنی ضد کی بہت پکی ہے۔جو بات ایک دفعہ کہہ دے وہ پتھر پر لکیر ہوتی ہے"

"کچھ کرو سیرت میرے بیٹے کو بکھرنے سے بچالو۔میں اپنی ایک اولاد کھو چکی ہوں دوسری نہیں کھونا چاہتی"

بتول حیدر رونا شروع ہو چکی تھیں۔سیرت مراد نے انہیں گلے لگالیا۔

"میں مناؤں گی اسے۔آپ فکر مت کریں وہ غازی کی زندگی کا ہی حصہ بنے گی"

"وعدہ کرو میرے سے"ان کی آنکھوں میں ایک آس تھی امید تھی۔اور ساتھ خوف بھی تھا اولاد کو کھونے کا خوف۔

سیرت مراد کا سر خود بخود اثبات میں سر ہل گیا۔

بتول حیدر ایک دم سے پر سکون ہو گئیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انہوں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے

"تو میں پھر کب آؤں رسم کرنے"

"اتنی جلدی"

"ہاں تو اور کتنا انتظار کرنا ہے"

"وہ تو ٹھیک ہے پر مجھے زائشہ سے پوچھ تو لینے دیں ابھی تو اسے یہ بھی نہیں پتا کہ کہ آپ رشتہ لائے ہیں"

"تم نے اسے ابھی تک یہی نہیں بتایا"

"کیا کرتی میں وہ کل بہت غصے میں تھی۔پہلے وہ آپ سب کو معاف کردے پھر ہی میں رشتے کی بات کرسکتی ہوں"

سیرت مراد نے پریشانی سے کہا

"ہمم چلو جیسی تمہاری مرضی تب تک دیان بھی آفس جوائن کرلے گا۔ویسے پڑھائی تو اسکی مکمل ہو گئی ہے پر اب پتا نہیں کون سی ڈگری کرنے کا جنون چڑھا تھا اسے وہی کر رہا ہے۔ختم ہو جائے گی کچھ مہینوں میں"

"زائشہ کا ایم اے مکمل ہونے میں بھی ابھی بس چند ماہ ہیں۔بچے پڑھائی سے فارغ ہو جائیں پھر ہی کچھ سوچا جا سکتا ہے شادی کے بارے میں"

"پر شاپنگ وغیرہ بھی تو کرنی ہے میرے اکلوتے بیٹے کی شادی ہے مجھے اپنے سارے ارمان پورے کرنے ہیں"

ان کی بات سن کر وہ پھیکا سا مسکرا دیں۔خواہشات تو ان کی بھی بہت تھیں پر انکی مالی حالت انہیں اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

انہوں نے ایک نظر بتول حیدر پر ڈالی۔

اتنی عمر ہو جانے کے بعد بھی ان کی شخصیت میں ایک نکھار تھا۔قیمتی لباس،کانوں اور ہاتھوں میں سونے کا زیور،ان کی ذات میں ایک ٹھہراؤ تھا۔

پھر انہوں نے اپنی طرف دیکھا۔پرانا اور کئی مرتبہ دھلا ہوا بوسیدہ سا لباس۔زیور کے نام پر انکے جسم پر کچھ بھی نہیں تھا۔اپنا سارا زیور بیچے تو انہیں ایک عرصہ ہو گیا تھا۔

وہ بتول حیدر سے کافی چھوٹی تھیں پر ان کا بڑھاپا بتول حیدر کی نسبت کافی واضح تھا۔

پریشانیاں انسان کو واقعی بوڑھا کر دیتی ہیں۔اور سیرت مراد کی پریشانیوں نے بھی انہیں بتول حیدر کا ہم عمر بنا دیا تھا۔

انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

وہ آج زائشہ سے دو ٹوک بات کرنے کا سوچ چکی تھیں۔اتنا اچھا رشتہ خود چل کر ان کے گھر آیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ دیان سے بہتر شہزادہ ان کی بیٹی کے لیے آ ہی نہیں سکتا تھا۔

یہ خدا ایک معجزہ ہی تھا کہ انکی دعائیں سن لی گئی تھیں۔ورنہ زائشہ کے لیے وہ بہت فکر مند تھیں۔ابھی تک اس کے لیے وہ جتنے بھی رشتے دیکھ چکی تھی ان میں سے کسی کی اپنی دکان تھی تو کسی کی اپنی ورکشاپ۔

کوئی بھی رشتہ انہیں اپنی بیٹی کے معیار کے مطابق نہیں لگا تھا۔

اور اس دن جب بتول حیدر نے زائشہ کے لیے دیان کے رشتے کی بات کی تھی انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ خدا کا شکر کیسے ادا کریں۔

زائشہ کے رویہ کو لیکر وہ واقعی خوفزدہ تھیں پر انہیں اتنا یقین تھا کہ وہ اسے منالیں گی۔

وہ اٹھی اور کچن میں چلی گئیں تاکہ بتول حیدر کے کھانے کچھ لا سکیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

گہری رات ہر طرف چھا چکی تھی جو آج دو لوگوں کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی لانے والی تھی۔

زائشہ ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے میں پڑھنے میں مصروف تھی جب سیرت مراد اس کے کمرے میں آئیں۔

اس نے فوراً سے کتابیں بند کر دیں۔اماں کے ساتھ ہونے والی ہر بحث کے دوران وہ پڑھنے کے قابل نہیں رہتی تھی۔

"کیا سوچا تم نے پھر"

"کس بارے میں "اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"کل والی بات کے بارے میں"

"اماں میں نے آپ سے دنوں کا وقت مانگا تھا گھنٹوں کا نہیں جو آپ چوبیس گھنٹے بعد آگئی ہیں"

"ایک آسان سا فیصلہ کرنے کے لیے ہی تمہیں اتنا وقت کیوں چاہیے زائشہ"

"اماں یہ آسان فیصلہ نہیں ہے"

"آسان ہی ہے بس تم نے ہی اسے سر پر سوار کر لیا ہے"

زائشہ اب کی بار خاموش رہی۔بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"رشتہ آیا ہے تمہارے لیے" بتول حیدر کا انداز کافی محتاط تھا۔ بہر حال زائشہ نے محسوس نہ کیا۔

"اب کس جمیل مشتاق کا رشتہ آیا ہے" اس نے ہاتھ جھلاتے ہوئے کوفت سے کہا۔

"غازی کا رشتہ آیا ہے"

زائشہ کے ملتے ہاتھ فوراً سے ساکت ہوئے۔ کوئی بمب تھا جو اسکی سماعتوں پر گرا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے سیرت مراد کی جانب دیکھ رہی تھی۔ جیسے یقین کرنا چاہ رہی ہو کہ جو بھی اس نے سنا ہے وہ سچ ہے۔

"کس غازی کی بات کر رہی ہو اماں" پھنسی پھنسی سی آواز اس کے گلے سے برآمد ہوئی۔ چہرے پر بے چینی تھی۔

"جس غازی کو تم جانتی ہو میں اسی غازی کی بات کر رہی ہوں"

وہ اتنی دیر تک سیرت مراد کی جانب خاموشی سے دیکھتی رہی کہ انہیں اسے دوبارہ مخاطب کرنا پڑا۔

"زائشہ"

"اماں یہ رشتہ کون لایا ہے"

"ظاہری سی بات ہے اسکے ماں باپ لائے ہیں"

"اور آپ نے کیا کہا"

اب خاموش ہونے کی باری سیرت مراد کی تھی۔

"اماں مجھ سے یہ مت کہنا کہ آپ نے ہاں کر دی بغیر مجھ سے پوچھا"

"میں نے ہاں نہیں کی مگر........"

"مگر کیا اماں"

"تمہاری شادی غازی کے ساتھ ہی ہو گی" سیرت مراد کا لہجہ دوٹوک تھا۔وہ صدمے سے اپنی ماں کی جانب دیکھتی رہی۔

وہ بستر سے اٹھ کھڑی اور ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔کمر پر ہاتھ رکھے وہ مسلسل اپنی پیشانی مسل رہی تھی۔

پھر سیرت مراد کے سامنے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی اور بولی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"دیکھیں اماں میں انہیں معاف کر سکتی ہوں پر یہ شادی یہ کسی صورت نہیں کر سکتی میں"

"زائشہ جب تم معاف کر دو گی تو شادی کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔غازی بہت اچھا ہے وہ تمہارا بہت خیال رکھے گا"

"پلیز اماں غازی کا ذکر مت کریں میرے سامنے۔وہ کتنا اچھا ہے میں بہتر جانتی ہوں۔بس آپ انہیں رشتے سے انکار کر دیں"

کس بنا پر انکار کروں میں ہاں۔تم جانتی بھی ہو کس قسم کے رشتے آرہے ہیں تمہارے لیے۔غازی کا تو ان سب سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔زائشہ میری ایک بات کان کھول کر سن لو تمہاری شادی غازی سے سے ہی ہو گی اور میں ایک لفظ نہیں سنوں گی اب اس بارے میں"

سیرت مراد غصے سے بولیں تو زائشہ پھٹ پڑی

"اماں نہیں رہ سکتی میں اپنی باپ کے قاتلوں کے گھر۔ نہیں کر سکتی ان کا گھر آباد آپ کو کیوں سمجھ نہیں آ رہی میری بات"

"میں لگاؤں گی الٹے ہاتھ کا ایک کھینچ کر جواب کوئی فضول بکواس کی۔ یہ کیا قاتل قاتل کی رٹ لگائی ہوئی ہے تم نے۔ کسی چیز سے واقف بھی ہو تم۔

تمہارے باپ کو فاروق حیدر کے دشمن نے مارا تھا تو انکی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے باپ کی وفاداری کی وجہ سے مارا تھا۔ اور تمہیں کیا لگتا فاروق بھائی کی فیملی نے کچھ نہیں سہا۔ زائشہ میرب کہ موت عام موت نہیں تھی اسکے ساتھ زیادتی ہوئی تھی۔ اور وہ اسی عرش نے کی تھی جسنے تمہارے باپ کو مارا تھا۔

وہ بیچاری یہ ظلم برداشت نہ کر سکی اور اس دنیا سے ہی چلی گئی۔

انہوں نے اپنی جوان بیٹی کو کھویا ہے۔ وہ بیٹی جس کی ایک ہفتے بعد شادی تھی۔ جس کو لے کر انہوں نے اتنے خواب دیکھے تھے۔ فاروق بھائی اتنے

عرصے تک کومہ میں رہے۔بتول باجی اپنے حواسوں میں نہیں رہتی تھیں۔

اور غازی اس کی تکلیف کا تم اندازہ ہی نہیں کر سکتی۔کیا حال ہو گا اس بھائی کا جس کی بہن کو اسکی آنکھوں کے سامنے زیادتی کر کے مار دیا گیا ہو اور وہ کچھ نا کر سکا ہو۔

تمہیں ترس نہیں آتا ان پر۔خدا کا واسطہ ہے مت دو انہیں مزید تکلیف اپنی ذات کے ذریعے۔معاف کر دو انہیں۔مزید بوجھ مت ڈالو ان پر۔

اور ایک بات میری اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ میں اس رشتے کے لیے ہاں کرنے لگی ہوں۔تم روپیٹو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شادی تمہاری اسی گھر میں ہو گی"

سیرت مراد غصے سے اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

اور زائشہ پتھر کا بت بنے وہی کھڑی رہیں۔میرب کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی وہ اس بات سے انجان تھی۔

وہ تب چھوٹی تھی اماں نے اسے نہیں بتایا تھا۔

اور بعد وہ اپنے مسئلوں میں اس قدر الجھ گئے تھے کہ اماں نے اس بات کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔

ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر چہرے پر پھسل گیا۔

آنکھوں کے سامنے سے جب گہرہ اندھیرا ہٹتا ہے تو روشنی سے ایک پل کے لیے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

زائشہ کو اپنا آپ مجرم محسوس ہو رہا تھا۔وہ خود کو اتنے سالوں سے ایک ایسی آگ میں جلاتی آ رہی تھی جس کو بھڑ کانے والی وہ خود تھی۔

آگاہی کا لمحہ ایک دفعہ آتا ہے پر تکلیف اس قدر شدید دے کر جاتا ہے کہ ساری زندگی یاد رہتی ہے۔

وہ کتنی دیر تک یونہی شل کھڑی رہی۔

ہوش کی دنیا میں واپس اسے موبائل فون کی گھنٹی لائی تھی۔

وہ مرے مرے قدموں سے فون کے پاس آئی اور فون نمبر دیکھا۔

وہی نمبر تھا جس نے ایک عرصے سے رابطہ کرنا چھوڑ دیا تھا۔

شاید آج کے بعد سارے رابطے سارے راستے کھل جانے والے تھے۔

اس نے فون یس کر کے کان سے لگایا

"السلام علیکم زائشہ مراد" دوسری جانب غازی کی دلسوز آواز گونجی۔

زائشہ نے آنکھیں بند کر کے کھولیں تو وہ آنسوؤں سے بھری تھی۔

جس جھوٹ کو سچ مان لیا جائے جب وہ خود کو جھوٹا ثابت کر کے جاتا ہے نا تو

اعتبار خود پر سے اٹھتا ہے۔

اور وہ بھی خود پر سے اپنا اعتبار کھو چکی تھی۔

حقیقت کھل گئی تھی پر زائشہ مراد کے وجود کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لے گئی

تھی۔

وہ حصہ جو نفرت میں گھل گھل کر ختم ہو گیا تھا۔

****

"کیسی ہو؟"

زائشہ کا سلام کا جواب دینے پر غازی اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہوں" زائشہ بستر پر بیٹھ گئی اور چادر کے ڈیزائن پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

جب اسے غازی کو قبول کرنا ہی تھا تو پھر ابھی سے کیوں نہیں۔

دوسری جانب زائشہ کا جواب دینا ہی غازی کے لیے بے پناہ حیرت کا باعث تھا۔

وہ تو سوچ کر بیٹھا تھا کہ اسکے بات کرنے پر ہی وہ بھڑک اٹھے گی یا اسکی بات کا جواب دینا پسند نہیں کرے گا۔ پر یہاں تو سب اسکی توقع کے خلاف ہوا تھا۔

"یقیناً ہم دونوں سے متعلقہ ایک بہت اہم بات تمہیں پتا چل گئی ہو گی" اس کا انداز محتاط تھا۔ پتا نہیں اسے کچھ پتا بھی تھا یا نہیں۔

زائشہ خاموش رہی۔وہ جان گئی تھی کہ وہ کس بارے میں بات کرنے والا ہے۔

"تمہاری خاموشی کو میں تمہاری ہاں سمجھوں"

زائشہ نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

وقفہ کافی لمبا ہو گیا تو غازی بولا

"زائشہ تم لائن پر ہو نا" غازی کو لگا جیسے وہ اسے سن ہی نہیں رہی۔

"ہمم" اک لفظی جواب۔

غازی مسکرا دیا۔

"خیر ہو آج تو گنگا الٹی بہہ رہی ہے" وہ بس سوچ کر رہ گیا۔

"آنٹی نے بات کی تم سے رشتے کی"

اور زائشہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

اُفف وہ سیدھا پوائنٹ پر کیوں آگیا تھا۔یہ کوئی طریقہ تھا کسی لڑکی سے رشتے کی بات کرنے کا۔

زائشہ ایک دم سے کنفیوز ہو گئی۔وہ ابھی تک اپنی ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا اسے کیا کرنا ہے۔

اماں کی باتوں نے کسی حد تک اس کے اندر موجود نفرت کے بت کو توڑ ڈالا تھا پر نارمل ہونے کے لیے ابھی بھی وقت درکار تھا۔

ایک دم سے کسی ایسے انسان کے ساتھ رابطے میں آجانا جس کے لیے کبھی نفرت سے آگے کوئی جذبہ محسوس ہی نا کیا ہو،کافی مشکل کام ہے۔

"زائشہ"

غازی نے اسے ایک بار پھر سے پکارا پر اب کی بار زائشہ نے بوکھلا کر فون بند کر دیا۔

"اب میں کیا جواب دوں اسے کہ اماں میرا جواب سنے بغیر اپنی مرضی مجھ پر مسلط کر کے چلی گئی ہیں۔بھلا کوئی لڑکی اپنے منہ سے ایسی بات کا اقرار کرتی ہے"

وہ غصے سے بڑبڑائی اور فون بیڈ پر پھینک کر بستر پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

سوچوں کی ٹوٹی ڈور ایک بار پھر سے جڑ چکی تھی۔

خود پر ہوئی زیادتیاں غازی پر ہوئی زیادتیاں، اس نے سب کا تجزیہ کیا۔ کچھ بھی تو مختلف نہ تھا۔

وہ اپنی نفرت میں اس قدر آگے نکل گئی تھی کو وہ دیکھ ہی نا سکی کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

اسکی آنکھیں ایک بار پھر سے بھیگنا شروع ہو گئی تھیں۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ناخود کو مجرم دیکھنا۔ خود کو غلط دیکھنا۔ خود کو ہر چیز کا ذمہ دار دیکھنا۔

وہ اندر سے کہیں نا کہیں غازی کے رشتے کے لیے راضی ہو گئی تھی۔

اب ویسے بھی اسکے پاس واحد آپشن یہی تھا۔

وہ کسی طرح مداوا کرنا چاہ رہی تھی اور یہ اسے صرف اسی صورت میں نظر آرہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اس وقت اپنا غم،اپنی تکلیفیں بھلائے صرف غازی پر گزری تکلیفوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اور اس کی دل میں گلٹ بڑھتا جا رہا تھا۔

دوسری جانب زائشہ کے اچانک کال بند کرنے پر دیان حیرت سے فون کی سکرین کو دیکھا تھا۔

پہلے جس چیز کی توقع تھی وہ ہوئی نہیں تھی اور اب جس کی نہیں تھی وہ ہوگئی تھی۔

اسے لگا تھا کہ سیرت مراد زائشہ سے رشتے کی بات کر چکی ہیں اور وہ اس سے صرف اس لیے نرم رویہ میں بات کر رہی ہے تا کہ اسے میٹھے لہجے میں رشتے سے انکار کر دے۔پر یہاں تو اب گنگا ایک دم سے الٹی بہنا شروع ہوگئی تھی۔

"کیا وہ شرما گئی" اس نے خود سے سوال کیا

"اودیان تو پاگل ہے۔شرماہی ناجائے وہ۔اگلے بندے کا سر پھاڑ دینے والی لڑکی کسی سے شرمائے گی ہونہہ"

"پھر اسنے کال کیوں بند کی۔کہیں میرا اس طرح پوچھنے پر اسے غصہ تو نہیں آگیا

میں بھی پاگل ہوں کیا ضرورت تھی اس ارسل کی بات سننے کی۔اس کا آگے کبھی کوئی پلان کامیاب ہوا ہے جو یہ ہوتا۔کمینہ تین ہزار کا کھانا کھا گیا اور فائدہ پھر بھی کوئی نہیں ہوا مجھے۔

اب کیا کروں۔کیسے دوں اسے دھمکی۔وہ تو غصے سے تپی بیٹھی ہو گی۔مجھے ہی زلیل نا کر دے۔

نرمی سے بھی بات ہو سکتی ہے پر نہیں میں نے تو ماننی ہی ارسل کی ہے۔بھلا کوئی جواز بنتا ہے اسے دھمکی دینے کا۔بس معاملہ بگڑا نہ ہو۔

اللہ پوچھے گا تجھے ارسل۔الگ ٹینشن دے دی ہے تم نے مجھے "

دیان ہاتھ میں فون گھماتا ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"بنا بنایا کام نہ بگڑ جائے"

اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اپنی پیشانی مسلی۔

اسی لمحے بتول حیدر فوراً سے دروازہ کھول کر کمرے میں آئی۔

"دیان بیٹا" ان کا انداز بہت پر جوش تھا۔ سانس پھولا ہوا تھا جیسے وہ بھاگ کر آئی ہوں۔ خوشی ان کے چہرے سے صاف پھوٹ رہی تھی۔

"کیا ہوا اماں" دیان ان کا پھولا ہوا سانس دیکھ کر فکر مندی سے نزدیک آیا۔

"مبارک ہو بیٹا زائشہ نے ہاں کر دی"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بتول حیدر کے منہ سے الفاظ ادا ہونے کی دیر تھی اس کے چلتے قدم رکے۔ وہ جہاں تھا وہی کھڑا ہو گیا۔

بتول حیدر بھاگ کر اسکے پاس آئیں۔

"ابھی سیرت کا فون آیا ہے۔ زائشہ مان گئی ہے۔ دیان مجھے سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں۔ میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ"

وہ اپنی ہی رو میں بولتی جا رہی تھی جب ان کی نظر دیان پر پڑی۔

اس کے چہرے پر بے یقینی تھی آنکھوں میں حیرت۔

"کیا ہوا دیان بیٹا۔ تمہیں خوشی نہیں ہوئی"

"مام آپ سچ کہہ رہی ہیں"

پھسے پھسے الفاظ اس کے حلق سے نکلے۔ آواز مدھم تھی۔

"ہاں سچ کہہ رہی ہوں میں زائشہ مان گئی ہے۔ تم یقین کر لو بہت جلد تم لوگوں کی شادی ہو جائے گی" وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر بولی

"اب میں ذرا ثمینہ کو فون کر کے بتا دوں۔ تم بھی ارسل کو بتا دو۔ بہت جلد رسم کرنے جانا ہے ہمیں"

وہ جس پر جوشی کے ساتھ آئی تھیں اسی کے ساتھ واپس چلی گئی۔

وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی پر دیان وہی کمرے کے بیچ میں کھڑا رہا۔

پھر آہستہ سے چلتے ہوئے بیڈ کے پاس آیا اور اس پر کھڑا ہو گیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات ابھی بھی سپاٹ تھے۔ بے یقین تھے۔ جیسے وہ اس بات کو قبول نہ کر پا رہا ہو یہ قبول کرنے میں مشکل ہو رہی ہو۔ لیکن

پھراسکے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے ایک بہت گہری مسکراہٹ۔اطمینان بھری مسکراہٹ۔خوشیوں سے بھری مسکراہٹ۔

اس نے اپنے دونوں بازو اطراف میں پھیلا دیے اور زور سے چلایا

"آئی لو یو زائشہ۔آئی ریلی ریلی لو یو"

پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

کمرے سے باہر سیڑھیاں اترتی بتول حیدر اسکی آواز سن کر ہنس دی۔ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان ہنستے ہنستے بیڈ پر گر گیا۔وہ بالکل بستر کے درمیان میں لیٹا ہوا تھا۔نظریں چھت پر لگے فانوس پر تھی۔

فانوس کی روشنی اسکے سیاہ آنکھوں میں چمکتی نمی کو جھلمل کر رہی تھی۔ہنس ہنس کر اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

وہ مسکراتا ہوا مسلسل ایک جملہ بڑبڑا تھا۔

"آئی ریلی لو یو زائشہ"

اسے اپنے پیٹ میں تتلیاں اڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔خوشی کی ایک لہر اپنے جسم میں دوڑتی محسوس ہوئی۔اس کے جسم کا انگ انگ جھوم رہا تھا۔

اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ بالکونی میں کھڑا ہو کر زور سے چلائے اور ساری دنیا کو بتائے کہ وہ آج کس قدر خوش ہی۔

وہ اپنی زندگی میں کبھی اتنا خوش نہیں ہوا تھا۔فاروق حیدر کے ہوش میں آنے پر اسے خوشی تو ہوئی تھی پر ساتھ میرب کی موت کے بارے میں بتانے کی فکر بھی تھی۔اس کے علاوہ اس کا سارا ماضی تاریک تھا۔

اسے اپنے جسم میں بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ایک عجیب سی ہلچل مچی تھی اس کے اندر۔ایک الگ سی اتھل پتھل تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ارسل کو بلائے اور اسکے ساتھ جی بھر کر ناچے۔اتنا ناچے اتنا چلائے کہ لوگ اس کی خوشی پر رشک کرنے لگیں۔اسکی مسکراہٹ کی نظریں اتاریں۔

دیان بستر سے چھلانگ لگا کر کھڑا ہوا اور فوراً سے فون پر ارسل کا نمبر ملایا۔ دو کالز کے بعد ارسل کی نیند میں ڈوبی آواز فون سے گونجی

"میں کھانے کے پیسے بالکل واپس نہیں کروں گا"

"ارسل ارسل زائشہ مان گئی یار "ارسل کی بات کو مکمل اگنور کرتے دیان نے چلاتے ہوئے بتایا۔

دوسری طرف ارسل کی نیند بھک سے اڑ گئی۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور حیرت سے فون کی سکرین کو دیکھا۔

"میرے دوست مانا کہ تجھے زائشہ سے بہت محبت ہے پر تو نے اسے زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا ہے۔ تو نے کوئی اچھا خواب دیکھا ہو گا سو جا اور مجھے بھی سونے دے"

"میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا سچ بول رہا ہوں۔ ابھی ماں نے آ کر بتایا ہے کہ زائشہ مان گئی ہے۔ سیرت آنٹی نے اسے منا لیا ہے"

اب ارسل کے اصل معنوں میں چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہ کر"

"یار ارسل میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ابھی ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈالوں۔ آتش بازی کر کے اس اندھیری رات کو روشن کر دوں اور ساری دنیا کو بتاؤں کہ زائشہ مراد نے دیان غازی کے لیے ہاں کر دی ہے" وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔ دوسری طرف ارسل آسودگی سے مسکرا دیا

کتنا سکون ملتا ہے نا ان لوگوں کو خوش دیکھ کر جو آپ کے جینے کی چند وجوہات میں سے ایک ہوتے ہیں۔

"میں تیرے گھر آرہا ہوں" ارسل نے اپنے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا۔

"اس وقت"

"ہاں دس ہی تو بجے ہیں"

"چل ٹھیک ہے آجا"

دیان نے کال بند کر دی تو ارسل فون پر ایک اور انسان کا نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو صوفیہ "ابھی اس نے ہیلو کہا ہی تھا جب صوفیہ چلا اٹھی

"ارسل آپ کو پتا لگا"

ارسل نے ایک آنکھ بند کر کے فون کو کان سے دور دیا۔

"ایک تو یہ لڑکی ہر وقت چلاتی رہتی ہے"

"ہاں لگ گیا ہے مجھے بھی پتا میں ارسل کے گھر جا رہا ہوں تم بھی آ جاؤ"

صوفیہ آگے سے اس پر غصہ کر رہی تھی کہ سب کچھ اس سے چھپایا کیوں گیا پر وہ اسے اگنور کرتا فون بند کر گیا اور واشروم میں کپڑے چینج کرنے کی نیت سے چلا گیا۔

دیان فون ٹراؤزر کی جیب میں ڈالتا نیچے کی جانب بھاگا۔بتول حیدر اور فاروق حیدر دونوں لاونج میں ہی بیٹھے تھے۔

"مبارک ہو میرے چیتے "دیان کو سیڑھیاں اترتا دیکھ فاروق حیدر اپنے بازو پھیلا کر کھڑے ہو گئے۔دیان بھاگ کر ان کے گلے لگ گیا۔

بتول حیدر نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔

"ڈیڈ میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ"

"نظر آ رہا ہے"

"آپ دونوں یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟"

"صوفیہ آرہی ہے سب کو لے کر۔میں نے ثمینہ کو کال کی تو وہ پاس ہی بیٹھی تھی۔اس نے سب سن لیا اور اب تم تیار ہو جاو تمہاری اچھی کلاس لگنے والی ہے اسکے ہاتھوں "بتول حیدر ہنستے ہوئی بولیں تو دیان بھی ہنس دیا۔

"ارسل بھی آرہا ہے اللہ خیر ہی کرے پھر آج"

"اچھا آپ دونوں بیٹھیں میں دیکھوں کچن میں کچھ کھانے کے لیے"

"ارے بیٹھ جاؤ بتول باہر سے منگوا لیں گے،کیوں دیان"

"جی مام رہنے دے آپ میں آرڈر کر دوں گا آپ فکر نہیں کریں"

"چلو ٹھیک ہے۔

فاروق اب جب سب اکٹھے ہو ہی رہے ہیں تو آج ہی فائنل کر لیں گے کب جانا ہے رسم کرنے"

"ہاں صحیح ہے۔ہم ڈیسائیڈ کر لیں گے پھر کل تم سیرت کو فون کر کے بھی پوچھ لینا"

وہ لوگ شادی کی ہی باتوں میں مصروف ہو گئے جب تقریباً پندرہ منٹ بعد انہیں باہر پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ان سب نے گلاس وال سے لان کی طرف دیکھا پر وہاں سے یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ آنے والا کون ہے پر انہیں اندازہ تھا کون آیا ہے۔

"دیان باھھہہیہیمیییی" صوفیہ دھڑام سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آئی۔

دیان نے فوراً سے کھڑے ہو کر صوفے کے پیچھے چھلانگ لگائی۔

صوفیہ کی جوں ہی اس پر نظر پڑی وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی۔

اس نے گلابی رنگ کا ٹراؤزر اور اوپر سیاہ ڈھیلی سی شرٹ پہنی تھی۔چادر اپنے چاروں طرف لپیٹی ہوئی تھی۔بالوں کی پونی میں سے کافی بال باہر آکر بکھر گئے تھے۔یقیناً وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی جب اسے یہ خبر ملی تھی۔

"کتنے تیز ہیں آپ میری بھابھی پسند کرلی اور مجھ سے پوچھا بھی نہیں"وہ بھاگتے ہوئے اس کی طرف آئی تو وہ دوسرے صوفے کے پیچھے ہو گیا اور زور سے قہقہہ لگایا۔

صوفیہ کے منہ سے بھابھی لفظ سن کر اس کے دل میں عجیب سے گدگدی ہوئی تھی۔

صوفیہ وہیں کھڑی ہو گئی اور پاؤں پٹخ کر رونے کے سے انداز میں بولی

"میں نے اپنی بھابھی خود پسند کرنی تھی۔دیان بھائی آپ نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے"

وہ روہانسی ہو گئی تھی۔حامد جہانگیر نے فوراً سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

بیٹا جب تم اپنی بھابھی سے ملو گی ناتو وہ تمہیں بہت پسند آئے گی۔اس بات کی میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں"

"وہ تو مجھے معلوم ہے بھابھی بہت اچھی بہت پیاری ہو گی۔آخر کو میرے بھائی کی پسند پہ کوئی معمولی لڑکی تو نہیں ہو گی"

اس کی بات سن کر ایک بار پھر سے دیان کا قہقہہ گونجا۔

"سبحان اللہ رشتہ پکا کیا ہو گیا ان کے تو دانت ہی اندر نہیں جا رہے"

"ہاں تو اتنے پاپڑ بیلے ہیں رشتہ پکا کروانے کے لیے۔اب بندہ خوش بھی نا ہو"

"ہاں ہاں بھائی ہوں خوش۔بھنگڑے ڈالیں لٹیاں ڈالیں"

"مبارک ہو بتول" وہاں سب کو اپنی باتوں میں مصروف دیکھ کر ثمینہ جہانگیر بتول حیدر کے گلے لگتے بولیں۔

"آپ کو بھی بہت مبارک ہو۔میں آج بہت خوش ہوں" انہوں نے دیان کی جانب دیکھا

"میں نے یہ خوشی پہلی بار اپنے بیٹے کے چہرے پر دیکھی ہے۔اللہ اسے کسی کی نظر نہ لگائے"

"آمین" ثمینہ جہانگیر نے بھی دیان کے مسکراہٹ چھلکاتے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ دیان پتا نہیں کہاں رہ گیا۔دو منٹ کا راستہ ہے آدھا گھنٹا ہو گیا" دیان نے گھڑی پر نظر ڈالتے کہا۔دیان کا گھر اس کے گھر سے بس چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔

"آجائیں گے کر رہے ہوں گے کوئی تماشے وغیرہ" وہ منہ بنا کر بولی۔ایک تو اس انسان نے ان کی پر فیملی گیٹ ٹو گیدر میں آنا ہوتا تھا۔

صوفیہ کے الفاظ سن کر فاروق حیدر نے اسے ایک گھوری دکھائی تو وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش ہو گئی۔

ایک پل کے لیے لاونج میں خاموشی ہوئی پر باقی سب پھر سے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔

کچھ منٹ گزرے تھے جب دیان کو محسوس ہوا جیسے دور کہیں ڈھول بج رہا ہے اور اسکی آواز آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی ہے۔

اس کے دماغ میں اچانک سے کچھ کلک ہوا تو وہ ہنستے ہوئے اٹھا اور فوراً سے باہر کی جانب بھاگا۔

بقایا سب نے اسے ہنستے اور باہر کی جانب بھاگتے دیکھ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہیں انہیں کیا ہوا" صوفیہ بولی پر کانوں میں پڑتی آواز نے اسے بھی باہر کی جانب قدم بڑھانے پر مجبور کر دیا۔

وہ جیسے ہی لاونج کے دروازے کے پاس آئی سامنے انٹرنس کے دروازے کے پار نظر آتے منظر کو دیکھ کر چلا اٹھی

"جیوار سل"

سامنے ہی ارسل ڈھول کی تھاپ پر دیان کے ساتھ بھنگڑے ڈال رہا تھا۔ دیان بھی اسکا بھرپور ساتھ دے رہا تھا۔

ارسل کی کار کا دروازہ کھلا تھا اور فل آواز میں گانا چل رہا تھا

اوڈی جے نو بلوا دو......اوڈی جے نو بلوا دو

ساڈے ویرے دی ویڈنگ ہے

بوتلیں کھلوا دو ساڈے ویرے دی ویڈنگ ہے

او ٹویٹر پہ ہے ٹرینڈنگ

اوٹو یٹر پہ ہے ٹرینڈ نگ ساڈے ویرے دی ویڈ نگ ہے

لانگ ٹائم سے پینڈ نگ ساڈے ویرے دی ویڈ نگ ہے

"لانگ ٹائم سے پینڈ نگ ساڈے ویرے دی ویڈ نگ ہے"صوفیہ بھی چلاتے ہوئے دیان کی طرف بھاگنے لگی تھی پر ثمینہ جہانگیر نے فوراً سے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے گھورا۔وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

ارسل اور دیان فاروق حیدر اور حامد جہانگیر کو بھی اپنے ساتھ شامل کر چکے تھے۔دیان دروازے پر بیٹھے چوکیدار کو بھی کھینچ لایا تھا۔

اور اب وہ سب خوب شور مچاتے بھنگڑے ڈال رہے تھے۔

اتنا شور سن کے گھر میں موجود ملازمین بھی جاگ کر لان میں آ گئے تھے۔

بتول حیدر نے صوفیہ کے کان میں کچھ کہا تو وہ سر ہلاتی اندر کی طرف بھاگی۔

پھر کچھ دیر بعد باہر آئی تو اسکے ہاتھ میں پیسے تھے۔بتول حیدر نے سب کا صدقہ اتار کر وہ پیسے اپنی ملازمہ کو تھما دیے۔

اتنے عرصے بعد وہ اپنے گھر میں اتنی رونق، خوشی اور کھلکھلاہٹیں دیکھ رہی تھیں۔

میرب کو یاد کر کے بار بار ان کی آنکھیں بھگ رہی تھیں۔وہ آج ہوتی تو کس قدر خوش ہوتی۔

****

ہر وقت اندھیرے میں ڈوبے رہنے والا کمرا ارات کے دو بجے روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔کمرے کا کونا کونا روشن تھا۔

کھڑکیوں کے آگے دبیز پردے گرے تھے اور کمرے کے وسط میں دیان سجدے میں جھکا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی ارسل اپنے گھر گیا تھا اور باقی سب سونے کے لیے اپنے کمروں میں آ گئے تھے۔

سب کے ساتھ مل کر اس نے اپنی خوشی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کیا تھا۔اس نے واقعی آج سب کو بتا دیا تھا کہ وہ کتنا خوش ہے۔اس نے اندھیری رات کو روشن صبح بنا دیا تھا۔

رات کی خاموشی میں ارد گرد کے گھروں میں سوئے لوگ بھی یقیناً اس کے قہقہوں کو سن کر اس کی خوشی کا اندازہ لگا چکے ہوں گے۔

اور اس وقت دیان سجدہ شکر کرنے کے لیے جھکا تھا۔

وہ اس وقت غازی تھا،وہ غازی جو میرب اسے بنانا چاہتی تھی۔پر غازی کچھ باتیں بھول گیا تھا۔میرب اسے ایک اچھے اور نیک مسلمان کے ساتھ ساتھ مومن بنانا چاہتی تھی۔

پر وہ صرف مسلمان رہ گیا تھا۔ایک اچھا اور نیک مسلمان۔مومن نہیں۔

مومن اور مسلمان میں توکل کا فرق ہوتا ہے۔امید کا فرق ہوتا ہے۔دعا کا فرق ہوتا ہے۔

اور بدقسمتی سے دیان یہ سب فرق لے آیا تھا۔وہ اللہ کی ذات پر سے توکل کھو بیٹھا تھا۔وہ اچھی امید کرنا چھوڑ گیا تھا۔میرب کی موت اور زائشہ کے جانے کے بعد سے اس نے دعائیں مانگنا چھوڑ دی تھیں۔

وہ نماز اور قرآن پڑھتا تھا۔آج بھی پڑھتا تھا، باقاعدگی سے پڑھتا تھا پر بہت کچھ تھا جو وہ کھو بیٹھا تھا۔

جو اسے ایک مومن سے مسلمان کے درجے پر لے آئے تھے۔

دس سال کا بچہ مومن ہوتا ہے یا نہیں یہ معلوم نہیں پر غازی میں کچھ خاص تھا۔اگر غازی اسی رستے پر چلتا تو وہ ایک مومن تھا۔پر اس نے خود کو عام کر دیا تھا۔اس نے اپنے نام سے غازی ہٹا دیا تھا۔اب وہ صرف دیان تھا۔

وہ دیان جو اندھیروں میں کھڑا تھا۔ جو تھا تو سیدھے راستے پر ہی پر وہ اپنی سمت کا تعین نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ بھٹکا ہوا نہیں تھا پر وہ سنبھلا ہوا بھی نہیں تھا۔

دیان وہ نہیں تھا جو اسے ہونا چاہیے تھا۔ جس کے لیے میرب نے کوشش کی تھی جس کی میرب نے خواہش کی تھی۔

پر آج ایک تبدیلی آئی تھی۔ آج پورے چودہ سال بعد دیان غازی سجدہ شکر کے لیے جھکا تھا۔ آج اس نے فرضی نمازوں سے ہٹ کر تہجد پڑھی تھی۔ وہ نماز جو اللہ کے محبوب لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

وہ کوئی شکوہ شکایت نہیں کرتا تھا پر وہ شکر بھی نہیں کرتا تھا۔ وہ خود کو نیوٹرل بنا چکا تھا پر نیوٹرل کوئی نہیں ہوتا۔ دل نیوٹرل ہو ہی نہیں سکتا۔ یا تو وہ اچھا ہوتا ہے یا برا۔ جیسے محبت ہوتی یا نفرت، غرور ہوتا ہے یا فخر۔ اس کے بیچ کی کوئی آپشن نہیں ہوتی۔

لیکن آج اسے نوازا گیا تھا تو وہ کیسے شکر نہ کرتا۔

وہ سجدے میں جھکا تھا۔اس کی لب ساکت تھے آنکھیں بند تھیں اور پلکیں نم تھیں۔

لفظ نہیں تھے اور جہاں زبان کے لفظ نہیں ہوتے وہاں دل کے لفظ اپنا کام کرتے ہیں اور دل کے لفظ کس قدر گہرے اور پر تاثیر ہوتے ہیں یہ تو صرف وہی جانتے ہیں جو ان کا استعمال کرتے ہیں۔

دیان پر چڑھی خول آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔وہ بدل رہا تھا۔اور آنے والے وقتوں میں ایک نیا دیان غازی ظاہر ہونے والا تھا۔

نا ویسا جیسا میرب اسے بنانا چاہتا اور نا ویسا جیسا وہ تھا بلکہ ویسا جیسا وہ خود کو دیکھنا چاہتا تھا۔

جب انڈہ باہر سے توڑا جائے تو اس میں پلتی زندگی ختم ہو جاتی ہے پر جب وہ اندر سے ٹوٹتا ہے تو ایک نئی زندگی وجود میں آتی ہے۔

دیان غازی کی بھی ایک نئی شخصیت وجود میں آنے والی تھی۔بس تھوڑی سی توڑ پھوڑ کا انتظار تھا۔

وہ سجدے سے اٹھ بیٹھا اور سر جھکائے جائے نماز کی جانب دیکھنے لگا۔

"میں کیا ہوں؟ ایک مٹی کا پتلا، ایک انسان پر شاید میں ایک انسان بھی نہیں۔ میں تو ایک کٹھ پتلی ہوں۔ ایک ایسی کٹھ پتلی جسے ہر کوئی اپنے مرضی سے چلاتا رہا۔ اپنی مرضی کے مطابق ڈھالتا رہا اور میں ڈھلتا رہا۔

میں اتنا کمزور کیوں بن گیا۔ میں تو دیان ہوں سربراہ حاکم پھر میں غلام کیسے بن گیا۔

میں غازی ہوں جنگ کے بعد زندہ لوٹ کر آنے والا بہادر لیکن میں بزدل کیوں بن گیا"

اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"میں کیوں وہ بن گیا جو لوگوں نے مجھے بنانا چاہا۔ مجھے تو سب کا سہارا بننا تھا پر میں خود سہارے ڈھونڈتا رہا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔اپنے ان سوالوں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"انسان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔جس رشتے کا طے ہونا کو میں ناممکن سمجھ رہا تھا وہ اتنی جلدی ہو گیا کہ میرے لیے یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے۔میری خواہش اتنی جلدی پوری ہو گئی"

اس نے ذرا سوچتے ہوئے ذہن پر زور دیا

"میری ہر خواہش ہی تو پوری ہوتی آئی ہے۔کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا ہو۔ایک میر ب آپی کی موت پر میں اتنا ناامید اتنا مایوس کیسے ہو گیا۔

میں اتنا ناشکرا کیسے بن گیا۔

مجھے ایسے لگ رہا ہے آج میری زندگی میں ایک معجزہ ہوا، زائشہ کا مجھے ملنا ایک معجزہ ہی تو ہے پر میں اس معجزے کے قابل تو نہیں تھا۔کیوں ہوا یہ سب۔ایسا کیا ہے مجھ میں"

دیان آج اپنی ذات سے سوالات کر رہا تھا اور جب سوال کرنے والا دماغ ہو اور جواب دینے والا ضمیر تو دل پر پڑی گرہیں کھلتی جاتی ہیں۔

اس سفید محل سے چند میل دور ایک تنگ و تاریک گلی کے چھوٹے سے گھر میں ایک کمرے کی لائٹ روشن تھی۔زائشہ جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔

"یااللہ میں نہیں جانتی میرا فیصلہ درست ہے یا نہیں پر میں سب کچھ آپ پر چھوڑ چکی ہوں۔آپ جو بھی کریں گے مجھے قبول ہے آپ کے فیصلے کبھی میرے حق میں غلط نہیں ہو سکتے اور اسی چیز نے مجھے پر سکون کر دیا ہے۔ میری آنے والی زندگی کو آسان کرنا میرے رب اور مجھے ہمت دینا کہ میں غازی اور اس کے ٹوٹے ہوئے خاندان کو جوڑ سکوں

آمین"

آج زائشہ خود سے سوال کرنا چھوڑ چکی تھی تو دوسری طرف دیان خود کو کٹہرے میں کھڑا کر چکا تھا۔یہ عدالت کب تک چلنی تھی یہ وقت کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

****

"کیا بکواس کر رہی ہو" زینب چلاتے ہوئے بینچ سے کھڑی ہوگئی تو زائشہ نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"آرام سے بولو کوئی سن نہ لے"

وہ دونوں اس وقت اکیڈمی کے گراؤنڈ میں ایک بینچ پر بیٹھی تھیں۔زینب کا پیریڈ فری تھا اور زائشہ نے اپنا کسی اور ٹیچر کو دے دیا تھا اسی لیے ان کی ملاقات ہوگئی تھی ورنہ تو بس آتے جاتے سلام دعا کا ہی وقت ملتا تھا۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تمہارا رشتہ ہو گیا اور میں چیخوں بھی نہ واہ۔ تم مجھ سے کوئی بات شئیر نہیں کرتی تھی یہاں تک تو ٹھیک تھا پر مجھے بتائے بغیر تم نے لڑکا پسند کر لیا" ذینب اس وقت شدید غصے میں تھی جو کہ اس کے تاثرات سے ظاہر بھی ہو رہا تھا۔

"فضول مت بولو۔ کوئی لڑکا پسند نہیں کیا میں نے۔ اماں نے خودی رشتہ طہ کر دیا اور مجھے بس فار میلیٹی کے طور پر بتا دیا رات کو کہ رسم کے لیے تیار رہنا" وہ ہاتھ جھلاتے ہوئے منہ بسور کر بولی تو ذینب کچھ پر سکون ہوئی کہ زائشہ انجان تھی ورنہ وہ اسے ضرور بتاتی۔

"اچھا نام تو بتاؤ کرتا کیا ہے اور سب سے بڑھ کر دکھتا کیسا ہے؟"

اب ذینب کی وہ رگ جاگ چکی تھی جو اپنی دوست کے رشتہ پکا ہونے کا سن کر ہر دوسری دوست کی جاگتی ہے۔

زائشہ نے گہرا سانس لیا۔

اب اگر وہ اسے ان تفصیلات کے بارے میں بھی نا بتاتی تو وہ یقیناً اس کا سر پھاڑ دیتی۔اسے محسوس ہو گیا تھا کہ اس نے زینب کے ساتھ بہت زیادتی کر دی ہے۔

"غازی نام ہے اسکا۔میرے بابا کے دوست کا بیٹا ہے۔بچپن میں ہم ملتے تھے پر پھر بابا کی ڈیتھ ہو گئی اور ہم ادھر آ گئے۔پر پھر اتفاق سے انہوں نے ہمیں ڈھونڈھ لیا اور رشتہ ڈال دیا۔اور میری اماں تو پہلے سے ہی انتظار میں تھیں فوراً سے ہاں کر دی"

"اوہ اچھا۔ویسے نام تو بہت پیارا ہے غازی بالکل ہیرو جیسا۔دکھنے میں کیسا ہے"وہ آنکھیں پٹپٹاتے ہتھیلی پر تھوڑی جما کر بولی

"مجھے نہیں معلوم"

"کیا مطلب تمہیں نہیں معلوم"زینب فوراً سے سیدھی ہوئی۔اسے لگا تھا وہ ابھی اس کی خوبصورتی کے قصیدے پڑھے گی اور وہ امیجن کرے گی پر یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

"میں نے دیکھا نہیں اسے"

"کیوں"

"کیا مطلب کیوں۔کسی نے دکھایا ہی نہیں تو میں کیسے دیکھتی" وہ ذرا غصے سے بولی تو زینب بھی فوراً سے نارمل ہوئی

"اچھا اب کا چھوڑا بچپن میں تو دیکھا تھا وہ بتا دو"

"مجھے یاد نہیں" رکھائی سے جواب آیا تھا اور زینب کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"بہت ہی بور ہو تم۔ناول پڑھا کرو صبح دوپہر شام"

"تم مبتلا ہو نہ اس لاعلاج بیماری میں بہت ہے۔مجھے مت لگاؤ یہ وائرس" وہ ناگواری سے بولی پر زینب بھڑک اٹھی

"اے زائشہ ناول پر کوئی مذاق نہیں۔میں بتا رہی ہوں لحاظ نہیں کروں گی"

پر زائشہ نے اسکی بات کو مکھی کی طرح اڑا دیا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ شادی کب تک ہے"

"پتا نہیں"

"ہیں زائشہ تمہیں کچھ پتا بھی ہے"

زینب یقیناً اب صدمے میں جانے والی تھی۔

"پتا ہے نا کہ ایک غازی نامی شخص سے میرا رشتہ طے ہو گیا ہے جو میرے بابا کے دوست کا بیٹا ہے اور یہ بات مجھے کل ہی بتائی گئی ہے"

زائشہ کی بات سن کر زینب منہ بسور کر اپنے پاس رکھی کتابوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

اب مزید سر کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ میڈم کو کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔

اسی گراؤنڈ کی دوسری جانب دیان ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

اس نے گرے پینٹ کے ساتھ بلو ہالف سلیو شرٹ پر گرے ہی سلیو لیس جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ جیکٹ گرمیوں کے لیے تھی اسی لیے اس کا کپڑا کافی نرم سا تھا۔ پاوں میں وہی وائٹ سنیکرز تھے جو ار سل لے کر گیا تھا۔ وہ بازو لپیٹے اپنی سیاہ آنکھیں زائشہ پر ٹکائے تھا جن میں آج ایک الگ ہی چمک تھی۔ اس کے براؤن بال روشنی میں چمک رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بے خبر ہوتے ہوئے بھی باخبر لگتے ہو تم
دور رہ کر بھی مجھے نزدیک تر لگتے ہو تم
کیوں نا آؤں سج سنور کہ میں تمہارے سامنے
خوش ادا لگتے ہو مجھ کو خوش نظر لگتے ہو تم
تم نے لمس معتبر سے بخش دی وہ روشنی
مجھ کو میری آرزوؤں کی سحر لگتے ہو تم

جس کے سایہ میں اماں ملتی ہے میری زیست کو
مجھ کو جلتی دھوپ میں ایسا شجر لگتے ہو تم
کیوں تمہارے ساتھ چلنے پر نہ آمادہ ہو دل
خوشبوئے احساس میرے ہم سفر لگتے ہو تم
(کاپیڈ)

دیان ارد گرد سے بے نیاز مکمل محویت سے زائشہ کو دیکھ رہا تھا۔
آج نا جانے کیوں وہ پہلے سے بڑھ کر اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔ دل کے
بہت قریب محسوس ہو رہی تھی۔
"تم مسکراتے وقت بھی مسکراتی نہیں ہو زائشہ۔ میں تمہیں اتنی خوشیاں
دینا چاہتا ہوں کہ تم دل سے ہنسنا شروع کر دو۔
میں تمہارے ماضی کو تو نہیں بدل سکتا پر میں خود سے وعدہ کرتا ہوں
تمہارے مستقبل کو تمہارے لیے پھولوں کا گہوارہ بنا دوں گا۔

میں تم پر ایک آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔ تم نے جتنی تکلیفیں برداشت کرنی تھیں کر لی اب تم تک آنے والی ہر آزمائش کو میرا سامنا کر کے تم تک پہنچنا ہو گا۔

غازی نے میرب کو کھو دیا تھا پر دیان اب زائشہ کی حفاظت کرے گا 'خود سے زیادہ"

دیان مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ کلاس میں بچوں کے بڑھتے شور کو سن کر اس نے ایک مختصر مگر گہری نظر زائشہ پر ڈالی اور کلاس روم میں چلا گیا۔

****

زائشہ جیسے ہی شازیہ شاہ کی کار سے اتر کر اپنے محلے کی اندھیری گلی میں داخل ہوئی سامنے نظر آتی بلیک مرسڈیز کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رکی۔

اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔وہ گہری سانس لیتی سست روی سے چلنے لگی۔

دروازہ کھٹکھٹانے کے کچھ دیر بعد ہی حسیب دروازے سے نمودار ہوا۔

"آپی کہاں رہ گئی تھی آپ؟آپ کے سسرال والے آئے ہیں"حسیب ناراضگی سے بولا پر زائشہ کو اسکے پیچھے سے صوفیہ نکلتی نظر آئی اور حسیب کو سائیڈ پر کرتی خود سامنے آگئی۔

وہ ہلکے جامنی رنگ کے نفیس سوٹ میں ملبوس تھی۔بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔وہ زائشہ سے قد میں کچھ چھوٹی تھی اور اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹاتی زائشہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔زائشہ نے اسے دیکھ کر حیرت سے حسیب کی طرف دیکھا۔

اس سے پہلے کہ وہ حسیب سے سوال کرتی صوفیہ خود ہی بول اٹھی

"آپ زائشہ ہیں نا"زائشہ کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔وہ ابھی بھی دروازے سے باہر کھڑی تھی۔

صوفیہ ایک زوردار چیخ مارتی اس سے لپٹ گئی۔زائشہ تو اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی۔

آپ ہو کون؟"اس کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر صوفیہ فوراً سے پیچھے ہوئی۔اپنی اس اچانک سرزد ہونے والی حرکت پر وہ کھسیانی ہنسی ہنس دی۔

"او سوری آپ اندر تو آئیں پہلے "وہ زائشہ کو اس کے اپنے گھر میں ہی خوش آمدید کہہ رہی تھی۔زائشہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

باہر صحن خالی تھا ہاں البتہ چھوٹے سے ڈرائنگ روم کی سب بتیاں جلی تھیں اور آوازیں بھی آ رہی تھیں جو یقیناً وہاں لوگوں کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔

"میں صوفیہ ہوں آپ کی ہونے والی نند" صوفیہ نے فوراً سے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا جسے زائشہ نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ آہستگی سے تھام لیا۔

"غازی کی کوئی بہن بھی ہے" اس نے حیرت سے سوچا پر پوچھ نہ پائی۔

صوفیہ کو زائشہ انتہا سے زیادہ پسند آئی تھی۔ وہ اسے بہت معصوم لگی تھی اور خوبصورت بھی۔ اس کے بھائی کے لیے ایک دم پرفیکٹ۔

ہاں البتہ صوفیہ کے بارے میں زائشہ کی رائے بہت مختلف تھی۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں زائشہ خاص طور پر آپ کی آنکھیں" صوفیہ کا اشارہ اسکی گرے آنکھوں کی طرف تھا۔ اس بار زائشہ کے چہرے پر ابھرنے والی مسکراہٹ سے اسکی آنکھیں بھی مسکرا اٹھیں۔

اسے کی آنکھیں طالب مراد جیسی تھیں اور اسے بہت پسند تھا لوگوں کا اسکی آنکھوں کی تعریف کرنا انہیں طالب مراد سے ملانا۔

"آپی اماں کہہ رہی تھی تیار ہو کر کمرے میں آجانا"

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارے اتنی پیاری تو ہیں ان کو کیا ضرورت ہے تیار ہونے کی ایسے ہی آجائیں آپ" حسیب کی بات سنتے ہی وہ زائشہ کا ہاتھ پکڑ کر بغل میں دبوچے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

زائشہ پیچھے ارے ارے کرتی رہ گئی۔

وہ اس وقت سادی سی شارٹ لال فراک اور تنگ پاجامہ پہنے ہوئے تھی۔گلے میں سادہ سیاہ دوبٹہ تھا اور سر پر ہمیشہ کی طرح سیاہ چادر۔اس کے تو بال بھی بکھرے ہوئے تھے پر صوفیہ نے اسکی ایک نہ سنی اور اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

"زائشہ بھابھی آ گئیں" صوفیہ نے آتے ہی اعلانیہ انداز میں کہا پر زائشہ کو ڈھیروں شرمندگی نے گھیر لیا۔ایک تو اسکی حالت اور اوپر سے صوفیہ کا بابھی کہنا۔اس میں سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ رہی۔

****

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ زائشہ ادھر میرے پاس آکر بیٹھو"

بتول حیدر فوراً سے کھڑی ہوئی اور والہانہ انداز سے اس کی جانب بڑھی۔اس کا سر چوم کر اسے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھالیا۔

زائشہ کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ایک دم سے گھبراہٹ ہونے لگی۔اس نے خود کو ذہنی طور پر ابھی ان چیزوں کے لیے تیار نہیں کیا تھا۔

وہ صوفے پر درمیان میں بیٹھی تھی۔اس کی دائیں جانب بتول حیدر تھی۔زائشہ کو اپنی بائیں جانب بھی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس بار اس نے ہمت کرتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا۔

وہاں سیرت مراد بیٹھی تھیں۔سامنے رکھے صوفوں پر فاروق حیدر اور حامد جہانگیر تھے اور ساتھ رکھی کرسیوں پر ثمینہ جہانگیر کے ساتھ صوفیہ

بیٹھی تھی جو مسلسل ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔ حسیب اور جنید ایک طرف کھڑے تھے۔

زائشہ نے اپنے سامنے رکھے ٹیبل کو دیکھا جہاں مختلف چیزوں کا ڈھیر لگا تھا۔

"یہ سب ہماری طرف سے ہے رشتہ پکا ہونے کی خوشی میں" اس کی نظروں کو محسوس کر کے سیرت مراد نے وضاحت دی کہیں وہ کچھ غلط نہ سوچ لے پر زائشہ جی بھر کے شرمندہ ہو گئی۔

"بھابھی ایک ایک چیز میں نے پسند کی ہے" صوفیہ چہک کر بولی تو زائشہ نے مدھم سی مسکراہٹ سے اسکی طرف دیکھا۔

صوفیہ تو اسکی مسکراہٹ پر نصار ہی ہو گئی۔

"مام بھابھی کتنی خوبصورت ہے" اس نے ثمینہ جہانگیر کے کان میں گھس کر کہا۔

"ماشاءاللہ بولتے ہیں بیٹا"

"ہاں ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔ویسے ہمارا بھائی بھی تو کسی سے کم نہیں"

اس کو مزید بولتا دیکھ کر ثمینہ جہانگیر نے اسے خاموش ہونے کے لیے کہا کیونکہ فاروق حیدر اب منگنی کی بات شروع کر چکے تھے۔

"سیرت ہم نے تو اس اتوار کا دن طے کیا تھا منگنی کے لیے۔اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے"

"بھائی اتنی جلدی سب کچھ۔تیاریاں کیسے ہوں گی"سیرت مراد ذرا ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"سیرت تیاریاں کیا کرنی ہیں۔چھوٹا سا فنکشن ہوگا ہمارے گھر میں بس"

"پر بھائی"

"دیکھو سیرت اگر تمہیں ان دنیاوی رسموں کی فکر ہے تو تم اس طرف سے بے فکر ہو جاو۔طالب کی موت کے بعد میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کے بچوں کا خیال رکھوں گا۔آخر کو اس سب کی ذمہ دار میری

اپنی اولاد تھی" حامد جہانگیر تلخی سے بولی۔ماحول میں ایک الگ تناؤ بھر گیا۔

"زائشہ میری بیٹی ہے۔تم اس کی شادی کو لے کر بالکل بے فکر ہو جاؤ میں ایک ایک چیز اپنی بیٹی کی پسند کے مطابق کروں گا۔اور یہ سب کچھ میں ترس کھ کر نہیں کر رہا بلکہ ان احسانوں کا بدلہ چکا رہا ہوں جو طالب نے ہم پر کیے تھے"

سیرت مراد نے تشکر آمیز نظروں سے حامد جہانگیر کی طرف دیکھا۔ان کے کندھوں سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

"تو پھر کیا فیصلہ ہے تمہارا سیرت"

"بھائی جو آپ سب کو مناسب لگے۔بھلا مجھے کیا اعتراض ہو گا۔زائشہ آپ کی ہی بیٹی ہے"

سیرت مراد نے آنکھوں میں آنسو لیے فاروق حیدر کی بات کا جواب دیا۔

"بہت مبارک ہو سب کو"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صوفیہ پرجوش ہوتے ہوئے اٹھی اور میز پر رکھا مٹھائی کا ڈبہ کھول کر زائشہ کی طرف آئی۔

"بھابھی منہ کھولیں"

"صوفی تمیز سے رہنا" ثمینہ جہانگیر نے اسکی شرارتوں کو یاد کرتے اسے پہلے ہی وارن کیا۔

زائشہ کے سامنے اس بے عزتی پر صوفیہ پر تو جیسے گڑھوں پانی گر گیا۔

اس نے شکوہ آمیز نظروں سے ثمینہ جہانگیر کی طرف دیکھا اور پھر زائشہ کی طرف جو مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی شرمندگی کو محسوس کرتے زائشہ نے خود ہاتھ بڑھا کر ڈبے میں سے ایک گلاب جامن اٹھایا اور اسے صوفیہ کی جانب بڑھایا۔

صوفیہ نے ہنستے ہوئے آدھے کا بائٹ لیا اور بقایا زائشہ کے ہاتھ سے پکڑ کر اسے کھلا دیا۔

"نند بھابھی میں ابھی سے ہی بہت اتفاق ہے"

حامد جہانگیر کی بات سن کر وہاں سب لوگوں کے قہقہے گونجے۔

صوفیہ اب سب کو مٹھائی کھلانے لگی تو زائشہ معذرت کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

کمرے میں آتی ہی اس نے چادر اتار کر پھینکی اور لمبا سانس فضا میں خارج کیا۔

وہ اس وقت کچھ بھی محسوس نہیں کر رہی تھی۔نہ کوئی خوشی،نہ پرجوشی اور نہ ہی اداسی۔

اسے اپنا دل جذبات سے خالی محسوس ہو رہا تھا۔

وہ یونہی کمرے کے بیچ میں کھڑی تھی جب صوفیہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھابھی یہ بھائی نے آپ کے لیے بھجوایا ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہنے کے ساتھ ہی اس نے سامان اس کے بیڈ پر رکھا اور ہوا کی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

زائشہ نے اچھنبے سے اسے جاتے دیکھا پھر بستر پر پڑے سامان کو۔

وہ سب کچھ اگنور کرتی کمرے میں لگے شیشے کے سامنے آئی اور اپنے بال سلجھانے لگی۔ بالوں کو کیچر میں باندھ کر وہ دروازے کی طرف آئی۔ دروازے کو بند کر کے اسنے بستر پر رکھی چیزوں کو دیکھا۔

لال اور سفید گلابوں کا ایک بہت خوبصورت بوکے تھا اور ساتھ ایک کارڈ تھا۔

وہ چلتی ہوئی بیڈ تک آئی اور اس کارڈ کو اٹھایا

کتنی محبت ہے تم سے کوئی صفائی نہیں دیں گے

سایہ بن کر تیرے ساتھ رہیں گے پر دکھائی نہیں دے گیں

فقط تمہارا ہونے والا منگیتر

زائشہ شعر کو پڑھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئی۔ جمیل والا واقعہ فوراً سے اس کے ذہن میں آیا۔

اس نے کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے پھولوں کے بوکے کو اٹھا کر سونگھا۔

تازہ گلابوں کی خوشبو نے اسے اندر تک سرشار کر دیا۔

ایک بھٹکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

وہ اپنا چہرہ جھکا گئی۔

کیا اب اس کی زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہونے والا تھا؟ اس کی زندگی میں بھی کوئی آنے والا تھا جو اسے ہر چیز سے بڑھ کر چاہے گا؟ اس کا خیال رکھے گا، اس کی ہر خواہش کا احترام کرے گا؟ جس سے کوئی بات کہنے کے لیے اسے ہزار مجبوریوں کو اپنے ذہن میں نہیں رکھنا پڑے گا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ خیال ہی کتنا سکون بخش تھا۔

زائشہ جیسی بھی تھی پر ہر لڑکی کی طرح اس کے دل میں بھی لاکھوں ارمان تھے۔اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اسکا لائف پارٹنر دکھنے میں ایسا ہو یا اسکے اندر فلاں فلاں خوبیاں ہوں۔وہ بس یہ چاہتی تھی کہ وہ جو بھی ہو ہر پل اسکے ساتھ کھڑا رہے۔اسے کبھی اکیلا نہ چھوڑے۔جو ہر پل اسے اپنی موجودگی کا احساس دلائے۔جو اسکی حفاظت کرے،اسکا محافظ ہو۔جس کا ہاتھ تھام کر جب وہ چلے تو اسے محسوس ہو کہ ساری دنیا اسکے قدموں تلے ہے۔

وہ بو کے ہاتھ میں تھامے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

آج اس نے پہلی بار غازی کے لیے ایک انداز سے سوچنا شروع کیا تھا۔ورنہ اس سے پہلے وہ اسکے لیے صرف اسکے بابا کے قاتل کا بیٹا تھا اور غلط فہمی دور ہونے کے بعد بابا کے دوست کا بیٹا۔

پر آج وہ اس کے لیے اسکا ہونے والا منگیتر تھا۔وہ انسان جس سے وہ منسوب ہونے جارہی تھی۔وہ انسان جسے اس نے چودہ سال سے دیکھا نہیں تھا۔

غازی کو لے کر اس کے دل میں ابھی بھی بہت سے خدشات تھے پر وہ اپنے آپ کو مطمئن کر چکی تھی۔اس نے خود کو وقت کے دھارے کے سپرد کر دیا تھا۔

وہ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا والے منصوبہ پر عمل کرنے لگی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ غازی کو سوچنے لگی تھی۔اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ خود اس بات سے انجان تھی۔

غازی کے بھیجے ان پھولوں اور اس شعر نے زائشہ کے دل کی زمین کو محبت کا بیج بونے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ بیج بویا کب جاتا ہے۔

ادھر ڈرائنگ روم میں سب بیٹھے منگنی کے متعلق ہی باتوں میں مصروف تھے۔

"سیرت زائشہ کو بتا دینا کل اکیڈمی سے چھٹی کر لے۔ کل ہمیں اسے اپنے ساتھ شاپنگ پر لے کر جانا ہے۔ آج منگل ہے اتوار آنے میں دن ہی کتنے ہیں" بتول حیدر نے صوفیہ کے اشاروں سے تنگ آکر سیرت مراد سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

"سیرت آپ کی طرف سے کون کون ہو گا"

"بھائی میری طرف سے تو یہ چند محلے والے ہیں اور ایک زائشہ کی دوست کی فیملی ہو گی"

حامد جہانگیر فاروق حیدر کے ساتھ بیٹھے مہمانوں کا حساب لگا رہے تھے جب انہوں نے سیرت مراد سے پوچھا۔

"چلیں ہم جب کارڈز بنوائیں گے تو آپ کو بھی بھجوا دیں گے آپ انہیں دے دیجیے گا"

سیرت مراد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سیرت تمہارے بھائی"

"بتول باجی انہیں بلاؤں گی بھی تو وہ نہیں آئیں گے۔ وہ سال میں مجھے مشکل سے ایک دفعہ فون کرتے ہیں۔ میں انہیں فون پر اطلاع دے دوں گی اور مجھے یقین ہے وہ بس چند دعائیں دیں گے اور لڑکے کی تفصیل پوچھیں گے۔ زیادہ بھی ہوا تو کچھ پیسے بھیج دیں گے"

وہ نم آنکھوں سے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے بولیں۔ کس قدر تکلیف دہ تھا یہ بات کرنا۔

وہ وقت جب ایک لڑکی کو سب سے زیادہ اپنوں کے ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے ایسے میں ان کی بیٹی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھنے کے لیے کوئی نہیں تھا۔

"تم فکر مت کرو سیرت ہم سب ہیں نا۔ہم ان کی کمی پوری تو نہیں کر سکتے پر ہم ہر چیز اپنی بیٹی کی خواہش کے مطابق کریں گے"

بتول حیدر نے سیرت مراد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ماحول میں چھائی اداسی کو محسوس کرتے صوفیہ نے بولنا اپنا فرض سمجھا

"منگنی کمبائن ہو گی نا بابا"اس کا مخاطب فاروق حیدر تھے۔

"نہیں فاروق بھائی زائشہ نہیں مانے گی"سیرت مراد فوراً فکر مندی سے بولی۔

وہ زائشہ کی پسند ناپسند سے باخوبی واقف تھیں۔

"کیوں۔ایسے تو بالکل مزہ نہیں آئے گا"صوفیہ نے حیرت اور اداسی سے پوچھا

"بیٹا اسے یہ سب پسند نہیں"سیرت مراد کے لہجے میں بے بسی تھی۔

وہ سب ان کی ایک ایک بات کا خیال رکھ رہے تھے اور وہ صوفیہ کے پہلے مطالبے پر ہی انکار کر گئی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کوئی بات نہیں سیرت۔ہم منگنی ایک ہی دن رکھ لیں گے پر رسم علیحدہ علیحدہ کر لیں گے۔اس طرح دونوں کا سامنا بھی نہیں ہو گا اور صوفیہ کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔میں زائشہ کا پوائنٹ سمجھ سکتی ہوں"

"ہاں یہ ٹھیک ہے"

صوفیہ نے بھی بتول حیدر کی بات پر چہکتے ہوئے کہا تو سیرت مراد بھی مطمئن سا مسکرا دیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"دیان مجھے تو جانے دیتا یار"ارسل دیان کے ساتھ لان میں بیٹھا تھا۔پیزے کا ڈبہ اور کوک کے کین سامنے ٹیبل پر پڑے تھے۔

"تاکہ اسے پتا لگ جاتا کہ دیان اور غازی ایک ہی شخص ہے"

دیان لاپرواہی سے کہتا فون دیکھنے لگا۔

"پر اسے کبھی نا کبھی تو معلوم ہو ہی جائے گا نا"

"ہاں پر نکاح کے بعد اس سے پہلے نہیں"

"اور اگر اس سے پہلے اسے پتا لگ گیا تو"

"میں ایسا ہونے ہی نہیں دوں گا"

دیان ابھی بھی فون میں مصروف تھا۔

"اچھا" ارسل نے اچھا کو خاصا لمبا کرتے کہا

"اور وہ زائشہ کی جو دوست ہے۔ کیا نام تھا اسکا....." اس نے ذہن پر زور دیتے سوچا

"ہاں زینب وہ بھی تو آئے گی نا منگنی پر۔ اور اسے تب معلوم ہو جائے گا کہ یہ غازی اور دیان ایک ہی شخص ہے۔ اور ایسا تو ہو گا نہیں کہ وہ اپنی دوست کو یہ سب نا بتائے"

اب کی بار دیان نے فون سے نظریں ہٹا کر اسکی طرف دیکھا۔ انداز میں ابھی بھی لاپرواہی تھی۔

"بالکل وہ اپنی دوست کو کچھ نہیں بتائے گا"

"مطلب"

"تم اپنے چھوٹے سے ذہن پر زیادہ زور مت دو" وہ پھر سے موبائل کو دیکھنے لگا۔

"دیان بتاؤ مجھے تم کیا کرو گے"

"میں جو بھی کروں گا تم بس اس بات کی تسلی رکھو کہ نکاح سے پہلے میں زائشہ کو کچھ بھی معلوم نہیں پڑنے دوں گا"

ارسل اس پر ایک برہم نظر ڈال کر خاموش ہو گیا۔

"ویسے تم یہ سب اس سے چھپا کیوں رہے ہو۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ اگر اسے پتا لگ جائے گا تو وہ کوئی ہنگامہ کرے گی"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے میرے بھائی۔ تم اپنا دماغ زیادہ خرچ نہیں کرو آگے ہی تھوڑا ہے تمہارے پاس۔ ختم ہو گیا تو"

"کیا مطلب ہے تمہارا"

ارسل کے تو سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔

"وہی جو تمہیں سمجھ میں آیا ہے"

"تو یہ موبائل چھوڑ اور میری آنکھوں میں دیکھ کے بات کر" ارسل نے کھڑے ہوتے ہوئے اسکا موبائل اچکا اور جیب میں ڈال کر بیٹھ گیا۔

"کیا کہوں میں تیری آنکھوں میں دیکھ کر"

"یہی کہ میرے پاس دماغ نہیں ہے"

"ہاں تو نہیں ہے۔میں سچ کہہ رہا ہوں"

"مت بھولو دیان غازی کہ تمہاری زائشہ کے ساتھ سیٹنگ کروانے کے لیے میں نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں"

ارسل نے اتراتے ہوئے کہا تو دیان قہقہہ لگا کر ہنس دیا

"پاپڑ بیلے ہیں اور تو نے"

دیان پھر سے ہنس دیا

"تونے کون سے پاپڑ بیلے بتانا پسند کرے گا۔ایک ڈھنگ کا مشورہ تو تو مجھے دے نہیں سکا"

"اچھا تو رات تک تیرے ساتھ زائشہ کے گھر کے باہر پہرے داری کون کرتا تھا"ارسل تو اس الزام پر تڑپ اٹھا۔

"اچھا اور؟"

اور وہ جمیل والا معاملہ بھول گیا تو؟"

"اوہاں"دیان نے ہونٹ سکیڑ کر کہا جیسے کوئی پرانی بات یاد آئی ہو۔

"اور نہیں تو کیا اور تو احسان فراموش تجھے کچھ یاد ہی نہیں"

دیان نے محض کندھے اچکا دیے۔

"اچھا ایک اور بات بتا۔

جب زائشہ بھابھی کو معلوم ہوگا کہ تو ہی غازی ہے تو تجھے کوئی اندازہ ہے کہ ان کا ردعمل کیا ہوگا"

"تو کیوں پوچھ رہا ہے"

"بھائی پھر شادی کی رات تجھے تیرے کمرے میں بھیجنے کے بعد میں تجھ پر

ان اللہ پڑھ لوں گا"

ارسل نے دانتوں کی بھرپور نمائش کرتے کہا۔

"نہیں اب ایسی بھی بات نہیں۔ لفظوں کا جال بچھانے میں تو دیان غازی

ماہر ہے اور زائشہ کو اس میں پھنسانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے"

"اوہ ایسی بات ہے"

ارسل نے آنکھ مار کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"جی بالکل ایسی ہی بات ہے"

ارسل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"اب میں ایک بات پوچھوں"

"ہاں پوچھو" ارسل نے کے دل سے اسے اجازت دی اور خود کرسی پر شاہانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

"میں نے سنا ہے شہزادہ ارسل شاہ کسی شہزادی کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں" دیان نے مسکراہٹ دباتے ابرو اچکا کر پوچھا۔

ارسل فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھا اور آگے کی جانب جھکا

"مطلب" اس کے انداز میں بے چینی تھی۔

"مطلب یہ کہ ارسل شاہ آپ ایک کھلی کتاب کی طرح ہیں جسے اور کوئی پڑھے نہ پڑھے میں ضرور پڑھ سکتا ہوں۔اسی لیے آئندہ مجھ سے ذرا تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کیجیے گا۔ایسا نہ ہو کہ کل کو میں ہی تمہارا سب سے بڑا مخالف بن جاؤں"

دیان نے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی لاتے کہا۔

ارسل منہ بسور کر پیچھے ہوا اور منہ میں ہی کچھ بڑبڑانے لگا۔

"میں نے سن لیا جو تم نے کہا"

ارسل نے ایک غصیلی نظر دیان پر ڈالی اور اندر چلا گیا۔

پیچھے دیان ہنستے ہوئے چلایا اور اسکے پیچھے بھاگا

"ارے میرا فون تو دیتے جاو"

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپی آ گئے وہ لوگ" جنید نے دروازے سے اندر داخل ہوتے صحن میں سیرت مراد کے ساتھ بیٹھی زائشہ کو بتایا۔

وہ اس وقت شاپنگ پر جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔اس نے ہلکے زرد رنگ کا پرنٹڈ سوٹ پہنا تھا جس کا شیفون کا دوپٹہ گلے میں تھا۔سر پر سیاہ چادر تھی اور حسب معمول بالوں کو جوڑے میں باندھا ہوا تھا۔

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی بتول حیدر کا فون آیا تھا کہ وہ گھر سے نکل گئے ہیں تو وہ اپنی تیاری مکمل کرتی صحن میں آکر بیٹھ گئی تھی۔باہر گاڑی کے ہارن کی آواز سن کے جمیل باہر بھاگا تھا اور گلی میں ان کی کار کھڑی دیکھ کر وہ اب زائشہ کو بلانے آیا تھا۔

"اچھا اماں میں چلتی ہوں"

"جاؤ اللہ کی امان میں"سیرت مراد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو زائشہ نے چادر کا کونا اٹھا کر اپنا چہرہ ڈھکا اور گھر سے باہر نکل آئی۔

زائشہ کو گھر سے نکلتا دیکھ کر صوفیہ فوراً سے بیک سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے اتری۔

"ویلکم بھابھی"وہ اس کے لیے دروازہ کھولے کھڑی تھی۔زائشہ نے نرمی سے اسکا گال چھوا اور بیک سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم آنٹی"اس نے ذرا جھجھکتے ہوئے بغل میں بیٹھی بتول حیدر کو سلام کیا۔جنہوں نے فوراً سے اسے گلے لگایا اور اسکا ماتھا چوما۔

صوفیہ فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"ثمینہ آنٹی نہیں آئیں؟"

"نہیں بابا اور ڈیڈ گھر پر تھے۔اور ہمارے گھر میں کھانا صرف گھر خواتین بناتی ہیں ملازم نہیں اسی لیے کھانا بنانے کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی گھر رکتا ہے"

صوفیہ نے اگلی سیٹ سے پیچھے زائشہ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

زائشہ نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بھابھی آپ کو کس طرح کے کپڑے پسند ہیں؟"

"مجھے "صوفیہ کے سوال پر زائشہ کنفیوز سی ہو گئی

"میری ساری شاپنگ اماں کرتی ہیں میں بہت کم بازار جاتی ہوں"

"پھر بھی کوئی تو چیز ہو گی جو آپ کو بہت پسند ہو"

اس کے اصرار پر زائشہ نے ذہن پر زور دیا مگر کوئی چیز اس کے ذہن میں نہ آئی۔

وہ کندھے اچکا کر بے بسی سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

"اُفف بھابھی آپ بہت سادہ اور معصوم ہیں" صوفیہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور اپنے پرس سے اپنا موبائل نکالنے لگی

"زائشہ بیٹا آپ نے بالکل بھی نہیں ہچکچانا دل کھول کر شاپنگ کرنی ہے۔ جو چیز پسند آئے بغیر گھبرائے مجھے بتانا ہے" بتول حیدر نے اپنائیت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو زائشہ مسکرا دی۔

"بھابھی یہ دیکھیں" صوفیہ نے اچانک سے اپنے فون کی سکرین اس کے سامنے کی۔

وہاں ایک ڈیزائنر ڈریس کی تصویر تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کی وہ خوبصورت سی فراک تھی جو اوپر سے نیچے تک گولڈن کام سے بھری تھی۔

"یہ بہت ہیوی ہے صوفیہ"

"تو بھابھی آپ نے دلہن بننا ہے۔ ڈریس ہیوی تو ہو گا نا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پر صوفیہ یہ تو کسی ولیمے کی دلہن کا ڈریس لگ رہا ہے۔ کوئی سمپل سا ڈھونڈو" بتول حیدر کو بھی وہ سوٹ منگنی کی مناسبت سے کچھ اوور لگا تھا۔

صوفیہ چہرہ سامنے موڑ کر پھر سے اپنے فون میں مصروف ہو گئی۔

"بھابھی آپ کے اور بھائی کے کپڑوں کا کلر ایک جیسا کرنا ہے بھائی نے کہا تھا۔ پہلے آپ خرید لیں پھر اسی حساب سے بھائی اپنی شاپنگ کر لیں گے" صوفیہ نے اپنے فون میں ہی دیکھتے مصروف سے انداز میں اسے اطلاع دی۔

پر بتول حیدر کی موجودگی کا احساس کرتے زائشہ نے تو شرم سے چہرہ جھکا دیا۔ یہ بات اسے وہ کان میں یا اکیلے میں بھی بتا سکتی تھی۔ پر اب اسے کون سمجھاتا۔

اس کے بعد بتول حیدر ہی زائشہ سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی۔ صوفیہ اپنے فون میں ہی لگی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بیس منٹ بعد وہ لوگ مال پہنچ گئے۔ڈرائیور انہیں اتار کر واپس چلا گیا تھا۔ وہ سب سے پہلے ایک بوتیک میں گئے تھے۔اس کے بعد وہ مسلسل ایک گھنٹے تک مختلف بوتیکس کے چکر لگاتے رہے۔زائشہ کو کافی ڈریسز پسند آئے تھے پر جب وہ صوفیہ سے پوچھتی تو وہ انکار کر دیتی۔اور پھر وہ اگلی بوتیک کارخ کرتے۔بتول حیدر تو صوفیہ کو کافی سنا بھی چکی تھیں پر زائشہ نے ہی انہیں منع کر دیا کہ وہ صوفیہ کی پسند کا ہی ڈریس پہنے گی۔

"بھابھی میں ایک منٹ میں آئی "صوفیہ نے کپڑے پسند کرتی زائشہ سے کہا اور اٹھ کر بوتیک سے باہر آگئی۔

"ہاں کہاں ہیں آپ "اس نے فون کان سے لگا کر ذرا برہمی سے پوچھا۔

مقابل کی بات سن کر اس نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلایا اور بولی

"اچھا آپ وہی بیٹھیں ہم کچھ دیر تک آتے ہیں"

وہ فون اپنے بیگ میں رکھتی بوتیک میں آئی اور زائشہ کو پکارا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بھابھی وہ سامنے والی بوتیک میں ایک بہت خوبصورت ڈریس دیکھا ہے میں۔ چلیں وہاں چلتے ہیں"

"کہیں نہیں جارہا کوئی بھی یہی سے پسند کرو اب جو کرنا ہے" پر صوفیہ بتول حیدر کی بات کو اگنور کرتی زائشہ کو اپنے ساتھ گھسیٹتی ایک دوسری بوتیک میں لے آئی۔

زائشہ بھی چار و ناچار اس کی پیچھے چل دی۔

"بھائی وہ گرے ڈریس دکھائیں باکس والا"

اس کے باکس والا کہنے پر سامنے کھڑے لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا اور کونے میں رکھا ایک ڈبہ اسکے سامنے رکھا۔ پھر سامنے رکھے ڈبے میں سے ڈریس کو نکال کر پھیلا یا۔

وہ گرے رنگ کا ایک بہت خوبصورت ڈریس تھا جس پر نہایت نفاست سے کام کیا گیا تھا۔

"کیسا ہے بھابھی "صوفیہ نے چہکتے ہوئے پوچھا۔اسے واقعی یہ ڈریس
بہت پسند آیا تھا۔

"بہت خوبصورت "زائشہ نے مبہوت ہوتے اس سوٹ کی جانب دیکھتے
کہا۔

"بس یہ پیک کردیں"

اس لڑکے نے ڈریس کو لپیٹ کر باکس میں ڈالا تو صوفیہ کیش کاؤنٹر کی
جانب بڑھ گئی اور زائشہ بتول حیدر کے ساتھ باہر آ گئی۔ صوفیہ کاؤنٹر پر
پیمنٹ کر کے باہر آئی جہاں زائشہ اور بتول حیدر کھڑی تھیں۔

"شکر ہے تمہیں کوئی ڈریس پسند آ گیا"بتول حیدر کے کہنے پر صوفیہ مسکرا
دی۔

"اچھا چلیں اب کیفے چلتے ہیں مجھے بھوک لگ رہی ہے"

صوفیہ کہتے ہی آگے بڑھ گئی اور فون نکال کر کسی کو میسج کرنے لگی۔

زائشہ اور بتول حیدر اس کے پیچھے تھیں۔

وہ کیفے میں داخل ہوئی اور ایک میز پر بیٹھ گئی۔بتول حیدر اور زائشہ بھی وہی آکر بیٹھ گئی۔

"آپ آرڈر دیں میں باتھروم سے ہو کر آئی"

بتول حیدر کی صلواتیں سنے بغیر وہ اٹھی اور ادھر ادھر کسی کو تلاش کرتی کیفے سے نکل گئی۔

"صوفی یہ پکڑو" دیان نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا جو اپنے ہی دھیان میں چلتی جا رہی تھی۔وہ بوکھلاتے ہوئے مڑی پر اپنے پیچھے دیان کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔

"یہ پکڑو سب اور دھیان سے ذرا" اس نے اپنے ہاتھ میں موجود چیزیں صوفیہ کو پکڑائیں اور سر پر ہڈی پہنتا ہوا کی تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

"ان کی کون سی ٹرین چھوٹ رہی ہے" اس نے دیان کی تیزی کو دیکھتے سوچا۔

وہ ان سب کے ساتھ ہی مال میں داخل ہوا تھا۔اس کا مقصد زائشہ کے لیے اپنی پسند کا ڈریس خرید نا تھا اور ایسے کہ اسکا مقصد بھی پورا ہو جائے اور زائشہ کو شک بھی نہ ہو۔اس کام کے لیے اس نے صوفیہ کی مدد لی تھی۔

جب صوفیہ زائشہ اور بتول حیدر کو لیے سب بوتیکس میں ماری ماری پھر رہی تھی تب دیان زائشہ کے لیے ڈریس پسند کر رہا تھا۔

اور آخر کار جب اسے ایک ڈریس پسند آگیا تو اس نے صوفیہ کو کال کر کے وہاں جانے کے لیے کہا۔اور اب وہ زائشہ کے لیے لا یا سامان اسے دینے آیا تھا۔

صوفیہ نے وہ سب چیزیں پکڑیں اور کیفے میں موجود اپنے ٹیبل کی جانب بڑھ گئی۔

زائشہ نے اسے آتے دیکھا تو اسکے ہاتھ میں موجود چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

بتول حیدر کی اس جانب پشت تھی اسی لیے وہ صوفیہ کو آتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔

"بھابھی آپ کے لیے" صوفیہ نے جھک کر مؤدبانہ انداز میں وہ بوکے اس کی جانب بڑھایا۔بتول حیدر نے بھی حیرت سے اسکی جانب دیکھا پر جب ان کی نظریں بوکے پر پڑی تو وہ مسکرا کر چہرہ دوسری جانب موڑ گئی۔

زائشہ نے کن انکھیوں سے بتول حیدر کی جانب دیکھا اور بوکے تھام کر ایک طرف رکھ دیا۔اسے لگا آج اس نے شرم سے ہی مر جانا ہے۔یہ دونوں بہن بھائی ضرور اس کے ساتھ کچھ کر کے ہی دم لیں گے۔

صوفیہ اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔

"آرڈر دے دیا؟"

Email: Neramag@gmail.com

"ہمم" بتول حیدر ایسے ظاہر کرنے لگیں جیسے ابھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ وہ اور صوفیہ نارمل انداز میں آپس میں باتیں کرنے لگیں تو زائشہ کچھ حد تک پر سکون ہو گئی۔

اس نے برابر میں رکھے بوکے کی جانب دیکھا۔

ہو بہو کل جیسا سفید اور لال گلابوں سے سجا بوکے تھا۔ ساتھ ایک کارڈ بھی تھا۔

اس نے ایک نظر ان دونوں پر ڈالی جو آپس میں باتوں میں مصروف تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کارڈ اٹھایا اور ٹیبل کے نیچے کر کے اسے کھولا

"تم میری وہ دعا ہو جو تہجد سے لے کر عشاء تک میری زبان پر ورد کی طرح رہتی ہو"

وار کر تم پر سارے جہاں کی خوشیاں

تم کو ہنستا ہوا دیکھوں جی چاہتا ہے

غازی

زائشہ ایک بار پھر ٹھہر گئی۔اسے ایک لہر سی اپنے جسم سے گزرتی محسوس ہوئی۔اس نے بار بار کارڈ پر لکھے حروف کو پڑھا۔

ایک دم سے زائشہ کو غازی انجان لگنے لگا۔ایک ایسا انسان جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی،کچھ بھی نہیں۔

اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی شخص اس کی زندگی میں ایسا بھی آئے گا جو اس طرح اسے اپنی موجودگی کا احساس دلائے گا۔اسے اپنا آپ منفرد لگنے لگا،خاص لگنے لگا۔

وہ چاہی جا رہی تھی اور یہ احساس اس کے اندر تک سرشاری بھر گیا۔

"یہ انسان جیسا بھی ہے اپنے جذبات کا اظہار بہت خوبصورت انداز سے کرتا ہے"

زائشہ نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

"اہم اہم" وہ اپنے خیالات میں ہی ڈوبی تھی جب صوفیہ نے اسکے قریب شرارت سے کھنکھارا۔

زائشہ بوکھلا گئی اور کارڈ اسکے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔

"ارے ارے کیا ہو گیا ریلیکس آرام سے پڑھو"

صوفیہ نے انجان بنتے ہوئے مسکراہٹ دباتے کہا تو زائشہ نے اسے آنکھیں دکھائیں اور جھک کر کارڈ اٹھایا۔

کھانا آچکا تھا اور وہ اب اسکی جانب متوجہ ہو چکی تھیں

کھانا کھانے کے بعد تقریباً تین گھنٹے تک زائشہ ان کے ساتھ شاپنگ کرتی رہی۔ وہ تقریباً سب کچھ خرید چکی تھی بس کچھ سامان تھا جو صوفیہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ خود خرید لے گی۔

رات کو تقریباً آٹھ بجے وہ گھر پہنچی تھی۔بتول حیدر اور صوفیہ نے اسکے گھر کے باہر ہی گاڑی رکوائی پر زائشہ کے لاکھ اصرار پر بھی اندر نہیں گئی۔

ڈرائیور زائشہ کا سارا سامان اندر رکھ چکا تھا۔

"زائشہ بیٹا ہمیں جلدی ہے آگے ہی بہت وقت ہو گیا ہے اندر گئے تو اور ٹائم لگ جائے گا تم سیرت کو میرا سلام دے دینا" بتول حیدر نے معذرت کرتے کہا۔

"بھابھی اپنا نمبر دے دیں۔میں نے پارلر کی بکنگ کروانی ہے تو آپ کو پک کرلوں گی اس دن"

زائشہ نے اپنا نمبر صوفیہ کو لکھوادیا اور انہیں سلام کرتی گھر کے اندر داخل ہوئی

وہ اندر نہیں آئے؟"

اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی سیرت مراد نے پوچھا۔

"اماں انہیں جلدی تھی وہ چلے گئے"

اس نے چادر اتار کر چارپائی پر رکھی اور ٹانگیں لٹکا کر چارپائی پر لیٹ گئی۔

اس نے سیرت مراد کی طرف دیکھا جو اسے ہی گھور رہی تھیں۔

"کیا ہے اماں میں نے بہت کہا تھا پر انہیں واقعی جلدی تھی" وہ جھنجھلاتے ہوئے اٹھی اور پانی پینے کی غرض سے کچن میں چلی گئی۔

"ایک تو میری نکمی اولاد کسی چیز کا سلیقہ نہیں ہے۔ بھلا بتاو سسرال والوں کو دروازے سے ہی بھیج دیا۔ کیا سوچ رہے ہوں گے وہ اولاد کو کچھ سکھایا ہی نہیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اماں کہا تو تھا اتنا اب کیا پاؤں میں بیٹھ جاتی ان کے"

زائشہ کچن سے ہی چلائی۔

"تمیز تو اس لڑکی نے بیچ کھائی ہے"

"اماں ہم کب جائیں گے کپڑے لینے؟"

سیرت مراد بڑبڑاتے ہوئے زائشہ کو سنا رہی تھیں جب زائشہ کے سامان کا ڈھیر دیکھ کر جنید نے اشتیاق سے پوچھا

"کل لے کر چلوں گی میں تم دونوں کو"

جواب کچن سے نکلتی زائشہ نے دیا تھا۔

"آپی مجھے نئے کپڑے بھی لینے ہیں اور جوتے بھی"

حسیب لبے پر جوش ہوتے ہوئے کہا۔

"جس بھی چیز پر میرا بھائی ہاتھ رکھے گا میں اسے وہ لے کر دوں گا" زائشہ نے اسے چارپائی پر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا اور اسے زور سے گلے لگایا۔

"زائشہ پیسے؟"

سیرت مراد نے ذرا پریشانی سے اسکی جانب دیکھا

"اماں پیسے ہیں میرے پاس فکر نہیں کرو۔ میں نے جمع کیے ہوئے تھے تمہاری اور ان دونوں کی ساری شاپنگ آرام سے ہو جائے گی"

زائشہ کی بات سن کر بتول حیدر نے تشکر آمیز نظروں سے اپنی بیٹی کی جانب دیکھا جس نے بیٹوں کی طرح انہیں سہارا دیا تھا۔

****

"اوئے کام ہو گیا تھا نا" صوفیہ کے لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھتے ہی دیان نے پوچھا۔

وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی رات کے کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ دیان خود ٹہلنے کے لیے کان میں آگیا اور صوفیہ کو بھی کال کر کے بلا لیا۔ صوفیہ منگنی تک فاروق حیدر کے گھر رک رہی تھی۔ البتہ حامد جہانگیر اور ثمینہ جہانگیر رات کے کھانے کے بعد گھر چلے گئے تھے۔

"ہاں کام ہو گیا تھا پر ماما نے دیکھ لیا" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے تالی بجا کر کہا۔

"اس کی خیر ہے تم یہ بتاؤ اس نے تمہارے سامنے کارڈ پڑھا یا گھر جا کر" وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صوفیہ نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور سر کے پیچھے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی۔

"ویسے میں ایک بات نوٹ کر رہی ہو؟"

"کیا"

"آپ کچھ زیادہ ہی بے شرم نہیں ہوتے جا رہے"

"استغفراللہ شرم کرو کچھ بھائی ہوں میں تمہارا" دیان سٹپٹا گئی پر اپنے تاثرات چھپانے کے لیے ذرا برہمی سے بولا۔

"تو آپ بھی کچھ شرم کریں نا اپنی بہن سے کس طرح کے سوال پوچھ رہے ہیں" صوفیہ بھی دوبدو بولی تو دیان نے بے اختیار اپنا ماتھا مسلا۔

"اچھا میں ایک شرط پر بتاؤں گی" صوفیہ نے ترس کھانے والے انداز میں کہا تو دیان نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔

"دو ہزار نکالیں" صوفیہ نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان نے اپنا والٹ نکال کر اس میں سے ہزار کے دو نوٹ نکالے اور اس کی ہتھیلی پر رکھے۔

"اب پوچھیں جو پوچھنا ہے"

"اس نے تمہارے سامنے پڑھا تھا کارڈ"

"ہاں"

"رد عمل کیا تھا اسکا"

"مسکرا رہی تھیں اور جب میں نے اچانک سے پوچھا کہ کیا ہوا تو دیان بھائی یقین کریں وہ لال سرخ ہو گئیں"

صوفیہ خوب مرچ مصالحہ لگا کر ڈرامائی انداز میں بتایا۔

"اتنا تو ہوا بھی نہیں ہو گا جتنا تم بتا رہی ہو"

"اب دو ہزار کو حلال بھی تو کرنا ہے"

دیان نے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا جواب اچھلتی ہوئی اندر جا رہی تھی۔

اس کی زندگی میں دو لوگ ایسے تھے جنہیں وہ بلا جھجھک سب کے سامنے لاعلاج کہتا تھا۔

"ارسل شاہ اور صوفیہ جہانگیر"

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج ہفتہ تھا اور کل زائشہ اور دیان کی منگنی تھی۔سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔گھر میں کاموں کی وجہ سے آج زائشہ نے اکیڈمی سے چھٹی کی تھی۔ اس کی شاپنگ بھی مکمل تھی اور جو چیزیں رہتی تھیں وہ دو دن پہلے صوفیہ خرید کر اسے دے گئی تھی۔غرض زائشہ اور دیان دونوں کے گھر میں منگنی کی تیاریاں پورے زور و شور سے جاری تھیں۔

یہ منظر اکیڈمی کا تھا جہاں زینب دیان کے سامنے کیفے کے ٹیبل پر بیٹھی تھی۔

"کیا بات کرنی تھی آپ کو"

"دیکھیں زینب مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ میں امید کروں کہ آپ میرا ساتھ دے گیں؟" دیان کی بات سن کر زینب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

ان دونوں کی براہ راست یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس سے پہلے ان میں آپس میں کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اور دیان نے جب اسکے لیے یہ پیغام بجھوایا تھا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے کسی ضروری کام کے سلسلے میں تو وہ بہت حیران ہوئی تھی۔

"اگر میرے بس میں ہوا تو میں ضرور کروں گی"

"زینب زائشہ آپ کی دوست ہیں اور کل ان کی منگنی ہے کسی غازی نامی شخص سے"

"جی پر آپ یہ مجھے کیوں بتا رہے ہیں"

"وہ غازی نامی شخص میں ہی ہوں" دیان نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے کہا اور زینب کے تاثرات پل میں تبدیل ہوئے۔

وہاں الجھن کی جگہ اب بے انتہا حیرت تھی۔

"مطلب"

"میرا پورا نام دیان غازی ہے پر زائشہ مجھے صرف غازی کی حیثیت سے جانتی ہے۔اور میں چاہتا ہوں کہ اسے ابھی پتا نہ چلے۔ منگنی والے دن مجھے دیکھ کر آپ میرے لیے مسئلہ کھڑا کر سکتی تھیں اسی لیے میں آپ کو پہلے ہی آگاہ کر رہا ہوں"

"پر آپ یہ سب چھپا کیوں رہے ہیں اور منگنی والے دن بھی تو زائشہ کو پتا چل جائے گا"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں لگے گا۔ میرا اور زائشہ کا سامنا نہیں ہو گا منگنی والے دن"

"لیکن میں کیوں جھوٹ بولوں اس سے"

"کیونکہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔

آپ اپنی دوست سے یقیناً بہت محبت کرتی ہوں گی اور آپ ہر گز نہیں چاہیں گی کہ آپ کی بات سن کر وہ یہ رشتہ ختم کر دیں"

"وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی"

"ہاں کسی حد تک مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے پر احتیاط ضروری ہے۔ وہ مجھ سے بدگمان بھی ہو سکتی ہے"

"اور جب اسے پتا لگے گا وہ مجھ سے سوال کرے گا کہ میں نے یہ سب اس سے کیوں چھپایا"

"وہ آپ کا مسئلہ نہیں۔ تب میں اسے سنبھال لوں گا لیکن فلحال نکاح سے پہلے اسے پتہ نہیں لگنا چاہیئے کہ دیان اور غازی ایک ہی شخص ہے"

"آپ واقعی اس کے بابا کے دوست کے بیٹے ہیں یا آپ نے اس کا نام استعمال کیا ہے"

"آپ نے شاید میری بات غور سے نہیں سنی۔ میرا نام دیان غازی ہے پر کچھ لوگ اس بات سے انجان ہیں جن میں ایک زائشہ بھی ہے۔ میرے گھر میں سب لوگ مجھے غازی ہی کہتے تھے اسے وجہ سے زائشہ کی نظر میں اس کے بابا کے دوست کے بیٹے کا نام غازی ہے۔اور میں وہی غازی ہوں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پر آپ یہ سب چھپا کیوں رہے ہیں؟"

"میں معازرت چاہتا ہوں پر یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا"

زینب کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے اگر واقعی اس میں زائشہ کی بھلائی ہے تو میں آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں"

"بہت شکریہ آپ کا"

دیان کہتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے"

دیان پلٹنے لگا تھا جب زینب کے پکارنے پر واپس مڑا

"آپ نے یہ اکیڈمی زائشہ کی وجہ سے جوائن کی تھی؟"

"نہیں "اس نے کہنے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا

"مجھے یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ یہ وہی زائشہ ہے جسے میں بچپن میں جانتا تھا"

وہ اپنی بات کہہ کر کلاس کے لیے چلا گیا تو زینب بھی گہری سانس لیتی اٹھ کر کیفے سے باہر آگئی۔

یہ چیز اس کے لیے تقریباً ناقابل یقین تھی اور اس کا ذہن ابھی تک اس چیز کو قبول کرنی کی کوشش کر رہا تھا۔

****

یہ اتوار کی رات کو فاروق حیدر کے سفید محل کے لان کا منظر تھا۔رات کے سات بج رہے تھے۔

لان میں لگے ٹیبلز پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔فاروق حیدر اور حامد جہانگیر کے دوستوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔بڑے بڑے بزنس مین اس منگنی کی تقریب میں موجود تھے۔لان کے ایک کونے میں سٹیج بنا تھا جسے گلاب کے سفید اور سرخ پھولوں سے سجایا گیا تھا۔سجاوٹ میں شیشوں اور لائٹس کا بھی کثیر تعداد میں استعمال کیا گیا تھا۔

سفید رنگ کے صوفوں کے سامنے موجود ٹیبلز پر سفید اور لال گلابوں کے ہی گلدستے رکھے تھے۔غرض ساری سجاوٹ سرخ اور سفید رنگ سے کی گئی تھی۔لان کے چاروں طرف لائٹس لگی تھیں جن کے ساتھ پردوں کی صورت میں سفید کپڑے لٹکائے گئے تھے جو ہوا کے دوش پر لہرا رہے تھے۔ہلکی آواز میں میوزک چل رہا تھا۔

سیرت مراد، بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر کے ساتھ آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں اور بتول حیدر ہر کسی سے سیرت مراد کا تعارف کروا رہی تھیں۔

ہر کوئی اس اچانک ہونے والی منگنی پر حیران تھا اسی وجہ سے بتول حیدر اور فاروق حیدر ہر آنے والے کو وضاحت دے رہے تھے۔

گھر کے اندر دیان کے کمرے میں جھانکو تو وہاں دیان شیشے کے سامنے کھڑا اپنی تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔

دیان نے سفید رنگ کا کرتہ پہنا تھا جس کے گلے اور کف پر ہلکے گرے رنگ کا کام ہوا تھا۔ گلے میں گرے رنگ کا ہی دوپٹہ جو ہلکا سا چمکیلا تھا۔ ایک ہاتھ میں راڈو کی قیمتی گھڑی تھی۔ بالوں کو جیل لگا کر نفاست سے سیٹ کیا گیا تھا۔ اس نے اپنا عکس آئینہ میں دیکھتے خود پر پرفیوم سپرے کیا۔

آج اس کے چہرے پر چمک ہی الگ تھی۔گہرے سیاہ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہر سی گئی تھی۔اس کے چہرے سے خوشی صاف پھوٹ رہی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں میں" دیان نے پلٹتے ہوئے ارسل سے پوچھا جو اسی کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا جوتے پہن رہا تھا۔

ارسل نے چہرہ اٹھا کر اسکی جانب دیکھا۔

ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔

"شہزادہ لگ رہا ہے" اس نے اپنی جیب سے ہزار کے چند نوٹ نکال کر اس پر سے وارے۔

"یہ کسی ضرورت مند کو دے دینا۔اپنے پاس نہ رکھ لینا" دیان نے جتنی سنجیدگی سے کہا ارسل نے اتنی ہی غصیلی گھوری سے اسے نوازا۔

"میں تجھے ایسا لگتا ہوں"

"ہاں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارسل نے شکوہ کرتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اچھا یہ سب چھوڑ بتا میں کیسا لگ رہا ہوں"

ارسل نے کالی شلوار قمیض پہنی تھی اور اوپر سکن رنگ کی چادر کندھوں پر پھیلائی تھی۔ بالوں کو نفاست سے سیٹ کیے شاہوں کی سی آن بان لیے وہ بہت خوبرو لگ رہا تھا۔

"بہت ہینڈسم لگ رہا ہے پر مجھ سے تھوڑا سا کم" دیان نے اسکے کندھوں پر موجود چادر ٹھیک کرتے کہا۔

"دیان بیٹا تیار ہو گئے؟....ماشاءاللہ "بتول حیدر کمرے میں داخل ہوتی بولیں پر اسے دیکھ کر بے اختیار ان کے منہ سے ماشاءاللہ نکلا۔

وہ فوراً سے آگے آئی اور اسے گلے لگا لیا۔

"میرا شہزادہ" انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور اپنے پرس میں سے کچھ پیسے نکال کر اس کا صدقہ اتارا۔

"ادھر آؤ تم بھی" انہوں نے پاس کھڑے ارسل کو پکارا جو مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

انہوں نے دونوں کا صدقہ اتار کر پیسے پرس میں الگ کر کے رکھ دیے۔

"زائشہ آ گئی مام"

"ہاں وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی ہے تم بھی آ جاؤ اب نیچے پہلے تمہاری رسم ہو گی"

"چلیں ہم تو تیار ہیں"

وہ دونوں بتول حیدر کے ہمراہ کمرے سے نکل گئے۔

اسے سیڑھیاں اترتا دیکھ کر ثمینہ جہانگیر اور سیرت مراد دونوں اس کے پاس آئیں۔

"ماشاءاللہ" ثمینہ جہانگیر نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما تو اس نے انہیں گلے سے لگا لیا۔

"اسلام علیکم" سیرت مراد کے سامنے سر جھکا کر اس نے سلام کیا۔

انہوں نے نم آنکھوں سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔اپنی بیٹی کے لیے ایسا لڑکا تو انہوں نے بس خواب میں دیکھا تھا۔وہ خدا کا شکر کرتے نہیں تھک رہی تھیں۔

"بھائی" اچانک سے صوفیہ چلاتے ہوئے فاروق حیدر اور حامد جہانگیر کے ساتھ لاونج میں داخل ہوئی۔

اس نے بلیک کلر کی شرٹ فراک پہنی تھی جس پر بلیک پرل کا کام تھا۔ٹراوزر سادہ تھا جبکہ دوپٹہ کے بارڈر پر بھی سارا پرل کا کام تھا۔دودھیا پاوں میں بلیک پینسل ہیل تھی اور بالوں کو فل سٹریٹ کر کے پشت پر کھلا چھوڑا تھا۔وہ پارلر سے تیار ہوئی تھی۔ہلکے پھلکے میک اپ وہ اپنے چہرے پر مخصوص معصومیت لیے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"واؤ بر ویو آر لوکینگ سوہینڈ سم۔آج تو بھابی گئی" اس کی بات سن کر دیان نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"تم بھی بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔میری چھوٹی سی گڑیا" دیان نے اسکے گال کھینچتے کہا تو وہ چلاتے ہوئے غصے سے پیچھے ہٹ گئی۔

"بھائی یہ نا کیا کریں"

وہ اپنے گال سہلاتے کہہ رہی تھی جب اس نے دیان کے بغل میں کھڑے ارسل کی جانب دیکھا۔

اس نے حیرت سے ارسل کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر چہکتے ہوئے بولی

"ارسل سیم سیم"

ارسل کے ہونٹوں پر بھی ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔وہ پہلے ہی نوٹ کر چکا تھا اور ایک خوشگوار احساس اس کی روح کو اندر تک سرشار کر گیا تھا۔

"چلیں بھائی رسم کے لیے" صوفیہ نے دیان کے بازو میں بازو ڈالا اور اسے اپنے ساتھ لیے باہر لان کی طرف بڑھ گئی۔

بقایا سب اس کے پیچھے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اسٹیج پر جا کر بیٹھ گیا جہاں جنید اور حسیب پہلے سے ایک طرف کھڑے تھے۔ ارسل، صوفیہ، جنید اور حسیب دیان کے صوفے کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ دیان کے ایک طرف بتول حیدر اور دوسری طرف سیرت مراد بیٹھی تھیں۔

ثمینہ جہانگیر، حامد جہانگیر اور فاروق حیدر پاس رکھے صوفوں پر بیٹھے تھے۔

"پہلے ایک فیملی فوٹو بنوالیں" صوفیہ کے کہنے پر سب فوٹو گرافر کی جانب متوجہ ہوئے جس نے خوبصورتی سے اس لمحے کو کمرے میں محفوظ کر لیا۔

رسم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسٹیج کے پاس موجود صوفوں پر بیٹھے مہمان اٹھ کر اسٹیج کے قریب آ گئے تھے۔

صوفیہ گلاب کے پھولوں سے سجا ایک تھال سیرت مراد کے پاس لے کر آئی جس میں مخمل کی سرخ ڈبی میں پلاٹینیم کی رنگ موجود تھی۔

بتول حیدر نے وہ انگوٹھی نکال کر دیان کی انگلی میں پہنا دی۔لان ایک دم تالیوں سے گونج اٹھا۔

"بہت مبارک ہو" سیرت مراد نے دیان کا ماتھا چومتے کہا۔سب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔

"مبارک ہو میرے یار۔اب بس دعا کر میرا ابھی نمبر آجائے" ارسل نے پیچھے سے جھک کر اسکے کان میں کہا۔

"آئے گا انشاللہ بہت جلدی آئے گا" دیان نے زوردار قہقہہ لگایا۔

بتول حیدر اور سیرت مراد کے اٹھتے ہی ارسل اور صوفیہ دیان کے دونوں طرف آکر بیٹھ گئے۔حسیب اور جنید پیچھے ہی کھڑے تھے۔

"کیسا فیل ہو رہا ہے بھائی" صوفیہ نے ابرو اچکائے شرارت سے پوچھا۔

"بہت اچھا۔بہت مکمل سا"

"اوہ"

صوفیہ نے اپنا کندھا زور سے دیان کے کندھے سے ٹکرایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"فوٹو گرافر بھائی ذرا اچھی سی تصویر تو بناؤ ہماری"

اس کے کہنے پر وہ پوزیشن لے کر کھڑا ہو گیا اور تصویروں کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"بس کر دو تم سب اب زائشہ کی بھی رسم کرنی ہے" ان کے فوٹو شوٹ کا سلسلہ نہ رکتے دیکھ کر فاروق حیدر اسٹیج پر آکر ذرا برہمی سے بولے۔

"چلو دیان تم اندر اور صوفی جاؤ تم زائشہ کے پاس اور یہ جنید اور حسیب کو بھی ساتھ لے کر جاؤ اور زائشہ کو لاؤ"

وہ سب فوراً سے اٹھے اور اسٹیج سے اتر گئے۔

"صوفی بات سنو میری" دیان تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا تھا جب ارسل نے رک کر صوفیہ کو پکارا۔

"جی"

"دیان نے کچھ چیزیں بھجوائیں ہیں زائشہ کے لیے۔ کچن میں شلف پر رکھی ہیں وہ بھی لے جاؤ"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اف ایک تو بھائی نے مجھے پورا قاصد بنا کر رکھ دیا ہے۔تنگ آگئی ہوں میں ان کی ان حرکتوں سے"

وہ غصے سے بڑبڑاتی کچن کی طرف بڑھ گئی تو ارسل بھی ہنستا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔اسے زائشہ کے سامنے نہیں آنا تھا۔

صوفیہ ہاتھوں میں حسب معمول سفید اور سرخ گلابوں کا بوکے لیے کمرے میں داخل ہوئی تو بیڈ پر بیٹھی زائشہ مسکرا دی۔اس کے بغل میں ہی زینب بیٹھی تھی۔

"بھابھی آپ کی امانت"اس نے جھک کر وہ بوکے زائشہ کو دیا جسے اس نے ہنستے ہوئے تھام لیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ دیان بھائی نے بھجوائے ہیں بھابھی کے لیے" صوفیہ اپنی رو میں بولتی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی جب زینب کے گھورنے پر اسنے دانتوں تلے اپنی زبان دبائی۔

وہ انجانے میں دیان کا نام استعمال کر گئی تھی۔

اس نے کن انکھیوں سے زائشہ کی طرف دیکھا۔وہ اسکی جانب متوجہ نہیں تھی۔اس نے آنکھوں ہی میں زینب کو اشارہ کیا اور مطمئن سی بیٹھ گئی۔

زائشہ نے بوکے ایک طرف رکھا اور اس کے ساتھ موجود کارڈ اٹھا کر کھولا

"سنا ہے بہت شوق ہے آپ کو حکمرانی کا

یہ دل سلطنت ہے آپکی بس راج کیجیے

منگنی کی بہت مبارک ہو میری زندگی کی رونق

فقط تمہارا اغازی"

اس نے مسکراتے ہوئے کارڈ کے ایک ایک لفظ کو خود میں جذب کیا۔

یہ انسان اسے اپنے کنڑول میں لے رہا تھا۔اس پر سحر طاری کر رہا تھا۔وہ اس کی اسیر ہو رہی تھی۔

وہ اسکے ان خوبصورت لفظوں،اس دلکش اظہار کی عادی ہو رہی تھی۔اسے بنا دیکھے اسکی محبت میں مبتلا ہو رہی تھی۔وہ اسے اپنا عادی بنا رہا تھا اور وہ عادی بن رہی تھی۔وہ اسے سوچنا شروع ہو چکی تھی۔اس کے ساتھ اگلی زندگی کے خواب سجانے لگی تھی۔وہ جینے کی خواہش کرنے لگی تھی۔

زائشہ مراد دیان غازی کی محبت میں مبتلا ہو رہی تھی۔

"اہم اہم ایسا بھی کیا لکھا ہے کارڈ میں" زینب نے شرارت سے اسکے نزدیک کھنکھارتے کہا جو اپنی ہی سوچوں میں مسکرا رہی تھی۔

"کچھ بھی تو نہیں"

"اوہ تو اب ہم سے بھی چھپایا جائے گا"

"تنگ نہیں کرو زینب"

زینب آگے سے جواب دینے لگی پر اتنے میں ہی سیرت مراد اور حامد جہانگیر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔

وہ سب کھڑے ہو گئے۔

"چلو بیٹا رسم کا ٹائم ہو گیا ہے" حامد جہانگیر نے اسے اپنے حصار میں لیتے کہا۔

زائشہ ایک پل کے لیے ٹھہر گئی۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی اس کے گرد بھی ایسا حصار باندھے گا۔پل میں اسکی آنکھیں نم ہو گئی۔سیرت مراد بھی نم آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارے رونا نہیں خوشی کا موقع ہے" حامد جہانگیر نے فوراً سے اسے ذرا غصے سے سرزنش کیا تو روتے روتے ہنس دی۔

وہ ان سب کا پیار یاد کرتے ہوئے مسکرا دی۔ جب وہ پارلر سے زینب اور صوفیہ کے ہمراہ گھر آئی تھی کس طرح اس کا استقبال کیا گیا تھا۔ ہر کسی نے اسکی نظر اتاری تھی۔ وہ لگ ہی اتنی خوبصورت رہی تھی۔ گرے آنکھوں والی کوئی آسمان سے اتری پری جیسے۔ ہر وقت سادہ سی رہنی والی زائشہ آج خود کو آئینہ میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

اس نے گرے کلر کی شارٹ شرٹ پہنی تھی جس کے نیچے نیٹ کا غرارہ تھا۔ ساری شرٹ پر نفاست سے گرے رنگ کا ہی باریک کام کیا گیا تھا۔ دوپٹہ کے بارڈر پر بھی گرے کلر کا کام تھا۔ ہاتھوں میں گجرے اور ہونٹوں پر موجود لپسٹک کا رنگ صرف سرخ تھا۔ بالوں کا خوبصورت سا میسی بن بنایا گیا تھا جس میں گلاب کے پھول لگائے گئے تھے۔ آنکھوں پر سموکی میک اپ کر کے ان کی خوبصورتی کو مزید نکھار دیا گیا تھا۔ لینز نے

اسکی آنکھوں کو مزید پر کشش بنا دیا تھا۔اس نے گری ہی لینز لگائے تھے اپنے سوٹ کے ہم رنگ۔

صوفیہ نے پارلر میں اسے دیکھ کر کہا تھا کہ اس نے دیان کے کپڑوں سے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں کے رنگ سے کپڑوں کی میچنگ کی ہے۔
پر انہیں کیا معلوم تھا کہ دیان نے یہی سوچ کر زائشہ کے لیے گرے سوٹ پسند کیا تھا۔اسے اس کی آنکھوں کا رنگ بہت پسند تھا۔

وہ حامد جہانگیر کا ہاتھ تھامے کمرے سے باہر نکلی۔اس کا دوسرا ہاتھ جنید نے تھاما تھا جس کے ساتھ حسیب کھڑا تھا۔بقایا سب اسکے پیچھے تھے۔
سب مہمان بے تابی سے زائشہ کا انتظار کر رہے تھے۔وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کس لڑکی کا نصیب دیان غازی جیسے لڑکے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

وہ سہج سہج کر چلتی ہر کسی کی نظروں کا مرکز بنی تھی۔کسی کی آنکھوں میں رشک تھا تو کسی کی آنکھوں میں حسد۔سب اسکا حسن دیکھ کر مبہوت رہ گئے تھے۔

اور مبہوت تو اوپر بالکونی میں کھڑا دیان بھی رہ گیا تھا۔وہ ریلنگ پر جھکا اسی کے آنے کا انتظار کر رہا تھا اور جب وہ آئی تھی تو دیان غازی کے ہوش و حواس سلب کر گئی تھی۔وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اتنی دور سے بھی اسکے ایک ایک نقش کو آنکھوں کے راستے اپنے دل میں اتار رہا تھا۔

اب وہ اسٹیج پر پہنچ چکے تھے اور تھوڑے بہت فوٹو شوٹ کے بعد صوفیہ نے بالکل پہلے جیسا پھولوں کا تھال بتول حیدر کے سامنے کیا جس میں بہت خوبصورت انگوٹھی تھی۔انگوٹھی کے درمیان میں زمرد کا نگ جڑا تھا جس کے گرد چھوٹے چھوٹے ہیرے لگے تھے۔ہر کوئی اس انگوٹھی کی

خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔وہ اپنے قیمتی ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

یہ انگوٹھی دیان نے ہی پسند کی تھی۔اس وقت زائشہ سر سے پاؤں تک دیان کی پسند کے مطابق خود کو ڈھالے کھڑی تھی۔اور دیان کو لگا تھا کہ آج اسے ایک بار پھر سے زائشہ سے محبت ہوئی ہے۔

رسم کرنے کے بعد سب نے اسے مبارکباد دی اور اب کھانا کھل چکا تھا۔

"یار ارسل ہم نیچے جا کر کھانا نہیں کھا سکتے" ارسل نے بالکونی میں آتے کہا۔وہ تب سے اندر کھڑا اپنی سیلفیز بنانے میں مصروف تھا۔

"میں کال کرتا ہوں صوفیہ کو اوپر کھانا پہنچا دے" دیان پاکٹ میں سے فون نکالتا صوفیہ کا نمبر ملانے لگا تو ارسل بھی ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔نظریں اسکی نیچے اسٹیج پر بیٹھی صوفیہ پر مرکوز تھیں۔

تقریب ختم ہونے کے فوراً بعد زائشہ لوگوں کو اپنے گھر چلے جانا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

اگست کا آخری ہفتہ چل رہا تھا۔ منگنی کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ جنوری میں زائشہ کے پیپرز کے بعد شادی تھی۔شادی کی ڈیٹ ڈیسائیڈ نہیں کی گئی تھی مگر یہ طے ہو گیا تھا کہ جس دن زائشہ کا آخری پیپر ہو گا اس کے اگلے دن ہی انکی مہندی ہو گی۔

آج سوموار تھا اور اس وقت زائشہ صحن میں چارپائی پر سیرت مراد کے مقابل بیٹھی تھی۔

"اب شاپنگ شروع کر دیں تمہاری شادی کی"

"اماں خریدنا کیا ہے۔انکل آنٹی نے منع تو کر دیا ہے ہر چیز سے"

"تو بیٹا اس کا مطلب یہ تو نہیں نا کہ خالی ہاتھ رخصت کر دوں تمہیں۔غازی کے لیے بھی شاپنگ کرنی ہو گی اس کے علاوہ میں نے کچھ سامان خرید کر رکھا ہوا ہے تمہارے لیے"

"مثلاً"

"کچھ جوڑے ہیں،بستر اور بیڈ شیٹس وغیرہ اس کے علاوہ میرے جہیز کا بھی کچھ سامان ہے"

"چلے دیکھتے ہیں۔پر مجھے نہیں لگتا ضرورت ہے آپ وہ سب حسیب اور جنید کے لیے رکھ لیں۔رہی بات غازی کی تو اس کی شاپنگ تو واقعی کرنی ہے"

"تو پھر شروع کر دو آج سے"

"اماں کیا ہو گیا کس بات کی جلدی ہے۔ابھی پورے چار ماہ پڑے ہیں۔ہو جائے گی شاپنگ ہم نے کون سا لمبا چوڑا جہیز بنانا ہے۔آپ مجھے چھوڑیں اور اپنی شاپنگ پر دھیان دیں"

"وہ بھی ہو جائے گی اس میں کون سا زیادہ خرچہ آنا ہے........اچھا زائشہ سونے کا کیا ریٹ ہے آج کل"

"پتا نہیں ایک لاکھ سے اوپر ہی ہے شاید آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"میں سوچ رہی ہوں کہیں سے ادھار لے کر تمہارے لیے ایک دو تولے کا سیٹ ہی بنا دوں۔ کچھ کمیٹیاں بھی ڈالی تھی میں نے اس کے علاوہ کچھ پیسے جمع بھی کیے ہیں"

"اماں اگر ادھار لینا ہے تو چکانا بھی ہے۔ کون کرے یہ سب"

"ہو جائے گا بیٹا۔ اللہ کا نام لے کر رکیں گے سب ہو جائے گا"

"پر اماں جب حامد انکل کہہ رہے ہیں وہ سب کر لیں گے پھر آپ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں" زائشہ بے بسی سے اپنی ماں کی طرف دیکھتے بولی۔

"تو بیٹا اس کا مطلب یہ تو نہیں نا کہ ہم سارا بوجھ ان پر ڈال دیں"

"اماں ہم بوجھ تو نہیں ڈال رہے۔ انہوں نے کہا تھا یہ ہمارا حق ہے"

"پر پھر بھی بیٹا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ اتنا بوجھ"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اماں بوجھ کیسا انکل کے گھر میں سب کچھ تو پہلے سے ہی ہے۔انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں اور بقایا بس ہال وغیرہ اور کپڑے رہتے ہیں "

"پر بیٹا"

"اماں آپ خود سوچیں ہم کتنی بھی کوشش کر لیں ہم ان کے سٹینڈرڈ کی چیزیں نہیں خرید سکتے۔آپ بس اپنی شاپنگ پر دھیان دیں اور غازی کی بھی شادی سے ایک ماہ پہلے دیکھ لیں گے "

"اچھا چلو جیسے تمہیں بہتر لگے "

"اب میں جا رہی ہوں اکیڈمی کا ٹائم ہو رہا ہے "

اس نے جھک کر اپنے کمرے میں لگی گھڑی پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کا رخ اب اپنے کمرے کی جانب تھا۔

****

"کرو آرڈر کیا کھانا ہے" دیان نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے نفوس پر ڈال کر کہا۔

دیان ارسل، صوفیہ اور مسکان کو لنچ پر لے کر آیا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے صوفیہ اور ارسل نے ٹریٹ ٹریٹ کی رٹ لگا کر اسکا سر کھالیا تھا۔ آج آخر تنگ آ کر وہ انہیں لنچ پر لے کر آیا تھا۔

ارسل کو اسکے گھر سے پک کر کے وہ صوفیہ اور مسکان کو لینے ان کی یونیورسٹی گئے تھے اور وہاں سے سیدھا ریسٹورنٹ۔

سب نے اپنا اپنا آرڈر لکھوادیا تو وہ سب باتوں میں مصروف ہو گئے۔

"صوفیہ شاپنگ کب سے سٹارٹ کر رہے ہو" یہ مسکان تھی ارسل کی چھوٹی بہن جو صوفیہ کی ہم عمر تھی۔

"کرلیں گے کچھ دیر تک آخر سب کچھ مجھے ہی دیکھنا ہے" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ویسے دیان بھائی بھابھی بہت خوبصورت اور پیاری ہیں" مسکان کی بات ایک دلکش مسکراہٹ دیان کے ہونٹوں پر آگئی۔

"دیان کی بھابھی بڑی نظر آرہی ہے اپنی بھابھی کی بھی ذرا فکر کرلو"

"مجھے بھی اسی بات کی ٹینشن لگی ہے کون ہوگی وہ بدنصیب جو میری بھابھی بنے گی" ارسل کی بات سن کر مسکان نے دہائی دیتے کہا۔

"بالکل تم جیسی نند ہوگی تو وہ بچاری بدنصیب ہی ہوگی"

"نہیں جی میں آپ کے لیے کہہ رہی ہوں۔ آپ جیسی بلا کو برداشت کرنا ہے، بیچاری اتنی ہمت پتا نہیں کہاں سے لائے گی"

"بنائی ہوگی خدا نے بھی کوئی جو تمہارے بھائی کے ٹکر کی ہوگی"

"ہاں پھر وہ ٹکریں ہی مارے گی انہیں" صوفیہ نے تالی بجاتے ہوئے کہا اور اپنی بات پر ہی قہقہہ لگا اٹھی۔ دیان اور مسکان بھی ہنس دیے۔

"تمہیں کس بات کی خوشی ہو رہی ہے" ارسل غصے سے صوفیہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس بات کی خوشی ہو رہی ہے کہ جب وہ ٹکریں مارنے والے آئے گی تو ہماری آپ سے جان چھوٹے جائے گی"

"اتنی جلدی جان نہیں چھوڑنے والا میں تمہاری. تمہیں اگلے گھر پہنچا کر ہی سکون سے بیٹھوں گا" ارسل کڑھتے ہوئے بولا۔

"میرے اگلے گھر کی فکر کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں۔ میں خود کافی ہوں اس چیز کی فکر کرنے کے لیے"

"بیٹا یہ تو وقت آنے پر ہی پتہ چلے گا کس کو فکر کرنی ہے اور کس کو نہیں" ارسل نے آنکھوں میں تپش لیے اسکی جانب دیکھا جو لاپرواہ سی بیٹھی تھی۔ البتہ دیان نے اسکی نظروں کو ضرور محسوس کیا تھا اسی لیے زوردار کہنی اس کے پہلو میں ماری۔

"آہھہ.... کیا ہے" وہ کراہ اٹھا۔

"تمیز سے رہ بہن ہے میری" دیان نے دانت پیستے کہا تو ارسل بڑبڑاتے ہوئے چہرہ موڑ گیا۔

"ویسے دیان بھائی آپ نے زائشہ بھابھی کو کہاں پسند کیا تھا؟" یہ سوال مسکان کی جانب سے آیا تھا۔ کھانا آچکا تھا اور ویٹر اب ٹیبل پر لگا رہے تھے۔

"جس اکیڈمی میں یہ پڑھاتا ہے وہاں وہ بھی پڑھاتی ہے" ارسل نے شاطرانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر کہا۔ دیان نے ایک غصیلی نظر اس پر ڈالی۔

"واقعی" وہ دونوں بیک وقت حیرت سے بولیں

"پر آپ نے تو کہا تھا وہ بابا کے دوست کی بیٹی ہیں؟" زائشہ نے مشکوک نظروں سے دیان کی جانب دیکھا۔

"ہاں وہ ڈیڈ کے دوست کی بھی بیٹی ہے پر پھر وہ لوگ کہیں اور شفٹ ہو گئے تھے اور اتفاق سے جس اکیڈمی میں میں پڑھا رہا ہوں وہاں وہ بھی تھی اور پھر بعد میں مجھے پتا چلا کہ یہ وہی ہے، ڈیڈ کے دوست کی بیٹی "

"تو آپ کو پسند کرنے کے بعد پتا چلا تھا کہ بھابھی وہ ہی ہیں"

"نہیں پہلے کچھ نہیں تھا پر جب مجھے پتا چلا تب ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شی از دا اونلی ون۔ آفٹر آل میری بچپن کی دوست تھی وہ"

"اوواؤ ہاؤ رومنٹک یار، کس طرح آپ کو آپکی بچپن کی بچھڑی ہوئی محبت مل گئی" مسکان نے ہاتھوں کے پیالے میں اپنا ہاتھ رکھتے حسرت سے کہا۔

جبکہ بچپن کی محبت سن کر ارسل کا قہقہہ ابل پڑا۔ دیان بھی اسکے منہ سے ایسا لفظ سن کر کھسیانی ہنسی ہنس دیا۔

"ویسے کہہ تو سچ ہی رہی ہے" ارسل اسکے کان کے قریب جھک کر کہا۔

"بکواس نہ کر فضول میں"

"میری ہر بات تجھے بکواس ہی لگتی ہے"

دیان نے بس کندھے اچکانے پر اکتفا کیا اور کھانا کھانے لگا۔

ان سب نے ہلکی پھلکی گپ شپ کے ساتھ کھانا کھایا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" دیان نے والٹ سے پیسے نکال کر بل پے کیا اور ان سب کی جانب متوجہ ہوا۔

"زائشہ بھابھی کی طرف چلیں" صوفیہ چہکتے ہوئے بولی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا" ارسل نے غصے سے کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر وہ اب زائشہ کے گھر جاتے تو دیان کا وہ پھولوں والا ڈرامہ ایک بار پھر سے شروع ہو جانا تھا۔

"ابھی ہمیں اکیڈمی بھی جانا ہے اور ویسے بھی زائشہ اس وقت اکیڈمی ہوتی ہے"

"ہاں تو یہ اور بھی اچھا ہو گیا ہم بھی چلتے ہیں اکیڈمی وہاں ان سے مل لیں گے، کیسا؟" صوفیہ نے پورا پلان ترتیب دے کر آخر میں مسکان سے تائید چاہی جس نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

"صوفیہ اچھا نہیں لگتا"

"ارسل آپ کو کیا ہے آنٹی بھلا ہمیں جانتی نہیں" اس کا اشارہ شازیہ شاہ کی جانب تھا۔

"اور ویسے بھی وہ بھائی کی منگنی پر نہیں آئی مجھے ان سے اس بارے میں بھی پوچھنا ہے"

ارسل اور دیان نے گھبرا کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ دیان نے ارسل کے ذریعے ہی ساری بات شازیہ شاہ کو بتائی تھی۔ اگر وہ منگنی میں آتی تو یقیناً زائشہ کو شک پڑ جاتا۔ اسی لیے ارسل نے دونوں طرف سے معاملے کو ہینڈل کر لیا تھا۔ شازیہ شاہ نے بھی بہانہ بنا کر معذرت کر لی تھی۔ جبکہ یہ سب کرنے کے لیے ارسل نے ہی انہیں کہا تھا، دیان کی فرمائش پر۔ وہ دیان کے ماضی سے اچھی طرح آگاہ تھیں اسکی لیے ارسل نے ساری بات انہیں بتا دی تھی اور انہوں نے ان دونوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

"ارے ان سے کیا پوچھنا ہے تمہیں، میں نے کہا بھی تھا کہ مام کو ضروری کام سے جانا تھا"

"ایسا بھی کیا ضروری کام تھا جو صرف انہیں ہی تھا۔ انکل اور مسکان بھی تو آئے تھے نا"

"صوفیہ ہر بات میں ضد نہیں کرتے۔ تم جاؤ اکیڈمی پر اس بارے میں تم کوئی بات نہیں کرو گی خوامخواہ آنٹی شرمندہ ہو جائیں گی" دیان نے ذرا برہمی سے کہا تو صوفیہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے پر ہم اکیڈمی جا رہے ہیں" اس نے ناک سکوڑتے کہا۔

"ٹھیک ہے اب نکلو بھی" دیان کے کہنے پر وہ سب اٹھ گئے اور باہر کی طرف بڑھ گئے۔

تقریباً پورے آدھے گھنٹے بعد وہ سب اکیڈمی میں تھے۔ دیان اور ارسل اپنی کلاس لینے چلے گئے تو وہ دونوں شازیہ شاہ کے آفس میں آ گئی۔

"السلام علیکم آنٹی" صوفیہ چہکتی ہوئے شازیہ شاہ کے آفس میں داخل ہوئی۔ شازیہ شاہ جو کہ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے کسی فائل کو پڑھ رہی

تھی انہوں نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں اور پھر خوشگوار حیرت سے چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز"وہ فوراً سے اٹھی اور صوفیہ کو گلے لگایا۔

"بس دیکھ لیں میں زبردستی یہاں آئی ہوں ورنہ مجھے کوئی نہیں لارہا تھا"

"کون نہیں لارہا تھا میری بیٹی کو"

"ارسل اور کون"

"اسے تو میں بعد میں پوچھوں گی فضول میں تنگ کرتا ہے تمہیں،تم دونوں آؤ بیٹھو"

"ہم بیٹھ جائیں گے ماما پر سب سے پہلے آپ زائشہ بھابھی کو بلوائیں ذرا"مسکان نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

شازیہ شاہ ذرا سا چونکیں پر پھر انہوں نے اپنے تاثرات پر قابو پاتے اثبات میں سر ہلایا اور ریسیپشن پر کال کر کے زائشہ کو بھیجنے کا کہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"زائشہ سے کیوں ملنا ہے تم دونوں نے"

"ویسے ہی دیان بھائی لنچ کروانے لائے تھے ہم سب کو تو میں نے سوچا
جاتے ہوئے بھابھی سے بھی مل لیتے ہیں"

"یہ تو بہت اچھا کیا تم لوگوں نے" انہوں نے کہتے ہی اپنا فون اٹھایا جہاں
ابھی ابھی ارسل کا میسج آیا تھا۔

"مام صوفیہ اور مسکان آئی ہیں اور وہ زائشہ سے ملنے کا کہیں گی۔ پلیز سب
سنبھال لیجیے گا"

انہوں نے میسج پڑھ کر ایک نظر دونوں کو دیکھا اور بولی

"اچھا صوفیہ تمہیں پتا ہے نا زائشہ کے سامنے دیان کا دوسرا نام استعمال کرنا
ہے"

"جی آنٹی مجھے پتہ ہے"

"کون سا نام" مسکان جو سب باتوں سے انجان تھی فوراً بولی پر اتنے میں زائشہ آفس کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

"بعد میں بتاؤں گی" صوفیہ نے جھک کر مسکان کے کان میں کہا اور زائشہ کی جانب بڑھی جو اسے یہاں دیکھ کر کافی حیرت زدہ تھی۔

"السلام علیکم بھابھی" وہ فوراً سے اسکے گلے لگی۔

"تم یہاں کیسے؟"

"صوفیہ اور میری بیٹی مسکان بہت اچھی دوستیں ہیں" جواب شازیہ شاہ کی طرف سے آیا تھا۔

"اور جب مجھے پتہ چلا کہ آپ اور بھائی ایک ہی اکیڈمی میں پڑھاتے ہیں تو میں فوراً سے ملنے آگئی" وہ دوبدو بولی تو شازیہ شاہ نے بے اختیار اپنا ماتھا مسلا۔

"یہ لڑکی ضرور دیان کی ساری محنت پر پانی پھیرے گی"

"کون سا بھائی" زائشہ نے حیرت سے پوچھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارسل کی بات کر رہی ہے۔مسکان کا بھائی میرا بیٹا، تم ملی تو ہو اس سے "اس سے پہلے صوفیہ مزید کچھ بولتی شازیہ شاہ بول پڑیں۔

"پر میں تو غا...."

"صوفیہ بیٹھو نا تم سب کھڑے کیوں ہو "شازیہ شاہ آگے آئی اور ہاتھ پکڑ کر اسے دیوار کے ایک طرف رکھے صوفوں پر بٹھا دیا کہ کہیں وہ پھر سے اپنی زبان کے جوہر نہ دکھا دے۔

"زائشہ بیٹھو تم بھی"

زائشہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھ گئی۔صوفیہ کے خالی ہاتھ دیکھ کر اسکی نظریں کمرے میں کچھ تلاش کر رہی تھیں پر اسے اس بار مایوسی ہوئی تھی۔

صوفیہ کو دیکھ کر وہ غیر ارادی طور پر دیان کی طرف سے ملنے والے پھولوں کو ڈھونڈنے لگی تھی پر اس بار صوفیہ کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صوفیہ سے اب تک اسکی جتنی بھی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ اپنے ساتھ دیان کی طرف سے دیے گئے پھول ضرور لاتی تھی، تو اس کا تلاش کرنا بھی جائز تھا۔

"کیا کھاؤ گی تم سب"

"نہیں میم میں کلاس چھوڑ کر آئی ہوں آپ ان سے پوچھ لیں میں چلوں گی" زائشہ اٹھ کھڑی ہوئی پر شازیہ شاہ نے اسکا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بیٹھ جاؤ میں بھجوا دیتی ہوں کسی کو کلاس میں"

شازیہ شاہ کے کہنے پر وہ اطمینان سے واپس بیٹھ گئی اور صوفیہ سے شادی کی باتوں میں مصروف ہو گئی۔

آہستہ آہستہ اسکی مسکان سے بھی ہلکی پھلکی دوستی ہو گئی تھی۔ منگنی پر وہ اس سے زیادہ تفصیلاً بات نہیں کر پائی تھی، اور نہ وہ یہ جانتی تھی کہ مسکان شازیہ شاہ کی بیٹی ہے۔

شازیہ شاہ نے بے اختیار شکر کا سانس لیا ورنہ آج صوفیہ نے دیان کا پلان بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

****

رات کا گہرا اندھیرا چاروں طرف چھا چکا تھا۔ یہ منظر حامد جہانگیر کے گھر میں موجود عرش کے کمرے کا تھا جو آج بھی بالکل ویسے تھا جیسا چودہ سال پہلے تھا۔ اس کمرے کا دروازہ ہر روز رات کو کھلتا تھا۔

ثمینہ جہانگیر روز رات کے وقت اس کمرے میں جاتی تھیں اور عرش کی ایک ایک چیز کو چومتی اسے پیار کرتی۔ وہ جیسا بھی تھا، تھا تو ان کا بیٹا۔ وہ ماں تھیں کسی بھی طرح اس سے دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔ عرش کی یاد آج بھی انہیں آتی تھی اور بہت شدت سے آتی تھی۔ جس بیٹے کو انہوں نے پال پوس کر جوان کیا تھا وہ کیسے بھول جاتی اسے۔ وہ کسی کے سامنے اظہار

کرنا بند کرگئی تھیں، سب کے سامنے وہ ایسے تھیں جیسے وہ خود کو سنبھال چکی ہیں پر یہ تو ان کے اندر کی ممتا جانتی تھی کہ وہ آج بھی کس قدر تکلیف میں ہیں، کس قدر تڑپ رہی ہے۔

وہ اس وقت بھی اسکے کمرے کی الماری کے سامنے کھڑی اس کے کپڑوں پر ہاتھ پھیر رہی تھیں جو اتنی ہی نفاست سے سیٹ تھی جیسے وہ اپنی موجودگی میں رکھتا تھا۔

"عرش بیٹا تم مجھے بہت یاد آتے ہو ہر وقت یاد آتے ہو۔میں تمہارے لیے دعا بھی کرتی ہوں کہ میرا اللہ تمہیں ہدایت دیدے تم جہاں رہو سلامت رہو۔پر میں چاہ کر بھی تمہیں معاف نہیں کر پا رہی اس سب کے لیے جو تم نے میرب اور ہم سب کے ساتھ کیا۔

تم ایک بزدل انسان ہو عرش، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئے تم سزا سے ڈر گئے پر تم اللہ کی سزا سے کیسے بچو گے میرے بیٹے۔اس کی لاٹھی تو بے آواز ہے،اس کی پہنچ سے تو تم کبھی نہیں نکل سکتے۔

New Era Magazine
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرا دل دکھتا ہے عرش جب میں اس سب کے بارے میں سوچتی ہوں جو مکافات کے طور پر تمہارے سامنے آسکتا ہے۔جب تم اپنا بویا کاٹو گے، تمہیں ڈر کیوں نہ آیا عرش۔آخر
کہاں غلطی کر دی میں نے اپنی تربیت میں جو تم ایسے بن گئے۔میں آج تک خود کو معاف نہیں کر پائی اس سب کے لیے"

وہ ہچکیوں سے روتی نیچے بیٹھ گئیں۔آنسو لڑیوں کی صورت میں ان کے چہرے پر پھسلتے گئے۔

"کہاں غائب ہو گئے ہو تم عرش، واپس آؤ اور اپنے کیے کی سزا بھگتو۔تم ایک بزدل انسان ہو جو چھپ کر بیٹھ گئے ہو پر کبھی نہ کبھی تو یہ مکافات تمہیں باہر لائے گا اور میں دعا کرتی ہوں وہ دن بہت جلد آئے"

ثمینہ جہانگیر نے ایک بار پھر سے اپنے آنسو خود صاف کیے اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔یہ سب اب ان کا روز کا معمول بن گیا تھا،ان کی زندگی کا ایک حصہ۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

واشروم میں جا کر چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور چہرہ خشک کر کے کمرے کی سب لائٹس بند کر کے باہر آ گئی۔

وہ ہر روز خود سے یہ عزم کر کے کمرے سے باہر نکلتی تھیں کہ اب وہ وہاں دوبارہ نہیں جائیں گے پر جو نہی رات ہوتی وہ خود پر سے اختیار کھو بیٹھتی اور وہ کمرہ ہی انہیں اپنی جانب کھینچتا۔

اور ایک بار پھر سے ان کے قدم اس کمرے کی جانب اٹھ جاتے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

وقت کی گاڑی اپنی مخصوص رفتار پر چلتی رہی تھی۔دنوں کے راتوں اور راتوں کے دنوں میں بدلنے کے ساتھ ساتھ موسم گرما چھپ کر موسم سرما کو دعوت دے گیا تھا۔ گرم لو کی جگہ اب سرد ہوائیں لے چکی تھیں۔

جنوری کا دوسرا ہفتہ چل رہا تھا۔ سردی اپنے زوروں پر تھی۔

دیان کو اکیڈمی چھوڑے تین مہینے ہو چکے تھے۔اس نے منگنی کے تقریباً ایک ماہ بعد ہی اکیڈمی چھوڑ دی تھی۔دیان کی گریجویشن مکمل تھی اور یونیورسٹی بھی وہ کچھ کورسز کے لیے جاتا تھا جو اب مکمل ہو گئے تھے اور اب اسکا ارادہ آفس جوائن کرنے کا تھا۔

یہ فاروق حیدر کے لان کا منظر تھا جو اس وقت مکمل طور پر دھند میں ڈوبا تھا۔اگر لان سے نظر آتے لاؤنج کے دھندلے شیشے کے اس پار جھانکو تو صوفیہ سر پر اونی ٹوپی پہنے شال لپیٹے صوفے پر ہیٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔اس کے ارد گرد گھر کے سب افراد بھی موجود تھے۔بارہ بج رہے تھے پر دھند کی وجہ منظر یوں تھا جیسے صبح کے چھ بج رہے ہوں۔

گھر کے سب افراد ناشتہ کے بعد اب لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ پچھلے چار مہینے سے سفید محل کا ایک ایک مکین زور و شور سے شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

اور آج وہ دن آگیا تھا۔رات کو دیان اور زائشہ کی مہندی تھی۔ تین دن پہلے زائشہ کا آخری پیپر تھا اور اب انکی شادی کے فنکشن شروع تھے۔ دیان اور ارسل اس وقت کیٹرنگ والوں کے پاس گئے تھے۔لان میں کافی حد تک سجاوٹ ہو چکی تھی بس اسٹیج کا کام باقی تھا۔

صوفیہ منہ پھلائے ایک بار پھر سے لاحاصل بحث کرنے میں مصروف تھی۔مہندی کمبائن نہیں تھی اور اسے اسی بات پر غصہ تھا۔کتنی منتیں کی تھیں اس نے زائشہ کی پر اس نے بھی ضد باندھ لی تھی کہ اب نکاح کروائے بغیر اس گھر میں نہیں جائے گا۔

زائشہ ساری رسمیں اپنے گھر میں کرنا چاہتی تھی۔اس کا گھر جیسا بھی تھا اسے بہت پیارا تھا اور اس کی اسی خواہش کا احترام کرتے حامد جہانگیر نے ان کے گھر کے چھوٹے سے صحن کو بھی بہت خوبصورتی سے سجوا دیا تھا۔حامد جہانگیر شادی میں زائشہ کی طرف سے شرکت کرنے والے تھے۔اس کی طرف کے سب انتظامات وہی دیکھ رہے تھیں۔

صوفیہ کے بے حد اصرار پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پہلے سب زائشہ کے گھر جا کر رسمیں کریں گے اور پھر واپس ادھر آ کر دیان کی رسمیں ہوں گی۔ پر وہ اب پھر سے ضد لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

"مام میرا ایک ہی تو بھائی ہے اسکی شادی پر بھی اپنے شوق پورے نہ کروں" صوفیہ نے ناراضگی سے ثمینہ جہانگیر سے کہا جو پچھلی پندرہ منٹ سے اسے سنا رہی تھیں۔

"دس ہزار تو تمہارے شوق ہیں۔ایک اگر نہیں بھی پورا ہو رہا تو خیر ہے"

"ساری شاپنگ کر کر کے میں آدھی ہو گئی ہوں اور یہاں کوئی میری بات بھی نہیں مان سکتا" وہ غصے سے بڑبڑاتی اٹھی اور لاونج سے نکل گئی۔

"اکیلی تم نہیں تھی زائشہ بیچاری بھی تمہارے ساتھ ماری ماری پھری ہے" ثمینہ جہانگیر نے غصے سے کہا۔صوفیہ کے یوں اٹھ کر چلے جانے پر انہیں بہت غصہ آیا تھا۔

"بس کرد و ثمینہ بچی ہے" حامد جہانگیر نے فون سے نگاہیں اٹھا کر انہیں ٹوکا۔

"آپ چپ رہیں بچی بچی کہہ کر اسکا دماغ خراب کر دیا ہے۔ایک مسکان ہے اتنی سلجھی ہوئی بچی ہے اور ایک یہ ہے"

ثمینہ جہانگیر کے سب کے سامنے یوں بولنے پر حامد جہانگیر خفگی سے فون پر چہرہ جھکا گئے جبکہ بتول حیدر اور فاروق حیدر مسکرا دیے۔

"حامد تم کب تک جاؤ گے سیرت کے گھر"

"چار بجے تک چلا جاؤں گا پھر وہاں رسمیں وغیرہ کر کے آپ لوگوں کے ساتھ واپس آ جاؤں گا"

"ٹھیک، یہ ذرا دیان کو تو فون کرو کہاں رہ گیا۔ بارہ بج رہے ہیں اور ابھی تک سجاوٹ پوری نہیں۔ کب شروع ہو گا کام"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہاں میں کرتا ہوں دھند بھی تو اتنی زیادہ ہے" حامد جہانگیر فاروق حیدر کی بات کا جواب دیتے اٹھے اور فون پر نمبر ڈائل کرتے لاونج سے باہر نکل گئے۔

"الماری سیٹ کردی زائشہ کی"

"ہاں پرسوں صوفیہ نے سب کچھ سیٹ کر کے رکھ دیا تھا"

"بتول اس سے کیوں کہا کوئی نہ کوئی کام خراب کیا ہوگا اس نے"

"اف ثمینہ باجی اب وہ اتنی بھی بچی نہیں۔ سمجھ بوجھ ہے اسے سب اور ویسے بھی اسکی ذرا زائشہ ساتھ دوستی ہے تو میں نے سوچا کہ اسکی مرضی کے مطابق سب کچھ کردے گی"

"جو بھی کرنا ہے آج مکمل کرلو کل کمرہ سجانا ہے"

ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر فاروق حیدر بولے تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بتول زائشہ نے آج پارلر سے تیار ہونا ہے"

"نہیں میں نے تو بہت کہا تھا ہو جاو پر وہ ہی نہیں مانی۔اس کی جو دوست نہیں زینب وہ کہہ رہی تھی کہ ہم خود کرلیں گے"

ثمینہ جہانگیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔بتول حیدر اپنے مایوں کے جوڑے کا دوبٹہ پھیلائے اس پر کرن لگا رہی تھیں جو درزی نے لگاتے ہوئے خراب کردی تھی۔

"السلام علیکم "لاؤنج میں ایک دم سے خاموشی چھا گئی جب دیان اور ارسل ایک ساتھ سلام کرتے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔

"واعلیکم السلام کہاں تھے تم لوگ"

"ڈیڈ کیٹر نگ والوں کے پاس ہی تھے۔آ گئے ہیں لڑکے شروع کرنے لگے ہیں کام" دیان نے دھڑام سے بتول حیدر کے بغل میں صوفے پر گرتے کہا۔

"دیان میرا دوبٹہ "بتول حیدر نے اسے تھپڑ رسید کرتے پیچھے کی جانب دھکیلا جوان کے دوبٹہ پر بیٹھ گیا تھا۔وہ صبح کا ارسل کے ساتھ گھر سے نکلا

ہوا تھا۔ناشتہ بھی باہر کیا تھا۔درزی سے اپنے کپڑے لے کر وہ تب سے کیٹر نگ والوں کے ساتھ خوار ہو رہا تھا۔اور اس وقت وہ کافی تھکا ہوا تھا

"کپڑے اٹھا لیے تم نے"

"اٹھا لیے مام، یہ صوفیہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں گئی ہے لڑ کر"ثمینہ جہانگیر غصے سے بولیں۔

"کیوں"

"وہی ضد کمبائن مہندی کرو"دیان نفی میں سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہا ہے"

"پانی پینے ادھر بھی آ جا"ارسل کے سوال پر دیان نے جھنجھلاتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

پیچھے ارسل قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"شادی اس کی ابھی ہوئی نہیں اور میٹرا بھی سے گھوم گیا"اس کی بات سن کر سب مسکرا دیے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"فاروق میں سیرت کے گھر جا رہا ہوں" حامد جہانگیر جلدی سے لاونج میں آئے اور فاروق حیدر کو پکارا۔

"خیریت" سب نے چونک کر انکی جانب دیکھا۔

"ہاں یار وہ لائٹ چلی گئی ہے وہاں جینریٹر کا انتظام کرنا ہے اور بھی کچھ کام ہے۔ میں نکل رہا ہوں، ثمینہ کپڑے نکال دو میرے میں جاؤں پھر" وہ جلدی جلدی کہتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تو ثمینہ جہانگیر بھی انکے پیچھے گئیں۔

"ایک تو اللہ پوچھے ان لائٹ والوں کو سردیوں میں بھی نہیں بخشتے"

"آپ لوگوں کی تیاری پوری ہے مام" دیان پانی کے گلاس سے گھونٹ بھرتا پھر سے ان کے بغل میں بیٹھ گیا۔

"میری تیاری پوری ہے تم نے کب جانا سیلون"

"آج نہیں جانا کل جاؤں گا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"عجیب ہی ہو تم لوگ ادھر زائشہ نے بھی آج پارلر جانے سے منع کر دیا ہے"

"ماما دیکھیں میری طرف آپ کو لگتا ہے مجھے سیلون جانے کی ضرورت ہے"اس نے شرارت سے ان کی جانب دیکھا تو بتول حیدر نے اسے دیکھتے ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

"ہاں اتنی شدید لعنت پڑی ہے تیرے تھوبڑے پہ سیلون جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہونا"ارسل نے زوردار قہقہہ لگاتے کہا۔دیان خونخوار نظروں سے اسکی جانب دیکھا پر پھر اپنے ہی ماں باپ کی قہقہے سن کر خفت سے کھڑا ہو گیا۔

"دولہا ہوں میں کچھ تو خیال کر لو"وہ غصے سے بڑبڑاتا صوفے سے اٹھا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔اس کا ارادہ کچھ دیر کے لیے آرام کرنے کا تھا۔

"اچھا آنٹی میں بھی ذرا گھر کا چکر لگا آؤں"

"ہاں جاؤ بیٹا پھر شازیہ رات کو شکایت کرے گی کہ میرے بیٹے کو باندھ ہی لیتے ہو"

"مام کے کہنے کا مطلب ہے جا دفعہ ہو جان چھوڑ" دیان اوپر ریلنگ سے نیچے کی جانب جھک کر چلایا۔اپنا بدلہ پورا کر کے وہ شاطرانہ مسکراہٹ ارسل کی طرف اچھالتا اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

ارسل نے کن انکھیوں سے بتول حیدر کی طرف دیکھا جو اسے دیکھ کر ہی مسکرا رہیں تھیں۔

ایک مدھم سی مسکراہٹ ان کی طرف اچھالتا وہ باہر نکل گیا۔

****

"زائشہ چھوڑو یہ سب میں کرلوں گی تم جاکر تیار ہو، چھ بج گئے ہیں" سیرت مراد نے زائشہ کے ہاتھ سے استری پکڑتے کہا۔وہ حسیب اور جنید کے کپڑے استری کر رہی تھی۔

"اماں میں کر لیتی ہوں، ابھی ٹائم ہے"

"کوئی ٹائم نہیں ہے، جاو جاکر تیار ہو آٹھ بجے تک آجانا ہے دیان کے گھر والوں نے۔زینب لے کر جاؤ اسے" سیرت مراد نے دور کھڑی زینب کو آواز دی تو وہ فوراًاسی طرف آگئی۔

"آنٹی میں تو تب سے کہہ رہی ہوں پر یہ مان ہی نہیں رہی۔اب چلو میڈم ورنہ دلہے والے آجائیں گے اور تم بس تیار ہوتی رہ جانا" زینب اسے گھسیٹتی ہوئی اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی جہاں محلے کی کچھ لڑکیاں بیٹھی تھیں۔

زینب نے ایک طرف ہینگر پر لٹکا زائشہ کا مایوں کا جوڑا اتار کر اسے تھمایا اور خود سب لڑکیوں کو لے کر کمرے سے باہر آگئی۔

"سیرت کچھ چاہیے؟" حامد جہانگیر کپڑے استری کرتی سیرت مراد کے پاس آکر بولے۔

"نہیں بھائی الحمداللہ سب کچھ ہے۔ وہ فاروق بھائی لوگ کب تک آئیں گے؟"

"سات بجے کا کہا ہے پہنچتے پہنچتے آٹھ بج جائیں گے۔ پھر دیان کی بھی تو رسم کرنے جانا ہے"

"جی"

"زائشہ تیار ہو رہی ہے" انہوں نے زائشہ کے کمرے کے بند دروازے کی جانب دیکھ کر کہا۔

"ہاں ابھی بھیجا ہے زبردستی"

"چلیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجیے گا میں باہر ہی ہوں"

سیرت مراد نے سر ہلا دیا تو حامد جہانگیر باہر چلے گئے۔محلے کے کافی لوگ ان کے صحن میں آ کر بیٹھ چکے تھے۔زائشہ کی منگنی کے بعد انہوں نے کتنی باتیں برداشت کی تھیں ان لوگوں کی۔نا جانے کیا کچھ کہا تھا انہوں نے زائشہ کے بارے میں،اور اب حامد جہانگیر کو یوں انتظامات کے لیے بھاگ دوڑ کرتے دیکھ کر یقیناً وہ لوگ آپس میں چیمگوئیاں کر رہی تھیں۔پر سیرت مراد نے انکی طرف سے اپنے کان بند کر لیے تھے۔ جو مرضی ہو جاتا لوگوں کی زبانیں ہر حال میں چلنی تھیں۔وہ تو بس اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ اللہ نے انکی دعائیں قبول کر لی۔وہ جانتی تھیں محلے والوں کی یہ ساری باتوں کی وجہ صرف اور صرف حسد تھا۔زائشہ کی محلے میں کسی کے ساتھ زیادہ بات چیت اور دوستی نہیں تھی۔اسی لیے سارا محلہ اسے مغرور اور چالاک سمجھتا تھا۔اور سب یہی کہہ رہے تھے کہ اس نے امیر لڑکا پھنسا لیا ہے پر انہوں نے کسی کو صفائی دینا ضروری نہ سمجھا۔سب

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خودی بول بول کر خاموش ہو گئے۔ہاں زائشہ ان سب باتوں سے انجان تھی۔اگر اسے علم ہوتا تو دو تین کو جواب ضرور دیتی۔

زائشہ نے کپڑے تبدیل کر کے دروازہ کھولا تو زینب خود اندر داخل ہو گئی۔

"تم سب باہر رہو مجھے تیار کرنا ہے اسے"اس نے ساتھ کھڑی لڑکیوں سے کہا جو اندر آنے کو بے تاب تھیں۔زینب کی بات سن کر منہ بسور کر پیچھے ہو گئیں۔

"آنے دیتی"

"رہنے دو تب سے تمہاری چیزوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہیں نظر ہی نہ لگا دیں"

"کچھ نہیں ہوتا یار.....اچھا یہ ڈوری بند کرو ذرا"اس نے اپنے سوٹ کے بیک پر لٹکتی ڈوری اسکے سامنے کی اور خود اسکی جانب پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔

"زائشہ میں تھوڑا ہیوی میک اپ کروں گی"

"نہیں زینب مجھے نہیں کروانا، زیادہ میک اپ والی مہندی کی دلہن مجھے زہر لگتی ہے"

"تو پھر کچھ بھی نہ لگاؤ" زینب جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

"بس میں تمہیں جیسے جیسے کہتی جاؤں کرتی جانا"

"اچھا میڈیم جی اب بیٹھو" اس نے اسٹول کھینچ کر شیشے کے سامنے رکھا تو زائشہ اپنا ڈریس سنبھالتی بیٹھ گئی۔

پھر جیسے جیسے وہ کہتی گئی زینب اسے تیار کرتی گئی۔اسے مکمل طور پر تیار کرنے میں زینب کو ایک گھنٹہ لگا تھا۔

"ارے واہ اب آئے گا نا مزہ" اچانک سے اسپیکر پر چلتے گانوں کی آواز زینب کے کانوں میں پڑی تو وہ چلا اٹھی۔

"یہ حسیب کے کام ہیں وہی کہہ رہا تھا میں اسپیکر لاؤں گا" زائشہ غصے سے بولی۔اسے یہ سب بالکل پسند نہیں تھا۔

"تم چپ کرو فیل ہی نہیں ہو رہا تھا کہ گھر میں شادی ہے" زینب کی بات سن کر وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد زینب نے زائشہ کے سر پر دوپٹہ سیٹ کیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے سات ہونے والے تھے۔

"لو بھائی تم تو ہو گئی تیار وہاں بیٹھ جاؤ اب میں بھی ہلکا پھلکا کچھ کر لوں" زائشہ نے ایک نظر خود کو شیشے میں دیکھا اور بیڈ پر جا کر کھسے پہننے لگی۔

آہستہ آہستہ باہر سے شور کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔

اس نے مسکراتے ہوئے ایک نظر اپنے ڈریس پر ڈالی۔

اسکے مایوں کا سامان تین دن پہلے ہی آیا تھا۔ بارات کا ڈریس اس نے خود اپنی پسند سے خریدا تھا پر بقول صوفیہ کے اسکی مایوں اور ولیمے کی ساری شاپنگ دیان نے اسکے ساتھ مل کر کی تھی۔ ایک ایک چیز اسکے پسند کی

تھی۔وہ اس وقت پور پورا اسکی پسند کے مطابق سجی تھی۔کتنا خوش کن احساس تھا یہ۔

زائشہ کا ڈریس ہلکے پیلے رنگ کا تھا۔پاوں کو چھوتا فراک جس کے گلے اور بازو پر گوٹے کا گہرا کام تھا اور نیچے بارڈر پر گوٹے اور شیشے کے پھول بنے تھے۔پھولوں میں ہلکا سبز اور گلابی رنگ تھا۔اس کے علاوہ پوری فراک پر چھوٹے چھوٹے شیشے لگے تھے۔فراک کا ہم رنگ دوپٹہ سر پر ٹکا تھا جس کے بارڈر پر بھی ہلکے گلابی اور سبز رنگ کی کڑھائی ہوئی تھی اور ساتھ شیشوں کا کام تھا۔اس نے ابھی مہندی نہیں لگائی تھی۔اسے اپائنٹمنٹ کل کی ملی تھی۔دودھیا ہاتھوں میں بھر بھر کر پیلی کانچ کو چوڑیاں اور گجرے تھے،تازہ پھولوں کا زیور اسکے کانوں اور سراہی جیسی گردن کی زینت بنا تھا۔بالوں کا ہلکا سا ٹویسٹ بنا کر کچھ لٹیں چہرے کے گرد گرائی تھیں اور بقایا بالوں کی میسی بریڈ کر کے کندھے کے ایک طرف تھی۔میک

اپ کے نام پر اسنے بس ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک، آنکھوں پر مسکارا اور کاجل، ہلکا سا بلش اور ہائیلائٹر لگایا تھا۔

وہ مایوں کی دلہن کی مناسبت سے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔اس نے میک اپ بہت کم کیا تھا پر پیلا رنگ اس کے جسم پر آتے ہی جیسے کھل اٹھا تھا۔چہرے کی سادگی اسے ایک منفرد اور دیدہ زیب خوبصورتی سے نواز رہی تھی۔ہمیشہ سادگی میں رہنے والی زائشہ آج سب کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"لگتا ہے وہ لوگ آگئے" باہر اٹھتے شور اور اسپیکر پر تیز ہوتے گانوں کو سن کر چوڑیاں پہنتی زینب بولی۔

"رکو میں دیکھتی ہوں" اس نے جلدی سے دوبٹہ اوڑھ کر کانوں میں ٹاپس پہنے اور لاکٹ کا ہک بند کرتی دروازے کی طرف بڑھی۔

ہلکا سا دروازہ کھول کر اسنے درز میں سے جھانکا۔

"زائشہ وہ لوگ آگئے" دروازہ فوراً دوبارہ سے بند کرتی وہ اس کی طرف آئی اور اسکا ڈریس ٹھیک کر کے اسے بیڈ پر آرام سے بٹھایا۔

"تم بیٹھو میں آئی"

اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر وہ باہر نکل گئی۔ زائشہ انگلیاں چٹخاتی پریشان سی بیٹھی تھی۔ ایک دم سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

اچانک سے دروازہ کھلا اور لڑکیوں کا ایک سیلاب کمرے میں داخل ہوا۔ زائشہ کی تو آنکھیں ہی پھٹ گئیں، سب سے آگے صوفیہ تھی جو چند قدم چل کر ہی ٹھٹھک کر رک گئی۔

"اومائی گاڈ بھابھی واٹ آ بیوٹی یو آر" اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ستائش سے کہا۔ زائشہ اس کے ردعمل پر زبردستی ہلکا سا مسکرائی ورنہ اتنی لڑکیاں دیکھ کر اسکی ویسے ہی جان آدھی ہوگئی تھی۔

"اللہ نظر بد سے بچائے آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں" اب کی بار صوفیہ آرام سے اسکے پاس آئی اور آہستہ سے اسکے گلے لگ کر سائیڈ پر ہو گئی۔

"تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو"

زائشہ کی بات سن کر صوفیہ نے ایکٹنگ کے سارے ریکارڈ توڑتے شرما کر چہرہ جھکا دیا۔اس کا انداز دیکھ کر زائشہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

صوفیہ نے اورنج رنگ کا نیٹ کا پلازو پہنا تھا جو بالکل سادہ تھا۔وہ تھا تو پلازو پر اسکی لک لہنگے جیسی تھی۔اوپر گھٹنوں سے ذرا اوپر شارٹ شرٹ تھی جس کا فرنٹ بازوؤں کے علاوہ مکمل طور پر گوٹے کے کام سے بھرا تھا۔سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ ہی کندھے کے ایک طرف تھا جس پر گوٹے کا ہلکا سا جال تھا۔بازو سادہ تھے پر کانچ کی فینسی چوڑیوں نے اس کمی کو دور کر دیا تھا۔جیولری کے نام پر اسنے بس کانوں میں بندے پہنے تھے اور ماتھے پر بندیا لگائی تھی۔بالوں کی درمیان کی مانگ نکال کر دونوں

طرف بریڈ کی گئی تھی اور بقایا بال سٹریٹ کر کے پیچھے کمر پر گرائے تھے۔میک اپ اسکا بھی ہلکا پھلکا تھا۔اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں پٹپٹاتی زائشہ کو وہ بیک وقت معصوم اور کیوٹ لگی۔

"زائشہ بیٹا" سیرت مراد لڑکیوں کے اس ہجوم کو چیرتی آگے آئی لیکن اپنی بیٹی کو دلہن بنا دیکھ کر انکی آنکھیں نم ہو گئی۔انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔زائشہ کے گلے میں آنسو کا پھندا پھنس گیا،وہ بھی رونے لگی۔

"ارے ارے سیرت مت رلاؤ ہماری بیٹی کو" بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو الگ کیا۔

"بس بچے روتے نہیں۔اتنی پیاری لگ رہی ہے ہماری گڑیا روتے ہوئی اچھی تو نہیں لگتی نا" بتول حیدر نے اسکے آنسو پونچھ کر اسکا ماتھا چوما۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو" انہوں نے اسکا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر کہا تو زائشہ جھجھک کر مسرا دی۔

"اللہ کتنا شرماتی ہے یہ لڑکی" وہ ہنس دیں۔

"آپ کی آنکھوں کا کلر رئیل ہے؟" لڑکیوں کے ہجوم میں سے ایک لڑکی کی آواز آئی تو زائشہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں وہ لینز نہیں لگ رہے اسی لیے پوچھا" سب کے یوں دیکھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

"جی الحمدللہ رئیل ہیں۔ میری بھابھی کی گرے آئیز ہیں" صوفیہ نے مسکراتے ہوئے زائشہ کی جانب دیکھ کر کہا۔

"چلو لڑکیوں اب سب باہر چلو رسم بھی شروع کرنی ہے" ثمینہ جہانگیر نے ان سب لڑکیوں کو باہر نکالا جن میں آدھی زائشہ کے محلے کی تو آدھی دیان کی طرف سے آئی تھیں۔ سب کو دلہن دیکھنے کی جلدی تھی اسی لیے وہ سب دروازہ کھلتے ہی اندر آ گئی۔

اب کمرے میں زائشہ کے ساتھ بتول حیدر، ثمینہ جہانگیر، سیرت مراد، صوفیہ اور زینب تھی۔ ثمینہ جہانگیر اور زینب وہ دوبٹہ سیٹ کر رہی تھیں جس کے نیچے زائشہ کو لے کر باہر جانا تھا اور صوفیہ زائشہ کی تصویریں

بنا رہی تھیں۔دیان نے اسے سختی سے آرڈر دے کر بھیجا تھا کہ مردوں میں سے سب سے پہلے وہ اسے دیکھے گا۔اور صوفیہ نے بھی اپنے بھائی کی اس خواہش کا احترام کرتے فوراً سے اسکی تصویریں بنا کر بھیج دیں۔

زائشہ کو مایوں کی رات اس سجے سنورے روپ میں سب سے پہلے دیکھنے والا مرد دیان غازی تھا۔

****

باہر صحن مکمل طور پر مہمانوں سے بھر چکا تھا۔حسیب اور جنید ہر کام میں سب سے آگے تھے۔دونوں نے ایک جیسے کپڑے پہنے تھے۔سفید شلوار قمیض پر واسکوٹ۔

زائشہ کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی دیر تھی حسیب نے اسپیکر پر فل آواز میں ڈھول کا میوزک لگا دیا۔ادھر زائشہ سنہرے دوبٹہ کے نیچے کمرے سے باہر آئی اور ادھر حسیب اور جنید نے محلے کے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر بھنگڑے ڈالنا شروع کر دیے۔

زائشہ دروازے کے شروع پر کھڑی مسکراتے ہوئے اپنے بھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔دوبٹہ کو آگے سے زینب اور صوفیہ نے تھاما تھا اور پیچھے بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر تھیں جبکہ سیرت مراد زائشہ کے ساتھ کھڑی تھیں۔

صحن میں اس وقت صرف محلے اور دیان کی طرف سے آنے والی خواتین موجود تھیں۔مردوں میں حامد جہانگیر اور فاروق حیدر تھے۔بقایا سب مردوں کا انتظام باہر گلی میں کیا گیا تھا۔کھانے کا انتظام ساتھ والے گھر میں تھا۔

"چلو بچوں سائیڈ پر ہو ہمیں گزرنے دو" زینب نے ہاتھ کے اشارے سے سب بچوں کو سائیڈ پر کیا۔ جنید اور حسیب بھاگ کر آئے اور زائشہ کے ایک طرف کھڑے ہوئے۔

محلے کی وہ عورتیں جو کچھ دیر پہلے طرح طرح کی باتیں کرنے میں مصروف تھیں اس وقت زائشہ کو دیکھ کر ان کے منہ کھل گئے تھے۔ وہ واقعی اتنی قدر، اتنی شان و شوکت کی حقدار تھی۔ اس کا حسن دیکھ کر وہ سب حیران رہ گئی تھیں۔ زائشہ گھر سے ہمیشہ نقاب میں نکلتی تھی اور کسی کے گھر اسکا آنا جانا نہیں تھا۔ اسی لیے زیادہ لوگ اسے بس اس کی آنکھوں کے رنگ سے جانتے تھے، سیرت کی گرے آنکھوں والی مغرور لڑکی۔ پر اب اس کے جسم پر دمکتا لباس، اس کا حسن، اس کی معصومیت ہر چیز ان کے منہ بند کر گئی تھی۔

مسکان شازیہ شاہ اور اپنے والد کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو دور سے ہی اسکی نظر صوفیہ پر پڑ گئی جو زائشہ کے پہلو میں کھڑی تھی۔ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اسی لیے وہ پیچھے رہ گئے تھے۔شازیہ شاہ اور ان کے شوہر اپنے جاننے والے کچھ لوگوں کی طرف بڑھ گئے تو وہ زائشہ کی طرف آئی۔ زائشہ کو ایک خوبصورتی سے سجے جھولے پر لا کر بٹھایا گیا تھا۔

"السلام علیکم "اس نے صوفیہ کے ساتھ کھڑے ہو کر بلند آواز میں سلام کیا۔جہاں سب اسکی جانب متوجہ ہوئے وہیں زائشہ نے سر کے اشارے سے اسکے سلام کا جواب دیا۔

"شکر الحمداللہ تم پہنچ گئی"

"یار کار خراب ہو گئی تھی"مسکان نے مسکین شکل بنا کر بولا تو صوفیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ سب زائشہ کو جھولے میں بیٹھنے پر مدد کرنے لگیں۔

فاروق حیدر فوراً سے آگے بڑھے اور زائشہ کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارا لگ رہا ہے ہمارا بچہ" انہوں نے اس کے سر پر سے ہزار کے نوٹ وار کر ٹیبل پر رکھی ایک باسکٹ میں ڈال دیے۔اس کے بعد حامد جہانگیر نے بھی ایسا ہی کیا۔وہ دونوں رسم کر کے باہر چلے گئے تاکہ لڑکیاں آرام سے انجوائے کر سکیں۔

باری باری سب زائشہ کے پاس آکر رسم کرنے لگے۔پہلے بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر آئیں پھر سیرت مراد حسیب اور جنید کے ساتھ۔ان کے بعد صوفیہ،مسکان اور زینب جنہوں نے زائشہ کے دماغ کی دہی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔زینب نے تو تیل کی بوتل ہی اسکے سر پر انڈیل دی تھی۔دھار کی صورت میں تیل اس کے ماتھے سے چہرے پر بہا،اس نے فوراً سے ہاتھ آگے کر کے اپنے کپڑوں کو خراب ہونے سے بچایا۔قطرہ قطرہ تیل اسکی ہتھیلی پر گرنے لگا۔ابھی وہ اس افتاد پر سنبھلی نہ تھی کہ

صوفیہ نے گلاب جامن اٹھا کر سارا اس کے منہ پر مسل دیا۔پہلے تیل اور اب گلاب جامن کی مٹھاس۔زائشہ کو کراہت ہونے لگی۔ٹشو پیپر اٹھا کر فوراً سے اپنا چہرہ رگڑ ڈالا پر اسکا میک اپ اب اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔زائشہ کی حالت دیکھ کر سب کے جاندار قہقہے گونج رہے تھے۔

اس نے ایک زبردست گھوری صوفیہ کو ڈالی پر وہ کندھے اچکا کر ہنس دی۔حسیب کھڑا صوفیہ کے فون میں ایک ایک پل کمرے میں قید کر رہا تھا۔

"آؤ زینب اور مسکان ڈانس کریں"صوفیہ نے دونوں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور زینب کے نہ نہ کرنے کے باوجود سب کے درمیان میں لے آئی۔اور پھر وہ تینوں جو ناچنا شروع ہوئی تو محلے کی اور بھی لڑکیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ان کی حرکتیں دیکھ کر ہنس ہنس کر زائشہ کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔اس نے شہادت کی انگلی کی مدد سے آنکھ کا کونا صاف کیا اور یہی منظر حسیب نے کیپچر کر لیا۔

"بس کردو حسیب تب سے تصویریں بنا رہے ہو"

"صوفیہ آپی کے آرڈر ہیں زائشہ آپی" میوزک کی وجہ سے حسیب چلا کر بولا۔

اب محلے کی سب عورتیں باری باری زائشہ کے پاس آکر رسمیں کر رہی تھیں۔ مٹھائی کھا کھا کر اب زائشہ کو متلی سی محسوس ہو رہی تھی پر وہ ضبط کرتی بیٹھی رہی۔

صوفیہ اپنے ساتھ ثمینہ جہانگیر اور بتول حیدر کو بھی شامل کر چکی تھیں۔ دیان کی رسم کرتے وقت انہیں یہ آزادی نہیں ملنی تھی کیونکہ وہاں فنکشن کمبائن تھا۔ اسی لیے وہ یہاں بھرپور طریقے سے انجوائے کر رہی تھی۔

ایک طوفان بدتمیزی مچانے کے بعد جب وہ تھک گئی تو تینوں زائشہ کے پہلو میں جھولے پر پھنس کر بیٹھ گئیں۔

ایک ایک کر کے اب سب ساتھ والے گھر جا رہے تھے، کھانا کھول دیا گیا تھا۔

"اف یار تھک گئی میں تو"

"میں بھی" گہرے گہرے سانس لیتے زینب نے صوفیہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

" تھوڑا اور تھک لو جا کر پوری جو کر لگ رہے تھے تم لوگ "

"رہنے دو زائشہ ہمیں پتا ہے ہم کیسے لگ رہے تھے اور ویسے بھی تمہیں ہم پر غصہ ہو گا ہم نے تمہیں ڈانس کے لیے نہیں بلایا"

"نہیں جی مجھے فلحال ایسے پاگل پن کے دورے نہیں پڑتے" زائشہ نے فوراً سے زینب کو ناک چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔پر زینب اسکی بات اگنور کرتی باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی جہاں حامد جہانگیر نے اسے بلایا تھا۔

"زینب حسیب سے میرا فون لیتی آنا" صوفیہ پیچھے سے چلائی

"ویسے بھابھی ابھی آپ نے ارسل کے دورے نہیں دیکھے۔ابھی دیکھئیے گا بھائی کی رسم کے وقت وہ کیا کیا کرتے"

"ارسل مسکان کا بھائی؟"

"ہاں ان کی غازی بھائی ساتھ کافی دوستی ہے" زائشہ نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔ان کے علاوہ وہاں بس چند ایک عورتیں موجود تھیں۔

زینب کچھ دیر بعد حسیب اور جنید کے ساتھ دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ہاتھ میں چاول کی پلیٹیں تھیں،حسیب اور جنید نے بھی ہاتھ میں کھانے کی کافی چیزیں پکڑی تھیں۔

"یہ لو بھائی کھانا"

"صوفیہ آپی آپ کا فون" حسیب نے فون اسے پکڑایا اور کھانے کی چیزیں ٹیبل پر رکھ کر باہر نکل گیا۔صوفیہ نے فون بیگ میں ڈالا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔زائشہ بھی اطمینان سے کھانا کھانے لگی۔ان تینوں

نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے تینوں کو بھوک زوروں کی لگی تھی۔

سب کو کھانا ختم کرتے کرتے رات کے دس بج گئے تھے۔سب لوگ اب اپنے گھروں کو نکل گئے تھے سوائے ان کے جنہوں نے دیان کے گھر جانا تھا۔زائشہ کے ساتھ گھر میں اس کے ہمسائیوں کی کچھ لڑکیاں رکنے والی تھیں۔

صوفیہ اور ذینب نے زائشہ کو اٹھایا اور اسے اندر کمرے میں لے آئیں۔

"زائشہ تم آرام سے چینج کر لو۔ہم ابھی یہی ہیں" ذینب نے اس کے آرام دہ کپڑے نکال کر اسے تھمائے تو زائشہ سر سے پنز نکالنے لگی۔

"زائشہ بیٹا زویا اور کنیز تمہارے ساتھ ہی رکے گیں۔اور میں نے حاجی صاحب سے کہہ دیا ہے وہ باہر ہی بیٹھیں جب تک ہم آ نہیں جاتی۔اب لڑکیوں کو گھر میں اکیلے تو نہیں چھوڑ سکتے نا"

"امی آپ آرام سے جائیں کچھ نہیں ہوتا"

"اچھا بیٹا دھیان سے رہنا اور صوفیہ زینب نکلو تم لوگ بھی اب، کرلے گی یہ خود"

سیرت مراد اپنا دوبٹہ ٹھیک کرتے کمرے سے نکل گئیں۔

"اچھا بھابھی کل ملاقات ہو گی" صوفیہ آگے بڑھ کر اسکے گلے لگی تو زائشہ نے مسکراتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا۔

وہ سب کمرے سے نکل گئیں تو اس نے محلے سے آئیں لڑکیوں کو بھی باہر بھیجا تاکہ وہ چینج کرسکے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گاڑیوں کا یہ قافلہ جو سیرت مراد کے گھر آیا تھا اب فاروق حیدر کے گھر کی جانب رواں دواں تھا۔اب اس میں کچھ گاڑیوں کا اضافہ ہو چکا تھا جن میں سیرت مراد کی طرف سے آنے والے چند قریبی لوگ تھی۔

فاروق حیدر کے گھر پہنچتے پہنچتے انہیں ساڑھے دس ہو گئے تھے۔لان میں کافی لوگ پہلے سے موجود تھے۔سیرت مراد کے گھر بھی فاروق حیدر کے

قریبی دوست اور جاننے والے گئے تھے پر یہاں موجود لوگوں کی تعداد سیرت مراد کے گھر سے بہت زیادہ تھی۔

سب لوگ گاڑیوں سے اتر کر لان میں لگے ٹیبلز کی طرف بڑھ گئے۔

آج کی ساری ڈیکوریشن مہندی کی مناسبت سے تھی۔ گیندے کو پھول سب سے زیادہ استعمال کیے گئے تھے اس کے ساتھ لائٹنگ کا انتظام بھی زبردست تھا۔

سارا سفید محل لائٹس سے ڈھکا تھا۔ بالکل سامنے اسٹیج بنا تھا اور اسٹیج کے سامنے ڈانس فلور جس کے اوپر ڈسکو لائٹ لگی تھی۔

"صوفیہ مسکان جاؤ دیکھو بھائی تیار ہوا"

"جی ماما" بتول حیدر سب مہمانوں کو دیکھ رہی تھیں اسی لیے صوفیہ اندر دیان کے کمرے کی طرف بھاگی۔

دروازہ ناک کیے بغیر وہ اندر کمرے میں آئی جہاں دیان اور ارسل دونوں تصویریں بنانے میں مصروف تھے۔

دیان نے سفید شلوار قمیض پر مختلف رنگوں کے امتزاج کا واسکوٹ پہنا تھا۔ پیروں میں کھیڑیاں، ہاتھ میں راڈو کی گھڑی تھی۔ اس کی بیئرڈ پہلے سے تھوڑی بڑی لگ رہی تھی بالوں کو نفاست سے جیل لگا کر سیٹ کیا گیا تھا۔ وہ مختلف پوز بنا کر تصویریں بناتا کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ جب انسان کا اندر خوش اور مطمئن ہوتا ہے تو اسکے چہرے پر ایک الگ چمک آجاتی ہے اور آج دیان کے چہرے پر بھی وہی مخصوص چمک تھی۔ خوبصورت تو وہ تھا ہی پر آج جو چیز اسے سب سے الگ دکھا رہی تھی وہ اسکی آنکھوں کی مسکراہٹ تھی۔

"بھائی تیار ہیں آپ"

"ہاں میں تو تیار ہوں تم بتاؤ جو کام کہا تھا کر دیا"

"ہاں کر دیا ہے بھیج دوں گی تصویریں فنکشن کے بعد ابھی مجھے یہ بتائیں کس طرح کرنی ہے آپ نے اپنی سو کالڈ انٹری" وہ کمر پر ہاتھ رکھے لڑاکا

عورتوں کی طرح بولی۔ دیان کی انٹری کا سارا پلان ارسل کا تھا اور اس نے صوفیہ کو اس بارے میں بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔

"وہ ہم دیکھ لیں گے تم بس اتنا بتاؤ کہ سب مہمان آ گئے ہیں" جواب ارسل کی طرف سے آیا تھا جو بولنے کے ساتھ ساتھ فون پر کوئی میسج ٹائپ کر رہا تھا۔

"جی آ گئے ہیں اب جلدی کریں جو کرنا ہے"

"ہاں تم جاؤ نیچے اور بس ہمارے شہزادے کی شاہانہ انٹری کا انتظار کرو" صوفیہ ناک منہ سکوڑتی کمرے سے نکل گئی۔

"چل اوئے سب تیار ہے" دیان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ارسل نے کہا تو اس نے آئینے میں خود پر ایک آخری نظر ڈالی اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"سامنے کے دروازے سے نہیں جانا پیچھے کچن کے دروازے سے نکل" پھر وہ دونوں کچن کی طرف بڑھ گئے۔

"ہو گیا تیار دیان "صوفیہ اور مسکان کو آتا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"جی ہو گئے ہیں کہہ رہے ہیں تیاری رکھیں وہ لوگ انٹری کرنے والے ہیں"

صوفیہ کہہ کر اسٹیج کے بالکل پاس لگے صوفوں پر بیٹھ گئی جہاں سیرت مراد اور زینب بیٹھی تھیں۔

تقریباً پانچ منٹ بعد سارے لان کی لائٹس بند ہو گئی۔ایک دم سے اندھیرا ہونے پر لان میں شور اٹھ گیا۔

اس اندھیرے میں اچانک سے اسپیکر پر آواز گونجی

Ladies and gentleman at this time "please put your hands together helping us in giving a warm welcome to the "groom of the day

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسی کے ساتھ ایک دم سے باہر کا گیٹ کھلا اور سات آٹھ لڑکے ایک جیسے کپڑے پہنے اندر داخل ہوئے۔ان سب نے ہاتھوں میں ڈنڈے پکڑے تھے جس پر گیندے کے پھول لپیٹے تھے۔سب آمنے سامنے کھڑے ہو گئے اور ڈنڈوں کو ملا کر ایک گلی سی بنا دی۔یہ سب دیان اور ارسل کی یونی کے دوست تھے۔

صوفیہ فوراً سے اٹھی اور اسٹیج پر چڑھ کر کھڑی ہو گئی۔یہاں سے سب صاف نظر آرہا تھا۔ایک دم سے اسپیکر پر ڈھول کی آواز گونجنے لگی،پرانے زمانے میں جب بادشاہ کو کوئی اعلان کرنا ہوتا تو وہ رعایا کو اکٹھا کرنے کے ڈھول بجواتا تھا اس ڈھول کی آواز بھی بالکل ویسی تھی۔جب وہ لڑکے کھڑے ہو گئے تو گیٹ سے ایک سائیکل اندر آئی۔پھولوں اور لائٹس سے سجی جس کے پیچھے چاند گاڑی سی بنی تھی اور دیان بیٹھا تھا جبکہ سائیکل کو ارسل چلا رہا تھا۔دیان کو اس انٹری کے بارے میں کچھ آئیڈیا نہیں تھا اور

سائیکل دیکھ کر وہ تھوڑا غصہ ہوا تھا پر اسپیکر پر بجتے گانے کو سن کر اسکا دماغ ہی گھوم گیا۔

عظیم الشان شہنشاہ

عظیم الشان شہنشاہ

فرواروا

ہمیشہ ہمیشہ سلامت رہے

تیرا ہو کیا بیان تو شان ہندوستان

ہندوستان تیری جان، تو جان ہندوستان

مرحبا ہو مرحبا، مرحبا ہو مرحبا

عظیم الشان شہنشاہ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارسل سائیکل روک کر کھڑا ہو گیا۔دیان ہونکوں کی طرح اپنے سامنے ناچتے لڑکوں کو دیکھ رہا تھا جو ہاتھوں میں

ڈنڈے اٹھائے کسی بلوچی طرز کا ڈانس کر رہے تھے۔ کبھی آگے جاتے کبھی پیچھے۔

صوفیہ اسٹیج پر کھڑی قہقہہ لگا کر ہنس دی۔وہ عجیب و غریب قسم کی انٹری سے کافی محظوظ ہوئی تھی۔

"ارسل یہ سب کیا ہے" دیان نے دانت کچکچاتے غصے سے ارسل کی جانب جھک کر کہا۔

"ابھی تو کچھ نہیں بھائی آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا"

گانے کے کچھ پیرا گراف کے بعد نیا گانا شروع ہو گیا۔سب لڑکوں نے ڈنڈے ایک طرف پھینکے اور باہر کی جانب بھاگے۔جب وہ واپس آئے تو وہ سب بھی سائیکل پر تھے۔بس فرق یہ تھا کہ ایک سائیکل پر دو لڑکے

تھے اور سائیکل کے پیچھے چاند گاڑی نہیں بنی تھیں۔ پیچھے والے لڑکے آگے بیٹھے لڑکوں کی کمر میں ہاتھ ڈالے سر پر دوبٹہ لپیٹے اسے ہونٹوں میں دبائے بالکل دیسی عورتوں کی طرح بیٹھے تھے۔ان کی حرکت دیکھ کر تو اس بار دیان کو بھی ہنسی آ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اواک تیرے سنگ یارا اکھ لڑنے لگی

اکھ لڑ لڑ کہ آگے بڑھنے لگی

اواک تیرے سنگ یارا اکھ لڑنے لگی

اکھ لڑ لڑ کہ آگے بڑھنے لگی

اومنڈا ضد پہ اڑا....او تیرے پیچھے پڑا

اومنڈا ضد پہ اڑا تیرے پیچھے پڑا

میرے نال کر لے ذرا

دل دینا دل لینا

دل دینا دل لینا ہے سودا کھرا کھرا، ہے سودا کھرا کھرا

سب سائیکلیں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ارسل اور سب لڑکے کسی مشہور سلیبرٹی کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر سب کو سلام کر رہے تھے۔۔دیان اور ارسل کی سائیکل سب سے آگے تھی۔ڈانس فلور تک پہنچ کر وہ سب سائکل سے اتر گئے اور ڈانس کرنے لگے۔پھر تقریباپندرہ منٹ تک وہ سب ڈانس کرتے رہے۔انہوں نے اپنے ساتھ فاروق حیدر، حامد جہانگیر، حسیب اور جنید کو بھی شامل کر لیا تھا۔

ہر پانچ منٹ بعد گانا تبدیل ہو رہا تھا۔اب وہ سب دیان کو بیچ میں کھڑا کئے اس کے گرد بھنگڑا ڈال رہے تھے۔پھر اسی طرح
بھنگڑا ڈالتے ڈالتے وہ لوگ اسٹیج پر چڑھ گئے اور دیان صوفے پر بیٹھ گیا۔سب نے پہلے دیان کے ساتھ خوب تصویریں بنوائی پھر سب لڑکے

نیچے اتر گئے تو صوفیہ سب کو لیے اوپر چڑھ گئی۔اب ان کا فوٹو شوٹ چل رہا تھا۔

اس سب کے بعد رسم کا آغاز ہوا۔ایک کے بعد ایک کر کے سب آتے گئے اور رسم کرتے گئے۔جب سب رسم سے فارغ ہو گئے تو دیان کے دوست ارسل سمیت اوپر چڑھے۔

صوفیہ اور زینب نے زائشہ کا جو حال کیا تھا وہ دیان کی حالت کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ سر سے پاؤں تک تیل میں نہایا تھا۔اس کی ویسکوٹ انہوں نے اتروا دی تھی اور اب اس کا سفید کرتا سفید کم اور ہرا زیادہ لگ رہا تھا جس کو انہوں نے مہندی سے بھر دیا تھا۔اس کے منہ پر مٹھائی کو بے دردی سے مسلا گیا تھا۔اس کی حالت واقعی اس وقت قابل رحم ہو رہی تھی۔

دیان ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کر رہا تھا جب ارسل نے اپنے ایک دوست کو آنکھوں میں ہی کچھ اشارہ دیا۔دیان تو دیکھ نا سکا پر صوفیہ فوراً سے چلائی

"دیان بھائی بھاگیں یہ آپ کی شرٹ پھاڑنے لگے ہیں" یہ سننے کی دیر تھے وہ کتوں کی طرح دیان پر جھپٹے پر دیان صوفوں کے بیچ سے پھلانگتا اندر لاؤنج کی جانب بھاگا۔ وہ سب بھی اسکے پیچھے بھاگے۔

"کوئی حال نہیں ان لڑکوں کا۔ چلو حامد کھانا کھلوائیں بارہ بجنے والے ہیں" فاروق حیدر نے اسٹیج کی حالت پر افسوس کرتے کہا۔

اندر لاونج میں دیکھیں تو دیان جو اپنا بچاؤ کرنے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بھاگ رہا تھا ارسل نے اسے پیچھے سے ہی دبوچ لیا اور پھر جو وہ سب اس پر جھپٹے، اس کی شرٹ کے چیتھڑے اڑا کر ہی سکون سے بیٹھے۔ دیان کی ساری شرٹ پھٹ گئی تھی بس گلے کے بین سے وہ اس کی گردن کے ساتھ لٹکی تھی۔ دیان نے بٹن کھول کر وہ بھی اتار دی۔ ارسل فون نکال کر اسکی تصویریں بنانے لگا۔

"بیٹا جی اب تم سب بچو" اس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر ان سب کو وارن کیا اور ان کے پیچھے بھاگا۔ وہ سب لاؤنج میں بھاگنا شروع ہو گئے۔ دیان نے

ایک ایک کو پکڑ رکھ رکھ کر ان کی گردنوں پر لگائیں۔جب سب کو مار کر اس کا بدلہ پورا ہوا تو وہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ سے سب کو نواز کر اپنے کمرے کی جانب بھاگ گیا۔

ارسل سمیت وہ سب اپنی گردنیں مسلتے بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ارسل کے باہر نکلتے ہی صوفیہ جارحانہ تاثرات لیے اس کے پاس آئی۔

"دیان بھائی کہاں ہے"

"او بھائی کی چمچی تمہارے بھائی کی حالت نہیں تھی سب کے سامنے آنے کی۔وہ اس وقت بہت شرمناک حالت میں ہے"

"کیا کیا ہے تم نے میرے بھائی ساتھ "صوفیہ غصے سے اس پر چڑھ دوڑی۔ارسل نے اسے اشارے سے کان پاس لانے کے لیے کہا۔جیسے ہی اس نے چہرہ پاس کیا وہ صوفیہ کے کان میں بولا

"تمہارے بھائی کی قمیض کے چیتھڑے اڑا کر آئے ہیں۔بیچارہ شرم کے مارے اپنے کمرے میں بند ہو گیا ہے"

صوفیہ کے گھورنے کو نظرانداز کرتا وہ شرارت سے اسے آنکھ مار کر اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گیا جو مفت کا کھانا دیکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔

کھانا ختم ہوتے ہی آہستہ آہستہ لان خالی ہونے لگا۔رات کا ایک بج رہا تھا۔حامد جہانگیر اپنی نگرانی میں سیرت مراد کے ساتھ آئے مہمانوں کو انکے گھر چھوڑنے کے لیے نکل گئے۔

دیان اس سب کے بعد کمرے سے نہیں نکلا تھا۔صوفیہ اسے کمرے میں ہی کھانا دے آئی تھی اور ویسے بھی وہ بہت تھک گیا تھا اور کھانا کھا کر نماز پڑھتے ہی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

****

سرخ رنگ کا سادہ سا فراک پہنے سیاہ چادر اپنے گرد لپیٹے وہ سبز گھاس پر چل رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔ ہوا کے دوش پر لہراتا اس کا سرخ فراک دیکھ کر اس پر کسی پری کا گمان ہو رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی نرم گھاس پر اپنے دودھیا گلابی پاؤں رکھتی وہ کسی مصور کی خوبصورت مصوری کا حصہ لگ رہی تھی۔ اپنی مخروطی انگلیوں کی مدد سے اس نے چہرے پر آئے بالوں کو ہٹایا اور ارد گرد ایک نظر ڈالی۔ دور دور تک سبزہ پھیلا تھا اور اس سبزے کی چادر پر پھول آسمان پر ستاروں کی طرح بکھرے تھے۔ ایک خوبصورت مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔ گہری سانس لے کر اس نے تازہ ہوا کو اپنے سینے میں بھرا اور ایک پر سکون سانس فضا میں خارج کی۔

دفعتاً اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اس کی طرف آ رہا ہو۔ وہ جوں ہی پیچھے مڑی اس کی آنکھوں نے سامنے

موجود شخص کے نقوش کو سکین کر کے اس کی تصویر دماغ تک پہنچائی جس نے فوراً سے اس شخص کا نام اس کے ذہن کے دریچوں پر ظاہر کیا

"دیان حیدر"

وہ ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ لیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اب اسکے مقابل آ گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے دیکھ رہا تھا

"تم میرا ہی انتظار کر رہی تھی؟" مدھم، دھیما ٹھہرا ہوا گھمبیر لہجہ۔

"نہیں" اس کا سر فوراً سے نفی میں ہلا۔ مقابل نے اسکا جواب سن کر بھرپور قہقہہ لگایا۔

"پر تمہیں میرا ہی انتظار کرنا ہے زائشہ مراد"

"کیوں" زائشہ کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے کان کے قریب جھکا اور سرگوشی کی سی آواز میں بولا

"کیونکہ تمہاری ہر چیز صرف میرے لیے ہے۔ تمہارا انتظار، تمہارا صبر اور تمہاری محبت بھی"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آخر کے الفاظ ذرا وقفے سے بول کر وہ مسکراتا ہوا پیچھے ہوا اور اس پر ایک بھرپور نظر ڈال کر سیٹی کی کوئی دھن بجاتا آگے بڑھ گیا۔ زائشہ ساکت سی بس اسکی پشت دیکھتی رہی۔

ہولے سے نیند میں ڈوبی آنکھوں کے پپوٹوں نے حرکت کی اور اسے خواب کی دنیا سے نکال کر حقیقت میں لے آئے۔ کتنی دیر تک وہ لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ پھر گردن موڑ کر اپنی دائیں طرف دیکھا جہاں زینب اسکی طرف پشت کیے سو رہی تھی۔

"یہ انسان پھر سے میرے خواب میں کیوں آیا؟ کیا مطلب ہے اس سب کا۔ اب تو مجھے اسے دیکھے بھی ایک عرصہ ہو گیا"

وہ پریشانی سے سوچتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"پہلے آپا نصرت والا خواب، پھر بھائی رشید کے اکسیڈنٹ والا خواب، حاجی صاحب کی بیٹی والا خواب اور اب یہ.... کتنی مماثلت ہے ان سب میں۔ یا اللہ پلیز میری مدد کرنا مجھ میں اب مزید کسی آزمائش کو برداشت کرنے کی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہمت نہیں" آنکھیں بند کر کے اس نے دعا مانگی اور کمبل ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بالوں سے کیچر نکال کر ان میں انگلیوں کی مدد سے کنگھی کر کے دوبارہ کیچر لگایا اور جھک کر زینب کا کندھا ہلایا

"زینب اٹھ جاؤ نماز کا وقت ہو رہا ہے"

اس نے آگے سے سر ہلا کر چہرے پر دوبارہ کمبل اوڑھ لیا تو وہ نفی میں سر ہلا کر وضو کی نیت سے باہر آگئی۔ صحن دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ واشروم تک گئی اور اسکے پاس لگے سنک سے وضو کر کے بھاگتی ہوئی اندر آئی۔

"اف اللہ کتنی ٹھنڈ ہے" اس نے ٹھٹھرتے ہوئے بولا اور فوراً سے بازوؤں کی آستین نیچے کر کے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹ کر جائے نماز بچھا کر کھڑی ہو گئی۔

"زینب اٹھ جاؤ" ذرا غصے سے چلا کر کہا پر زینب ابھی بھی ویسے ہی لیٹی رہی تو وہ نماز کی نیت کر کے کھڑی ہو گئی۔ باہر کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سیرت مراد بھی اٹھ گئی تھیں۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ جائے نماز پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی۔

"یا اللہ آج میں اپنی زندگی کا ایک نیا باب شروع کرنے جا رہی ہوں میں نہیں جانتی میرا یہ فیصلہ درست ہے یا غلط، پر میں نے سب کچھ آپ پر چھوڑ دیا ہے اسی لیے میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔ پلیز آنے والی زندگی میں میرا ساتھ دیجیے گا اور مجھے ہمت دینا کہ میں اس رشتے کو اچھے سے نبھا سکوں۔ میرے مستقبل کو میرے ماضی کے برے سایہ سے محفوظ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ میں نے ابھی جو خواب دیکھا میں نہیں جانتی اسکا مطلب کیا ہے پر پلیز کچھ غلط نہ ہو۔ مجھ میں ہمت نہیں مزید تکلیفیں برداشت کرنے کی۔ میری زندگی میں آسانیاں پیدا کرنا میرے رب"

وہ یونہی سر جھکائے نم آنکھوں سے اپنی آنے والی زندگی کے لیے خیر کی دعا کر رہی تھی۔

اس گھر سے چند میل دور دیان کے کمرے کا منظر بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔

"یااللہ میری مدد کرنا کہ میں اپنے ماضی کے زخموں کو بھلا کر اپنے مستقبل کو خوبصورت بنا سکوں۔ میں زائشہ کو ایک اچھی اور پر سکون زندگی دے سکوں۔ اس کے ادھورے خوابوں کو پورا کر سکوں۔

میرے ماضی کو میرے مستقبل پر اثر انداز نہ ہونے دینا۔ ہم دونوں کو ہمت دینا کہ ہم ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکیں اور ایک دوسرے کی خامیوں کو نظر انداز کر کے ہر مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو سکیں

آمین"

اس نے چہرے کے گرد ہاتھ پھیرا اور جائے نماز لپیٹتا اٹھ کھڑا ہوا۔

آگے زندگی میں کیا ہونے والا تھا کوئی نہیں جانتا تھا پر اگر کوئی تکلیف آنی تھی تو اسکے ساتھ آسانی بھی آنے والی تھی۔ آزمائش تو اللہ کی طرف سے ایک امتحان ہے اور وہ امتحان انسان کو اسکی برداشت کے مطابق ملتا ہے۔

وہ دونوں آزمائش کی ایک گہری کھائی کو پار کر کے آئے تھے اور انعام کی صورت میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے نوازا جا رہا تھا۔

دو انمول ہیرے آج ایک دوسرے سے جڑنے جا رہے تھے۔ آزمائش کے کانکن نے کوئلوں میں سے ہیرے کو علیحدہ کر دیا تھا۔

ان دونوں نے آزمائش پر صبر کیا تھا اور اتنا کیا تھا کہ آزمائش ان کے صبر سے تھک گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

رات کے سات بج رہے تھے۔ لان مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ گیٹ کے پاس گاڑیوں کی ایک قطار لگی تھی جن میں سب سے آگے دیان کی زیرو میٹر گاڑی کھڑی تھی۔ گلاب کے تازہ پھولوں سے سجی سلور پورش۔

اندر لان سے ہوتے ہوئے داخلی دروازے سے لاؤنج میں داخل ہو تو سیرت مراد ہلکے نیلے رنگ کا نفیس سا سوٹ پہنے، بالوں کا جوڑا بنائے ملازمین کو ہدایات دے رہی تھیں۔ دونوں ہاتھوں میں گجرے تھے اور کانوں میں سونے کے جھمکے۔ دوپٹہ ایک طرف سیٹ تھا۔ ان کے پاس صوفے پر فاروق حیدر فون پر کسی سے بات پر مصروف تھے۔ بلیک تھری پیس پہنے ان کی پرسنیلٹی لاؤنج میں موجود سب لوگوں میں نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ یونہی کان سے فون لگائے بات کرتے لاونج سے باہر نکل گئے۔

"ہو گیا اسکا مسئلہ حل "ثمینہ جہانگیر کو صوفیہ کے کمرے سے نکلتا دیکھ کر بتول حیدر نے پوچھا۔ ثمینہ جہانگیر بھی ہو بہو بتول حیدر کی طرح تیار ہوئی تھیں بس کپڑوں

کا رنگ مختلف تھا، ہلکا گلابی۔ وہ دونوں بہنیں لگ رہی تھیں۔

"ہاں ہو گیا چھوٹی سی بات ہوتی ہے اور میڈیم پورا گھر سر اٹھا لیتی ہے"

"ملا کہاں سے؟"صوفیہ کا گولڈ کا لاکٹ نہیں مل رہا تھا جس کی وجہ سے اس نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا تھا۔

"وہی سامان میں تھا آنکھیں بند کر کے تو چیزیں دیکھتی ہے"

"تیار ہو گئی؟"

"ہاں بس جیولری پہن رہی ہے"

وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں جب کسی کے چلانے کی آواز ان کے کانوں میں پڑی

"باادب باملاحظہ ہوشیار

زلے الٰہی اس گھر کے اکلوتے چشم وچراغ اور آج کے فنکشن کی شان دیان غازی تشریف لا رہے ہیں"

دیان کا دوست لاونج کے بند دروازے پر کسی شاہی دربان کی طرح چلا چلا کر بول رہا تھا۔لاونج میں موجود سب لوگ اس جانب متوجہ ہو گئے۔صوفیہ بھی بھاگ کر اپنے کمرے سے باہر آئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تقریباً دو منٹ بعد اس لڑکے نے دروازہ کھولا۔ سب سے پہلے اس کے سب دوست اندر آئے جنہوں نے مختلف رنگوں کے تھری پیس پہنے تھے اور سب لائن بنا کر کھڑے ہو گئے۔ منظر ایسے تھا جیسے کسی سلطنت کے ولی عہد کا استقبال کیا جا رہا ہو۔

اور پھر وہ ولی عہد آگیا۔ ارسل کے ہمراہ مغرورانہ چال چلتا دیان غازی لاونج میں داخل ہوا۔

سفید شلوار پر آف وائٹ شیروانی جس کے بین پر گولڈن رنگ کا نفیس کام تھا۔ پاؤں میں کھیڑیاں اور بائیں ہاتھ پر قیمتی گھڑی۔ اس کا چوڑا سینہ شیروانی میں اور بھی دلکش لگ رہا تھا۔ براون بئیرڈ جو کل کی نسبت آج تھوڑی چھوٹی تھی اور گہری مسکراتی آنکھیں اپنی ماں پر ٹکی تھیں۔ وہ شاہانہ انداز لیے کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ اس کے استقبال کے لیے جو ماحول بنایا گیا وہ واقعی اسکے شایانِ شان تھا۔ لڑکیوں پر دلہن بن کر تو روپ آتا ہی ہے پر دیان کو دیکھ کر یہ مقولہ لڑکوں کے لیے بھی بہت لوگوں کے

ذہنوں میں آیا تھا۔وہ واقعی آج بہت خوبرو لگ رہا تھا۔مشرقی مردوں کے مخصوص تیکھے نقوش لیے دیان غازی آج تعریفوں کے سارے رخ اپنی طرف موڑ گیا تھا۔

"میرا شہزادہ"بتول حیدر بھاگ کر آگے آئیں اور اسے اپنے گلے سے لگا کیا۔اس وقت دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔

خوشی کے لمحات پر بچھڑے ہوئے پیاروں کی یاد پہلے سے بڑھ کر آتی ہے اور شدت سے آتی ہے۔میرب کی یاد نے دونوں ماں بیٹے کی آنکھوں کو بھیگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میرا بیٹا بہت پیارا لگ رہا ہے"اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھامے بتول حیدر رندھی ہوئی آواز بولیں۔دیان نے ہاتھ بڑھا کر ان کے آنسو صاف کیے اور ایک بار پھر انہیں گلے لگا لیا۔انہیں یوں ہی اپنے حصار میں لیے وہ ثمینہ جہانگیر کی طرف بڑھا۔ان سے پیار لینے کے بعد اسکی نظر صوفیہ پر پڑی جو ایک طرف کھڑی نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی

تھی۔ دیان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا تو وہ آ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"بھائی آپ بہت پیارے لگ رہے ہیں۔ آج تو بھا بھی گئی" اس نے گیلی آواز میں مسکراتے ہوئے کہا تو دیان نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"مام میری گڑیا کی بھی نظر اتاریے گا بہت پیاری لگ رہی ہے" صوفیہ بس مسکرا دی۔

اس نے پاؤں کو چھوتا نیوی بلو کا فراق پہنا تھا جس کا گھیرا کافی بڑا تھا۔ فراک کے بازوؤں اور گلے پر سلور کلر کا کام تھا۔ بالوں کو میسی سا بن بنایا تھا اور سامنے سے کچھ بالوں کو کرل ڈال کر چہرے کے گرد گرایا تھا۔ سموکی آئیز اور نفاست سے کیے گئے میک اپ نے اس کو نقوش کو مزید نکھار دیا تھا۔ اس کی گندمی رنگ پر ہر چیز خوب جچ رہی تھی۔

"اہم اہم میں بھی یہاں پر موجود ہوں" ارسل نے ذرا سا گلہ کھنکھارتے سب کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ بھی بلیک شیروانی پہنے ہوئے تھا۔ شیرانی

کے بین پر سلور رنگ کا کام تھا اور نیچے تنگ پاجامہ۔ نفاست سے سیٹ کیے بال اور ایک ہاتھ میں لیدر کے بینڈ والی گھڑی۔ وہ عام حالات میں نظر آنے والے ارسل سے خاصا مختلف لگ رہا تھا۔

"ماشاءاللہ ارسل تم بھی بہت پیارے لگ رہے ہو" بتول حیدر نے اسکے کندھے پر ہاتھ پھیرتے کہا۔

"بہت شکریہ آنٹی"

"ماما بابا کہاں ہیں"

"بیٹا وہ ابھی باہر گئے ہیں" فاروق حیدر کا پوچھنے پر بتول حیدر نے صوفیہ کو بتایا۔

"اچھا میں ان کو بلا کراتی ہوں۔ پھر ایک فیملی تصویر بنوائیں گے"

"جو کرنا ہے جلدی کرو آٹھ بجے ہمیں میرج ہال پہنچنا ہے" دیان نے گھڑی دیکھتے کہا۔

"واہ شہزادے بڑی جلدی ہے" ارسل کے شرارت سے کہنے پر وہاں موجود سب لوگ ہنس دیے۔

"آپ سب باہر آجائیں لان میں پکچرز بنواتے ہیں"

"چلو" اور پھر لاؤنج میں موجود سب لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

آدھا گھنٹا یہ تصویروں کا سلسلہ چلتا رہا۔سب مہمان پہنچ چکے تھے اور اب فاروق حیدر کے کہنے پر سب اپنی گاڑیوں کی طرف جا رہے تھے۔

گاڑیوں کے اس قافلے میں سب سے آگے دیان کی گاڑی تھی جسے فاروق حیدر ڈرائیو کر رہے تھے۔ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر دیان بیٹھا تھا اور پیچھے صوفیہ،بتول حیدر اور ثمینہ جہانگیر تھیں۔اس کے پیچھے ارسل اور اسکی دوستوں کی گاڑیاں تھیں جو مرسڈیز بینز میں سوار تھے۔ان کی گاڑی سے فل آواز میں گانوں کی آواز آرہی تھی۔

یہ قافلہ ساڑھے آٹھ بجے اپنی متوقع جگہ پہنچا۔ سب لوگ اپنی گاڑیوں سے باہر آکر کھڑے ہوگئے۔ دیان کو اسکی گاڑی سے نکال کر ارسل اور اسکے دوست اپنی گاڑی میں لے آئے اور چھت کھول کر کھڑے ہوگئے۔

پھر وہاں آتش بازی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ دنگ رہ گئی۔ ڈھول کی تھاپ پر پاگلوں کی طرح بھنگڑے ڈالتے ارسل اور اسکے دوستوں کے پیچھے دیان کی گاڑی آہستہ سے چل رہی تھی اور وہ روف ٹاپ کھولے کھڑا تھا۔

خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ یہ بارات ہال کی پارکنگ پار کر کے گیٹ تک آئی جہاں حامد جہانگیر اور بتول حیدر محلے کی کچھ مردوں اور عورتوں کے ساتھ پھولوں کے ہار تھامے کھڑے تھے۔ بارات کے آتے ہی انہوں نے پھولوں سے ان کا استقبال کیا اور پھر دیان مردوں کے ہمراہ

اسٹیج کی طرف بڑھ گیا اور سب خواتین وہاں لگے صوفوں کی طرف بڑھ گئیں۔

ان کے اسٹیج پر بیٹھتے ہی کچھ دیر بعد نکاح کا شور اٹھ گیا۔ فاروق حیدر، حامد جہانگیر ارسل اور اسکے والد کے ہمراہ برائیڈل روم کی طرف بڑھ گئے جہاں سب خواتین پہلے ہی موجود تھیں۔

زائشہ سر کو سیاہ چادر سے ڈھکے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے ایک طرف بتول حیدر اور دوسری طرف سیرت مراد تھیں جنہوں نے اسکا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ ذینب، صوفیہ، مسکان اور ثمینہ جہانگیر ایک طرف کھڑی تھیں۔

"زائشہ مراد ولد طالب مراد آپ کا نکاح دیان حیدر ولد فاروق حید کے ساتھ باعوض حق مہر پانچ لاکھ روپے سقہ رائج الوقت کیا جاتا ہے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ جو پوری توجہ سے فاروق حیدر کو سن رہی تھی لفظ پر دیان ٹھٹھکی، ایک دم سے اس کے ماتھے پر چند بل نمودار ہوئے آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔دیان حیدر کا نام سنتے ہی اسے اپنے گرد بمب پھٹتے محسوس ہوئے۔زائشہ کو لگا جیسے اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

فاروق حیدر ایک بار پھر سے نکاح کے کلمات دہرا رہے تھے پر اسکی طرف سے ہنوز خاموشی تھی۔کمرے میں اک دم سے ایک بے چینی پھیل گئی۔

"زائشہ بیٹا بولو"سیرت مراد نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے کہا۔اس کے ہاتھ ٹھنڈے برف ہو رہے تھے۔

"اماں غازی"اس نے آہستگی سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"بیٹا غازی کا اصل نام دیان حیدر ہے۔غازی تو میر ب نے پیار سے رکھا تھا اور پھر سب اسے غازی ہی کہنے لگے"سیرت مراد نے اسکے کان کے قریب جھک کر وضاحت دی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ کو اپنا وجود سن ہوتا محسوس ہوا۔اسے اپنے دماغ میں جھکڑ چلتے محسوس ہوئے۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا۔دیان حیدر اور غازی کون تھے۔اسے یہ دونوں نام فریب لگے دھوکا لگے۔ہر کوئی جھوٹا لگنے لگا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

وہ خواب وہ بے چینی کچھ بھی غلط نہ تھا۔دیان حیدر کا اس سے تعلق تھا پر ایک دم سے اسے لگا اس کے ارد گرد ماحول محض ایک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں۔ایک ایسا ڈرامہ جس میں سب کو کہانی معلوم تھی بس اسے ہی کٹھ پتلی کی طرح اپنی مرضی کے مطابق نچایا جا رہا تھا اور اب جب اس کٹھ پتلی کو اسکی ڈوریاں تھمائی گئی تھیں اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا تھا۔

"زائشہ بیٹا جواب دو" سیرت مراد ایک بار پھر سے بولی۔

ہر کسی کی بے چین نگاہیں زائشہ کے دوپٹے سے جھکے سر پر ٹکی تھیں۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ کمرے میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

****

حامد جہانگیر آگے بڑھے اور انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ سب اس وقت زائشہ کی حالت سمجھ سکتے تھے۔

"زائشہ بچے جواب دیں"

ایک آنسو زائشہ کی آنکھ سے ٹوٹ کر گال پر پھسلا۔ یہ جو بھی ہو رہا تھا اس کی سمجھ سے باہر تھا پر وہ ان سب لوگوں کا دل نہیں توڑ سکتی تھی جنہوں نے اتنے مان سے اسی بیٹی مانا تھا۔ اس کی ہر خواہش کو اس طرح سے پورا کیا تھا کہ اسے طالب مراد کی کمی بالکل محسوس نہیں ہوئی تھی۔ شاید طالب مراد بھی اس کے لیے اتنا نہ کر پاتے جتنا ان سب نے کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"قبول ہے"

کانپتی ہونٹوں سے یہ لفظ رندھی ہوئی آواز میں اس کے منہ سے ادا ہو گئے۔

"قبول ہے"

آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔ایک سوال ذہن کے دریچوں پر ہتھوڑے کی طرح برس تھا۔کون تھا یہ شخص جسے وہ اپنے سارے حقوق سونپ رہی تھی۔جسے اپنا مجازی خدا مان رہی تھی۔جس کے ساتھ اسے ساری زندگی گزارنی تھی۔جس رشتے کی بنیاد ہی جھوٹ پر تھی وہ کتنا مضبوط ہو سکتا تھا؟

"قبول ہے"

سختی سی میچی ہوئی آنکھیں کھولیں تو اسکی گود میں نکاح نامہ رکھا تھا۔سب کچھ دھندلا سا تھا بالکل اس کے مستقبل کی طرح۔اس نے آنکھوں کو جھپک کر آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تو سب صاف ہو گیا پر کیا اس کے مستقبل کی دھند بھی صاف ہو پائے گی؟

زائشہ نے پین اٹھایا پر اسکے ہاتھ اتنی شدت سے کانپ رہے تھے کہ پین بار بار گر جاتا۔

سیرت مراد نے گلاس میں پانی ڈال کر چادر کے نیچے سے اسے چند گھونٹ پلائے تو اسکی حالت کچھ بہتر ہوئی۔

نکاح نامے پر سائن کرتے ہوئے وہ خود کو بس ایک بات باور کروا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"دیان حیدر تمہیں میرے ہر سوال کا جواب دینا ہو گا"

نکاح کے بعد ایک ایک کر کے سب مرد برائڈل روم سے نکل گئے۔

سیرت مراد زائشہ کو گلے لگا کر رو پڑیں۔وہ بھی جو اتنی دیر سے ضبط کر رہی تھی سہارا پاتے ہی رو دی۔

"سیرت بس کر دو "بتول حیدر نے آگے بڑھ کر دونوں کو علیحدہ کیا۔

"ہاں ہماری بھابھی کا میک اپ خراب ہو جائے گا۔بھابھی دیدار تو کروا دیں"صوفیہ کے روم میں آنے تک سب نکاح کے لیے آچکے تھے اسی لیے اس نے ابھی تک زائشہ کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

سیرت مراد نے اٹھ کر اس پر سے چادر اتار دی۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ بھابھی آپ اتنی حسین لگ رہی ہیں کہ اگر میں شاعرہ ہوتی تو آپ پر ایک غزل لکھ دیتی۔ہاں دیان بھائی کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی"

صوفیہ کی بات پر زائشہ بس پھیکی سا مسکرا دی۔وہ اس وقت ایسی حالت میں ہی نہیں تھی کہ کسی کی بات کا جواب دے پاتی۔

زائشہ کا لہنگا میرون ریڈ کلر کا تھا۔گھٹنوں تک قمیص جس پر کاپر کلر کا کام تھا اور نیچے لہنگا بھی کاپر کلر تھا۔لہنگے کا گھیر کافی بڑا تھا جو پورے صوفے پر پھیلا تھا۔لہنگے کے نیچے بارڈر پر بھی قمیص جیسا ہی کام تھا۔دوپٹہ سر پر ٹکا تھا جس کا رنگ اور کام سب قمیض جیسا تھا۔دونوں ہاتھ مکمل طور پر مہندی سے

رنگے تھے اور بھر بھر کر چوڑیاں تھیں۔ بالوں کا جوڑا بنایا گیا تھا جس پر دوبٹہ سیٹ تھا۔ آنکھوں کو ڈارک میک اپ اور لینز نے قاتلانہ بنا دیا تھا۔ سارا میک اپ ڈارک تھا سوائے لپ سٹک کے جو ہلکے گلابی رنگ کی تھی۔

اس پر دلہناپے کا رنگ خوب چڑھا تھا۔ زائشہ پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ ہر وقت سادہ سے رہنے والی زائشہ نے جب خود کو آئینہ میں دیکھا تھا تو وہ ساکت رہ گئی تھی۔ خوبصورت اور حور جیسا لفظ کیسے لوگوں کی تعریف کے لیے بنا ہے زائشہ کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔

کمرے سے چند قدموں کے فاصلے پر اسٹیج پر بیٹھا دیان حیدر اب قبولیت کے لمحات سے گزر رہا تھا۔ نکاح کے وقت صرف لڑکیاں ہی نہیں لڑکے بھی ایک مشکل وقت سے گزرتے ہیں۔ نکاح جیسے پاک بندھن میں

بندھتے وقت پر قبول ہے کہہ لینا تو آسان ہوتا ہے پر ان چند لفظوں کے پیچھے چھپی زمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔

"دیان حیدر ولد فاروق حیدر آپ کا نکاح زائشہ مراد ولد طالب مراد سے با عوض حق مہر پانچ لاکھ روپے سقہ رائج الوقت کیا جاتا ہے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے"

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے"

"کیا آپ کو زائشہ مراد اپنے نکاح میں قبول ہے؟"

"قبول ہے"

آخر کے جملے ادا کرتے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔اندر تک سکون اترتا محسوس ہوا۔اس نے زائشہ مراد کو پالیا تھا اور اب وہ صرف اسکی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھی۔ صرف اور صرف دیان کی زائشہ، کوئی اسے اب زائشہ سے دور نہیں کر پائے گا۔

نکاح نامے پر دستخط کرنے کے بعد سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان دونوں کی خوشحال زندگی کے لیے صدق دل سے دعا کرنے لگے۔

دعا کے بعد سب اٹھے اور باری باری آکر اسے مبارکباد دینے لگے جو قہقہہ لگاتے ہوئے سب کی مبارکبادیں اور مشورے سن رہا تھا، شادی شدہ مردوں کے بیوی کو قابو کرنے کے مشورے۔

نکاح کے بعد کھانے کا دور چلا تو سب پیٹ پوجا میں مصروف ہو گئے۔

"دیان یار کھانا تو بڑے مزے کا ہے" ارسل نے مزے سے چاول کھاتے ہوئے کہا۔

"مفت کا جو ہے" آگے سے سنجیدگی سے جواب آیا تھا۔

"ہاہاہا یہ بات تو تم نے بالکل ٹھیک کہی"

"ویسے ارسل تمہیں تو بس کھانے سے مطلب ہے چاہے وہ کسی فائیو سٹار ہوٹل کا ہو یا لنگر کا" ارسل اور دیان کا ایک یونی فیلو ہنستے ہوئے بولا۔

"ہاں بالکل تمہیں زیادہ پتا ہے۔ تم ہی تو لے کر جاتے ہو مجھے لنگر پر کہ آؤ ارسل بہت مزے کا کھانا ہوتا ہے" ارسل کی بات پر وہ لڑکا خفت ذدہ سا ہنس دیا۔

"یار دیان چھوارے کہاں ہے"

"کیوں"

ارسل نے دیان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دور خلا میں دیکھ کر سوچتے ہوئے بولا

"دیان میرے دوست میرے یار، میری بچپن سے خواہش تھی کہ مجھے اپنے اس جگری یار کی شادی کے چھوارے کھانے ہیں" بات اتنی مزاحیہ تھی نہیں پر ارسل نے جس طرح ایموشنل ہو کر کہا ان سب کے قہقہے گونج اٹھے۔

"تو یہ پلیٹ مجھے دے اور جا کر چھوارے کھا" کہنے کے ساتھ ہی اس کے ایک دوست نے پلیٹ پکڑ لی اور چمچ بھر بھر کر کھانے لگا۔ارسل بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"دیان میری بات سن "اس کا ایک دوست اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے آ کر جھک کر بولا جیسے کوئی بہت ضروری بات ہو۔وہ سب بھی پوری طرح متوجہ ہو گئے۔

"یہ دودھ پلائی کی رسم پر جو گلاس آئے گا نہ تو نے بس ایک گھونٹ پینا ہے اور ایک گھونٹ بھابھی کو بھی پلا دینا۔بقایا اس سارے گلاس پر ہمارا حق ہے۔میں نے سنا ہے دولہے کا جھوٹا کھانے یا پینے سے اگلی شادی آپکی ہوتی ہے"

"واقعی"ارسل حیرت سے چلایا اور آگے بڑھ کر دیان کے ہاتھ سے پلیٹ ہی اچک لی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تیرا جھوٹا کھا رہا ہوں۔اب اگلا نمبر میرا ہے تم سب تیاری پکڑو" ندیدوں کی طرح دیان کے پلیٹ سے کھاتے وہ بولا۔دیان نے افسوس سے سر ہلایا جبکہ باقی سب ہنسنے لگے۔

ویٹر آکر اب اسٹیج سے چیزیں اٹھا رہے تھے۔زائشہ کچھ دیر میں آنے والی تھی۔

"چل بھائی اب ہم چلتے ہیں تیری بیگم آنے والی ہے۔دودھ پلائی کی رسم پر ملاقات ہوگی" وہ سب کھڑے ہوگئے اور دیان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے۔دیان نے ہنستے ہوئے ان کا ہاتھ تھام کر زور سے ہلایا اور پھر وہ سب ایک ایک کر کے نیچے اتر گئے۔

بتول حیدر، ثمینہ جہانگیر اور صوفیہ کے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی اسٹیج پر آگئیں۔لائٹس بند ہوگئی تھیں۔

"دیان بھائی دل تھام کر کھڑے ہوں۔بھابھی آج آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی ہے"صوفیہ صوفے کے پیچھے کھڑی تھی جھک کر اسکے کان میں بولی۔

دیان مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ایک اسپاٹ لائٹ مین دروازے پر پڑ رہی تھی۔بیک گراؤنڈ پر اسماء الحسنیٰ کی مسرور کر دینے والی آواز تھی۔

اور پھر وہ آئی،سیاہ چادر کا گھونگھٹ نکالے اپنے دونوں بھائیوں کے ہمراہ کسی پرستان کی پری کی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی۔اس کا لہنگا اطراف میں پھیلا تھا۔

وہ بالکل ساکت کھڑا اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہا تھا۔سامنے کا منظر اس کے لیے ناقابل یقین سا تھا۔وہ ارد گرد سے بے گانہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔دل کی دھڑکن کانوں تک محسوس ہو رہی تھی۔اسکی دعاؤں کی تعبیر اسکی آنکھوں کے سامنے تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کسی نے اسکا کندھا ہلایا تھا۔اس نے گم صم سی کیفیت میں گردن موڑ کر اپنے بغل میں دیکھا۔

"بھائی بھابی کو اوپر چڑھنے میں ہیلپ کریں؟"صوفیہ کی بات سن کر اسنے جھٹکے سے سامنے دیکھا جہاں وہ اسٹیج کے نیچے کھڑی تھی۔

وہ فوراََ سے آگے آیا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔دو منٹ بعد زائشہ نے مہندی سے مزین اپنا مرمریں ہاتھ اسکے ہاتھ میں دے دیا۔اسکے ہاتھ کی نرماہٹ نے ایک دم سے اس کے پورے وجود میں سرشاری بھر دی۔

اس کے ہاتھ کے سہارے کی مدد سے وہ اوپر چڑھی اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔صوفیہ اسکا لہنگا سیٹ کرنے لگی۔

"دولہن کا گھونگھٹ تو اٹھاؤ" کہیں سے آواز آئی تھی۔سیرت مراد فوراََ سے بتول حیدر کے پاس آئیں۔

"زائشہ نے گھونگھٹ اٹھانے سے منع کیا ہے"

"کوئی بات نہیں میں دیکھ لوں گی" انہوں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ سیرت مراد مطمئن ہو گئی لوگ چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی بتنگڑ بنانے میں دیر نہیں کرتے تھے اسی لیے انہوں نے بتول حیدر کو بتا دیا۔

زینب گلی کی چند لڑکیوں کے ساتھ ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھامے اسٹیج پر آئی۔ ساتھ ایک لڑکی نے خوبصورت سا شیشہ تھام رکھا تھا۔

"یہ شیشہ کس لیے ہے؟" ارسل نے حیرت سے پوچھا۔ دیان کے سب دوست صوفے کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

"زائشہ نے گھونگھٹ نکالا ہے تو دیان بھائی اسکا چہرہ نہیں دیکھ سکتے۔ اب ہمیں اپنے دولہا بھائی کا بہت احساس ہے اسی لیے ہم یہ شیشہ لائے جس میں ان کی منہ دکھائی ہو گی"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو منہ دکھائی کا تحفہ بھی ابھی دینا پڑے گا" دیان نے سنجیدگی سے پوچھا ورنہ زینب کی بات سن کر اسکا دل تو ایک الگ ہی لے پر دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔

"وہ آپ کی مرضی ہے" زینب کندھے اچکا کر بولی اور اس لڑکی کے ہاتھ سے شیشہ تھاما۔ دودھ کا گلاس اسے پکڑا کر پیچھے کھڑی لڑکی سے ایک لال رنگا کا دوپٹہ پکڑا۔

زینب نے وہ شیشہ دیان اور زائشہ کے درمیان اس طرح رکھ دیا کہ اب وہ دونوں ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے تھے۔ وہ سرخ دوپٹہ اس نے دونوں پر ڈال دیا۔

زینب نے دوپٹہ کے اندر سے ہی زائشہ کا گھونگھٹ ہٹا دیا۔

دیان نے ابھی تک اس پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ دل میں ایک عجیب سا ڈر تھا۔ جیسے یہ سب ایک خواب ہو گا جو آنکھیں کھولنے پر ختم ہو جائے گا۔

"دیان بھائی کیسی لگی پھر بھابھی "اس کے کانوں میں صوفیہ کی آواز پڑی تو اس نے نظریں شیشے پر ڈالی۔

سرخ متورم آنکھیں، بھیگی اور جھکیں پلکیں۔زائشہ نے صرف ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور دیان کو لگا اسکا دل حرکت کرنا بند کر دے گا۔کچھ لوگوں کو اتنا خوبصورت لگنے کا حق بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

دیان غازی آج زائشہ مراد کے ساتھ محبت کی آخری منزل طے کر آیا تھا۔اس کے پور پور نے اس بات کی گواہی دی تھی کہ وہ اس لڑکی کی خاطر خود کو بھی ختم سکتا ہے۔وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اہم اہم آئی تھنک اتنا کافی ہے "کچھ دیر بعد ذینب کے کہنے پر اسنے فوراً سے نظریں پھیر لیں۔وہ اب دوبٹہ ہٹا رہی تھی۔دیان کو اپنی آنکھوں میں نمی سی محسوس ہوئی۔

"چلیں دیان بھائی آپ کو اتنی بڑی فیور دی ہے میں نے۔دودھ پلائی کر رسم میں اس بات کا خیال رکھا جائے"

"مام" دیان نے بتول حیدر کو پکارا جنہوں نے ایک خوبصورت سی سرخ رنگ کی ڈبی اور کچھ لفافے اسکی جانب بڑھائے۔

"یہ آپ کے لیے اور یہ آپ سب کے لیے" ڈبی اس نے زینب کو دے دی اور لفافے بقایا سب لڑکیوں میں بانٹ دیے۔

"واؤ دیان بھائی یہ تو بہت خوبصورت ہے" ڈبی میں ایک خوبصورت سی ڈائمنڈ رنگ تھی اور ان لفافوں میں دس دس ہزار روپے۔

"بہت شکریہ آپکا یہ لیں اب دودھ پئیں۔اب نے تو جلدی کام ختم کر دیا"

"پہلے زائشہ کو پلادیں" دیان کے کہنے پر ارسل اور صوفیہ سمیت سب نے زوردار ہوٹنگ کی۔

زائشہ نے دودھ کا بس ایک سپ لیا جس کے بعد گلاس دیان نے پکڑ لیا۔ پیچھے کھڑے سب لڑکے ندیدوں کی طرح اس گلاس کو دیکھ رہے تھے پر دیان نے اسکا کور اتارا اور ایک ہی سانس میں سارا دودھ پی گیا۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سب ہونکوں کی طرح اسے دیکھتے رہ گئے جو خالی گلاس زینب کو دے رہا تھا اور ساتھ اسکا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

"بڑا ہی بیغیرت ہے یہ تو۔ یہ چاہتا ہی نہیں کہ میری شادی ہو" ارسل غصے سے بڑبڑاتا دیان کو ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

دیان نے پیچھے کی جانب مڑ کر اسے پکارا تو وہ سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا اس کے منہ کے قریب جھکا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مجھے اپنی بہن کو اتنی جلدی رخصت نہیں کروانا" دیان کہہ کر سیدھا ہو گیا پر ارسل نے مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

سب رسمیں اپنے اختتام کو پہنچ گئیں۔ اب رخصتی کا وقت آن پہنچا تھا۔ زائشہ کے کھڑے ہوتے دیان بھی فوراً سے کھڑا ہو گیا اور اسکا ہاتھ تھام لیا۔ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ اسے خود بھی سمجھ نہ آئی۔ زائشہ بس ایک پل کر ٹھہری پر پھر سیرت مراد کے حصار میں آگے بڑھنے لگی۔

گیٹ کے پاس پہنچنے تک اسکا ہاتھ دیان کے ہاتھ میں تھا۔

نہ اسنے چھڑوانے کی کوشش کی اور نہ ہی اس نے چھوڑا۔

گیٹ کے پاس پہنچ کر وہ باری باری سب سے ملی۔ مشکل لمحہ تھا پر خیر ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے۔ دیان ایک طرف کھڑا اپنے باپ اور حامد جہانگیر کی نصیحتیں سن رہا تھا۔ اس وقت اسکے کے گھر کا ایک ایک فرد زائشہ کا رشتہ دار بنا تھا اور دیان کو اسے خوش رکھنے کی تلقین کر رہا تھا۔

"اوئے بات سن میری، میری بہن کو خوش رکھنا ہے تو نے" ارسل نے اسکے پاس آکر برہمی سے کہا۔

"تیری بہن کب سے ہوگئ وہ" دیان نے ابرو اچکائی۔

"ہر کوئی اسکا باپ، ماں، بہن بنا ہے تو میں نے سوچا میں بھائی بن جاتا ہوں"

"تو میرے سالے صاحب آپ کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کہ مجھے کس طرح اپنی بیوی کا خیال رکھنا ہے"

"اوہ" ارسل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔

دیان نے خود گاڑی ڈرائیو کر کے زائشہ کو گھر لے کر جانا تھا۔

وہ کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔دیان بھی سب سے مل کر کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

چابی گھماتے ہی گاڑی کے انجن میں زندگی دوڑ گئی۔اس نے ہاتھ سے سب کو خدا حافظ کہتے گاڑی آگے بڑھا دی۔

زائشہ کی ہلکی ہلکی ہچکیاں اسے سنائی دے رہی تھیں۔

مین روڈ پر آتے ہی اسنے زائشہ کو پکارا۔

"تم چادر اتار سکتی ہو؟" دیان نے ڈیش بورڈ پر رکھی پانی کی بوتل اسکی جانب بڑھائی۔زائشہ کو واقعی اس وقت بہت پیاس لگ رہی تھی اس لیے اس نے خاموشی سے وہ بوتل تھام لی۔دیان نے لائٹس آف کر دیں تاکہ وہ آرام سے پانی پی سکے۔

زائشہ نے چادر اتار کر سائیڈ پر رکھ دی۔پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اس نے بوتل بند کر کے ہاتھ میں ہی پکڑی رکھی۔

دیان نے اسکی طرف دیکھا، اسکا چہرہ جھکا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا بات کرے۔وہ زندگی میں کبھی اتنا کنفیوز نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت ہو رہا تھا۔زائشہ کو بات کرنے پر اکسانا اسے مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔پر اسکا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے بات کرے۔

"تم کمفرٹیبل ہو؟"زائشہ نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔دیان نے گہری سانس لے کر اسکی جانب دیکھا اور گاڑی ایک طرف روک دی۔

گاڑی کو رکتا محسوس کرکے زائشہ نے حیرت سے سر اٹھایا پر دیان کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر پھر سے سر جھکا دیا۔

دیان زائشہ سے بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا پر اب کچھ دیر پہلے جو حالت دیان کی تھی اس میں اب زائشہ مبتلا تھی۔

"زائشہ میں جانتا ہوں تمہارے ذہن میں بہت سے سوالات ہوں گے۔شاید تم میرے سے بدگمان بھی ہو رہی ہو پر میں بس تمہیں اتنا بتانا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چاہتا ہوں کہ میں ڈر گیا تھا۔مجھے ڈر تھا کہ اگر تمہیں پتہ چلا تو تم مجھے چھوڑ دو گی۔اور میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا"

دیان نے اپنی بات مکمل کر کے اسکی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا پر وہ خاموش تھی۔

"زائشہ کچھ تو بولو"

"آپ میرے پیچھے اکیڈمی آئی تھے؟"زائشہ نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ سے بدگمان نہ ہوں تو مجھے شروع سے لیکر آخر تک ہر بات جاننی ہے۔بالکل سچ بغیر کسی جھوٹ کے"

دیان کو اسکی آنکھوں میں واضح خوف نظر آیا۔وہ خوف دیکھ کر اندر تک اسکی روح پر سکون ہو گئی۔زائشہ کو کھونے کا جو ڈر اسے جکڑے رکھتا تھا اب زائشہ کی آنکھوں میں بھی نظر آرہا تھا۔

دیان نے ہاتھ بڑھا کر اسکے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔گاڑی کے خاموش ماحول میں چوڑیوں کی کھنکھتی ہوئی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔

لیکن اب اس خاموشی کو دیان کی دلسوز آواز توڑ رہی تھی۔اس نے شروع سے لیکر آخر تک ساری باتیں مختصراً زائشہ کو بتادیں۔یہاں تک کہ اپنے بچپن کے بارے میں بھی۔میرب کے چلے جانے کے بعد کس طرح وہ ڈپریشن کا مریض بن گیا تھا،کس طرح اس نے خود کو سنبھالا۔اس نے الف سے ے تک اپنی زندگی کی ساری زندگی حرف با حرف زائشہ کو سنا دی۔

انہیں وہاں رکے آدھا گھنٹا ہونے والا تھا۔

"زائشہ تم میری بیوی ہو میں چاہتا ہوں ہم آج ہی سب کچھ کلئیر کرلیں تاکہ ہمارا ماضی ہمارے مستقبل پر کسی طرح اثر انداز نہ ہو۔تمہارے ذہن میں ابھی بھی کوئی سوال ہے تو تم مجھ سے پوچھ سکتی ہو؟"

زائشہ نے نفی میں سر ہلادیا۔

"ایم سوری" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں؟"

"میں نے کچھ دیر کے لیے ہی پر آپ کو غلط سمجھا" اس نے معصومیت سے کہتے چہرہ اٹھا کر اسکی جانب دیکھا۔

دیان اسکی آنسوؤں سے بھری آنکھیں دیکھ کر آسودگی سے مسکرا دیا۔ ٹشو پیپرز کے باکس سے چند ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھائے۔

"تم آئندہ مجھ سے سوری مت کہنا۔ مجھے اچھا نہیں لگا اور اب رونا بھی نہیں"

کہتے ساتھ ہی دیان نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"آپ کو مجھ سے کچھ نہیں پوچھنا؟"

دیان مسکراتے ہوئے اسکی جانب جھکا اور شرارت سے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"زائشہ دیان حیدر آپ جیسی بھی ہیں اس ناچیز کو دلوں جان سے قبول ہیں" اس کے انداز پر زائشہ مسکراہٹ ضبط کرتی کھڑکی کی طرف چہرہ موڑ گئی۔ دیان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"مجھے تم سے کچھ نہیں پوچھنا زائشہ۔ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا وہ مجھے جاننا بھی نہیں۔ مجھے تم پر خود سے زیادہ یقین ہے"

اسکی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور زائشہ کی اس پر۔

"اتنے پیار سے نہ دیکھو میں تمہیں کھا جاؤں گا"

زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ دیان کو اپنے کانوں میں رس گھلتا محسوس ہوا۔

"کچھ کھاؤ گی؟"

"نہیں"

"کیوں میں نے تو سنا ہے دلہنیں اپنے شادی والے دن ٹینشن سے کچھ کھا ہی نہیں پاتی۔ مجھے لگا تمہیں بھوک لگی ہو گی"

"بھوک تو لگی ہے پر دل نہیں چاہ رہا"

"تمہارے دل کی ایسی کی تیسی۔ابھی مکڈونلڈز چلتے ہیں"

زائشہ کچھ پل اسکی طرف دیکھتی رہی پھر پرسکون سی سیٹ سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔اس کے دل میں موجود سارے خدشات سب وسوسے دیان کی باتوں سے غائب ہو گئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

رات کے ایک بجے وہ گھر پہنچے۔دونوں کافی لیٹ ہو گئے تھے،دیان کو مسلسل گھر سے کالز آ رہی تھیں۔لیکن وہ زائشہ کو کھانا کھلانے کے بعد لانگ ڈرائیو پر لے گیا تھا۔

"زائشہ گھر آگیا" وہ جو آنکھیں موندے نیند کی وادیوں میں اترنے ہی والی تھی دیان کی بات پر فوراً سے اٹھی۔ سامنے پوری شان کے ساتھ سفید محل لائٹس کی روشنی میں جگ مگ کر رہا تھا۔ زائشہ نے شال اپنے گرد لپیٹ لی جو صوفیہ نے ٹھنڈ کی وجہ سے گاڑی میں رکھی تھی۔

گیٹ کھلنے پر دیان گاڑی اندر لے گیا۔ پورچ کے آخر پر ہی سب ان کے انتظار میں کھڑے تھے، دیان نے پہلے ہی فون کر کے انہیں اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔

"آجائیں بھابھی" گاڑی رکتے ہی صوفیہ نے زائشہ کی طرف کا دروازہ کھولا اور دیان کو مکمل نظر انداز کرتے اس کا ہاتھ تھام کر کار سے باہر نکالا۔ وہ کپڑے چینج کر چکی تھی اور اس وقت سادہ سے سوٹ میں ملبوس تھی۔

گاڑی سے اترتے ہی سرد ہوا کی ایک لہر اس کے وجود سے ٹکرائی۔ اسے کپکپی طاری ہونے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اندر چلیں جلدی ٹھنڈ بہت ہے" زائشہ اس کا ہاتھ تھامے اندر کی جانب چل دی۔اس نے گردن موڑ کر دیان کی طرف دیکھا جو سر جھکائے فاروق حیدر کے سامنے کھڑا تھا۔اس سے نظریں ملتے ہی مسکرا دیا۔

"بھائی کو ڈانٹ پڑ رہی ہے بابا سے۔اتنی رات کو اور وہ بھی اتنی ٹھنڈ میں سونے سے لدی دلہن کو سڑکوں پر مارے مارے لیے پھر رہے تھے۔کوئی حال ہے ان کا" اس کے غصیلے انداز پر زائشہ محض مسکرا دی۔کاریڈور سے گزر کر وہ لاؤنج کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔کچھ دیر بعد دیان بھی اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"چلیں؟" اس کا مخاطب صوفیہ تھی جو اس کے پوچھنے پر ناک سکوڑ گئی۔دیان نے زائشہ کا ہاتھ تھام لیا جو ٹھنڈ کی وجہ سے برف ہو رہا تھا۔اس نے اپنے وجود کو بس ایک شال سے ڈھانپا ہوا تھا۔

وہ دونوں ہم قدم ہو کر لاونج میں داخل ہوئے۔دروازہ کھولتے ہی ان پر پھولوں کی بارش ہونے لگی۔نرم وملائم گلاب کی پتیاں ان دونوں کے وجود سے ٹکرا کر زمین پر گرنے لگیں۔

سامنے ہی زمین پر پھولوں سے ویلکم لکھا تھا۔

"ویلکم بھابھی"صوفیہ نے اسے پیچھے سے گلے لگاتے جھکتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔یہ سب بہت خوبصورت ہے"

"ویسے یہ میرا آئیڈیا تھا"دیان اسکی جانب جھک کر آہستگی سے بولا۔زائشہ نے سراہتی ہوئی نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔وہ دلکشی سے مسکرا دیا۔

"صوفیہ بیٹا جاؤ زائشہ کو روم میں چھوڑ آؤ"

"پر مام ہمیں تو رسمیں کرنی تھیں"

"رات کا ایک بج رہا ہے۔سب تھک گئے ہیں صبح کر لینا جو کرنا ہے"ثمینہ جہانگیر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ہاں صوفیہ آ گئے ہی صاحبزادے صاحب نا جانے اسے کہاں کہاں گھماتے رہے ہیں۔رحم کرو اس بچاری پر....جاؤ زائشہ بیٹا اپنے روم میں" صوفیہ کو کہنے کے ساتھ ساتھ فاروق حیدر زائشہ سے مخاطب ہوئے۔

صوفیہ کا موڈ تو بہت خراب ہوا پر زائشہ کی تھکن کا احساس کرتے وہ مسکان کے ساتھ اسے لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ کدھر جناب" دیان کو بھی ان کے پیچھے جاتا دیکھ کر ارسل نے اسکا بازو پکڑ کر واپس کھینچا۔

"کیا مطلب کہاں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔تھک گیا ہوں میں بھی"

"جاتے رہنا کمرے میں ابھی ذرا آؤ میرے ساتھ۔باہر وہ ساری پلٹون آگ جلا کر بیٹھی تمہارا ہی انتظار کر رہی ہے"

"ابے پاگل ہو گیا ہے اتنی ٹھنڈ ہے باہر"

"کوئی بات نہیں ٹھنڈ کو بھی انجوائے کرنا چاہیے۔ساتھ میں تکے بھی منگوائے ہیں ہم نے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"او بھائی میں نہیں جا رہا" دیان نے اپنا بازو ارسل کے ہاتھ سے چھڑوایا جو تقریباً اسے گھسیٹتے ہوئے لاؤنج سے باہر لے کر جا رہا تھا۔

"تیرا تو باپ بھی جائے گا۔بیوی کیا آگئی تو نے تو آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لیں"

"میں نہیں جا رہا" دیان واپس مڑ گیا جب ارسل نے اس کی گردن میں بازو ڈال کر اسے واپس کھینچا اور یوں ہی اسے دبوچے لان کی پچھلی سائیڈ پر چلا گیا۔

"ارسل چھوڑ مجھے" دیان کے شدید احتجاج کے باوجود ارسل اسے گھسیٹتا ہوا لان میں لے آیا۔

"ارے آیئے دولہا صاحب دیکھیئے آپ کے لیے اسپیشل باربی کیو کا انتظام کیا گیا ہے" ان کا ایک دوست کھڑے ہو کر اس سے بغل گیر ہوا پر دیان نے اسے پرے دھکیل دیا۔

"دفعہ ہو جا وے بے غیرتوں آج تو بخش دو مجھے بیوی والا ہو گیا ہوں"

"تو بیوی والا ہو گیا ہے اسی لیے تو نہیں بخش رہے۔اب ہم سب کنوارے ہیں اور تو شادی شدہ ہو گیا کیسے برداشت کریں ہم"

"ہاں تو اپنی اپنی بیویاں لاؤ اور مجھے جانے دو" دیان نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے کہا۔پر کسی نے اسکی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

"چپ کر کے بیٹھ یہاں" ارسل نے کھینچ کر اسے کرسی پر بٹھایا اور پھر اسے ایسا جکڑا کہ وہ ہل نہ سکا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"بھابھی کچھ چاہیے" زائشہ کو آرام سے بیڈ پر بٹھا کر صوفیہ پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں چاہیے" زائشہ نے اپنا لہنگا ٹھیک کرتے کہا۔اس کا لہنگا آدھے بستر پر پھیلا ہوا تھا۔

"چلیں آپ آرام کریں۔دو بجنے والے ہیں۔کپڑے وغیرہ آپ کے واڈروب میں سیٹ ہیں۔میں چلتی ہوں کل ملاقات ہو گی"

صوفیہ کمرے سے نکل گئی تو زائشہ بستر کے ساتھ تکیہ رکھ کر آرام دہ انداز میں بیٹھ گئی۔

ایک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی۔جہازی سائیڈ بیڈ کمرے کے وسط میں رکھا تھا جس کے چاروں طرف سرخ پھولوں کی لڑیاں لٹکی تھیں۔بیڈ پر پھولوں کی ہی چھت بنائی گئی تھی جو بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔بیڈ کی دائیں جانب صوفہ سیٹ رکھا تھا جس کے آگے شیشے کی ٹیبل تھی اور پاس ہی بیگز رکھے تھے جن میں زائشہ کا کچھ سامان تھا۔بائیں جانب ایک رائٹنگ ٹیبل تھی جس پر لیپ ٹاپ،کچھ فائلز اور ایک ٹیبل لیمپ تھا۔ٹیبل کے ساتھ ایک دیوار گیر کتابوں کی الماری تھی۔اسی دیوار کے کونے پر ترچھا کر کے بالکونی کا دروازہ تھا جس پر اس وقت دبیز پردے گرے تھے۔ساتھ کچھ فاصلہ چھوڑ کر واڈروب کا دروازہ تھا۔بیڈ کے

بالکل سامنے پچاس انچ کی ایل ای ڈی لگی تھی جس کی چاروں طرف لکڑی کا خوبصورت کام تھا۔

پورا کمرہ اس وقت گلابوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ جگہ جگہ موم بتیاں رکھی تھیں جن پر ٹمٹماتے شعلے آسمان پر چمکتے ستاروں کی طرح لگ رہے تھے۔

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی، دو بجنے میں پندرہ منٹ رہتے تھے۔ بیڈ پر یونہی بیٹھے بیٹھے ٹیک لگائے وہ آنکھیں موند گئی۔ کب اسکی آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہ چلا۔

نیند کی دنیا سے باہر اسے کسی کے ہاتھ کا لمس لایا تھا۔ زائشہ نے فٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

اسکے جاگ جانے پر دیان نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔ وہ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا اور دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ایم سوری وہ ارسل زبردستی مجھے ساتھ لے گیا۔ تمہیں میری وجہ سے انتظار کرنا پڑا"

"اِٹس اوکے"

"یہ تمہارے لیے" سیاہ رنگ کی مخملی باکس اسکی جانب بڑھاتے دیان نے کہا۔ زائشہ کے پکڑنے سے پہلے ہی اس نے باکس واپس کھینچ لیا۔ زائشہ نے اچھنبے سے اسکی جانب دیکھا۔

"میں پہنا دیتا ہوں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہنے کے ساتھ اس نے وہ باکس کھولا۔ اندر ایک خوبصورت اور نفیس سی بریسلیٹ تھی، وائٹ ڈائمنڈ سے بنی چمکتی ہوئی بریسلیٹ۔ اس نے اشارے سے زائشہ کو ہاتھ آگے کرنے کا کہا جس نے فوراً اپنی کلائی سامنے کر دی۔

دیان نے وہ بریسلیٹ اسکی کلائی میں سجا دی۔

"بیوٹی فل" زائشہ کے ہاتھ پکڑ کر بریسلیٹ کا معائنہ کرتے دیان بولا۔

"تھینک یو یہ بہت پیارا ہے"

"ابھی اور بھی چیزیں ہیں؟"

"وہ کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ یہ تو اسکی منہ دکھائی تھی۔ پھر بقایا چیزیں کس لیے؟

"ویسے شادی کی شاپنگ کے دنوں میں مجھے جو بھی چیز تمہارے لیے اچھی لگتی تھی میں خرید لیتا تھا پر کچھ چیزیں میں نے تمہیں آج دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ رکو میں لاتا ہوں" دیان اٹھا اور سامنے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ باہر آیا تو اسکے ہاتھ میں تین بیگ تھے۔ اس نے وہ بیگ بیڈ پر زائشہ کے سامنے لا کر رکھ دیے۔

"کھولو"

زائشہ نے پہلا شاپنگ بیگ اٹھا کر اس میں موجود گفٹ نکالا۔ وہ سرخ رنگ کے گفٹ پیپر میں لپٹا تھا۔ اس نے پیپر اتار دیا۔ وہ نئے ماڈل کا آئی فون

تھا۔زائشہ نے حیرت سے فون کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر دیان کی طرف۔وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی"

"کیا مطلب کیا ضرورت تھی میں آفس سے تمہیں کال کیسے کرتا"

"پر میرے پاس فون تھا"

"پر میں چاہتا ہوں تم یہ فون استعمال کرو"

"لیکن یہ بہت مہنگا ہوگا"

"ہاں وہ تو ہے" دیان نے کندھے اچکا کر کہا۔

"پر..."

"اگر، مگر، پر، لیکن بعد میں دیکھیں گے۔اگلا گفٹ کھولو" زائشہ نے فون پر ایک نظر ڈال کر اسے ایک طرف رکھا اور دوسرا بیگ اٹھایا۔

اندر فوٹو فریمز تھے۔اس نے ایک ایک کر کے سب فریمز باہر نکالے، کل ملا کر چار فریمز تھے اور یہ گفٹ دیکھ کر وہ پہلے سے زیادہ حیران ہوئی۔

ہر فریم میں اسکی اور دیان کی تصویر تھی۔تصویروں کی ایڈیٹنگ اس لحاظ سے کی گئی تھی کہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ تصویریں علیحدہ علیحدہ بنوائی گئی ہیں۔دو فریمز میں ان کی منگنی کی اور دو فریمز میں مہندی کی تصویریں تھیں۔

"یہ کیسے کیا؟"

"یہ تو بہت آسان تھا۔پاکستان کی آدھی عوام ایڈیٹنگ میں ماہر ہے۔اس گفٹ کا کام چٹکیوں میں ہو گیا تھا۔اسے چھوڑو اب یہ کھولو" دیان نے اسکے ہاتھ سے فریمز پکڑ کر ایک سائیڈ پر رکھے اور تیسرا بیگ اسکی طرف بڑھایا۔

اس بیگ میں بھی ایک باکس تھا اور ایک کارڈ تھا۔

"یہ کارڈ بعد میں پڑھنا ابھی یہ باکس کھولو"

زائشہ نے اس باکس کا لاک کھولا تو ٹک کی آواز سے باکس کھل گیا۔

اندر ایک چین تھی۔چین کے لاکٹ پر دیان اور زائشہ کا نام لکھا تھا۔

"واؤ.... یہ تو بہت یونیک ہے"

"ہاں وہ تو ہے اب اس پر تمہارا اور میرا نام جو لکھا ہے"

زائشہ اس لاکٹ کو ہاتھ میں لیے اس نام پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"اچھا تم یہ کارڈ پڑھو میں تب تک چینج کر لوں" وہ کھڑا ہوا اور بیڈ سے سب چیزیں اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھیں اور وارڈروب کی جانب بڑھ گیا۔

زائشہ نے کارڈ کھولا اور پڑھنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آج اس کارڈ میں تمہیں کوئی شعر و شاعری وغیرہ پڑھنے کو نہیں ملے گا بلکہ اس میں جو بھی ہے وہ میرے دل کی بات ہے۔

میں تم سے کوئی بڑے بڑے وعدے نہیں کر رہا زائشہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے وعدوں سے ڈر لگتا ہے۔ وعدہ کرنا جتنا آسان ہے اسے نبھانا اتنا ہی مشکل۔ یہ وعدے قید کر دیتے ہیں، زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔

میں ایک خاصا بدنصیب انسان ہوں زائشہ۔ جس کو بھی سب سے زیادہ چاہا اسے تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ تمہیں لے کر بھی میں بہت خوفزدہ ہوں۔ میں جانتا نہیں میں کیسے اظہار کروں پر میرے دل میں یہ ڈر بیٹھ گیا ہے کہ مجھ سے جڑنے کے بعد تم خوش نہیں رہ پاؤ گی۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا زائشہ۔

خیر میں اپنی پوری کوشش کروں گا تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہ دوں۔ میں تمہارے راستے میں آنے والے کانٹوں کو اپنے ہاتھوں سے چنوں گا چاہے ایسا کرنے سے میں خود زخمی ہو جاوں۔

تمہارے دل میں کبھی کوئی بدگمانی آئی، کوئی غلط فہمی آئے، یہاں تک کہ غصہ بھی آئے مجھ پر آ کر اتار دینا۔ میں سر جھکا کر تمہاری ہر بات سن لوں گا۔ پر پلیز کبھی مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔ جب جان سے پیارے لوگ چھوڑ کر جاتے ہیں نازائشہ تو یہ جان تب نکلتی ہے۔ مجھ پر ایک احسان کر دینا کہ ہمیشہ میرے ساتھ رہنا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں ایک پرفیکٹ شوہر تو نہیں بن پاؤں گا پر ایک اچھا شوہر بننے کی کوشش ضرور کروں گا۔ جو ہر وقت، ہر لمحہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی وجہ بنے گا۔

اس سب کے بدلے میں تم سے بس ایک چیز کی خواہش کرتا ہو۔ میرے ماں باپ کا خیال رکھنا۔ ان کی بیٹی بن جانا۔ وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں، بہت زیادہ۔ تم ان کے لیے میرب جیسی ہو۔ زائشہ ان کی میرب بن جانا"

اس نے نم آنکھوں سے وہ کارڈ پڑھا۔ ایک نظر وارڈروب کے بند دروازے پر ڈالی اور کارڈ بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اپنا آپ ایک دم معتبر سا محسوس ہو رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا دیان جیسا اس کی زندگی میں آئے گا۔ یہ کیسے شخص سے نواز دیا گیا تھا اسے۔ اسے اپنے ماضی کے دکھ کا اثرات ایک دم سے زائل ہوتے محسوس ہوئے۔

آزمائشوں کے بعد انعام کیسے ہوتے ہیں وہ جان گئی تھی۔ اب زندگی میں چاہے جو مرضی ہو جائے اگر دیان اس کے ساتھ ہو گا تو وہ بڑے سے بڑے پہاڑ کو بھی پار کر جائے گی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارے تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو" وارڈروب کا دروازہ کھلا اور دیان تولیے سے بال رگڑتا باہر آیا۔

"تھکاوٹ بہت تھی تو میں نے شاور لے لیا۔ تم بھی چینج کر کے آرام کرو بہت رات ہونے والی ہے" وہ اسکے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور اپنا ہاتھ اسکی جانب بڑھایا تاکہ اسے بیڈ سے اترنے میں مدد دے سکے۔

"تھینک یو سو مچ دیان"

"کس لیے" وہ اچھنبے سے بولا۔

"بس ایسے ہی" اور دیان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"خیریت تو ہے مسز آج شادی کے پہلے دن تم بغیر کسی وجہ کے مجھے سوری اور تھینک یو کہہ چکی ہو"

دیان اسکی جانب جھک کر دلکشی سے بولا۔زائشہ اپنی مسکراہٹ روک کر چہرہ موڑ گئی۔

"اتر جاؤ بیڈ سے چینج کر لو۔تھکی نہیں یہ پچاس کلو کا لہنگا پہن کر" دیان نے جس طرح منہ بسور کر کہا زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

دیان کا ہاتھ تھام کر وہ بیڈ سے اتری اور وارڈروب تک آئی۔

اندر ایک طرف واشروم کا دروازہ تھا تو دائیں بائیں دونوں دیواروں پر دیوار گیر الماریاں تھیں۔سامنے کی دیوار پر ڈریسنگ ٹیبل تھا۔وہ ڈریسنگ ٹیبل تک گئی اور اپنی جیولری اتارنے لگی۔بالوں کو جوڑے کی قید سے آزاد کیا اور وارڈروب کا دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔اوپر سے لے کر نیچے تک

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صرف دیان کے کپڑے تھے۔ساتھ والا دروازہ کھولا تو وہاں جوتے تھے۔اس نے پلٹ کر دوسری الماری کی جانب دیکھا اور لہنگا اٹھا کر ادھر آئی۔اس کے سارے ڈریسز وہاں بہت نفاست سے سیٹ تھے۔اس نے سادہ سی شلوار قمیض نکالی اور واشروم میں گھس گئی۔اس کا ارادہ شاور لینے کا تھا۔

ایک تو بیوٹیشن نے بھی ناجانے کون کون سی چیزیں اس کے بالوں میں لگا دی تھیں کہ وہ ایسے الجھے تھے کہ سلجھنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

شاور لے کر وہ باہر آئی،ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال سلجھائے اور کمرے میں آگئی۔سامنے دیان بیڈ پر بیٹھا فون پر جھکا تھا۔زائشہ کے آتے ہی اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"میں کل تمہارے فون کی ساری سیٹنگ کر دوں گا"اس نے بس اثبات میں سر ہلایا اور بیڈ کی دوسری جانب آکر لیٹ گئی۔جسم کے ایک ایک حصے میں درد محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ دلہن بننا بھی کتنا مشکل ہے۔پچاس کلو کا لہنگا، دس کلو کا میک اپ اور پانچ کلو کا جوڑا بنوا کر ا سٹیچو کی طرح بیٹھ جاؤ" زائشہ نے منہ بسورتے ہوئے سوچا۔دیان نے لائٹس آف کردی تو وہ سکون سے آنکھیں موند گئی۔

ایک بات تو طہ تھی آج کمرے میں موجود ان دونوں نفوس کو بہت پر سکون اور میٹھی نیند آنے والی تھی۔

****

"ٹھہر جاؤ تم ذرا" ارسل ایک دھماکہ سے کچن میں داخل ہوا اور ساری لائٹس آن کرتے ہوئے چلایا۔صوفیہ جو شیلف پر چڑھی آئسکریم کا ڈبہ اپنے سامنے رکھ کر پورے انہماک کے ساتھ کھانے میں مصروف تھی، چلاتے ہوئے چھلانگ لگا کر شیلف سے اتری۔

"کیا بد تمیزی ہے یہ" وہ ابھی ابھی زائشہ کو اسکے روم میں چھوڑ کر آئی تھی اور بھوک کا احساس ہونے پر سیدھا کچن میں آ گئی تھی۔ ارسل اپنے دوستوں سے مل کر اب اپنے کمرے میں جا رہا تھا جب اسے کچن میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور فوراً سے وہاں پہنچ گیا۔

"بد تمیزی کیا مطلب تمہاری ہمت کیسے ہوئی اکیلے اکیلے آئسکریم کھانے کی" وہ کڑے تیوروں سے کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا عورتوں کی طرح بولا۔

"جیسے آپ کی ہو گئی اکیلے اکیلے تکے کھانے کی" وہ بھی دو بدو بولی۔

"اوہ تو یہ مسئلہ ہے"

"جی بالکل"

"تو تم مجھے پہلے بتاتی میں تمہیں بھی دے دیتا"

"کیا مطلب بتاتی آپ کو میرے لیے بھی منگوانے چاہیے تھے"

"یار جلدی جلدی میں ذہن سے نکل گیا۔ اتنا تو مصروف تھا میں آج"

"ہاں پتہ ہے مجھے آپ نے کون سے پہاڑ توڑے ہیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا چھوڑو یہ آئسکریم تو دو"

"کوئی نہیں خبر دار جو میری آئسکریم پر نظر ڈالی"

"یار دے دو تھوڑی سی"

"کیا ہے باربی کیو سے دل نہیں بھرا جواب یہاں بھی آ گئے"

اس سے پہلے کہ ارسل کوئی جواب دیتا حامد جہانگیر کچن میں داخل ہوئے۔ وہ ابھی ابھی سب انتظامات مکمل کر کے زائشہ کے گھر سے آئے تھے۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو اور صوفیہ یہ تم اتنی ٹھنڈ میں آئسکریم کھا رہی ہو۔ تمہاری ماں کو بتاؤں"

"نہیں ڈیڈ میں نہیں کھا رہی یہ ارسل کھا رہے تھے۔ میں نے تو ان سے ڈبہ چھین لیا کہ اتنی رات کو آئسکریم کھا کر گلہ خراب ہو جائے گا"

ارسل نے حیرت سے اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا جو بھی ہے چلو جاؤ اپنے کمروں میں۔رات کے وقت بھی سکون نہیں تم دونوں کو" حامد جہانگیر کے کہنے کی دیر تھی وہ دونوں گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے۔

حامد جہانگیر نے نفی میں سر ہلاتے ساری لائٹس آف کیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

****

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صبح کے دس بج رہے تھے۔گھر میں رونق لگی تھی۔سیرت مراد حسیب اور جنید کے ساتھ زائشہ کے لیے ناشتہ لے کر آئی تھیں۔ارسل بھی اپنی پوری فیملی کی ساتھ وہاں موجود تھا۔وہ سب اس وقت لاؤنج میں بیٹھے

خوش گپیوں میں مصروف تھے، صرف دیان، زائشہ اور صوفیہ، مسکان غیر حاضر تھے۔

"شازیہ اب تم بھی ارسل کے لیے رشتہ ڈھونڈنا شروع کرو" بتول حیدر نے ہنستے ہوئے اپنے بغل میں بیٹھی شازیہ شاہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"میری تو شدید خواہش ہے کہ جلد از جلد اس کی شادی کر دوں پر یہ سنجیدہ ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ہر وقت تو اس کو مستی مذاق کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں۔ کون دے گا اس جیسے غیر سنجیدہ انسان کو اپنی بیٹی "

"مام کچھ خیال کر لیا کریں آپ تو سب کے سامنے شروع ہو جاتی ہیں" ارسل سب کی سامنے ہونے والی عزت افزائی پر شرمندہ ہوتے ہوئے بولا

"اچھا بیٹا جی اگر اتنا ہی خیال ہے تو خود کو سدھارتے کیوں نہیں"

"ارے آپ کو پتہ نہیں لڑکیاں مرتی ہیں آپ کے اس بیٹے پر۔ کبھی میری یونیورسٹی کا چکر لگانا تھا" وہ کالر درست کرتے گردن اکڑا کر بولا۔

"ہاں پتا ہے مجھے کیسی لڑکیاں مرتی ہیں۔بتول میں کیا بتاؤں تمہیں میرا اپنا دل نہیں چاہتا کسی کی بیٹی کی زندگی خراب کرنے کا۔ہے تو یہ میرا بیٹا پر میں ہی اس سے تنگ ہوں،بیوی کیا خاک برداشت کرے گا۔گھر میں تو یہ ٹکتا نہیں مہمانوں کی طرح گھر آتا ہے"

"ارے شاز یہ جب بیوی آئے گی تو احساس ہو جائے گا اسے"

"اور نہیں تو کیا بتول آنٹی سمجھائیں ذرا انہیں۔بیٹا جوان ہو گیا اب"

"اِدھر آؤ میں تمہیں بتاؤں بیٹا جوان ہو گیا ہے۔کھانا دو منٹ لیٹ ہو جائے یہ پورا گھر سر پر اٹھا لیتا ہے۔صبر نام کی چیز اس میں ہے نہیں،کمرہ اسکا ایسے ہوتا جیسے ابھی ہاتھی ناچ کر گئے ہیں۔بیوی تو دوسرے دن چھوڑ کر چلی جائے گی"

"میں جا رہا ہوں باہر....اللہ ہی حافظ ہے میرے گھر والوں کا"ارسل غصے سے اٹھا اور آخر کا جملہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"یہ دیکھو یہ تو حرکتیں ہیں اسکی"

"بس کردو شازیہ ایک ہی ایک بیٹا ہے ہمارا اس سے بھی تمہیں ہزار گلے ہیں" ارسل کے والد جو فاروق حیدر کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے، ارسل کے اٹھ کر چلے جانے پر شازیہ شاہ سے بولے

"ہاں تو اب اس سے بھی امیدیں نا لگاؤں تو کس سے لگاؤں"

"اچھا شازیہ کچھ نہیں ہوتا تم بس ڈھونڈنا شروع کرواسکا رشتہ" بتول حیدر کے کہنے پر شازیہ شاہ بس سر ہلا گئی۔

سیڑھیوں سے اوپر چند قدموں کے فاصلے پر بنے دیان کے کمرے میں جھانکو تو وہاں زائشہ وارڈروب کے سامنے کھڑی تھی۔ دیان واشروم میں تھا۔ وہ کنفیوز سی اپنے سامنے نظر آتے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ بلو والا اچھا ہے" دیان واشروم سے نکل کر زائشہ کے پیچھے کھڑا ہوا اور الماری سے ایک ڈریس نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے بولا

"پر یہ بہت فینسی ہے؟" وہ پریشانی سے بولی۔

"اوکے اوکے کوئی مسئلہ نہیں کوئی اور دیکھ لیتے ہیں" دیان نے زائشہ کو ہٹایا اور خود وارڈروب کے سامنے کھڑے ہو کر کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگا۔

وہ اس وقت سادہ سے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھے۔ بال بکھر کر اسکے ماتھے پر گرے تھے اور آنکھوں میں ابھی بھی نیند کا خمار تھا۔کچھ دیر پہلے ہی صوفیہ ان کے کمرے میں آکر انہیں ناشتہ کے لیے آنے کا کہہ کر گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پرفیکٹ" دیان نے ایک ڈریس نکال کر ہینگر اسکی جانب بڑھایا۔

بلیک کلر کی نیٹ کی شرٹ جس پر سادہ سی بلیک کڑھائی تھی۔ بلیک ہی ٹراؤزر جس کے پانچوں پر ایمبرائیڈری تھی اور ساتھ دوبٹہ بھی بلیک ہی تھا۔

"اچھا لگے گا تم پر" دیان کے کہنے پر زائشہ نے مسکراتے ہوئے وہ ڈریسنگ تھام لیا۔

وہ سوٹ لے کر واشروم میں گھس گئی۔کچھ دیر بعد وہ باہر آئی تو دیان ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں میں کنگھی کر رہا تھا۔

"زائشہ یہ ڈریس ٹھیک ہے؟"زائشہ کو باہر آتے دیکھ کر اس نے واڈروب کے ساتھ لٹکے سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔بلیک کلر کی سادہ شلوار قمیض تھی۔زائشہ بلیک کلر دیکھ کر ہنس دی۔

"آپ میرے ساتھ میچنگ کر رہے ہیں؟"

"بالکل اب اپنی بیوی ساتھ نہیں کروں گا تو کس کے ساتھ کروں گا"وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا یہ ڈریس تم پر سوٹ کر رہا ہے یا تم نے یہ ڈریس پہن لیا اسی لیے یہ اتنا خوبصورت لگ رہا ہے"دیان پر سوچ انداز میں بولا تو زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"مجھے ایک بات کا اندازہ ہو رہا ہے آپ تعریف کے معاملے میں بالکل بھی کنجوسی نہیں دکھاتے"

"بیوی کے لیے تعریف کے معاملے میں کنجوسی کوئی پاگل ہی کرتا ہوگا" وہ کہتا ہوا وارڈروب کی طرف بڑھا اور ڈریس اتار کر واشروم کے سامنے آیا۔ ہینڈل۔پر ہاتھ رکھ کر رکا اور مڑ کر زائشہ کو پکارا

"زائشہ"

"جی" زائشہ جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی شیشے میں ہی اسکی جانب دیکھ کر بولی

"آئی لو یو" مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری اور واشروم میں بند گیا۔ زائشہ بھی ہنستے ہوئے پلٹی اور تیار ہونے لگی۔

پندرہ منٹ بعد ہی وہ دونوں بالکل تیار کھڑے تھے۔ زائشہ نے ہلکا پھلکا میک اپ کیا تھا اور بالوں کو کھول کر ہلکا سا کیچر لگایا تھا۔ دوبٹہ سر پر اوڑھ کر وہ دیان کے ساتھ کمرے سے باہر آگئی۔

دونوں کو سیڑھیاں اترتا دیکھ کر لاؤنج میں بیٹھا ہر شخص ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ دونوں سیاہ سوٹ میں ملبوس تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ چلتے وہ دونوں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

"السلام علیکم" دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ماشاءاللہ میرے دونوں بچے بہت پیارے لگ رہے ہیں" سیرت مراد نے آگے بڑھ کر زائشہ کو گلے لگایا اور دیان کے سر پر پیار کیا۔ پھر وہ دونوں باری باری سب بڑوں سے ملے اور صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔

"ارسل اور صوفیہ کہاں ہے؟"

"ارسل تو باہر ہے اور صوفیہ اور مسکان کچن میں ہیں؟"

"پر مام میرے خیال میں ارسل بھی کچن میں ہی ہے" دیان لاؤنج میں جس جگہ بیٹھا تھا وہاں سے کچن کا دروازہ نظر آرہا تھا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے ارسل کی جھلک دیکھی ہو۔

"ہیں وہ وہاں کیا کر رہا ہے" بتول حیدر کی جگہ شازیہ شاہ حیرت سے بولیں

"پتہ نہیں دیکھ لیں آپ"

اس سے پہلے کہ شازیہ شاہ جا کر ارسل کی کلاس لیتی صوفیہ کچن سے باہر آتی دکھائی دی۔اس کے پیچھے مسکان تھی اور مسکان کے پیچھے ارسل بادا موں کو مٹھی میں بھرے کچن سے باہر آیا۔

"تم کچن میں کب گئے"شازیہ شاہ نے حیرت سے پوچھا

"باہر کے دروازے سے"اس نے لاپرواہی سے شانے اچکا کر کہا اور ارسل کے ساتھ صوفے کے بازو پر بیٹھ گیا۔

"واہ میرے بھائی تو تو ابھی سے بیوی کے نیچے لگ گیا"ارسل کی آواز بس اتنی تھی کہ دیان تک ہی پہنچ سکی۔زائشہ اب بقایا سب کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی۔

صوفیہ بتول حیدر سے کچھ پوچھ کر واپس کچن میں چلی گئی۔صبح صبح ہی اس کی ثمینہ جہانگیر سے کافی عزت افزائی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں وہ اب

ایک اچھی لڑکی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ناشتے کے سب انتظامات دیکھ رہی تھی۔

"ایک جیسے کپڑے پہننے سے اگر انسان بیوی کے نیچے لگ جاتا ہے تو مجھے نیچے ہی لگا رہنے دو"

"واہ بھائی مان گئے انشاءاللہ تو زن مریدی میں سالار سکندر کا بھی ریکارڈ توڑے گا" ارسل نے دیان کا کندھا تھپتھپا کر داد دینے والے انداز میں کہا۔

"یہ سالار سکندر کون ہے؟" دیان نے حیرت سے پوچھا

"پتہ نہیں یار میں نے مسکان کے منہ سے سنا تھا۔ زائشہ کی دوست نہیں زینب اس سے کہہ رہی تھی کہ میں نے سالار سکندر سے بڑا زن مرید نہیں دیکھا"

"تجھے واقعی نہیں پتا یاں پھر تو مجھے کسی الٹے سیدھے منہ والے انسان سے ملا رہا ہے"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو رک میں ابھی مسکان سے پوچھتا ہوں... مسکان" ارسل نے آواز دے کر مسکان کو اپنی جانب بلایا

"جی بھائی"

"یہ سالار سکندر کون ہے؟"

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اپنے چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور مت دو اور بتاؤ کون ہے"

"سالار سکندر تو پیر کامل اور آب حیات کا ہیرو ہے"

"اب یہ پیر کامل اور آب حیات کیا ہے؟"

"ناولز بھائی، ناولز ہیں اور سالار سکندر ان ناولز کا ہیرو۔ آپ کو پتہ ہے یہ سالار سکندر کیا چیز تھا"

"کیا چیز تھا؟"

"عمیرہ احمد نے لکھا تھا کہ سالار سکندر ایسی چیز ہے جس کے لیے اسکے ماں باپ سوتے ہوئے بھی محتاط رہتے تھے"

"کیوں یہ سالار سکندر کوئی ڈریکولا تھا یا اسے نیند میں چلنے کی بیماری تھی.... ہاہاہاہا" ارسل نے دیان کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بھائی پلیز سالار سکندر کو لے کر کوئی مذاق نہیں" مسکان ہاتھ اٹھا کر دو ٹوک انداز میں بولی

"ارے چل نکل اب فضول میں دماغ مت کھاؤ میرا"

"کھانے کے لیے نا دماغ ہو نا ضروری ہے پر آپ کا اوپر والا حصہ خالی ہے"

"ٹھہر و تم ذرا" ارسل کے اٹھنے سے پہلے ہی مسکن وہاں سے بھاگی اور کچن میں چلی گئی۔

"عزت ہی نہیں ہے کوئی" ارسل بڑبڑاتے ہوئے واپس بیٹھ گیا۔

"مجھے آئیڈیا نہیں تھا سالار سکندر کوئی ناول ہیرو ہے"

"مجھے بھی نہیں تھا" دیان کے کہنے پر ارسل نے اسکے سامنے اپنا ہاتھ کیا جس پر دیان نے تالی ماری اور دونوں ہنس دیے۔

"آپ سب لوگ آجائیں کھانا لگ گیا ہے" صوفیہ کچن سے گردن نکال کر چلائی تو سب اٹھ کر ڈائنگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ صوفیہ آج اتنی سیریس کیوں ہے" زائشہ نے دیان کے بغل میں کرسی پر بیٹھتے پوچھا۔

"ہاہاہا... تم فکر نہیں کرو صبح صبح کلاس لی ہوگی آنٹی نے اسکی اسی لیے اسکا موڈ خراب ہوگا"

"ویسے مجھے شروع میں لگا تھا کہ صوفیہ آپ کی سگی بہن ہے۔ پھر اس نے مجھے خود ہی بتایا تھا کہ وہ اڈاپٹڈ ہے"

"صوفیہ میرے لیے سگی بہنوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ وہ اڈاپٹڈ ہے۔ دونوں گھروں کے ہر فرد کی جان بستی ہے اس میں"

"وہ ہے ہی اتنی پیاری" زائشہ نے مسکراتے ہوئے صوفیہ کی طرف دیکھ کر کہا جو نہایت نفاست سے کھانے کے لوازمات میز پر لگا رہی تھی۔

فاروق حیدر کے اشارہ کرنے پر فوراً سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔

****

ناشتہ کرنے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ سیرت مراد کو رخصت کر کے وہ ایک بجے اپنے کمرے میں واپس آئی۔ اس کے ساتھ صوفیہ اور مسکان بھی تھیں۔ دونوں کے ہاتھ میں اس کے ولیمے کا سامان تھا۔ صوفیہ نے ڈریس کا باکس بیڈ پر رکھا اور اسے کھول کر ڈریس باہر نکال کر بیڈ پر پھیلا دیا۔ مسکان نے بقایا سب چیزیں بھی برابر میں رکھ دیں۔

"کیسا ہے؟"

"ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت"

"بھائی نے جو پسند کیا ہے..... ہاہاہا"

"باز آجاؤ تم" زائشہ نے اسکے بازو پر ہلکی سی چپت لگائی۔ صوفیہ صبح سے خاموش تھی، اب اسے یوں بولتا دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا تھا۔

صوفیہ نے ڈریس واپس باکس میں ڈال دیا۔

"اچھا اب آپ آرام کریں تین بجے نکلیں گے پارلر کے لیے" صوفیہ کہتے مسکان کو اپنے ساتھ لیے کمرے سے نکل گئی۔ زائشہ نے بیڈ سے سب چیزوں کو اٹھا کر صوفوں پر رکھا اور اپنا موبائل لے کر بیٹھ گئی جس کی سیٹنگ دیان کچھ دیر پہلے کر کے گیا تھا۔ اس نے سب کے نمبر بھی سیو کر دیے تھے۔ زائشہ کو آئی فون استعمال کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا، ذینب کے پاس سمارٹ فون تھا جسے وہ کبھی کبھی استعمال کر لیتی تھی۔ وہ اس کے سسٹم کو سمجھنے میں مکمل طور پر غرق تھی جب اسکی بے ارادہ سی نظر گھڑی پر پڑی۔ وہ فوراً سے ہڑبڑا کر اٹھی۔

واشروم میں جا کر وضو کیا اور کمرے کے وسط میں جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ وہ دعا مانگ رہی تھی جب دیان کمرے میں داخل ہوا۔ اس پر ایک نظر ڈال کر وہ بیڈ پر ایک ٹانگ نیچے لٹکا کر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

زائشہ چہرے پر ہاتھ پھیر کھڑی ہوئی اور اس کی جانب مڑی

"کہاں تھے آپ؟"

"واہ مسز ابھی سے بیویوں والے سوالات شروع"

"اب بیوی ہوں تو بیوی والے سوال ہی کروں گی نا گرل فرنڈ والے نہیں" اس نے جائے نماز ڈرائنگ ٹیبل پر رکھا اور خود بھی بیڈ کی دوسری طرف اس کی جانب رخ کر کے بیٹھ گئی۔

"میں مسجد گیا تھا نماز پڑھنے" زائشہ کو ایک خوشگوار حیرت نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

"آپ ساری نمازیں پڑھتے ہیں؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

دیان نے بس ہاں میں سر ہلایا پر زائشہ کی خوشی دیدنی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ کو پتہ ہے میری کوئی خاصی لمبی لسٹ نہیں تھی کہ میرے لائف پارٹنر میں یہ سب خوبیاں ہوں۔بس چند ایک تھیں اور مجھے یہ جان کر کافی حیرانی ہو رہی ہے کہ وہ سب آپ میں ہیں"

"مثلاً"

مثلاً یہ کہ میری خواہش تھی کہ میرا شوہر پانچ وقت کا نمازی ہو۔اسے اچھے اور برے کا فرق پتہ ہو تا کہ اگر میں زندگی میں کچھ غلط کروں تو وہ مجھے ٹوکے۔وہ اپنے ماں باپ کی عزت کرتا ہو کیونکہ جو اپنے ماں باپ کی عزت کرتا ہو گا وہی مجھے اور میرے گھر والوں کو عزت دے گا۔وہ رحم دل ہو اور اسے مجھ پر اعتبار ہو"

"بس"وہ مصنوعی حیرانی سے بولا

"ہاں بس"

"ویسے کس نے کہا تم سے کہ یہ لسٹ لمبی نہیں؟"

"ابھی آپ نے شاید عام لڑکیوں کی لسٹ سنی نہیں۔لڑکوں کو اندازہ ہی نہیں کہ لڑکیاں ان میں کون کون سی خوبیاں ڈھونڈھتی ہیں"

"اچھا ہے لڑکوں کو اندازہ نہیں ورنہ ہم بیچاروں کا دل ہی اٹھ جاتا شادی سے"

"ہاں آپ لوگوں کی تو جیسے کوئی ڈیمانڈ نہیں ہوتی لڑکیوں کو لے کر"

"مسز آپ کو شاید علم نہیں لیکن لڑکوں کی بس ایک ہی ڈیمانڈ ہوتی ہے۔لڑکی کی نبض چل رہی ہو"

دیان نے جس انداز میں افسوس کرتے کہا زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔اسکی ہنسی اتنی خوبصورت تھی کہ دیان نظریں زائشہ کے چہرے پر جم گئیں۔

"زائشہ"دیان نے ہولے سے پکارا

"جی"اس نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔دیان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا کر بولا

"نہیں کچھ نہیں"اور وہ منتظر ہی رہ گئی۔

****

برقی قمقموں نے پورے حال میں چاندنی سی بکھیر دی تھی۔ جگہ جگہ لگے شیشوں سے روشنی منعکس ہو کر اطراف میں پھیل رہی تھی۔ سجاوٹ تھی کہ سب کی آنکھوں جو خیرہ کر رہی تھی۔ سفید سنگ مرمر کی طرح کے ماربل کا بنا وہ محل نما ہال اپنی خوبصورتی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

سفید گلابوں سے سجے اسٹیج پر وہ دونوں پورے آب وتاب کے ساتھ براجمان تھے۔ فرش شیشے کی طرح چمک رہا تھا کہ کھڑے ہونے والے کو اپنا پورا عکس دکھائی دیتا۔ شاہانہ انداز اپنائے وہ دونوں اس وقت ہر آنے والے کو دنگ کر رہے تھے۔

زائشہ نے پیچ کلر کی فراک پہنی تھی اور دیان بلیک ٹیکسیڈو پہنے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی ان کا فوٹو شوٹ پورا ہوا تھا اور اب وہ کھانا کھا رہے تھے۔ دیان نے ایک پلیٹ تیار کر کے زائشہ کو دے دی کیونکہ وہ اتنے ہیوی ڈریس کی وجہ سے کافی غیر آرام دہ تھی۔ وہ وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ اسکی طرف بڑھا رہا تھا۔

"بس کردیں بھائی" دیان جو زبردستی زائشہ کو کھلانے میں مصروف تھا حیرت سے صوفیہ کی جانب مڑا جو ابھی وہاں آکر بیٹھی تھی۔

"میری بھابھی موٹی ہو جائے گی"

"یہ" دیان نے حیرت سے زائشہ کی جانب اشارہ کیا" تمہیں لگتا ہے یہ موٹی ہو سکتی ہے، یہ ڈیڑھ پسلی"

دیان نے مزاحیہ انداز میں کہا اور زائشہ کے تاثرات دیکھ کر صوفیہ قہقہہ لگا بیٹھی۔ زائشہ ابھی تک ہونقوں کی طرح دیان کو دیکھ رہی تھی

"کیا کہا آپ نے" زائشہ کی بنچھی ہوئی آواز دیان کے کانوں میں پڑی تو وہ اچھل کر اسکی جانب متوجہ ہوا۔ دیان کو اب اپنے لفظوں کا اندازہ ہوا تھا۔ پر اب کیا فائدہ اب تو تیر کمان سے نکل گیا تھا۔

"زائشہ میں مذاق کر رہا تھا ڈئیر"

"دیان آپ نے مجھے ڈیڑھ پسلی بولا اپنی ایک دن کی دلہن کو" زائشہ نے حیرت و صدمہ سے کہا۔ دیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"نہیں زائشہ میرا وہ مطلب نہیں تھا وہ بس روانی میں منہ سے نکل گیا" وہ شدید پریشان ہو گیا تھا۔ صوفیہ مسکراہٹ روکے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ زائشہ کی آنکھوں میں شرارت کا تاثر دیکھ چکی تھی اور اس وقت اسکا دل چاہ رہا تھا کہ زائشہ کو ایکٹنگ پر ایک عدد آسکر دے ہی دے۔

"دیان میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی آپ میرے لیے ایسے الفاظ استعمال کریں گے"

"زائشہ ڈئیر ایم سو سوری"

"آپ کے سوری کہنے پر آپ کے منہ سے نکلے الفاظ واپس تو نہیں آجائیں گے "مایوسی سے کہہ کر اپنا چہرہ موڑ گئی۔ دیان نے شدید بے بسی سے صوفیہ کی طرف دیکھا جو ایک دم سے اس کے دیکھنے پر سنجیدہ ہو گئی۔

"ٹو بیڈ بھائی"

"کیا کروں یار"

"اچھا رکیں ذرا "صوفیہ نے تسلی دینے والے انداز میں کہا اور اٹھ کر زائشہ کے کان میں کچھ کہا اور واپس آکر بیٹھ گئی۔

"ایک شرط پر مانوں گی" گردن اکڑا کر نخریلے انداز میں کہا گیا تھا۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے "وہ تو اسکے انداز پر نثار ہی ہو گیا تھا۔

"آپ کو وہاں ہال کے بیچ میں کھڑے ہو کر بلند آواز میں مجھ سے معافی مانگنی ہو گی "زائشہ نے سامنے کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ دیان نے بے یقینی کے تاثرات سے اسکی طرف دیکھا۔

"تم مذاق کر رہی ہو؟"

"بالکل بھی نہیں" وہ سنجیدگی سے بولی تو اسنے صوفیہ کی طرف دیکھا پر وہ کندھے اچکا گئی۔ کچھ دیر پر سوچ نظروں سے وہ سامنے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس لے کر اسٹیج سے اتر گیا۔

وہ دونوں شدید حیرت سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

"پکڑوا نہیں صوفیہ" زائشہ نے ہڑبڑا کر کہا تو صوفیہ بھی بوکھلا کر کھڑی ہوئی اور اسکی جانب بھاگی جو مقرر کردہ جگہ پر پہنچ چکا تھا اور خود کو چلانے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

"دیان بھائی" صوفیہ نے فوراً سے اسکا بازو پکڑا

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں آپ چلیں"

"پر مجھے بولنے تو دو"

"رہنے دیں میں کہہ رہی ہوں نا چلیں"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان نے سامنے دیکھا جہاں زائشہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس نے بہت مشکل سے اپنا قہقہ ضبط کیا ہے۔

"تم دونوں مذاق کر رہی تھی" صوفیہ کے ساتھ چلتے اس نے غمگیں آواز میں پوچھا۔

"بالکل آپ کو کیا لگتا ہے اتنی چھوٹی سی بات پر بھا بھی ناراض ہو سکتی تھیں"

وہ دونوں اسٹیج پر چڑھ کر واپس اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

زائشہ نے مسکراہٹ روک کر اسکی طرف دیکھا

"کیسا لگا مذاق"

"بہت برا.. پر اب تم انتظار کرو میرے بدلے کو۔ کیونکہ معاف تو میں تمہیں بالکل نہیں کروں گا"

زائشہ نے اسے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا پر صوفیہ کے کالج کی کچھ دوستیں اس سے ملنے آ گئیں۔

دیان انہیں آتا دیکھ کر اٹھ کر اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گیا۔

****

ولیمے کے بعد ان دونوں کو زائشہ کے گھر جانا تھا۔ ولیمے کا فنکشن ہوتے رات کا ایک بج گیا تھا۔ ارسل نے ان کے ساتھ جانا تھا اور زائشہ دیان کو ڈراپ کر کے واپس آ جانا تھا۔

زائشہ سب گھر والوں سے مل رہی تھی۔ دیان ایک طرف اکیلا کھڑا تھا۔ کچھ دیر پہلے ارسل اس کے پاس کھڑا تھا پر اب وہ پارکنگ سے کار نکالنے چلا گیا تھا۔

"آپ دلہے ہو؟" گلابی فراک میں ملبوس ایک چھوٹی سی بچی اس کے سامنے آئی۔ وہ بچی بہت کیوٹ تھی، بہت معصوم۔ گلابی پھولے گال بڑی بڑی آنکھیں۔

دیان مسکراتا ہوا اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"جی میں دلہا ہوں پر آپ کون ہو؟"

"میرا نام میرب ہے یہ آپ کے لیے" اس نے ایک لفافہ اس کی جانب بڑھایا پر دیان نے اس لفافے کی طرف دھیان نہ دیا۔ اس کے کانوں میں اس بچی کے منہ سے ادا ہوا میرب لفظ گونج رہا تھا۔

"آپ کا نام میرب ہے" اس نے تصدیق کرنی چاہی۔ پل میں دل اداس ہو گیا تھا۔

"انکل یہ لے لیں" اس نے جلدی میں کہا اور وہ لفافہ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر بھاگ گئی۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔بغیر اس لفافے کو کھولے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال دیا اور سب کی طرف آگیا۔ارسل گاڑی لے آیا تھا۔وہ آگے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

پیچھے زائشہ اور سیرت مراد تھیں جو آہستہ آواز میں ایک دوسرے سے گفتگو کر رہی تھیں۔

دیان بائیں ہاتھ کی مٹھی ہونٹوں پر رکھے کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا جہاں گپ اندھیرا تھا۔ارسل پر سکون سا ڈرائیو کر رہا تھا۔

دیان کے ذہن میں سوچوں اور خیالات کا ایک سیلاب بہہ رہا تھا۔ارد گرد موجود آوازیں سرگوشیوں میں تبدیل ہوتی گئیں اور سامنے نظر آتا سیاہ شیشہ ماضی کی ایک یاد میں تبدیل ہو گیا۔

"آپی اب آپ چلی جائیں گی؟" دیان ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ گرائے اداسی سے میرب کو دیکھ کر بولا جو بیڈ پر اپنے کپڑے پھیلائے بیٹھی تھی۔

"ہاں" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آپ مت جائیں ناہم عرش بھائی کو یہاں لیتے ہیں" وہ اٹھ کر اسکے پاس آیا اور اسکا ہاتھ تھام کر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ میرب کو اسکی بات پر ہنسی آگئی۔

"دیان ایسا نہیں ہوتا لڑکیاں ہی رخصت ہو کر جاتی ہیں"

"کیوں"

"کیونکہ ہمارا دین ہمیں یہی احکام دیتا ہے بیٹا"

"آپ نے تو کہا تھا کہ ہمارا دین محبت کا دین ہے پھر وہ آپ کو مجھ سے دور کیوں کر رہا ہے"

"غازی تم ابھی چھوٹے ہو ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے جب تمہاری شادی ہو گی تب تمہیں پتا چلے گا" میرب نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"مجھے نہیں کرنی شادی"

"کیوں" میرب نے ہنستے ہوئے اس سے پوچھا

"بس نہیں کرنی" وہ ضدی انداز میں کہہ کر چہرہ موڑ گیا۔ پھر کچھ دیر اداس چہرے کے ساتھ بولا

"پر میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گا"

"غازی زندہ رہنے کے لیے انسان ضروری نہیں ہوتے صرف اللہ ضروری ہوتا ہے۔ تمہارا جب بھی دل چاہے مجھ سے ملنے کا تم اللہ تعالیٰ سے کہنا وہ مجھے بتا دیں گے اور میں تم سے ملنے آجاؤں گی"

"اوواؤ مطلب ہارٹ ٹو ہارٹ کنکشن"

"تم نے یہ بات کہاں سے سیکھی" میرب نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسکی طرف دیکھا۔

"کل ماما ٹی وی پر ایک ڈرامہ دیکھ رہی تھیں اس میں ایک لڑکا لڑکی کو کہہ رہا تھا کہ تم جب مجھے بلاؤ گی میں آجاؤں گا کیونکہ میرا دل تم سے جڑا ہے اور آپ نے بھی تو ابھی یہی کہا کہ آپ کو پتہ چل جائے گا مطلب ہارٹ ٹو ہارٹ کنکشن"

میرب جو آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی ایک دم چلا اٹھی

"غازی" اور ایک زوردار تھپڑ اس کے بازو پر مارا۔اس سب کے بعد غازی کی میرب سے خوب کلاس لگی تھی۔

"کہاں کھوئے ہو دیان" دیان ماضی کی لہروں میں بہتا چلا جا رہا تھا جب ارسل کی آواز اسے حال میں واپس لائی۔

"نہیں کہیں بھی نہیں۔کہاں پہنچے؟"

"بس پانچ منٹ تک پہنچ جائیں گے"

دیان نے آنکھیں موند کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

"مجھے ملنا ہے آپی سے اللہ تعالیٰ پلیز مجھے ان سے ملا دیں"

دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔بند آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

انسان عمر کا جتنا مرضی حصہ طے کر لے وہ خدا اور ماں باپ سے کسی بچے کی طرح ہی مانگتا ہے۔چار پانچ سال کے بچے کی طرح ضد کر کے،رو کر اسے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یقین ہو جاتا ہے کہ ماں باپ کے علاوہ کوئی اسکا احساس نہیں کرے گا اور خدا کے علاوہ کوئی اسکی جھولی نہیں بھرے گا۔

"ہم پہنچ گئے" ارسل نے زائشہ کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر کہا۔ دیان نیچے اتر گیا اور زائشہ کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے آگے اپنا مضبوط ہاتھ کیا

"دیان بیٹا میں مدد کر دیتی ہوں" سیرت مراد نے فوراً سے آگے بڑھ کر کہا۔

"اٹس او کے آنٹی میں کر دیتا ہوں" ایک مسکراہٹ ان کی جانب اچھال کر اس نے زائشہ کی جانب دیکھا جس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

دیان کا سہارا لیے وہ گھر کے اندر داخل ہوئی۔ فلحال گھر میں بنے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آجاؤ زائشہ "زینب اندر انتظامات وغیرہ دیکھ رہی تھی زائشہ اور دیان کو دروازے سے اندر آتا دیکھ کر اسکے پاس آئی اور اسکا ڈریس اٹھا کر اسکی مدد کرنے لگی۔دیان نے ابھی تک زائشہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

"زینب پانی پلا دو یار "

"ہاں لارہی ہوں پچاس کلو کا تو تمہارا ڈریس ہے پیاس تو لگنی ہی تھی "زینب نے ہنستے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا اور زائشہ کے آنکھیں دکھانے پر وہاں سے بھاگ گئی۔

ولیمے پر جو لوگ ساتھ گئے تھے وہ سب اس چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ دلہا دلہن کو اب سہی سے دیکھ سکیں پر اتنی جگہ کہاں تھی۔اسی لیے کچھ باہر بیٹھ گئے اور جو اندر بیٹھے تھے وہ دیان کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے قدیم زمانے کی کوئی انتہائی قیمتی چیز ان کے

سامنے رکھی ہو اور وہ سب عظیم سائنسدان ہیں جنہیں اس پر ریسرچ کے لیے بلایا گیا ہو۔ دیان ان سب کو خود کو گھورتا دیکھ کر خجل سا ہو گیا۔

"زائشہ یہ سب مجھے یوں کیوں دیکھ رہے ہیں" اس نے زائشہ کی جانب جھک کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب کیسے دیکھ رہے ہیں" وہ ناسمجھی سے بولی

"یار یہی گھور گھور کر" اس کی بات سن کر زائشہ ہلکا سا ہنس دی۔

"کیونکہ انہوں نے آج سے پہلے اتنا امیر اور ہینڈسم لڑکا نہیں دیکھا نا" زائشہ کے انداز میں شرارت تھی۔

"یار یہ مردوں کا تو ٹھیک ہے پر یہ لڑکیاں کیوں گھور رہی ہیں" اس کا اشارہ ایک طرف بیٹھی لڑکیوں کے ایک گروپ کی طرف تھا جو اسے گھورتی اور پھر آپس میں ہنستے ہوئے ایک دوسرے کے کان میں کھسر پھسر کرتیں۔

"آپ نروس ہو رہے ہیں"

"اس طرح تو کوئی بھی اچھا خاصا انسان نروس ہو جائے یار۔ مجھے اپنا آپ کسی کمپنی کے مہنگے پروڈکٹ جیسا لگ رہا ہے جس کی ایڈورٹائزمنٹ کی جا رہی ہے"

"آپ کسی کمپنی کے مہنگے پروڈکٹ نہیں بلکہ آؤٹ آف رینج والے پروڈکٹ ہیں اسی لیے یہ آپ کو اس طرح دیکھ رہے ہیں"

"یار مجھے نہیں پتا کچھ کرو یا تو ان کو نکلواؤ یہاں سے یا میں جا رہا ہوں"

"تو آپ ساتھ والے روم میں چلے جائیں خالی ہو گا اس وقت"

"اور تم"

"میں آجاؤں گی کچھ دیر میں"

"اچھا ٹھیک ہے"

دیان ان سب سے معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور یہ پانچ منٹ کی معذرت ہی اس کے گلے پڑ گئی۔ وہ سب تو جیسے انتظار میں تھے کہ کب دیان ان سے مخاطب ہو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہر کوئی یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس سے یوں ہاتھ ملانے لگے جیسے وہ کوئی سیلیبرٹی ہو۔ کوئی اس سے اسکا کاروبار کا پوچھ رہا تھا تو کوئی اپنے مجبوریوں کے رونے لگ کر بیٹھ گیا کہ اسکا بیٹا بے روزگار ہے اسے نوکری دلوادے، سفارش کروادے۔ دیان بیچارے کا تو انکی باتیں سن کر دماغ ہی گھوم گیا۔

اسے لگ رہا تھا وہ اپنے سسرال نہیں آیا بلکہ بلکہ کسی سرکاری دفتر آگیا ہے اور وہ ایک بہت بڑا افسر ہے جس کی ایک سفارش کے لیے لوگ ترستے پھر رہے ہیں۔

دیان کی حالت دیکھ کر زائشہ کو ترس اور ہنسی ایک ساتھ آئی کیونکہ سب مرد اب اسے گھیر کر باہر صحن میں لے گئے تھے۔ ان کے ہمراہ جاتے ہوئے اس نے جس طرح گھبرائی ہوئی نظروں سے زائشہ کی طرف دیکھا تھا اس کا دل کیا زوردار قہقہہ لگائے۔

پر پھر اسکی حالت کا خیال کرتے اس نے زینب کو اپنے
پاس بلا کر دیان کو کمرے تک چھوڑ کر آنے کو کہا۔
زینب باہر گئی اور سب کے درمیان سے دیان کو بلایا اور اسے کمرے میں
چھوڑ آئی۔ دیان کو جاتا دیکھ کر وہ سب لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور ایک
ایک کر کے گھروں کو نکل گئے۔ اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
"آپ یہاں بیٹھ جائیں دیان بھائی" زائشہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر
زینب نے دیان سے کہا۔
"شکریہ"
"کوئی بات نہیں بھائی کچھ چاہیے"
"نہیں ٹھیک ہے"
زینب سر ہلا کر باہر نکل گئی تو دیان گرنے کے انداز میں پلنگ پر ٹانگیں لٹکا
کر لیٹ گیا۔ اس نے اس طرح گہری سانس فضا میں خارج کی جیسے جیل
سے نکلنے کے بعد کوئی قیدی کھلی فضا میں آ کر کرتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد اس نے اٹھ کر اپنا کوٹ اتارا۔ کمرے میں ہیٹر لگا تھا اسی لیے ٹمپریچر نارمل تھا۔

کوٹ اتار کر اسکی نظر اس لفافے پر پڑی جو اسے اس بچے نے دیا تھا اور اسنے بغیر کھولے اپنی جیب میں ڈال دیا تھا۔

خاکی رنگ کا پتلا سا لفافہ تھا جو بالکل صاف تھا۔ اوپر کچھ بھی نہیں لکھا تھا کہ کس طرف سے ملا ہے یا کہاں سے آیا ہے۔

دیان نے اوپر سے لفافہ پھاڑا تو اندر ایک سفید کاغذ تھا۔ کاغذ بھی سارا خالی تھا بس اس کے درمیان میں کالے موٹے حروف میں ایک جملہ لکھا تھا

"آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد دوپہر تین بجے مجھے اس جگہ پر ملنا"

اس نے ناسمجھی سے اس لفافے پر نظر ڈالی اور اس سطر کو پھر پڑھا۔ کون تھا یہ اور کہاں ملنا تھا۔ اس نے لفافے کو پلٹا یا تو نیچے کنارے پر ایک اڈریس لکھا تھا۔

اڈریس دیکھ کر اسکے ماتھے پر شکنیں اور آنکھوں میں حیرت در آئی۔اس نے الجھے ہوئے انداز سے بار بار اس اڈریس کو پڑھا۔

وہ اڈریس قبرستان کا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ کیا مذاق ہے" دیان نے کاغذ کو غصے س مسل کر اسی خاکی لفافے میں ڈالا اور اٹھ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔

"شرارت ہو گی کسی کی" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور دروازے پر ہوتی دستک کی طرف متوجہ ہوا۔دروازہ کھولا تو زائشہ زینب کے ساتھ کھڑی تھی۔

دیان ایک سائیڈ پر ہو گیا تو وہ دونوں اندر آ گئیں۔

"میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں آپ چینج کرلیں"

زینب نے ان کا بیگ اٹھا کر بیڈ پر رکھا تو زائشہ نے دیان کے لیے ایک سادہ سی ٹراؤزر شرٹ نکال کر اسکی طرف بڑھائی

"آپ واشروم میں جا کر چینج کرلیں"

"واشروم؟" دیان نے سوالیہ نظروں سے پوچھا اور پھر زینب کے اشارہ کرنے پر اسکے پیچھے کمرے سے نکل گیا۔

زائشہ پیچھے دروازہ بند کر کے خود چینج کرنے لگی۔

"یہ رہا واشروم تھوڑا چھوٹا ہے پر..." زینب کا اشارہ اسکے لمبے قد اور واشروم کی چھوٹی چھت کی جانب تھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں زینب" دیان نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور واشروم میں گھس گیا۔

واشروم کی چھت کافی چھوٹی تھی اور دیان کو جھک کر کھڑا ہونا پڑ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کپڑے چینج کر کے وہ باہر آیا اور پاس بنے سنک سے ہاتھ منہ دھونے لگے۔ ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرتے ہی ٹھنڈ کی ایک لہر اس کے پورے وجود سے گزری۔

جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو کر اس نے تولیہ کی تلاش میں ارد گرد نظریں گھمائیں۔ صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ ایسے ہی گیلے چہرے کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

زائشہ بیڈ پر بیٹھی اپنے بال سلجھا رہی تھی۔ ڈریس ایک طرف کرسی پر رکھا تھا۔ وہ اس وقت سادہ سے سوٹ میں ملبوس تھی۔

"بہت ٹھنڈ ہے یار" دیان دروازہ بند کر کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"ٹھنڈ تو واقعی بہت ہے"

"کیا کر رہی ہو؟" دیان کی جانب زائشہ کی پشت تھی۔ اس کے سارے بال ایک طرف کندھے پر گرے تھے اور وہ زور زور سے انہیں کنگھی کر رہی تھی۔

"یہ سلجھ ہی نہیں رہے"زائشہ نے غصے سے کنگھی بیڈ پر پھینکی،دیان قہقہہ لگا اٹھا

"لاؤ میں کروں"

"آپ"زائشہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا

"ہاں تو اس میں کون سی مشکل ہے کنگھی ہی تو کرنی ہے"وہ اٹھا اور بیڈ پر گری کنگھی اٹھا کر اسکے پاس آیا۔اس کے سارے بال کمر پر گرا کر آرام آرام سے ان میں کنگھی کرنے لگا۔

"دیان رہنے دیں"

"چپ کر کے بیٹھو تم مجھے اپنا کام کرنے دو"

"پر یہ آپ کے کرنے والا کام نہیں"

"زائشہ چپ"اس نے ذرا غصے سے کہا تو وہ منہ بسور کر بیٹھ گئی۔

"یہ کہاں سے ہیئر اسٹائل بنوایا تھا تم نے"

"آپ کی بہن ہی لے کر گئی تھی۔ جلدی کریں اب مجھے چہرہ بھی دھونا ہے"

"صبر کرو اب ذرا، پورا جنگل بنا ہوا ہے"

"تو اپنی مرضی سے ہی کر رہے ہیں" زائشہ بڑبڑاتے ہوئے بولی پر دیان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر خاموش ہو گئی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد دیان اسکے بالوں کو سلجھانے میں کامیاب ہوا۔

"لو ہو گیا" اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"بہت شکریہ اتنی دیر میں تو میں بھی کر لیتی"

"تم بیویاں کسی حال میں خوش نہیں ہوتی"

افسوس کرنے والے انداز میں کہہ کر وہ بیڈ پر دوسری جانب آ کر بیٹھ گیا۔

زائشہ چہرہ دھونے کی نیت سے باہر نکل گئی۔

دیان کمبل کھینچ کر سونے کی نیت سے لیٹ گیا۔

"دیان" زائشہ چہرہ دھو کر کمرے میں واپس آئی تو دیان کو پکارا

"سو گئے کیا؟"

"نہیں" اس کی نیند میں ڈوبی آواز آئی۔

"ناراض ہو گئے ہیں"

اس کے لہجے میں فکر تھی۔ دیان نے چہرے سے کمبل ہٹا کر اسکی طرف دیکھا۔

"زائشہ تم اس بات کی تسلی رکھو کہ میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہو سکتا"

زائشہ اس بات سن کر غمگیں سا مسکرا دی اور لائٹس آف کر کے بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔

****

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صبح کا سورج رات کی خنکی کو مات دیتا اپنی تیز شعائیں چاروں اور پھیلا چکا تھا۔

دیان صحن میں ہی حسیب اور جنید کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھا تھا۔ دھوپ کی حرارت جسم کو بہت سکون دے رہی تھی۔

زائشہ سیرت مراد کے ساتھ کچن میں تھی۔ دس بج رہے تھے اور وہ ان کے ساتھ مل کر ناشتہ کا انتظام کر رہی تھی۔

دیان دونوں بھائیوں کو اپنے سامنے بٹھائے ان کے ساتھ گپ شپ کر رہا تھا۔ زائشہ نے ناشتہ ڈرائنگ روم میں رکھے ٹیبل پر لگا دیا اور اسے بلانے آگئی

"ناشتہ لگ گیا ہے آجائیں"

وہ سب ڈرائنگ روم میں آگئے اور ہلکی پھلکی گپ شپ کے ساتھ ناشتہ کرنے لگے۔

"اماں شام تک انکل آنٹی ہمیں لینے آئیں گے"

"پر آپی اتنی جلدی" جنید کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

"بیٹا اب مجھے اپنے گھر ہی جانا ہے"

"تو آپ کل چلے جایئے گا نا"

"اماں دیان کے اتنے جاننے والوں نے ہمیں دعوتوں پر مدعو کیا ہے۔اب آج جا کر ذرا آرام کریں گے پھر دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو جانا" زائشہ نے سیرت مراد کو کہا

"جنید بیٹا آپی آتی جاتی رہے گا نا" سیرت مراد نے اسے سمجھانا چاہا جس کا چہرہ زائشہ کے جانے کا سن کر روہانسا ہو گیا تھا۔

"حسیب جنید آپ کا جب بھی دل کرے اپنی آپی سے ملنے کا آپ بس مجھے ایک کال کر دینا میں ڈرائیور بھجوا دوں گا اور وہ آپ کو لے جائے گا"

دیان کی بات سن کر جنید کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ زور و شور سے اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"آنٹی میں نے آپ سے ایک ریکوسٹ کی تھی" دیان کی بات سن کر زائشہ نے سوالیہ نظروں سے دونوں کی جانب دیکھا۔

"کیسی ریکوسٹ؟"

"میں نے آنٹی سے کہا تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ چل کر ہمارے گھر رہیں۔ یہاں اکیلے رہنے میں انہیں بہت مشکل ہو گی وہاں ہم بہتر طریقے سے ان کا خیال رکھ سکے گیں"

"دیان بیٹا میں کیسے بیٹی کے سسرال میں رہ سکتی ہوں"

"وہ صرف آپ کی بیٹی کا سسرال نہیں آپ کے بیٹے کا گھر بھی ہے"

"وہ تو ٹھیک ہے دیان بیٹا پر لوگ کیا کہیں گے"

"آنٹی آپ لوگوں کی فکر کیوں کرتی ہیں انہیں میں دیکھ لوں گا آپ بس اپنی تیاری کریں"

زائشہ اس سب کے درمیان بالکل خاموش تھی۔ وہ اپنی ماں کو اچھے سے جانتی تھی وہ کبھی اسکے گھر آکر رہنے کے لیے راضی نہیں ہوں گیں پر اندر

سے اسکے دل میں بھی یہ خواہش تھی کہ وہ ان کے گھر آ جائیں۔ وہ اپنے بھائیوں کو اب ایک اچھی زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی اسی لیے اس نے دیان کی بات کا انکار نہ کیا۔ لیکن جب دیان کے اتنے اصرار کے بعد بھی سیرت مراد نا مانیں تو وہ بولی

"اماں آپ پرانے گھر میں شفٹ کیوں نہیں ہو جاتی"

"ہاں یہ آئیڈیا بھی اچھا ہے اور وہ گھر ہمارے گھر کے قریب بھی ہے"

"پر وہ تو رینٹ پر ہے" سیرت مراد نے ایک اور جواز پیش کیا۔

"تو ہم گھر خالی کروا لیں گے اور اب میں مزید کوئی بات نہیں سنوں گا۔ میں ذرا فارغ ہو جاؤں تو آپ کی شفٹنگ کا کام شروع کر دیں گیں"

دیان کا دو ٹوک اور سنجیدہ انداز دیکھ کر سیرت مراد خاموش ہو گئیں۔ زائشہ نے بھی دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ وہ مان گئیں تھیں۔

"آپی اب ہم اس بڑے والے گھر میں جا کر رہیں گیں" جنید کی پرجوشی عروج پر تھی۔ زائشہ نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"جنید تمہیں پتا ہے وہ گھر بابا نے بنایا تھا تمہیں تو اتنے اچھے سے یاد بھی نہیں ہو گا کیونکہ جب ہم وہاں سے آئے تھے تو تم بہت چھوٹے تھے"

"ہم وہاں سے آئے کیوں تھے؟" جنید کے سوال پر حسیب نے خاموش نظروں سے زائشہ کی طرف دیکھا۔

"دیان ان دونوں کا سکول تو وہاں سے کافی دور ہو جائے گا" زائشہ نے فوراً سے موضوع بدل دیا۔

"تو ہم سکول چینج کرلیں گے اور ویسے بھی میں نے سوچا تھا کہ ان دونوں کا کسی اچھے سے سکول میں ایڈمیشن کرواؤں گا۔ حسیب تو کالج جاتا ہے نا؟"

"جی دیان بھائی"

"تو بس میں ارسل سے کہہ دوں گا وہ شازیہ آنٹی سے کہہ کر تم دونوں کا کسی اچھے سے سکول میں ایڈمیشن کروادے گا اور اگر اکیڈمی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آنٹی کی ہی اکیڈمی جوائن کرلینا۔ کیوں زائشہ؟"

آخر میں اس نے زائشہ سے رائے مانگی تو اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"بس اب تم دونوں نے خوب دل لگا کر محنت کرنی ہے"

دیان ان دونوں کو اپنے ساتھ بٹھائے بالکل بھائیوں کی طرح سمجھا رہا تھا اور وہ دونوں بھی کسی فرمانبردار بچے کی طرح سر ہلا ہلا کر اسے سن رہے تھے۔

سیرت مراد کو دیان کی شکل میں داماد نہیں بیٹا ملا تھا جو آتے ہی ان کا سہارا بن گیا تھا۔

شوہر کے بغیر اپنی اولاد کو پالنے کے لیے انہوں نے بہت تکالیف برداشت کی تھیں۔ہمیشہ انہیں اپنا آپ اس دنیا میں تنہا لگتا تھا،وہ ہر وقت یہ سوچتی رہتی تھیں کہ اگر کل کو ان پر کوئی مصیبت آئی تو کون ان کے ساتھ کھڑا ہو گا؟ کون ان کا سہارا بنے گا؟

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب ایک دم دیان کے آنے سے انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا یہ بیٹا انہیں تپتی دھوپ سی ٹھنڈی چھاؤں میں لے آیا ہے۔ان کے دل سے دیان کے لیے بس دعائیں نکل رہی تھیں۔

دوسری جانب زائشہ عقیدت بھری نظروں سے دیان کو دیکھ رہی تھی جس کے اسکی زندگی میں آتے ہی ہر طرف سکون بکھر گیا تھا۔

دھنک کے رنگ جب زندگی کی خالی لکیروں میں بھر کر اسے ایک خوبصورت تصویر بنا دیں تو خود بخود اس زندگی سے محبت ہونے لگتی ہے۔

ہماری زندگی بھی تو ایک تصویر ہے۔ایک مصور کی مصوری، پھر ہم اس میں رنگ بھرنے کے لیے کسی مصور کا انتظار کیوں کرتے ہیں؟ کوئی ایسا جو آئے اور ہماری اس تصویر کو رنگین کر دے۔خود مصور کیوں نہیں بنتے۔

اپنی زندگی کی مصوری کے مصور بن جاؤ اور کسی اور کو اتنی اجازت مت دو کہ وہ آئے اور اپنی مرضی سے تمہاری تصویر کو مکمل کرے۔چاہے وہ رنگ خوشی کے ہوں یا غم کے۔

****

دو دن بعد......

"کہاں چلا گیا" زائشہ ڈریسنگ ٹیبل کے دراز کھول کر چیزیں الٹ پلٹ کرنے میں مصروف تھی۔ صوفیہ نے اسے ایک بینڈ بنا کر دیا تھا اور وہ بینڈ ایسے بنا تھا کہ اس پر زائشہ اور صوفیہ کے نام کے پہلے حرف تھے۔ صوفیہ کی عادت تھی کہ جو انسان اس کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا وہ اسے ایک بینڈ گفٹ کرتی تھی۔ ابھی تک یہ بینڈ صرف دو لوگوں کے پاس تھی ایک دیان اور دوسری مسکان جن میں اب زائشہ کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔

وہ ڈریسنگ روم سے کمرے میں آکر رائٹنگ ٹیبل کی دراز دیکھنے لگی۔

"کیا گم ہو گیا" دیان بیڈ پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر آفس کا کچھ کام کر رہا تھا۔شام میں انہیں ارسل کے گھر دعوت پر جانا تھا۔

"صوفیہ نے جو بینڈ دیا تھا وہ نہیں مل رہا"

"وہ تو صبح واشروم کے پاس گرا تھا تو میں نے اٹھالیا اسی ٹیبل کی دوسری دراز میں رکھا ہے"

"صوفیہ سے میں نے کہا بھی تھا یہ لوز ہے پر....."اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب اسکی نظر دراز میں رکھی چیزوں پر پڑی۔

"کیا ہوا چپ کیوں ہو گئی" دیان لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے مصروف سے انداز میں بولا۔زائشہ کی اسکی جانب پشت تھی۔

"زائشہ" اب کی بار دیان نے اسکی جانب دیکھا اور اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔وہ تیزی سے بیڈ سے اترا اور اسکی جانب آیا۔

وہ ہاتھ میں ایک خط اور ایک کارڈ تھامے کھڑی تھی۔دراز میں ایک ڈائری بھی رکھی تھی پر اسکی طرف زائشہ نے دھیان نہیں دیا۔

خط کھلا پڑا تھا اور اس کی چند سطروں پر جب اسکی نظر پڑی تو وہ خود کو آگے پڑھنے سے روک نہ پائی۔ ابھی اس نے چند لائنیں ہی پڑھی تھیں جب دیان نے وہ خط اور کارڈ اسکے ہاتھ سے چھین لیا اور دراز میں پھینک کر دھڑام سے دراز بند کیا۔ اس کا بدلہ رویہ دیکھ کر زائشہ ایک پل کے لیے حیران ہوئی لیکن اگلے لمحے سنبھل کر بولی

"مجھے پڑھنا ہے یہ" اس خط میں جو لکھا تھا وہ سوچ کر ہی زائشہ کو اپنے رونگھٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اسکی آواز رندھ گئی۔

"زائشہ بیڈ پر بیٹھو جا کر" دیان کی آواز سرد تھی۔

"میں نے کہا مجھے پڑھنا ہے" وہ ذرا بلند آواز میں لفظوں پر زور دے کر بولی۔ دیان چند لمحے اسے دیکھا اور پھر وہ خط نکال کر ٹیبل پر پھینک کر خود کمرے سے نکل گیا۔

زائشہ نے وہ خط اٹھایا اور پڑھنے لگی۔ آنکھوں میں آنے والے آنسوا سے پڑھنے میں دکت دے رہے تھے تو اسنے زور سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ خط

کو پڑھنے کے بعد اس نے وہ کارڈ اٹھایا جو اسنے کبھی دیان کو اپنے ہاتھوں سے بنا کر دیا تھا۔اس کارڈ پر محبت سے انگلیاں پھیر کر اسکی نظر ڈائری پر پڑی۔ تجسس کے مارے اس نے وہ ڈائری بھی اٹھالی اور بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

وہ ڈائری نہیں تھی بلکہ دیان حیدر کی زندگی کی کہانی تھی۔اس کا ایک ایک پنہ اسکی زندگی کے ایک ایک سال کے برابر تھا۔ہر لفظ اسکے اندر موجود وحشتوں کو بیان کر رہا تھا۔کاغذ پر نظر آتے آنسوؤں کے نشان اسکی تکلیف کے گواہ تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ اس ڈائری کو پڑھ نہیں رہی تھی بلکہ دیان کی وحشتوں،اس کے دکھ کو اپنے اندر انڈیل رہی تھی۔ان صفحوں پر اب صرف دیان کے ہی نہیں بلکہ زائشہ کے آنسوؤں کے بھی نشان موجود تھے۔

ڈائری کا آخری پیج ایک ہفتے پہلے لکھا گیا تھا۔اس نے ڈائری کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دیان کی طرف کی

سائیڈ ٹیبل کے پاس آئی۔

دراز کھولا تو اندر دوائیوں کا انبار لگا تھا۔ پین کلرز، اینٹی ڈپریشن، نیند کی گولیاں نا جانے کتنی اقسام کی دوائیاں وہاں موجود تھیں۔

یہ سب دیکھ کر اسکے آنسوؤں میں روانی آ گئی اور وہ وہی بیڈ سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ سر گھٹنوں پر رکھ دیا اور بے آواز رونے لگی۔

آج دیان کا غم اسے اندر سے مار رہا تھا۔ وہ جانے انجانے میں ایک بار پھر اسکے زخموں کو چھیڑ چکی تھی۔

"میں تو آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں دیان۔ آپ نے تو آگ کا دریا پار کیا ہے اور میں ساری زندگی اس بات کا رونا روتی رہی کہ سارے ظلم مجھ پر ہوئے ہیں۔ اماں کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تکلیف آپ نے بھی سہی ہے پر اتنی سہی اس بات کا اندازہ آج ہوا ہے۔

انسان کو ہمیشہ اپنا غم ہی کیوں سب سے بڑا لگتا ہے؟ میں سمجھتی رہی کہ میں نے بہت صبر کیا ہے پر اصل صبر کی مثال تو آپ ہیں دیان"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسے ایک دم سے دیان کا خیال آیا۔ چہرہ اٹھا کر گھڑی کی جانب دیکھا۔ تین بج رہے تھے۔

"دیان کہاں گئے" وہ فوراً اٹھی اور واشروم کی طرف بھاگی۔ چہرہ اور آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھویا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ اوپر ریلنگ سے جھک کر نیچے کی جانب جھانکا۔ لاونج خالی تھا اس وقت بتول حیدر اور فاروق حیدر آرام کرتے تھے۔ صوفیہ اپنے گھر کچھ سامان لینے گئی تھی کیونکہ آج رات اسے بھی دیان اور زائشہ کے ساتھ ارسل کے گھر دعوت پر جانا تھا۔

اسے ایک دم سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ کمرے میں آ کر فون اٹھایا اور دیان کو کال کرنے لگی۔

وہ مسلسل کالز پر کالز ملا رہی تھی پر دوسری جانب سے کوئی جواب نہ ملا۔

"دیان پلیز کال اٹھائیں"

وہ کمرے میں ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔۔بالآخر پانچ منٹ بعد دیان نے کال ریسیو کر لی۔زائشہ کال پک ہوتے ہی بولنا شروع ہو گئ

"دیان آپ کہاں ہیں مجھے بہت فکر ہو رہی ہے پلیز گھر آجائیں"اس کی آواز نم تھی۔

"میں آرہا ہوں"دیان نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔زائشہ گہری سانس لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔دیان کی آواز میں اسے کچھ غیر معمولی محسوس ہوا تھا۔اسکی آواز کافی بھاری ہو رہی تھی جیسے زکام کے مریض کی ہوتی ہے۔

زائشہ نے سب چیزیں اٹھا کر اسی دراز میں واپس رکھ دیں۔

پورے پچیس منٹ بعد کمرے کا دروازہ کلک کی آواز سے کھلا اور دیان کمرے داخل ہوا۔زائشہ بیڈ پر بیٹھی تھی فوراًاٹھ کھڑی ہوئی۔دیان اس سے نظریں چراتا ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ویرانی اور سرد پن تھا۔

زائشہ واپس بیٹھ گئی۔پانچ منٹ بعد وہ روم میں آیا تو اسکے تاثرات پہلے کی نسبت کچھ بہتر تھے۔وہ لیپ ٹاپ کھول کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

زائشہ اسکے سامنے آکر بیٹھ گئی اور لیپ ٹاپ کی سکرین نیچے گرا دی۔

"ناراض ہیں؟"

"میں نے تم سے کہا تھا میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا" دیان نے سنجیدگی سے کہتے لیپ ٹاپ کی سکرین اوپر کی لیکن اس بار زائشہ نے لیپ ٹاپ اٹھا کر ہی سائیڈ پر رکھ دیا۔

"مجھے تو لگ رہا ہے آپ ناراض ہیں" دیان نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالی۔

"ناراض نہیں ہوں۔بس دل خاموش ہو گیا ہے ایک سناٹا سا پھیل گیا ہے اندر تک۔نہ غصہ کرنے کا دل ہے نہ شکایت،نہ شکوہ اور نہ ہی ضد کا" آج پہلی دفعہ ہوا تھا کہ دیان ڈائری میں لکھنے کی بجائے اپنے جذبات کسی انسان سے بیان کر رہا تھا۔

اس نے آنکھیں موند کر سر بیڈ کی ٹیک سے لگا دیا۔

"آپ کہاں گئے تھے دیان"

"آپی کی قبر پر" اس کے آواز میں کانچ کی سی چبھن تھی۔

"وہ واحد ایسی جگہ ہے جہاں رونے کے بعد میں خود سے شرمندہ نہیں ہوتا کہ میں مرد ہونے کے باوجود رو رہا ہوں"

"میں آپ کو سننا چاہتی ہوں دیان" زائشہ نے دیان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ مسکرا دیا، تکلیف سے بھری مسکراہٹ۔

"میری ساری ڈائری تو پڑھ چکی ہو اب کیا سننا چاہتی ہو" زائشہ حیران ہوئی کہ اسے ڈائری کے بارے میں کیسے پتا چلا

"آپ کو کیسے پتا کہ میں نے ڈائری پڑھ لی"

"تم نے خط پڑھ لیا تو ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے جانے کے بعد ڈائری نہ پڑھی ہو" اس کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

"ٹھیک ہے میں نے پڑھ لی ہے پر میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔دیان اپنا دکھ مجھ سے شئیر کر لیں آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا"

"زائشہ میرے دکھ کا بوجھ ایسا نہیں جو شئیر کرنے سے ہلکا ہو جائے گا.کچھ تکلیفیں دوسروں کو بتانے کے بعد بھی ویسے ہی رہتی ہیں پھر بتانے کا فائدہ"

زائشہ نے فکر مندی سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیان آپ ایسے کیوں ہیں"

"میں خود نہیں جانتا میں ایسا کیوں ہوں" وہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر ان دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ اس قدر بڑھ گیا کہ زائشہ گھبرا کر خود ہی بول اٹھی۔

"آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے"

"خاموش رہنے کا جی چاہ رہا ہے"

"کیوں"

"کیونکہ میری تکلیفوں نے مجھ سے میری آواز چھین لی ہے۔انسان کبھی کبھی اتنا مجبور ہو جاتا ہے نازائشہ کے چاہ کر بھی کچھ کر نہیں پاتا"

"آپ کیا کرنا چاہتے ہیں"

"میرب کے قاتل کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا دیکھنا چاہتا ہوں پر میرے نصیب میں تو شاید یہ بھی نہیں وہ انسان اپنا نام و نشان تک مٹا چکا ہے"

"آپ خود کو بدنصیب کیوں کہتے ہیں"

"میں بدنصیب نہیں ہوں کیا؟"اب کی بار اسنے آنکھیں کھول کر اسکی طرف دیکھا جو سرخ ہو رہی تھیں۔

"آپ بدنصیب نہیں ہیں دیان آپ خوش قسمت ہیں۔آپ خدا کے ان بندوں کی فہرست میں ہیں جن کے بارے میں خدا ہر یقین ہے کہ ان پر

جتنی مرضی آزمائشیں آجائیں میرے یہ بندہ مجھ سے کبھی شکوہ نہیں کرے گا بلکہ صبر کرے گا"

زائشہ کے لفظوں نے دیان کے جسم کو ساکت کر دیا۔ایک سرد لہر اسے اپنے جسم سے گزرتی محسوس ہوئی۔

"آپ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ خدا کی ذات سے مایوس ہو چکے ہیں پر آپ کے دل کو ابھی بھی اس بات پر یقین ہے کہ اللہ ایک نا ایک دن اس شخص کو آپ کے سامنے ضرور لائے گا"

وہ بول رہی تھی اور دیان کو اپنے وجود سے بوجھ سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔ کبھی کبھار باتیں شیئر کرنے سے ہی نہیں بلکہ صرف دوسروں کی سننے سے بھی دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

"آپ خوش قسمت ہیں دیان اور مجھے فخر ہے کہ میں آپ جیسے انسان کی بیوی ہوں" زائشہ نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور دیان کے ساتھ اسکے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

دیان ابھی بھی بالکل سن بیٹھا تھا۔پر زائشہ جان گئ تھی کہ اسکے دل پر چھائے غم کو بادلوں کو کیسے ہٹانا ہے۔

****

یہ منظر ارسل کے گھر کے ڈائنگ ہال کا تھا۔ڈائنگ ٹیبل کی سر براہی کرسی پر ارسل کے والد بیٹھے تھے۔ان کی دائیں جانب شازیہ شاہ جن کے ساتھ صوفیہ اور پھر مسکان بیٹھی تھی۔دوسری جانب پہلی کرسی پر زائشہ اس کے بغل میں دیان اور آخر میں ارسل بیٹھا تھا۔انواۓ اقسام کے کھانوں سے ٹیبل سجا تھا۔سب بھرپور انداز میں کھانے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

زائشہ اس وقت ہلکے سرخ رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔نیٹ کی قمیض جس پر سرخ پر لز کا کام تھا۔ساتھ سرخ ہی ٹراؤزر اور سرخ دوبٹہ جو اسکے سر پر ٹکا تھا۔دوبٹہ نیٹ کا تھا جو بار بار اسکے سر سے پھسل رہا تھا اور وہ بار بار ہاتھ بڑھا کر واپس اسے سر پر ٹکاتی۔بالوں کی سامنے کی طرف سے بریڈ بنائی تھی اور بقایا بال پشت پر کھلے چھوڑے تھے۔

دیان نے سیاہ ڈریس پینٹ پر وائٹ شرٹ پہنی تھی۔اوپر سیاہ کوٹ بھی تھا جو اس وقت اسکی کرسی کی پشت پر رکھا تھا۔بالوں کو جیل لگا کر سیٹ کیا تھا۔وہ دونوں آج بھرپور انداز میں ایک دوسرے کو ٹکر دے رہے تھے۔

"ہنی مون کا کیا پلین ہے تم دونوں کا" شازیہ شاہ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

زائشہ تو حیرت سے آنکھیں پھیلا کر چہرہ جھکا گئی۔پر دیان نے مسکراہٹ روکتے ہوئے شازیہ شاہ کی جانب دیکھا

"فلحال تو کچھ نہیں سوچا، ابھی سیرت آنٹی لوگوں نے شفٹ ہونا ہے اپنے پرانے گھر تو وہ سارا کام دیکھنا ہے اور حسیب جنید کا ایڈمیشن بھی کروانا ہے، ارسل نے بتایا ہو گا آپ کو۔اس کام سے فارغ ہو کر ہی دیکھوں گا"

"چلو جیسے تم لوگوں کی مرضی اور ان بچوں کے ایڈمیشن کی طرف سے بے فکر ہو جاو بس مجھے ضروری ڈاکومنٹس بھجوادینا میں دیکھ لوں گی سب"

"بہت شکریہ آنٹی"

"ارے اس میں شکریہ والی کیا بات گھر کے بچے ہیں دونوں......اور تم بتاؤ زائشہ بیٹا ایڈجسٹ ہو گئی نئے لوگوں میں اور ہمارا دیان کیسا لگا تمہیں "شازیہ شاہ نے شرارت سے پوچھا۔دیان نے مسکراتے ہوئے بغل میں بیٹھی زائشہ کی طرف دیکھا۔

"سب بہت اچھے ہیں آنٹی مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں رخصت ہو کر دوسرے گھر آئی ہوں "وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے اللہ تمہیں ایسے ہی خوش رکھے۔ دیان کے بارے میں بھی بتاؤ نا وہ کیسا لگا تمہیں" شازیہ شاہ کے انداز میں واضح شرارت تھی۔

"اچھے ہیں" زائشہ نے ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو دیان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ زائشہ نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔

"صرف اچھا" صوفیہ بھی اب شرارت سے بولی۔ زائشہ نے مصنوعی غصے سے اسکی طرف دیکھا پر وہ کہاں اثر لینے والی تھی۔

"بھابھی بتادیں موقع ہے آپ کے پاس بھائی اگر آپ کو تنگ کرتے ہیں تو ہم یہاں سب کے سامنے ان کی کلاس لے لیں گے"

"ہاں زائشہ بیٹا کوئی مسئلہ ہے تو بتادو" اب کی بار ارسل کے والد بولے۔ زائشہ بیچاری تو گھبرا گئی۔ وہ اتنی کانفیڈنٹ کبھی نہیں رہی تھی کہ ان کی اس شرارت کا مقابلہ کر پاتی۔

"نہیں نہیں انکل کوئی بات نہیں دیان بہت اچھے ہیں" وہ بوکھلاتے ہوئے بولی۔سب کی نظریں خود پر محسوس کر کے اس کے پسینے چھوٹ گئے۔شرم سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ہاہابس کر دو مزید تنگ نہیں کرواسے" شازیہ شاہ نے سب کو کہا تو ارسل کے والد بولے

"بیگم یہ سب آپ کا ہی شروع کیا ہوا ہے"

"مام ہم تو زائشہ بھابھی کو اس سب کا عادی کر رہے ہیں۔بھابھی یہ بات اپنے پلو سے باندھ لیں کہ اب اس طرح کی شرارتیں آپ کے ساتھ ہوتی رہیں گی" ارسل نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہاں زائشہ بیٹی ان کا مقابلہ کرنا سیکھ لو ورنہ یہ سب مل کر تمہاری یونہی کلاس لگاتے رہیں گے" ارسل کے والد نے ہنستے ہوئے اسے خالص مشورہ دیا تو زائشہ بھی مسکرا دی۔

"ویسے مام میرے خیال سے ہم نے بس نیولی ویڈ کپل کو ڈنر پر بلایا تھا"ارسل کانٹا ہاتھ میں پکڑے پر سوچ انداز میں بولا۔

"آپ کو بل آرہا ہے میرے آنے کا"صوفیہ جان گئی تھی کہ ارسل کا اشارہ اسکی طرف ہے۔

"بل تو نہیں آرہا ہے پر مجھے اب ڈر لگ رہا ہے کھانا کم نہ پڑ جائے جس حساب سے تم کھا رہی ہو"صوفیہ ہونکوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔کبھی اسے دیکھتی تو کبھی اپنی پلیٹ کو جس میں بہت تھوڑے سے چاول تھے۔

"میں کہاں کھاتی ہوں زیادہ"ارسل کی بات سن کر اسے صدمہ ہی لگ گیا۔

"تمہیں نہیں لگتا پر تم بہت کھاتی ہو اور موٹی بھی ہوتی جا رہی ہو۔میں نے پہلے کبھی کہا نہیں کہ تم برا نہ مان جاؤ پر اب کہہ رہا ہوں تمہیں ویٹ لوز کرنے کی ضرورت ہے"وہ سنجیدگی سے اسکی طرف دیکھتا اسے مشورہ دے رہا تھا۔

"آہھہ....." بات کرتے کرتے اچانک سے اسکی زوردار چیخ گونجی جب دیان نے ٹیبل کے نیچے سے کانٹا زور سے اس کی ٹانگ میں چبھویا۔

"کیا بد تمیزی ہے"

"خبر دار میری بہن کو کچھ کہا اگر وہ موٹی ہے نا تو تم بھی سانڈ ہو" پھر اس نے صوفیہ کو مخاطب کیا "صوفیہ بیٹا اس فضول انسان کی باتوں کو سنجیدہ مت لیا کرو۔ بھونکنے والے کتوں پر دھیان نہیں دیتے" جتنا سنجیدہ کچھ دیر پہلے ارسل تھا اب اتنا ہی سنجیدہ دیان تھا۔

دیان کی بات سن کر صوفیہ نے جتاتی ہوئی نظروں سے ارسل کی جانب دیکھا اور اپنی پلیٹ میں اور کھانا ڈالنے لگی۔

"تو نے مجھے سب کے سامنے کتا کہا" ارسل کی افسوس میں ڈوبی آواز آئی۔ دیان نے اس پر بس ایک نظر ڈالی اور سر جھٹک کر کھانا کھانے لگا۔

ارسل کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر فون اٹھا کر سکرین پر چند کلکس کر کے زائشہ کو مخاطب کر کے بولا

"زائشہ بھابھی آپ کو ایک چیز بھیجی ہے دیکھیں ذرا" ٹیبل پر آگے کی جانب جھک کر اس نے زائشہ کو دیکھ کر پکارا۔

زائشہ نے اثبات میں سر ہلاتے فون اٹھایا اور ارسل کی جانب سے آئے میسج کو کھولا۔ ارسل مسکراہٹ روکے زائشہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صوفیہ نے مشکوک نظروں سے ارسل کی مسکراہٹ کو دیکھا مگر اس سے پہلے وہ کچھ کہتی زائشہ کا زوردار قہقہہ اس کے کانوں میں پڑا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے زور زور سے ہنس رہی تھی۔ دیان نے نا سمجھی سے اسکی طرف دیکھا۔ ڈائنگ ٹیبل پر موجود سب افراد حیرانگی سے زائشہ کو دیکھ رہے جس کی آنکھوں میں ہنسنے کی وجہ سے پانی آ گیا تھا۔ وہ ٹشو پیپر لیے اب آنکھوں کے کنارے پونچھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ دیان نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ارے وہ کیا جواب دیں گے میں بتاتا ہوں" ارسل نے کہتے ساتھ اپنا فون نکالا اور سکرین سب کے سامنے کی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں نے زائشہ بھابھی کو یہ پک بھیجی ہے تیری"

اب ڈائننگ ہال میں سب کے قہقہے گونج رہے تھے اور دیان غصے سے سرخ چہرہ لیے ارسل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ تصویر دیان کے بچپن کی تھی جب وہ شاید چار پانچ سال کا تھا۔ میرب نے اسکے گولڈن براؤن بالوں کی دو پونیاں بنائی تھیں اور سرخ لپ اسٹک کی مدد سے اسکا میک اپ بھی کیا تھا۔ وہ سرخ رنگ کی فراک پہنے ہوئے تھے جو اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ اسکے سائز سے کافی بڑی تھی۔

مگر جو چیز اس تصویر کو سب سے زیادہ مزاحیہ بنا رہی تھی وہ دیان کا شرمیلہ انداز تھی۔ وہ بالکل لڑکیوں کی طرح چہرے پر ہاتھ رکھے شرما رہا تھا۔

ارسل نے بہت اچھے سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا تھا۔

"تو بچ اب مجھ سے" دیان نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر ارسل کو دھمکی دی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسے سوچ سوچ کر ہی ڈھیروں شرمندگی ہو رہی تھی کہ نا جانے زائشہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی۔

پر اگلے لمحے زائشہ کی بات سن کر وہ بھونچکا کر رہ گیا

"دیان آپ کتنے کیوٹ لگ رہے ہیں ہم یہ پک ڈویلیپ کروا کر اپنے روم میں لگائے گیں۔ارسل بھائی آپ کروا دیں گے ؟"

"ہاں میری بہن کیوں نہیں تم فکر ہی نہیں کرو،لارج سائز تصویر ڈویلیپ کرواؤں گا"ارسل نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔دیان ششدر سا زائشہ کی جانب پلٹا

"کیا کہہ رہی ہو زائشہ ہم ہر گز یہ تصویر روم میں نہیں لگائیں گے"

"پر دیان آپ کتنے پیارے لگ رہے ہیں"وہ ہنستے ہوئے بولی ہنس ہنس کر اسکے گال سرخ ہو گئے تھے اور آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔

"بس میں نے کہہ دیا کہ یہ پک روم میں نہیں لگے گی"

"پر دیان"

"زائشہ تم ڈویلیپ کروا کر اپنے پاس رکھ لو میری طرف سے اپنے فون کے وال پیپر پر لگا لو مگر یہ ہمارے روم میں نہیں لگے گی اور نہ ہی کہیں اور" دیان جھنجھلاتے ہوئے بولا۔ارسل نے اسے نئی مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔

"ہاں یہ آئیڈیا بھی ٹھیک ہے" دیان نے اس کے مان جانے پر شکر ادا کیا اور پر سکون سانس فضا میں خارج کی۔

"تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گا" ارسل کے کان کے قریب جھک کر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

ارسل "ہونہہ" کہہ کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ سب لاونج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔زائشہ اور صوفیہ مسکان کے ساتھ بیٹھی تھیں جو بیچ میں لیپ ٹاپ رکھے انہیں شادی کی

تصویریں دکھا رہی تھی۔ارسل اور دیان دونوں غائب تھے۔شازیہ شاہ اور ارسل کے والد بھی ایک طرف بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"یہ دونوں کہاں گئے ہیں"شازیہ نے چائے کی چسکی لیتے پوچھا۔

"باہر ہیں دیان بھائی ارسل بھائی کی کلاس لے رہے ہیں اسی پک کی وجہ سے"مسکان نے ہنستے ہوئے بتایا تو وہ سب بھی مسکرا دیے۔

باہر لان اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ایک طرف رکھی کرسیوں کے قریب لائٹس لگی ہونے کی وجہ سے مدھم سی روشنی تھی۔نو بج رہے تھے اور ہلکی ہلکی دھند تھی۔

وہ دونوں لکڑی کی کرسیوں پر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔

"تو تمہیں کسی پر شک ہے"

"شک تو کسی پر بھی نہیں پر کچھ تو گڑبڑ ہے"

"وہ اینویلیپ کہاں ہے؟"

"جو ولیمے کی رات ملا تھا وہ تو میں نے پھینک دیا تھا اس پر کچھ بھی نہیں تھا میں نے اچھے سے چیک کیا تھا۔میں سمجھا کسی کا مذاق ہے پر اب آج جو گھر پر ویسا ہی اینویلیپ پھر سے آیا ہے اس سے مجھے گڑبڑ لگ رہی ہے"

ایک خاکی رنگ کا لفافہ اس وقت سامنے ٹیبل پر رکھا تھا جو ہو بہو ویسا تھا جیسا دیان کو پہلے ملا تھا۔

"اس پر بھی وہی لکھا ہے جو پہلے پر لکھا تھا؟"ارسل نے اس لفافے کو ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"ہاں وہ بھی بالکل ایسا ہی تھا پر یہ جو کوئی بھی ہے مجھے ملنے کے لیے قبرستان میں کیوں بلا رہا ہے وہ بھی وہ قبرستان جہاں میرب کی قبر ہے"

"تو تم ملنے جاؤ گے؟"

"ایسے تو نہیں جاؤں گا۔اگر کوئی مذاق بھی کر رہا ہے پھر بھی ہمیں احتیاط کرنی چاہیے"

"تو اب کیا تو پولیس کی نفری کے ساتھ وہاں جائے گا"

"اب نہیں یار ابھی مجھے ذرا جانچ پڑتال کرنے دو"

"یہ تیرے گھر دے کر کون گیا تھا"

"ایک بچہ تھا گارڈ نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ گلی میں کھیل رہا تھا ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہاں کہ گارڈ کو بولے دیان حیدر تک پہنچا دے"

"ہو نہ ہو دیان یہ کوئی قریب کا آدمی ہے جسے پتا تھا کہ تیری شادی کب ہے؟ کس حال میں ہے؟ تیرا گھر کہاں ہے سب کچھ"

"ہمم اور یہی بات خطرے کی علامت لگ رہی ہے مجھے"

"ہو سکتا کوئی دوست مذاق کر رہا ہو"

"میری تیرے علاوہ کسی کے ساتھ کوئی خاص دوستی نہیں رہی کبھی بھی اور جو ہمارے یونیورسٹی کے دوست وہ کبھی ایسا مذاق نہیں کریں گے انہیں اپنے کاموں سے ہی فرصت نہیں ہے"

"یہ تو ٹھیک کہا تو نے.....اچھا تو واقعی زائشہ کو ہنی مون پر نہیں لے کر جا رہا"

"لے کر جاؤں گا یار پر ابھی نہیں ابھی سیرت آنٹی لوگوں کی شفٹنگ کرنی ہے اور اب یہ ایک نیا مسئلہ سامنے آگیا ہے" دیان نے ارسل کے ہاتھ میں موجود لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہمم "ارسل نے وہ لفافہ واپس سے ٹیبل پر پھینک دیا۔

رات دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی۔اگلے دن کی روشن صبح نئے پیغام، نئی بہاریں لانے والی تھیں۔پر کیا یہ پیغام کچھ قاصدوں کے لیے قابل قبول ہوں گے کہ وہ انہیں مقرر کردہ جگہ پر پہنچا سکیں؟ کیا یہ بہاریں سب پھولوں کو راس آئی گیں؟

اس سوال کا جواب صرف ایک چیز کے پاس تھا۔۔۔آنے والی صبح کے پاس۔

****

اگلی صبح سفید محل پر بہت نرم گرم سی اتری تھی۔دھند کی جگہ اب ننھے ننھے پھولوں پر چمکتے شبنمی قطروں نے لے لی تھی۔نو بج رہے تھے اور کچن میں اس وقت ناشتے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔زائشہ کچن میں رکھے ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھی تھی اور بتول حیدر پراٹھے بنا رہی تھیں۔

"آنٹی میں ہیلپ کردوں؟"

"اب اگر تمہارے منہ سے یہ الفاظ نکلے تو بیلن سے ماروں گی"بتول حیدر نے زائشہ کو بیلن دکھاتے مصنوعی غصے سے کہا تو زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی

"پر آنٹی"

"آنٹی مت بولو مجھے مام بولو دیان کی طرح"

"مام نہیں امی،مجھے نہیں پسند یہ مام لفظ"

"اچھا بچے جو مرضی بول لو بس یہ آنٹی مت بولو"

"امی مجھے ہیلپ کرنے دیں مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا"

"اچھا چلو ٹھیک ہے ایسا کرو سالاد کاٹ دو"

سیرت مراد کو اسکے منہ سے امی لفظ سن کر اتنی خوشی ہوئی کہ انہوں نے فوراً سے اسے اجازت دے دی۔

گھر میں ہر کام کے لیے ملازم موجود تھے پر بتول حیدر نے آج سب کو کچن میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا۔وہ سب کے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنانا چاہتی تھیں۔

"واہ بھائی ساس بہو میں کافی پیار نظر آرہا ہے" دیان بازو کی آستین فولڈ کرتا کچن میں داخل ہوا۔اس نے جینز پر گرے ٹرٹل نیک شرٹ پہنی تھی۔ہاتھ میں سیاہ کوٹ تھا جو اس نے کرسی پر رکھ دیا تھا۔وہ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا۔اپنی ماں اور بیوی کو یوں کچن میں کام کرتا دیکھ کر اسکی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ میری بہو تھوڑی ہے یہ تو میری بیٹی ہے" بتول حیدر نے محبت بھری نظروں سے زائشہ کو دیکھا تو وہ بھی ان کا جانب دیکھ کر مسکرا دی۔

"بھائی کتنی دیر ہے ناشتے میں" باہر لاؤنج سے فاروق حیدر کی آواز آئی جو حسب معمول اس وقت چائے کے ایک کپ کے ساتھ اخبار پڑھ رہے تھے۔

"انتظار کریں کچھ دیر" بتول حیدر نے کچن سے ہی آواز لگائی اور دیان کو مخاطب کیا

"کہیں جا رہے ہو؟"

"جی ارسل کے ساتھ کچھ کام تھا"

"اتنی صبح صبح کون سا کام پڑ گیا"

"بس پڑ گیا نا... ویسے ماما میں سوچ رہا تھا آپکی بہو پر گلابی رنگ بھی کافی اچھا لگتا ہے" وہ جانچتی ہوئی نظروں سے زائشہ کو دیکھ کر بولا۔ بتول حیدر کا رخ

چولہے کی طرف تھا زائشہ نے ایک زوردار مکہ اسکے بازو پر مارا جواب اسکی بغل میں رکھی کرسی پر آکر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ ہے ہی اتنی پیاری جو بھی رنگ پہنے اچھا لگتا ہے" بتول حیدر نے مسکراتے ہوئے کہہ کر آخری پراٹھا اتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھا اور زائشہ کو پکارا

"زائشہ بیٹا سالاد لے آؤ" اسے کہہ کر وہ خود کچن سے باہر نکل گئیں۔

"کتنی عقل مند ہیں نا میری ماں"

"کیا مطلب" زائشہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ساتھ ساتھ وہ ٹیبل پر سے گند بھی سمیٹ رہی تھی۔

"مطلب انہیں معلوم ہیں کہ دونیولی ویڈ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پرائیویسی دینی چاہیے"

"اللہ دیان آپ کتنے بے شرم ہیں" وہ اٹھنے لگی تھی جب دیان نے اسکا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا دیا۔

"اس میں بے شرمی کیسی"

"یہ بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے دیان ہاتھ چھوڑیں میرا کوئی آجائے گا"

"تو آنے دو کلمہ پڑھ کر تم سے نکاح کیا ہے حق حلال کی بیوی ہو"

"دیان"وہ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

"جی دیان کی جان"دیان نے وارفتگی سے اسکی جانب دیکھتے اپنا سر اسکے کندھے پر دکھ دیا۔وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"دیان بابا آرہے ہیں"زائشہ نے بوکھلاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔زائشہ نے سالاد کی پلیٹ اٹھائی اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"تم نے جھوٹ بولا"دیان اس کو دروازہ کی طرف جاتا دیکھ کر بولا۔

"ایک جن کی قید سے آزادی چاہیے تھی اسی لیے جھوٹ بولنا پڑا"زائشہ معصومیت سے آنکھیں مٹکا کر بولی اور اس سے پہلے کہ دیان اس کی طرف بڑھتا وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

دیان نے بھی بالوں میں ہاتھ پھیر کر کوٹ اٹھایا اور کچن سے نکل گیا۔
اسے ناشتہ کے بعد ارسل کے ساتھ کہیں جانا تھا۔ کسی ایسی جگہ جہاں ایک
بہت بڑا راز اسکا انتظار کر رہا تھا۔

****

"کہاں جانا ہے؟" دیان کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ارسل نے پوچھا۔ وہ کچھ
دیر پہلے ہی ناشتے سے فارغ ہو کر ارسل کے کال کرنے پر باہر آیا تھا۔
"کالونی کی سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنی ہے۔ سیکیورٹی آفس چلو" دیان کے
کہنے پر ارسل نے ایکسیلیٹر پر زور ڈالتے گاڑی اس جانب بڑھا دی۔
تقریباً دس منٹ بعد وہ کالونی کے سیکیورٹی ہیڈ آفس میں موجود تھا۔ ایک
گارڈ ان کے سامنے بیٹھا مختلف دنوں کی فوٹیجز نکال نکال کر انہیں دکھا رہا
تھا۔

"کل کی فوٹیج نکالو، شام پانچ چھ کے قریب وقت تھا" دیان کی ہدایات پر عمل کرتے اس گارڈ نے کی بورڈ پر چند کلکس کیے اور ایک ویڈیو ان کے سامنے چلنے لگی۔

"زوم کرو یہاں سے" تقریباً پندرہ منٹ بعد دیان نے اپنے گھر کے گیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گارڈ کو ہدایات دیں۔

اس نے اپنے گھر کے سیکیورٹی کیمراز بھی چیک کروائے تھے پر وہاں سے یہ معلوم نہیں ہو پایا تھا کہ اس بچے کو وہ اینولیپ دیا کس نے تھا۔

"ہاں یہی بچہ ہے اب اس بچے کو فوکس میں رکھ کر ویڈیو ریورس کرو اور دیکھو یہ کہاں سے آیا ہے" گارڈ کے چند کلکس کے بعد وہ بچہ الٹے قدموں پر چلنے لگا۔ ویڈیو ریورس میں چل رہی تھی۔ گلی کے اختتام پر وہ دائیں جانب مڑ گیا۔

"اس ایریا کی فوٹیج نکالو اب، اسی وقت کی" ارسل ایک جانب خاموش کھڑا ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ بچہ اب الٹے قدموں چلتا دائیں گلی میں داخل ہوا تھا جہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔وہ بھی ان کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا۔کچھ پل بعد سرمئی شلوار قمیض میں ملبوس ایک شخص ان کے پاس آیا۔اس نے اسی بچے کو مخاطب کرتے اسے ایک چاکلیٹ اور وہ اینویلیپ دیا۔

"ہاں یہی ہے وہ شخص زوم کرواس پر اس کا چہرہ واضح ہو" کیمرہ گلی کے نو کر پر لگا تھا جس کی وجہ سے شکل واضح نہیں تھی۔ارسل بھی چونکا ہو کر آگے کی جانب جھک کر کھڑا ہو گیا۔وہ دونوں دم سادھے اس شخص کے وجود دیکھ رہے تھے جس کا چہرہ اب آہستہ آہستہ زوم ہو رہا تھا۔

اس کے چہرے کے نقوش واضح ہوتے ہی گارڈ نے تصویر روک دی۔ارسل کی آنکھوں میں آشنائی کی کوئی رمک نہ تھی۔اس نے حیرت سے سکرین پر نظریں جمائے دیان کو پکارا

"یار یہ کون ہے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا" ساتھ ہی اس نے دیان پر نظر ڈالی۔اس کی آنکھوں کی پتلیاں بالکل ساکت سی سکرین پر جمی

تھیں۔ چہرے کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتے جا رہے تھے۔

"دیان" ارسل نے حیرت سے اسے پکارا پر دیان ہوش میں کہاں تھا۔ اس کی نظریں سکرین پر تھیں آنکھ کا پپوٹا تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔

"دیان کون ہے یہ" ارسل نے پھر پوچھا پر وہ نفی میں سر ہلاتا پیچھے کی جانب بڑھا۔ اس سے پہلے وہ لڑکھڑا کر گرتا ارسل نے ہاتھ بڑھا کر اسے فوراً سے تھاما۔ دیان کے ہاتھ ٹھنڈے تھے، بالکل برف کی طرح کسی مردے کے جسم کی طرح۔

"دیان کیا ہوا ہے تمہیں" ارسل پریشانی سے بولا۔ دیان کے ردعمل سے واضح تھا کہ سکرین میں نظر آنے والے شخص کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ دیان ارسل کے سہارے کھڑا تھا جب اس نے اچانک ارسل کا ہاتھ جھٹک کر اسے خود سے دور کیا اور لڑکھڑاتا ہوا باہر کی جانب بھاگا۔

"دیان" ارسل بھی چلاتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔ وہ پارکنگ کی جانب بھاگ رہا تھا ارسل بھی اس جانب بڑھا۔

کچھ دور اسے وہ گاڑی میں بیٹھتا نظر آیا۔ ارسل اسکی طرف بھاگا پر دیان گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

"دیان دروازہ کھولو" ارسل بند شیشے کو بجانے لگا۔ دیان کی حالت اس کے لیے ناقابل یقین تھی۔

اسٹیرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلاتا مسلسل کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اور پھر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ارسل کی آواز اس کی کانوں تک پہنچ رہی تھی پر اسکا دماغ ان لفظوں کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

ارسل پیچھے پریشانی سے اسے دیکھتا رہ گیا جو کار کو چلا نہیں اڑا رہا تھا۔

ارسل اب پریشانی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتا گھر فون ملا رہا تھا تاکہ کسی کو کہہ کر کار منگوا سکے۔

دوسری جانب دیان کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔اندر بیٹھے دیان کی حالت ناقابل بیان تھی۔اس کی رنگت سفید تھی،چہرہ پسینے سے شرابور،ہاتھوں کی کپکپاہٹ صاف ظاہر تھی۔وہ آنکھوں کو بار بار جھپکتا سڑک پر نظریں جمائے تھا۔کتنی ہی بار اس کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا پر اس کے دماغ میں صرف ایک چیز گھوم رہی تھی اس شخص کا چہرہ۔ ارد گرد سے گزرتے لوگ اسکی اتنی ریش ڈرائیونگ پر اسے باتیں سنا رہے تھے،اس نے کافی سگنلز بھی توڑے پر اسے پرواہ نہیں تھی۔

پندرہ منٹ بعد اس نے گاڑی اسی قبرستان میں روکی جہاں میرب کی قبر تھی۔اس کا فون ڈیش بورڈ پر پڑا مسلسل بج رہا تھا پر وہ تو جیسے بہرہ ہو گیا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ گاڑی سے اترا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے وہ ایک قبر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"آپی "کانپتی ہوئی آواز میں اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور وہ لڑکھڑا کر قبر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"آپی وہ آگیا وہ واپس آگیا۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن آپ کا قاتل، آپ کا مجرم جس نے ہم سب کی زندگیاں تباہ کردی تھیں۔ جس کے گناہوں کا کفارا ہم آج تک جھیل رہے ہیں۔

آپی وہ کیوں آیا واپس وہ نہ آتا۔ ہم خوش ہیں اپنی زندگیوں میں پر سکون ہیں۔ وہ ہم سے یہ سکون چھیننے آیا ہے۔

عرش جہانگیر واپس آگیا آپی "اس نے نم آنکھوں کو تکلیف سے میچا اور جب کھولا تو وہ سرخ تھیں، بے انتہا سرخ۔ صرف آنکھیں ہی نہیں اسکی رنگت بھی سرخ تھی۔

"پر اس بار اس کا مقابلہ مجھ سے ہوگا۔ عرش جہانگیر کو اندازہ نہیں کہ وہ کس سے ٹکرانے والا ہے۔ میں وہ دس سالہ غازی نہیں جو بہت معصوم تھا بلکہ پچیس سالہ دیان حیدر ہوں۔ میں اس وقت کمزور تھا خود سے جڑے

رشتوں کی حفاظت نہ کر سکا۔ پر اب میں اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ ایک ایک چیز کا بدلہ لوں گا۔ آپ کی ہر تکلیف، ہر زخم کا بدلہ میں اس کے خون کے ایک ایک قطرے سے پورا کروں گا۔

عرش جہانگیر تم نے دیان حیدر کے مقابل آ کر بہت بڑی غلطی کر دی، اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی۔ جس کا نتیجہ اب کسی ایک شخص کی موت کی صورت میں آئے گا۔ یاں تو وہ تم ہو گے یا میں"

سختی سے آنکھوں کو رگڑ وہ خود سے ایک عزم کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ قبرستان سے باہر نکل رہا تھا تو اس دیان سے بہت مختلف تھا جو کچھ دیر پہلے اندر داخل ہوا تھا۔

وہ ٹوٹا بکھرا سا دیان حیدر اب غائب ہو گیا تھا اور یہ دیان فولاد کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

تنے ہوئے جبڑے، سرخ رنگت، گردن کی رگیں ابھری ہوئی اور بھینچی ہوئی مٹھیاں۔ آنکھوں میں بلا کی سنجیدگی اور سرد پن تھا مقابل کو جما دینے والا۔

اس نے گاڑی میں بیٹھ کر فون اٹھایا جہاں ارسل کی لاتعداد مسڈ کالز تھیں۔

اس نے کال بیک کی جو فوراً ہی پک کر لی گئی

"دیان تو کہاں"

دیان ارسل کو بولنے کا موقع دیے بغیر بولا

"شام کو چھ بجے میں تمہارے گھر آؤں گا بات کرنی ہے، کار پہنچ جائے گی تم تک" سرد سنجیدہ آواز میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے کال کاٹ دی۔ فون ڈیش بورڈ پر پھینکا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

اس کا دماغ ایک لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔ ایک بہت بڑا پلین، ایک بہت بڑا منصوبہ۔ بدلے کا منصوبہ، انتقام کا چکر۔

****

دیان جس وقت گھر میں داخل ہوا دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔وہ نا جانے کتنی دیر تک یونہی سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔لاونج میں مکمل خاموشی چھائی تھی۔وہ کوٹ ہاتھ میں تھامے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو زائشہ بیڈ پر بیٹھی فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔اسے دیکھتے ہی مسکرائی اور الوداعی کلمات کہنے لگی۔

دیان نڈھال سے چلتا ہوا بیڈ تک آیا اور کوٹ ایک طرف پھینک کر بیڈ پر اوندھے منہ گر گیا۔

زائشہ نے پریشانی کے عالم میں اس کی جانب دیکھا اور اس کے قریب ہو کر بیٹھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"دیان کیا ہوا؟" دیان کا چہرہ دوسری جانب تھی۔ وہ نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

"یادیں ڈستی ہیں زائشہ، نوچتی ہیں، مارتی ہیں" چند سالوں پہلے گزرے لمحات ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے پردے پر ظاہر ہو رہے تھے۔ اس نے اپنی بند آنکھوں کو کھول دیا، ورنہ وہ مناظر شاید اسے اپنا ضبط کھونے پر مجبور کر دیتے اور فلحال وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"ماضی پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا۔ اذیت میں گزری راتیں پر سکون دنوں کی نیند کیوں چھین لیتی ہیں؟ کب میری زندگی ان یادوں، ان اذیتوں، تکلیفوں کے بھنور سے باہر آئے گی۔ کب میں پر سکون نیند سو پاؤں گا۔۔۔۔۔ کب"

"کوئی بات ہوئی ہے دیان" وہ پریشانی سے بولی۔

"وہ واپس آگیا ہے زائشہ" دیان کی آواز مدھم تھی کہ زائشہ بمشکل سن پائی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کون"

"وہی جس نے ہماری زندگیاں تباہ کر دی تھیں۔ تمہارے باپ کا قاتل، میری بہن کو زندہ در گور کرنے والا، مجھ سے میرا بچپن چھین لینے والا عرش جہانگیر۔ وہ واپس آگیا ہے زائشہ" دیان کے سر کے بالوں میں حرکت کرتا زائشہ کا ہاتھ رک گیا۔

دیان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو ساکت خوفزدہ نظروں سے دیان کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھا اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔

"مام ڈیڈ کے سامنے ذکر مت کرنا اس بات کا وہ پریشان ہو جائیں گے"

"وہ اب کیوں واپس آیا ہے، آپ نے تو کہا تھا کہ وہ اپنا نام و نشان تک مٹا چکا ہے" زائشہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"میں نہیں جانتا وہ کس مقصد سے واپس آیا ہے۔ شاید وہ اپنی جائیداد کے لیے واپس آیا ہو یا پھر ایک بار پھر اپنے غرور میں ہمیں تباہ کرنے"

"نہیں" زائشہ نے ہڑبڑا کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ دکھ دیا۔

"دیان وہ ایک بار پھر ہمیں تباہ کر دے گا"

"نہیں تم فکر مت کرو تب میں کمزور تھا کچھ کر نہیں پایا لیکن اب اگر اس نے میرے خاندان کے کسی فرد کو نقصان پہچانا چاہا تو میں اسے اگلی سانس لینے کے قابل نہیں چھوڑوں گا"

"وہ بہت طاقتور ہے"

"مجھ سے زیادہ نہیں"

"آپ کیا کرنے کا سوچ رہے ہیں دیان" زائشہ نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

ان کی زندگی کی پر سکون ندی میں ایک اور پتھر نے آکر ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔اس کا دل کسی انہونی کے احساس سے دھڑک اٹھا تھا۔بے انتہا خوف نے اسے اپنے احاطے میں لے لیا۔

دیان کے چہرے پر ایک پر اسرار مسکراہٹ آگئی۔

"انتقام"

"کس کا"

"میری بہن کا میں نے خود سے وعدہ کیا تھا زائشہ۔ میرب کا بدلہ لینے کے لیے، عرش کو اسکے گناہوں کی سزا دینے کے لیے مجھے خود کو بھی نقصان پہنچانا پڑا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا"

"دیان آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں"

"کیسی باتیں" دیان نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کی مٹھی پر ٹھوڑی جمائی۔ اس کے دل کا غبار نکل چکا تھا، وہ شاک کی پہلی فیز سے نکل آیا تھا۔ اب اسکا دماغ قدرے پر سکون تھا۔

"آپ کو یہ سب مذاق لگ رہا ہے یہاں میرا دل بند ہو رہا ہے۔ دیان آپ ایسا کریں اسے پولیس کے حوالے کر دیں"

"زائشہ تم ان چکروں میں مت پڑو یہ میری جنگ ہے اور مجھے معلوم ہے مجھے کیسے لڑنی ہے"

"اور اگر اس نے آپ کو کوئی نقصان پہنچایا تو"

"تو کیا ہو جائے گا یار زیادہ سے زیادہ مر جاؤں گا پر اس انسان سے اپنا بدلہ تو میں ضرور لوں گا"

"دیان" اس کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ سب آپ نے کہا تھا آپ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں دیں گے اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ میں خود موت کے کنویں میں چھلانگ لگانے جا رہا ہوں یہ تھی آپ کی محبت" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔دیان کی باتوں نے اس کی روح فنا کر دی تھی۔

زائشہ کے رونے پر دیان ایک دم پریشان ہو گیا اور فوراً سے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔وہ نم شکوہ کرتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"زائشہ میری جان میں نہیں ہٹ سکتا اس سب سے پیچھے وہ انسان خود میرے سامنے آیا ہے۔میں یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا۔اس سے پہلے وہ مجھ پر ہاتھ ڈالے میں اسے ہر لحاظ سے تباہ کر دینا چاہتا ہوں.

تم فکر مت کرو۔ کچھ نہیں ہو گا، وہ اتنا خطرناک صرف اس وجہ سے ہو گیا ہے کیونکہ ہم نے اسے اجازت دے دی تھی۔ اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پر اب اگر میں اسے کمزور نہیں سمجھوں گا تو طاقتور بھی نہیں سمجھوں گا۔

وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا زائشہ اور نہ ہی وہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے گا"

"کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہاں سے چلے جانے سے پہلے اس کی آخری ملاقات مجھ سے ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں وہ واحد انسان ہوں جس نے اس سے نفرت نہیں کی۔ اسے ابھی بھی یہی لگتا ہے جس کی وجہ سے اس نے صرف مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ حالانکہ ثمینہ آنٹی میرے سے بہتر مہرہ ثابت ہو سکتی تھیں اس کے لیے۔ اسے اب بھی یہ یقین ہے کہ میں اسکی مدد کروں گا یاں شاید اسے معاف کر دوں گا۔

پر وہ جانتا نہیں کہ اب اگر اس پوری دنیا میں کوئی شخص اس سے شدید نفرت کرتا ہے تو وہ دیان حیدر ہے۔ وہ غازی تھا جو عرش جہانگیر سے محبت کرتا تھا پر دیان حیدر کو اس سے شدید نفرت ہے"

"آپ کی باتیں مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں دیان، پلیز آپ اس سب سے پیچھے ہٹ جائیں۔ کرنے دیں اسے جو وہ کرتا ہے۔ پر پلیز آپ خود کو اس معاملے سے دور رکھیں"

"کیسی باتیں کر رہی ہو زائشہ، یہ معاملہ مجھ سے شروع ہو کر مجھ پر ختم ہو رہا ہے۔ میں چاہ کر بھی اس سب سے باہر نہیں نکل سکتا"

"دیان میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔ عرصے بعد مجھے محسوس ہوا ہے کہ مرد کا سہارا کیسا ہوتا۔ ایک عورت کے لیے مرد کس قدر ضروری ہوتا ہے۔ میں پہلی بار چاہے جانے کے جذبے کو محسوس کر رہی ہوں آپ کیسے کر سکتے ہیں میرے ساتھ ایسا۔ میں نے آگے ہی بہت محرومیاں دیکھی ہیں دیان مجھے کوئی نئی محرومی مت دیجئے گا۔ مجھے نہیں کھونا آپ کو پلیز آپ بند

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کر دیں یہ سب کچھ ،مت کریں۔اللہ آپ کا بدلہ لے گا آپ خدا پر بھروسہ رکھیں وہ کبھی آپ کو مایوس نہیں کرے گا مگر پلیز خود میدان جنگ میں نہ اتریں" وہ بے تحاشا روتے ہوئے اس سے التجا کر رہی تھی اور دیان بے بس سا اسے دیکھ رہا تھا۔

ابھی تو جنگ شروع بھی نہیں ہوئی تھی اور زائشہ نے اسکے پاؤں جکڑ لیے تھے۔

دیان نے اسکی کسی بات کا جواب دیے بغیر نرمی سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

وہ اب اسکی شرٹ کو مٹھی میں دبوچے رو رہی تھی اور دیان نرمی سے اسکا سر سہلا رہا تھا۔

وہ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹنے والا تھا۔زائشہ کا کہنا تھا کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور آج ہی تو اسکا بھروسہ خدا پر پختہ ہوا تھا۔ساری زندگی اس نے بس ایک دعا مانگی تھی کہ بس ایک بار،ایک بار اسکا اور عرش

New Era Magazine
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جہانگیر کا سامنا ہو جائے تاکہ وہ اس سے جواب مانگ سکے اس کے گناہوں کا۔اسے احساس دلا سکے۔

اسے یقین تھا کہ زائشہ آج نہیں تو کل اسے سمجھ جائے گی۔

"دیان آپ اسے مار دیں گے" دفعتاً زائشہ نے سر اٹھا کر سہمی ہوئی نظروں سے اس سے پوچھا۔

دیان نے نرم نظروں سے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں اسے نہیں ماروں گا۔میں کسی کا قتل کبھی بھی نہیں کروں گا پر میں اسے سزا ضرور دوں گا"

"کیسی سزا"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا"

"دیان آپ مجھ سے وعدہ کریں آپ کچھ غلط نہیں کریں گے اور ہر لحاظ سے خود کو پروٹیکٹ کریں گے جانتے بوجھتے آگ میں نہیں کود یں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گے "زائشہ نے اپنی ہتھیلی اس کے آگے کی۔دیان نے مسکراتے ہوئے اسکا ہاتھ تھام لیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ کچھ غلط نہیں کروں گا اور جان بوجھ کر خود کو خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔پر ایک بات زائشہ تم سمجھ لو کہ میں اس سب سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔میں نے ساری زندگی بس ایک چیز مانگی ہے اور وہ میرب کا انتقام تھا۔اب اگر قدرت مجھے موقع دے رہی ہے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا"دیان کے سنجیدہ اور سخت انداز نے زائشہ کو بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔اس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا لیکن وہ خود کو برے سے برے حالات کے لیے تیار کر رہی تھی۔

****

رات کا اندھیرا دن کی روشنی پر غالب آچکا تھا۔ستاروں کے جھرمٹ میں چاند پورے آب وتاب سے چمک رہا تھا۔

ارسل کے کمرے میں دیان مسلسل ارد گرد چکر لگا رہا تھا جبکہ ارسل پر سکون سا صوفے پر بیٹھا تھا۔

"دیان میری مان تو پولیس کو اس معاملے میں انوالو کر لے" معاملے کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے ارسل کے لہجے میں فکر تھی۔

"کروں گا پر ابھی نہیں، ابھی مجھے اس کا مقصد معمول کرنا ہے کہ وہ یہاں واپس آیا کس مقصد سے ہے"

"اور اگر اس کے مقاصد خطرناک ہوئے تو"

"تو پھر وہ دیان حیدر کا وہ روپ دیکھے گا جو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔مجھے بہت اچھے سے معلوم ہے کہ اپنے سے جڑے رشتوں کی حفاظت کیسے کرنی ہے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پردیان تمہیں احتیاط کرنی چاہیے"

"احتیاط تو میں کروں گا ہی پر اس سے پہلے کہ وہ میری کمزوری تک پہنچے مجھے اس کی کمزوری کے بارے میں معلوم کرنا ہے"

"مطلب"

"مطلب یہ کہ میری کمزوری میرے گھر والے ہیں۔اس کی بھی کوئی نہ کوئی تو کمزوری ہو گی ہی"

"ہم تو اب تم جاؤ گے اس سے ملنے"

"کیوں نہیں جاؤں گا میں؟"اس نے سوال کے بدلے سوال کر دیا۔

"پردیان یہ کافی رسکی ہے وہ تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتا ہے"

"وہ میرا مسئلہ ہے میں دیکھ لوں گا ابھی جس چیز کے مجھے فکر ہے وہ زائشہ ہے"

"کیوں کیا کیا انہوں نے"

"یار وہ مجھے منع کر رہی ہے کچھ بھی کرنے سے اس کے خیال سے عرش مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ وہ کل میرے بتانے پر بہت روئی ہے" دیان کے لہجے میں پریشانی واضح ظاہر تھی۔

"دیان وہ بیوی ہے تیری چھوٹی سی عمر میں اس نے اپنا باپ کھویا ہے۔ اب اپنے شوہر کو وہ کسی بھی قسم کے نقصان سے گزرتے نہیں دیکھنا چاہے گا"

"پر میرا خیال تھا اس سب کے بعد وہ بہت مضبوط ہو گئی ہو گی۔ جس طرح وہ اکیلے اپنے پورے خاندان کا سہارا بنی تھی اسے میرا بھی سہارا بننا چاہیے تھا"

"دیان یہ لڑکیاں جتنی مرضی بہادر بن جائیں اندر سے ان کا دل بہت کمزور ہوتا ہے جو ہمیشہ مدد کے لیے مرد کی جانب دیکھتا ہے۔ وہ مضبوط اس لیے تھی کیونکہ تب اس کے پاس کسی مرد کا سہارا نہیں تھا اور وہ جانتی تھی کہ اسے ہی اپنے خاندان والوں کے لیے کھڑے ہونا ہے۔

لیکن اب تم اس کا سہارا ہو، تم اسکی مضبوطی ہو۔ تم نے اسے احساس دلا دیا ہے کہ مرد کا تحفظ کیا ہوتا ہے اور ظاہری سی بات ہے وہ اب اس تحفظ بھرے حصار کو کھونا نہیں چاہتی۔

ویسے جہاں تک مجھے لگتا ہے زائشہ بھابھی کافی سمجھدار ہیں۔ شاید اس وقت جذبات میں آکر انہوں نے یہ سب کہہ دیا ہو لیکن جب انہیں معلوم ہو گا کہ یہ سب تیرے لیے کتنا ضروری ہے تو وہ خود ہی مضبوط بن جائیں گی"

"ہمم تو ٹھیک کہہ رہا ہے ویسے ایک بات تو بتا"

"پوچھ"

"یہ کبھی کبھی تو اتنی سمجھداری والی باتیں کرتا ہے کہ مجھے شک ہونے لگتا ہے کہ تو وہی ارسل ہے جو زندگی میں پانچ منٹ کے لیے بھی سنجیدہ نہیں ہوتا" ارسل کی باتیں سن کر دیان کی آنکھوں میں واضح ستائش تھی۔

"بس یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں نے مجھے کبھی سنجیدہ ہی نہیں لیا"

"تم سنجیدہ لینے والی چیز ہو؟" جملہ کہتے ہی دیان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

ارسل نے ابرو اچکا کر اسکی جانب دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "واقعی"۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا ساری دنیا کہتی ہے"

"وہ ساری دنیا میرے گھر والوں سے شروع ہو کر گھر والوں پر ہی ختم ہوتی ہے"

"اچھا یہ سب چھوڑو بتاؤ آفس جوائن کرنے کا کیا ارادہ ہے تمہارا"

"فلحال تو کوئی ارادہ نہیں۔ابھی تو گھومیں گے، ناچیں گے، گائیں گے، پھریں گے، عیش کریں گے اور کیا" ارسل پر سکون انداز میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

"ہاں اور یہ تمہاری ساری عیش آنٹی نکالیں گی۔ سختی سے کہا ہے انہوں نے مجھے تمہاری لگامیں ٹائٹ کروں"

"ہاں تو میں نے کب منع کیا ہے جیسے اپنی لگامیں ٹائٹ کی ہیں میری بھی کر دو، کروادو شادی" وہ کندھے اچکا کر بے فکری سے بولا۔

"بس تمہاری ہر بات اب شادی سے شروع ہو کر شادی پر ہی ختم ہوتی ہے"

"تمہارے بھی کچھ عرصے پہلے یہی حالات تھے میرے دوست"

"نہیں جی ایسی کوئی بات نہیں تھی"

"ایسی ہی تھی بلکہ میرے سے بری تھی۔ لوگ دن گنتے ہیں تم تو سیکنڈ بھی گن رہے تھے"

"ہاں تو تمہیں کوئی مسئلہ ہے"

"نہیں بھائی مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ تم کرو تو ٹھیک ہم کریں تو سالا کریکٹر ڈھیلا ہے"

آخر کا جملہ جھوم جھوم کر گنگناتے اس نے بھرپور انداز میں دیان پر طنز کیا تھا۔

"جا رہا ہوں میں"

"ہاں بھائی اب تو گھر جانے کی بھی جلدی ہو گی بیوی جو آ گئی"

"بکواس نہ کر"

"ہائے دوست دوست نہ رہا یار یار نہ رہا" بلند آواز میں دہائیاں دیتے وہ باقاعدہ جھوم رہا تھا۔

"دیکھ لو دنیا والوں ہم کنواروں کے دکھ۔ میرے دل کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہے یہ بیوی والا۔ ہائے میرے چھوٹے چھوٹے معصوم سے بچے اس دنیا میں آنے کے لیے ترس رہے ہیں"

"ہو گیا تیرا" دیان نے سینے پر ہاتھ باندھ کر ابرو اچکا کر پوچھا۔ ارسل ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں"

"بہت شکریہ جا رہا ہوں میں، خدا حافظ" دیان کمرے سے نکل گیا جبکہ ارسل صوفے پر لیٹا ایک ٹانگ نیچے لٹکائے اسے جھلانے میں مصروف تھا۔ دہائیاں ابھی بھی عروج پر تھیں۔

"میرے خدایا کب وہ دن آئے گا جب کوئی مجھے بھی کال کر کے کہے گا کہ پندرہ منٹ میں تم گھر نہ ہوئے تو کمرے سے باہر سونا آج"

ارسل اور اس کے دکھوں کا سوگ ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔

****

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگلے روز کا سورج پچھلی رات کے نیکیوں اور گناہوں کو خود میں سما کر ایک بار پھر پوری آب و تاب سے چمک اٹھا تھا۔

آج کافی دنوں بعد سورج نے اپنا مکھڑا دکھایا تھا یہی وجہ تھی کہ دیان اور زائشہ ،بتول حیدر کے ساتھ لان میں بیٹھے دھوپ کی گرمائش کو محسوس کر رہے تھے۔ فاروق حیدر آفس چلے گئے تھے اور زائشہ اندر کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ بتول حیدر کے لاکھ نانا کرنے کے باوجود بھی وہ کچن کے چھوٹے موٹے کام کرنے لگی تھی۔

"بیٹا تم لوگ بیٹھو میں ذرا آرام کر لوں" زائشہ کو چائے کی ٹرے لاتا دیکھ کر بتول حیدر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ارے امی بیٹھیں نا چائے پی لیں"

"بیٹا یہ مجھے کمرے میں دے جاؤ زیادہ دیر مجھ سے دھوپ میں نہیں بیٹھا جاتا"

بتول حیدر اندر کی طرف بڑھ گئی تو زائشہ بھی انہیں چائے دینے اندر چلی گئی۔ دیان کپ اٹھا کر چائے پینے لگا۔

کچھ دیر بعد زائشہ واپس باہر آئی تو اسکے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں بسکٹس تھے۔

اس نے وہ پلیٹ دیان کے سامنے کی تو اس نے ایک بسکٹ اٹھا لیا۔ وہ دیان کے بغل میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کافی دنوں بعد اتنے مزے کی دھوپ نکلی ہے" دیان مسکراتے ہوئے بولا۔ اسے صبح سے زائشہ کچھ گم صم سی لگی تھی۔

"ہمم"

"کیا ہوا زائشہ کوئی بات ہوئی ہے"

"دیان ایم سوری"

"کس لیے؟" حیرت سے کہتے دیان نے ہاتھ میں تھاما کپ واپس میز پر رکھ دیا۔

"میں جذبات میں آکر آپ کی بات کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ پر میں کل سے اس بارے میں سوچ رہی ہوں۔ مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا، اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں کا سوال کرنا، ان کا بدلہ لینا آپ کا حق تھا۔ اور سب سے بڑی بات میرب آپی نے جتنی تکلیف برداشت کی ہیں اس بات کا بدلہ اس درندہ صفت انسان سے ضرور لیا جانا چاہیے۔ اور.....اور میرے باپ کا قاتل بھی تو وہی شخص ہے" آنسو اسکی آنکھوں سے زاروقطار بہہ رہے تھے۔

دیان نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ تھام لیا اور دھیرے دھیرے سہلانے لگا۔

ہوا کے دوش پر اسکے بھورے بال بار بار اڑ کر اسکے چہرے پر آ رہے تھے۔پلکیں آنسوؤں سے نم تھیں اور آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی۔

"دیان آپ اس انسان کو عبرتناک سزا دینا اس نے جو کچھ بھی ہمارے ساتھ کیا اسے اس چیز کا احساس دلائیے گا۔اس بے ضمیر انسان کے لیے اسی کی ہی سانسیں کو تکلیف کا باعث بنا دیجیئے گا"

"تم فکر نہیں کرو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا"

"دیان میں نے بہت تکلیفیں دیکھی ہیں اپنی زندگی میں۔جب بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی تو لوگ عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے تھے۔میں بہت چھوٹی عمر میں ان للچائی ہوئی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔

باپ کتنی بڑی نعمت ہے اس بات کا اندازہ مجھے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد ہوا تھا۔رکشے والے سے لے کر گلی کے دکاندار تک ہر کسی کی غلیظ نظریں میں نے برداشت کی ہیں اور کل ایک بار پھر وہ سب میرے ذہن میں آگیا تھا۔اسی لیے میں جذباتی ہو گئی تھی" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"زائشہ" دیان نے فکر مندی سے کہتے آگے بڑھ کر اسے گلے لگ لیا۔

"دیان تکلیفوں کا ایک سمندر پار کیا ہے میں نے۔ مجھ میں اب نہیں ہے ہمت کچھ اور دیکھنے کی۔ میں اپنی لائف میں سکون چاہتی ہوں، خوشیاں چاہتی ہوں بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے"

"انشاللہ ایسا ہی ہو گا زائشہ"

"میں شادی سے پہلے بہت فکر مند تھی میں نے ایک اچھی زندگی کی امید چھوڑ دی تھی۔ پر جب میری آپ سے پہلی ملاقات ہوئی تو میرے سارے وہم، اندیشے ختم ہو گئے۔ آپ نے مجھے نئے جذبوں سے روشناس کروایا ہے دیان"

"اس چیز کے لیے تو تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے" دیان کا انداز شرارتی تھا۔

"میں ہوں بہت زیادہ ہوں" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئی بولی۔

"اچھا چلو اب رونا بند کرو" دیان نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر انگوٹھے کی مدد سے اسکے آنسو صاف کیے۔

"دیان آپ بہت اچھے ہیں"

"اچھا واقعی بہت شکریہ مجھے بتانے کے لیے"

"آپ کا یہی مسئلہ ہے آپ میری کسی بات کو سیریس کیوں نہیں لیتے" زائشہ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

"کیونکہ تم چھوٹی سی بچی ہو جو جذبات میں آکر غلط فیصلے کر جاتی ہو" دیان نے اسکے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"اب میں اتنی بھی بچی نہیں" اس نے خفگی سے کہتے چائے کا کپ اٹھالیا جو اب بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"تم میرے لیے ابھی بھی وہ چھوٹی سی بچی ہی ہو جو اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات مجھ سے شئیر کرتی تھی۔ اس کی کلاس میں اگر کوئی اسے تنگ کرتا تھا تو وہ آکر مجھے بتاتی تھی۔ جس کا دن مجھ سے بات کیے بغیر گزرتا نہیں تھا"

"اور میں اس وقت اس دوست کو اپنا بھائی سمجھتی تھی کہ میرا یہ بھائی ہمیشہ میرا ساتھ دے گا" زائشہ نے مسکراہٹ روکتے اس کی جانب جھک کر کہا۔

دیان ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اسکے دماغ کو دوسری جانب مصروف کر چکا تھا۔

"استغفر اللہ لڑکی کچھ تو شرم کرو"

"اللہ دیان میں جھوٹ نہیں بول رہی میں واقعی تب آپ کو بھائی جیسا سمجھتی تھی"

زائشہ "دیان اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"میرے لیے تم تب بھی بہت عزیز تھی اور آج بھی ہو"

"اچھا دیان ایک بات تو بتائیں"

"پوچھو"

زائشہ ہتھیلی پر ٹھوڑی جما کر بیٹھ گئی اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے مزاج میں واضح تبدیلیاں آرہی تھیں۔ ہمیں خاموش اور سنجیدہ سی رہنی والی زائشہ اب مسکرانے لگی تھی۔

"آپ کی کبھی کوئی گرل فرنڈ تو رہی ہو گی نا"

"خدا کا خوف کرو لڑکی میں ایک انتہائی شریف لڑکا تھا"

"پھر بھی کبھی تو ہوا ہو گا کہ کوئی لڑکی اچھی لگی ہو"

"نہیں"

"دیان بتائیں نا ایسے تو ہو نہیں سکتا کہ کبھی کوئی اچھی نہ لگی ہو"

"میرے ذہن میں بچپن سے لے کر جوانی تک صرف تین لڑکیاں تھیں۔ میری ماں، بہن اور تم اور رہی بات کسی کے اچھا لگنے کی تو میری ذہنی کیفیت کبھی ایسی رہی ہی نہیں کہ میں کسی کو دیکھ کر کچھ سوچ پاتا۔ میں اپنی سوچوں میں ہی بہت زیادہ الجھا ہوتا ہے" وہ ایک دم سے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ ان کے درمیان گفتگو یونہی دھوپ چھاؤں سی ہوتی تھی۔

"دیان آپ ایک بہت ہی گہرے انسان ہیں"

"ہر انسان گہرا ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ خود کی گہرائی میں اترنے کا ہنر صرف چند لوگوں کو آتا ہے"

"مطلب خود کو پہچاننے کا ہنر"

"کسی حد تک، اپنی ذات کی گہرائیوں میں اترنا ایک بہت مشکل فعل ہے۔ پر وہ کہتے ہیں ناڈوب کر ابھرنے والا ہی اصل بازی گر ہوتا ہے بالکل اسی طرح اپنی ذات کی گہرائی میں اتر کر ابھرنے والا ہی خود شناسی کے مراحل کو طے کرتا ہے"

"ہم خود سے واقف ہونا ایک نعمت ہے"

"اچھا چھوڑو ہم بھی کیا سیریس باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ رات کو تیار رہنا ڈنر پر چلیں گے واپسی پر آنٹی کی طرف سے بھی ہو آئے گیں"

"اوکے" وہ کندھے اچکا کر سامنے رکھی پھلوں کی ٹوکری سے سنگترے اٹھا کر کھانے لگی۔

دیان بھی کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گیا۔

زندگی میں اگر مشکلات تھیں تو سکون بھی تھا۔ سرد راتوں کی تنہائیوں میں کوئی تھا جس سے وہ دونوں اپنی تکلیفیں بانٹ سکتے تھے۔

دل کے اندر اٹھتی تکلیف دہ یادوں کی ٹیسوں کا اگر علاج نہ کیا جائے تو وہ دل کی خرابی کا باعث بن سکتی ہیں۔ اور جتنی جلد ہو سکے ان کا معالج ڈھونڈھ لینا چاہیے، اور ضروری نہیں وہ معالج کوئی انسان ہی ہو۔ کوئی کتاب، کوئی کھیل، کوئی سر گرمی وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور کبھی کبھی آپ خود بھی ہو سکتے ہیں۔

خود کا معالج بننے میں تکلیف تو بہت ہے لیکن سکون بھی بہت ہے۔ اور یہ سکون تکلیف کم ہونے کا نہیں بلکہ دوسروں سے اپنی ذات کے چھپے رہنے کا ہوتا ہے۔

انسان کی ذات دوسروں سے جتنی چھپی رہے اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔اپنے گرد بنے خول کو اترنے مت دو۔ جس دن یہ اتر گیا نا تو ہر کسی کے سامنے تمہاری ذات کو یوں عیاں کرے گا کہ چھپنے کے لیے اس دن میں کوئی جگہ نہیں ملے گی۔

****

"دیان میں بھی آجاؤں "ارسل کی فکر میں ڈوبی آواز موبائل سے گونجی۔دیان ایک ہاتھ میں فون تھامے دوسرے ہاتھ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"ارسل میں نے کہا نا تم نہیں آؤ گے "

"اور اگر اس نے تمہیں نقصان پہنچایا تو،دیان تم سمجھ کیوں نہیں رہے مجھے آنے دو پلیز"

"ارسل میں اتنا کمزور نہیں کہ اسکا مقابلہ نہ کرسکوں"

"میں نے یہ بات کب کی میں بس تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ اگر اسکے ساتھ کوئی اور بھی ہوا تو.....پلیز مجھے آنے دو"

اس کو مسلسل ضد کرتا دیکھ کر آخر دیان مان ہی گیا

"اچھا ٹھیک ہے آجاؤ"

"اوکے میں نکل رہا ہوں بس... تم کہاں ہو"

"پہنچنے والا ہوں"

"اوکے ٹھیک ہے"

دیان نے کال کاٹ کر فون ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔اس کی نظریں دور نظر آتے قبرستان کے دروازے پر تھیں۔

اس کے ولیمے کو پورا ہفتہ گزر گیا تھا اور آج کے دن ہی عرش نے دیان کو ملنے کے لیے بلایا تھا۔اس نے ہاتھ میں پہنی گھڑی پر نظر ڈالی۔وہی وقت تھا جو اس خط میں لکھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کار ایک طرف پارک کر کے وہ گاڑی سے نیچے اترا۔اس نے بلیک جینز پر گرے شرٹ پہنی تھی۔بلیک لیدر کی جیکٹ اور گردن کے گرد مفلر لپٹا تھا۔چہرے کے تاثرات بالکل سپاٹ تھے۔کسی بھی احساس سے عاری۔

آج موسم بھی کچھ عجیب سا تھا۔دھند نہیں تھی پر ہوا کافی ٹھنڈی تھی۔سورج صبح سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔

اس نے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سیاہ ماسک نکالا اور اپنے چہرے پر لگا لیا۔فون پر چند کلکس کرنے کے بعد اسے اپنی جیکٹ کی اوپری جیب میں رکھ دیا۔اس کا رخ اب قبرستان کے پچھلے دروازے کی طرف تھا۔

آج دیان غازی عرش جہانگیر سے پورے چودہ سال بعد ملنے جا رہا تھا۔ مکمل طور سیاہ کپڑوں میں ملبوس وہ عرش جہانگیر سے اپنی سیاہ راتوں کا حساب مانگنے جا رہا تھا۔

****

میرب کی قبر قبرستان کے ایک کنارے پر درخت کے سائے میں تھی۔دیان وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر موجود ایک پکی قبر کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔یہاں سے وہ میرب کی قبر کو بآسانی دیکھ سکتا تھا۔

اس نے بے چینی سے گھڑی پر نظر ڈالی۔گھڑی کی سوئیاں مقرر کردہ وقت کو پار کر چکی تھیں پھر وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں تھا۔

اس کے موبائل پر ایک دم سے تھرتھراہٹ ہوئی۔موبائل سائیلینٹ پر تھا،دیان نے جیب سے فون نکالا تو ارسل کی کال کی تھی۔اس نے کال کاٹ کر ایک میسج لکھا

"قبرستان کے باہر ہی رکو اندر آنے کی ضرورت نہیں کوئی مسئلہ ہوا تو میں بلوالوں گا،اور اب مجھ سے بحث مت کرنا"

اس نے پیغام لکھ کر بھیج دیا اور فون واپس جیب میں ڈال دیا۔

اس کی بے چین نظریں پھر سے میرب کی قبر کی طرف اٹھیں اور اب کے جو اٹھیں تو پلٹنا بھول گئیں۔

عرش جہانگیر ایک چھوٹی سی بچی کا ہاتھ تھامے اسے میرب کی قبر کی جانب آتا دکھائی دیا۔ وہ بچی وہی تھی جو اس روز دیان کو خط دے کر گئی تھی۔

دو پونیاں بنائے ہاتھ میں ایک گڑیا تھامے وہ چھوٹی سی بچی اچھلتی ہوئی عرش کا ہاتھ تھامے آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور رنگت دودھ سے بھی زیادہ سفید۔ سیاہ چمکدار بال اور گلابی پھولے ہوئے گال، وہ مشرق اور مغرب کا امتزاج لگتی تھی۔

اور دوسری جانب چلتا عرش آج بھی ویسا ہی تھا۔ اس کی چال سے آج بھی غرور جھلک رہا تھا۔ اس کی عمر اس وقت لگ بھگ چالیس کے قریب تھی۔ لیکن اس عمر میں بھی اس کا وقار برقرار تھا۔ کانوں کے قریب سے

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی۔سیاہ سوٹ پر آف وائٹ چادر اپنے گرد لپیٹے عرش جہانگیر میرب کی قبر کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

اس کا وجود آج بھی اتنا ہی تواناد کھ رہا تھا۔مضبوط،ہر کسی کو زیر کر لینے والا،اپنا اسیر کر دینے والا۔چہرہ کرخت تھا مقابل کو سہما دینے والا۔ہونٹ سیاہ ہو چکے تھے اور سختی سے بھینچے تھے۔ہلکی براؤن بئیرڈ میں چند سفید بال نظر آرہے تھے جو اس کی پرسنیلٹی کو چار چاند لگا رہے تھے۔

دیان ساکت پتلیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔اپنے اندر ایک لاوا سا ابلتا محسوس ہو رہا تھا۔اس کی گردن کی رگیں ابھر چکی تھیں۔دانت سختی سے ایک دوسرے پر جمے تھے۔یہ وہ انسان تھا جس کو اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپتا،مرتا دیکھنے کی خواہش دیان نے ساری زندگی کی تھی۔لیکن وہ آج بھی ویسے ہی اس کے سامنے کھڑا تھا جیسے آج سے چند سالوں پہلے تھا۔

لیکن سامنے کا منظر بدلتا دیکھ کر ایک پل کے لیے دیان کی آنکھوں کی پتلیوں میں حرکت ہوئی۔ سامنے نظر آتے منظر پر یقین کرنا اس کے لیے سب سے مشکل امر تھا۔

یہ تو اس نے کبھی چاہا ہی نہیں تھا۔ اس کا جسم بالکل ساکت ہو گیا تھا، بے حس و حرکت۔ دل کی دھڑکن حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ دیان کے جسم کا ایک ایک رواں عرش جہانگیر کے منہ سے نکلتے الفاظ کو سن رہا تھا۔

جو پورے وقار سے کھڑا ایک دم لڑکھڑا کر قبر کے دہانے پر بیٹھ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ اس کی بلند ہوتی چیخیں اور آہیں دیان بآسانی سن سکتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بے انتہا حیرت تھی۔ یہ وہ آخری منظر تھا جس کی وہ توقع کر سکتا تھا۔

"میں نے تو تمہیں اس قابل بھی نہیں چھوڑا میرب کہ تم سے معافی مانگ سکوں۔ میں بہت ہمت کر کے آیا ہوں آج یہاں ورنہ مجھے لگا تھا جس روز

میں تمہاری قبر کے قریب قدم رکھوں گا میری روح میرے جسم کا ساتھ چھوڑ دے گی لیکن مجھ جیسے درندے کو شاید موت بھی سکون نہیں دینا چاہتی۔

میں نے تم سے سچی محبت کی تھی میرب، میں آج اس بات کا سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ عرش جہانگیر نے اگر کسی سے سچی محبت کی ہے تو وہ صرف میرب فاروق حیدر تھی۔ پر یہ کیسی محبت تھی میرب جو تمہاری خوشیوں کو نگل گئی۔ میں ایک درندہ تھا جو تمہاری خوشیوں کو نوچ گیا۔ میں نے تمہیں خود سے محبت کرنے کی سزا دی میرب تم نے کیوں کی مجھ جیسے انسان سے محبت"

وہ بلک رہا تھا، زارو قطار رو رہا تھا۔ پاس کھڑی وہ بچی سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اگر کوئی اور عرش کو اس حال میں دیکھتا تو یقیناً اسے اس پر ترس آنے لگتا لیکن چند قدموں کے فاصلے پر کھڑے دیان کی آنکھوں میں نفرت انگاروں کی طرح دہک رہی تھی۔

"میں کیا کروں میرب میں ہر روز مرتا ہوں۔روز رات کو اس امید سے سوتا ہوں کہ شاید مجھے اگلی صبح کا سورج نصیب نہ ہو لیکن جب صبح کے وقت میری آنکھ کھلتی ہے تو میرا دل کٹ کر رہ جاتا ہے۔اذیت کی شدید لہریں میرے جسم میں اٹھتی ہیں۔میرا تو دل بھی بند نہیں ہوتا۔

تمہاری بد دعا لگ گئی مجھے میرب۔عرش جہانگیر برباد ہو گیا میرب،میں تباہ و برباد ہو گیا۔مجھے اگر کوئی آباد کر سکتا تھا وہ صرف تم تھی میرب،مجھے راہ راست پر اگر کوئی لا سکتا تھا تو وہ صرف اور صرف تم تھی پر میں نے اپنے ہی مسیحا کو نوچ ڈالا۔میرا دل پھٹ رہا ہے میرب"

وہ آسمان کی جانب منہ کر کے زور سے چلایا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"یااللہ مجھے موت دے دے۔نہیں برداشت ہوتا اب مجھ سے،بہت سزا کاٹ لی ہے میں نے۔۔۔۔میرب تم واپس آجاؤ یار مجھے معافی مانگنی ہے

تم سے۔ یا خدا میں کس کس سے معافی مانگوں۔ کس کس کی قبر پر جا کر روؤں۔ کس قدر گہری کھائی کھودی ہے میں نے اپنے لیے"

وہ اتنی زور سے چلا رہا تھا کہ پاس درختوں کی شاخوں پر بیٹھے پرندے اڑ چکے تھے۔ قبرستان کے سنسان ماحول میں اس چالیس سالہ مرد کی چیخیں گونج رہی تھیں۔

"میں مرتا کیوں نہیں یا اللہ مجھے دردناک موت دے دے۔ اتنی دردناک کہ ساری دنیا میری مثالیں دے کہ عرش جہانگیر نامی ایک درندہ تھا جو کتوں کی طرح اپنے انجام کو پہنچا۔ مجھے کوئی سخت سے سخت سزا سناؤ میرب اتنی سخت کہ اس کی تکلیف کے سامنے میرے ضمیر کی اذیت کم پڑ جائے"

عرش میرب کی قبر پر سر رکھ کر ایک بار پھر بلک پڑا۔ اس کی حالت اس وقت قابل رحم تھی۔

دیان نے بے اختیار قبر کے پاس بنی دیوار کو تھاما۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا واپس کی جانب مڑ

گیا۔عرش کے رونے کی آوازیں ابھی بھی اسکے کانوں میں پڑ رہی تھیں لیکن اب اس انسان کو مزید دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔وہ بمشکل چلتا ہوا قبرستان کے دروازے پر آیا جہاں ارسل بے چینی سے ٹہلتا اسکا انتظار کر رہا تھا۔

دیان کا چہرہ دیکھ کر فوراً سے اسکی جانب بڑھا اور اسے سہارا دیتے تھام لیا۔

"کیا ہوا دیان"

دیان کا چہرہ سناٹوں کی زد میں تھا۔آنکھوں کے کنارے ضبط کے مارے سرخ پڑ گئے تھے۔

"مجھے گھر جانا ہے" اس نے ارسل کا ہاتھ خود سے پرے کرتے کہا۔

"دیان ہوا کیا ہے تمہاری حالت ایسی نہیں کہ تم خود ڈرائیو کر سکو،چلو میں تمہیں چھوڑ دوں" دیان کی مزاحمت کے باوجود وہ کھینچتا ہوا اسے اپنے ساتھ گاڑی تک لایا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا کر خود دوسری جانب آ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارسل نے اس سے کوئی بھی سوال نہ کیا بس خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

دیان نے سر جھکا کر بالوں کو مٹھی میں دبوچ لیا۔وہ شخص ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔وہ چودہ سال سے اذیت کی انتہاؤں کو برداشت کر رہا تھا صرف اس امید سے ایک دن اسے اپنی اذیتوں کا حساب ملے گا۔وہ تو عرش جہانگیر کے غرور کو توڑنا چاہتا تھا،اس انسان کو پورے قد سے زمین بوس کرنا چاہتا تھا،اسے اذیت لفظ کا مطلب سمجھانا چاہتا تھا لیکن وہ تو پہلے سے ہی ٹوٹا ہوا تھا۔اس کی اذیتوں میں وہ اب مزید کیا اضافہ کرتا۔یہ چیز دیان حیدر کو مزید تکلیف دے رہی تھی۔وہ خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کر رہا تھا۔وہ کس طرح اپنا بدلہ دے۔جس انسان لے لیے موت سکون ہو وہ اسے موت بھی نہیں دے سکتا تھا۔جس شخص کی زندگی اذیت سے بھری ہو وہ اسے مزید کیا اذیت دے۔

اسے اپنی زندگی کی ساری تڑپ ضائع ہوتی محسوس ہوئی۔

"دیان تمہارا گھر آگیا" ارسل نے ایک ہمدردانہ نظر اپنے دوست پر ڈالی۔ دیان بغیر اسکی جانب دیکھے لڑکھڑاتا ہوا گاڑی سی اترا اور گھر کی جانب بڑھ گیا۔

گارڈ کے دروازہ کھولنے پر وہ اندر چلا گیا تو ارسل بھی گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا۔ اسے ابھی دیان کی گاڑی بھی لانی تھی۔

دیان لاؤنج میں داخل ہوا جو خالی تھا ہاں البتہ کچن سے آوازیں آرہی تھی۔ بتول حیدر اور زائشہ کچن میں تھی۔

وہ سیڑھیوں چڑھتا اوپر اپنے کمرے میں آگیا۔ دروازہ بند کر کے جیکٹ اتار کر صوفے پر پھینکی اور واشروم میں گھس گیا۔

سنک پر دونوں ہاتھ سختی سے جما کر اس نے چند گہرے سانس لیے۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ نظریں اٹھا کر سامنے لگے شیشے کی جانب دیکھا۔

ایک دم سے نا جانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے چلاتے ہوئے پاس رکھا خوبصورت سا موم بتیوں کا سٹینڈ اٹھا کر زور سے شیشے پر مار دیا۔ چھناک کی

آواز سے شیشے میں ایک دراڑ پیدا ہوئی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ایک ٹکڑا سنک پر سختی سے جمے دیان کے ایک ہاتھ پر آ کر لگا۔خون کی لکیر وہاں سے بہی اور قطرہ قطرہ نیچے گرنے لگی۔اس کا تنفس بہت تیز ہو چکا تھا۔چہرے پر عجیب سی وحشت تھی۔

خون ابھی بھی اس کے ہاتھ سے بہہ رہا تھا۔دیان نے اسی ہاتھ سے نل کھول کر پانی کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرا اور چہرے پر چند چھینٹیں ماری۔پھر پانی کو ہتھیلی پر بھر کر سر پر گرانے لگا۔اسے دیکھ کر کسی پاگل کا گمان ہو رہا تھا۔جو سخت سردی میں خود پر لگاتار پانی بہا رہا تھا۔ بالوں سے بہہ بہہ کر پانی اس کی شرٹ کو بھگو گیا تھا۔لیکن وہ ابھی بھی رکا نہیں تھا۔

"دیان آپ اندر ہیں" زائشہ نیچے کچن میں کام کر رہی تھی جب اسے کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔آواز اوپر سے آئی تھی۔بتول حیدر شاید باتوں میں مصروف آواز پر غور نہیں کر پائی تھیں۔زائشہ بہانہ بنا کر کچن سے نکل

آئی۔کمرے میں داخل ہوتے وہ ذرا خوفزدہ تھی پر صوفے پر رکھی دیان

کی جیکٹ کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔

باتھروم سے کوئی جواب نہ آنے پر زائشہ نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ

کھل گیا۔اندر کا منظر دیکھ کر اسکی چیخ گونج اٹھی۔

دیان اپنے زخمی ہاتھ سے خود پر پانی ڈال رہا تھا۔نیچے فرش پر بہتے پانی کا

رنگ ہلکا گلابی ہو چکا تھا۔

"دیان" وہ چیختے ہوئے اسکے پاس آئی پر وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

"دیان کیا کر رہے ہیں آپ" اس نے دیان کا ہاتھ تھام کر فوراً سے اپنا دوپٹہ

اس کے اوپر رکھ کر خون روکنے کی کوشش کی۔دیان نے نظریں اٹھا کر

اسے دیکھا جو زار و قطار رو رہی تھی۔

زائشہ اسے کھینچ کر باہر لے آئی اور صوفے پر بٹھا دیا۔واشروم میں جا کر

فرسٹ ایڈ باکس لائی اور نم آنکھوں سے اسکی پٹی کرنے لگی۔کمرے میں

ایک عجیب سی خاموشی چھائی تھی۔دیان گردن ایک طرف جھکائے ساکت نظروں سے زائشہ کو پٹی کرتے دیکھ رہا تھا۔

وہ پھر سے واشروم میں گئی اور جب واپس آئی تو اسکے ہاتھ میں تولیہ تھا۔اس کے گیلے بالوں کو خشک کر کے زائشہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر اسکی طرف بڑھایا۔اس سب میں اسکے آنسو ایک پل کے لیے بھی نہیں رکے تھے۔

دیان ویسے ہی ساکت نظروں سے اسے دیکھتا گیا۔زائشہ کو اپنے دل پر گھونسا پڑتا محسوس ہوا۔

اس نے گلاس دیان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔چند گھونٹ لینے کے بعد وہ چہرہ موڑ گیا تو زائشہ گلاس رکھ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔دونوں بالکل خاموش تھے یا شاید آج الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"میں نے آج اسے دیکھا زائشہ" کچھ دیر بعد دیان کی مدھم آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ زائشہ مکمل طور پر اسکی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ دیان اسے خود بتائے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

"میں اسے تڑپانا چاہتا تھا، اسے بتانا چاہتا تھا کہ جب اپنے تکلیف میں مبتلا ہوتے تو دل پر کیسے خنجر چلتے ہیں۔ میں نے سارا منصوبہ بنالیا تھا اسے تباہ کرنے کا پر وہ سب دھرا کا دھرا رہ گیا۔ عرش جہانگیر خود کو تباہ کر کے میرے سامنے آیا ہے۔

اس کے لیے اب کوئی بھی اذیت معنی نہیں رکھتی۔ وہ خود سے نفرت کر رہا ہے، اپنے لیے موت کی دعائیں کر رہا ہے۔ ایسے انسان سے میں کیا بدلہ لوں زائشہ"

آخری کا جملہ اس نے زائشہ کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی۔ زائشہ کے لیے دیان کی باتیں کافی حیرت کا

باعث تھیں۔ وہ آج عرش سے ملنے والا تھا زائشہ اس بات سے ناواقف تھی۔ اس انسان کو سزا ملے، یہ تو وہ بھی چاہتی تھی لیکن دیان کی حالت کا احساس کرتے اس نے اپنے اندر اٹھتے ہر قسم کے جذبے پر بندھ باندھ دیا۔ فلحال اسے صرف ایک چیز کی فکر تھی اور وہ تھا دیان۔ اس کی ذہنی کیفیت اس وقت نارمل نہیں تھی اور زائشہ کو بس اسے پرسکون کرنا تھا۔

وہ کچھ دیر کے لیے اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئی۔ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ دیان کو کس طرح تسلی دے۔

لیکن پھر جب وہ بولی تو دیان حیدر کا ایک ایک اعضاء سماعت کا کام کرنے لگا۔ وہ دم سادھے اسے سن رہا تھا۔

"دیان اللہ نے آپ کے صبر کا بدلہ لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ادھار نہیں رکھتی، آپ نے جو کچھ بھی برداشت کیا وہ سب اب وہ شخص برداشت کر رہا ہے"

"لیکن اسے کوئی سزا تو نہیں ملی نا"

"اسے سزا مل چکی ہے دیان۔ ضمیر سے بڑی عدالت کوئی نہیں ہوتی۔ ایک گنہگار شخص کے لیے ہدایت ہی اس کے گناہوں کی سب سے بڑی سزا ہوتی ہے اور یقین جانیں یہ سزا دنیا کی کوئی عدالت نہیں دے سکتی"

آج ایک بار پھر سے زائشہ کی باتیں دیان حیدر کو ساکت کر گئی تھی۔ اس کی باتیں دیان کی زخمی روح پر کسی ہونہار طبیب کی طرح مرہم رکھتی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ اسے پھانسی بھی دلوا دیتے تب بھی شاید وہ اتنی اذیت سے نہ گزرتا جتنی اذیت سے وہ آج گزر رہا ہے۔ ضمیر کے کوڑے جب پڑتے ہیں تو انسان بلبلا اٹھتا ہے دیان۔ ضمیر انسان کو ایسی جگہ لا کر مارتا ہے جہاں اسے پانی بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ضمیر بہت ظالم چیز ہے۔

ضمیر سے بڑا جلاد کوئی نہیں ہوتا آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا بدلہ پورا ہو گیا۔

ضمیر کی سزا روح کی سزا ہوتی ہے اور روح کی اذیت سے بڑی اذیت اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔آپ شکر ادا کریں دیان کہ اس انسان کو احساس ہو گیا کیونکہ آپ اس کو ہر قسم کی سزا دے سکتے تھے،ایسا کرنے آپ کے بس میں تھا لیکن اسے اس کے گناہوں کا احساس دلوانا آپ کے بس میں نہیں تھا۔

ہمارے نبی کا بھی تو یہی طریقہ تھا۔انہوں نے کبھی کفار یا مشرکین کے لیے بد دعا نہیں کی ہمیشہ ان کے لیے ہدایت کی دعا کی لیکن گناہ،گناہ میں بھی فرق ہوتا ہے۔چھوٹے گناہوں کا اثر چھوٹی نیکیاں زائل کر دیتی ہیں،بڑے گناہوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے بڑی بڑی نیکیاں کرنی پڑتی ہیں پر کبیرہ گناہ۔۔۔کبیرہ گناہ آسیب ہوتے ہیں دیان۔انسان مر جاتا ہے پر یہ آسیب پیچھا نہیں چھوڑتے۔قبر تک انسان کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔

زندگی کے ہر موقع،ہر لمحے،ہر سانس پر یہ گناہ یاد آتے ہیں"

"زائشہ اگر اس انسان کی توبہ قبول ہو گئی تو اس کی سزا بھی ختم ہو جائے گی" دیان کے چہرے پر جیسے سایہ سا لہرایا تھا۔

"اس بات کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے دیان کہ کس کی توبہ قبول ہوئی ہے اور کس کی نہیں۔ کون سا گناہ معاف ہو گا اور کون سا نہیں۔ اس بات کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ عادل ہے۔ اس نے کہا حقوق اللہ کی معافی مل جائے گی پر حقوق العباد کی نہیں۔ اور اس انسان نے تو قتل کیے ہیں زنا جیسا گناہ کیا۔ اپنے ماں باپ کو تکلیف پہنچائی ہے۔

کسی کا ناحق قتل کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹی قسم کھانا، سود، زنا یہ سب گناہ کبیرہ ہیں دیان۔ میں عرش جہانگیر کی نیت کو تو نہیں جانتی پر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اللہ انصاف کرے گا جو شاہد ہو چکا ہے"

دیان نے آنکھیں بند کر کے چہرے بلند کر دیا۔ پھر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"میں اب کچھ نہیں کروں گا زائشہ۔اس انسان کو اس کی سزا مل گئی ہے اور شاید میری منتخب کی گئی سزا سے بھی بڑی سزا ملی ہے۔وہ یونہی تڑپتا بلکتا رہے گا لیکن اسے کہیں سے بھی معافی نہیں ملے گی۔وہ مجھ سے صرف اس لیے ملنا چاہتا تھا کہ مجھ سے معافی مانگ سکے،خود کو تسلی دے سکے کہ اس نے ایک کوشش کی ہے لیکن میں اسے اپنی اس کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔

وہ ساری زندگی مجھ سے ملنے کے لیے ترستا رہے گا پر اسے میری شکل دیکھنا بھی نصیب نہیں ہو گی"زائشہ نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔دیان نے گہری سانس لے کر اسکی جانب دیکھا۔

"بہت شکریہ زائشہ"

"کس لیے"

"مجھے سنبھالنے کے لیے ورنہ میں آج ضرور کوئی انتہائی قدم اٹھا دیتا۔آج مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ضبط جواب دے جائے گا،اتنے سال سے

جس صبر کی رسی کو تھام کر چل رہا تھا وہ ہاتھ سے چھوٹ جائے گی لیکن تم نے مجھے یہ سب کرنے سے بچا لیا۔

میں عرش کو وہی سزا دوں گا جو میرے اللہ نے اسے دی ہے"

دیان کے اندر تک سکون اتر گیا تھا۔ آج پہلی بار یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے اندر برسوں سے جلتی آگ آج ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔ جس اذیت میں وہ عرش کو دیکھنا چاہتا تھا آج عرش جہانگیر اس سے کہیں زیادہ اذیت کو برداشت کر رہا تھا۔ وہ بالکل بے بس تھا، کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ نہ کسی سے معافی مانگ سکتا تھا نہ کسی کو قبر سے نکال کر زندہ کر سکتا تھا۔

اب اسے بقایا کی زندگی اپنے گناہوں کے پچھتاوے کے ساتھ گزارنی تھی۔ پچھتاوا انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے اور عرش جہانگیر کا وجود بھی اندر سے ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ اب بس دیکھنا یہ تھا کہ یہ ریزہ ریزہ ہوا وجود قدرت کی طرف سے لکھے گئے انجام کو کیسے پہنچے گا۔ اور بے شک قدرت کے لکھے گئے انجام دل دہلا دینے والے ہوتے ہیں۔

جیسے فرعون کا انجام تھا، قوم لوط کا انجام تھا۔۔۔

۔۔۔عبرت ناک۔

****

"کیا ہوا دیان بیٹا، تمہاری طبیعت ٹھیک ہے" دیان کے چہرے پر کچھ غیر معمولی محسوس کر کے بتول حیدر نے فکر مندی سے پوچھا۔اس وقت وہ سب اکٹھے ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے ڈنر کر رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں مام بس ہلکا سا سر درد ہے"

"اوہ کھانے کے بعد میں تمہیں میڈیسن اور تیز پتی والی چائے بنا دوں ٹھیک ہو جائے گا" بیوی آنے کے باوجود بھی ماؤں کی فکر اولاد کے لیے وہی رہتی ہے۔اور بتول حیدر کے لیے تو جینے کا واحد سہارا ہی ان کا بیٹا تھا۔

"زائشہ بچے آپ نے حسیب اور جنید کو ہی یہاں بلوالینا تھا اس دن بھی آپ لوگ گئے تو بس تھوڑی دیر بیٹھ کر آ گئے" فاروق حیدر نے زائشہ کو مخاطب کرتے کہا۔

"جی بابا ان کی چھٹی آ جائے تو بلواوں گی وہ تو ہر وقت تیار رہتے ہیں یہاں آنے کو"

"بچے یہاں آیا کریں گے تو ہمارے گھر میں بھی رونق لگی رہے گی صوفیہ کی بھی یونیورسٹی سٹارٹ ہو گئی اب اس پر پابندیاں لگ جائیں گی" آخر کا جملہ فاروق حیدر ہنستے ہوئے بولے۔

"کیسی پابندیاں"

"صوفیہ روز یونیورسٹی سے سیدھا یہاں آ جاتی تھی اور یہاں آ کر نہ وہ پڑھتی تھی نہ کچھ اور کرتی تھی۔ بس ہر وقت کھاتی اور سوتی رہتی تھی، وہاں تو ثمینہ نے اس پر صحیح کنڑول رکھا ہوتا تھا لیکن یہاں اسے کوئی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوتا۔ شروع شروع میں تو کسی نے کچھ نہیں کہا لیکن

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جب میڈیم کے پہلے سیمسٹر کا رزلٹ آیا تو ثمینہ حیران ہی رہ گئی مشکل سی کلئیر ہوا تھا اسکا سمسٹر۔بس پھر ثمینہ نے اس دن سختی سی اس پر پڑھائی کے معاملے میں پابندی لگا دی۔ایک وہی تو ہے جو ذرا اس پر سختی کرتی ہے ورنہ ناجانے وہ کب کی میٹرک میں فیل ہو کر گھر بیٹھی ہوتی"بتول حیدر نے ہنستے ہوئے زائشہ کو ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔

"مجھے لگا تھا زائشہ کافی برائٹ سٹوڈنٹ ہو گی"

"کوئی برائٹ سٹوڈنٹ نہیں ہے وہ۔پڑھائی سے جان جاتی ہے اس کی،دنیا جہان کے کام کرلے گی بس ایک پڑھائی نہیں کرے گا۔تم بس یہی سمجھو کہ حامد انکل زبردستی پڑھا رہے ہیں اسے ورنہ اسکے جو حالات تھے اسکا میٹرک بھی کلئیر نہیں تھا ہونا"دیان مسکراتے ہوئے وہ وقت یاد کر کے بولا جب صوفیہ کا میٹرک چل رہا تھا۔

کس قدر ٹینشن تھی ان دنوں گھر میں بلکہ ہر بار صوفیہ کے پیپرز کی دفعہ یہی حالات ہوتے تھے۔صوفیہ پڑھائی سے بھاگنے کی پوری کوشش کرتی

تھی اور ہر کوئی اسے لیکچر دے رہا ہوتا تھا۔دیان نے باقاعدہ اسے تیاری کروانے کی ذمہ داری اٹھائی ہوتی تھی کیونکہ نہ وہ خود پڑھتی تھی اور نہ کوئی ٹیوٹر رکھنے دیتی تھی۔

"صوفیہ کو ہم سب کے لاڈ پیار نے بہت بگاڑ دیا ہے اس بات کا اعتراف میں خود کرتا ہوں ایک وقت پر وہ بہت ضدی اور خود سر ہو گئی تھی لیکن اسے کنٹرول میں رکھنے کا سارا کریڈٹ ثمینہ آنٹی کو ہی جاتا ہے"

"ثمینہ صوفیہ کے لیے حد سے زیادہ محتاط ہے،اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ کبھی ضرورت سے زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ بہت خوفزدہ ہے"

"کس لیے"زائشہ نے لاؤنج میں چھا جانے والی اچانک خاموشی کو محسوس کرتے پوچھا۔بتول حیدر کی بات کے پیچھے چھپے مطلب کو وہ نہیں سمجھ پائی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جب ایک اولاد ماں باپ کے منہ پر تھوک دے ناتو دوسری اولاد پر سے بھی بھروسا اٹھ جاتا ہے اور صوفیہ تو پھر بھی اڈاپٹڈ ہے"

"مام پلیز" دیان جھنجھلاتے ہوئے بولا۔اسے بالکل پسند نہیں تھا کسی کا صوفیہ کو لے کر یہ کہنا کہ وہ ان کے خاندان سے نہیں۔

"دیان صوفیہ ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے پر ہمارے مان لینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی" زائشہ کو بتول حیدر کے لہجے میں کچھ غیر معمولی لگا۔

"اچھا بس کردو اب اس ٹاپک کو۔صوفیہ ہمارے خاندان کا حصہ ہے اس سب سے زیادہ مجھے کچھ نہیں سننا خاموشی سے کھانا کھاؤ" فاروق حیدر کے برہمی سے کہنے پر ٹیبل پر خاموشی چھا گئی۔یہ بحث کتنی طوالت پکڑ سکتی تھی انہیں باخوبی اندازہ تھا۔

ماحول میں ایک دم سے تناؤ پھیل گیا جو زائشہ کی سمجھ سے باہر تھا لیکن وہ خاموش تھی۔

کھانا ختم کر کے فاروق حیدر اپنے کمرے میں چلے گئے۔بتول حیدر نے دیان کے لیے چائے بنانی چاہی لیکن زائشہ کے منع کرنے پر وہ بھی کمرے میں چلی گئیں۔زائشہ کچن میں چائے بنانے چلی گئی جبکہ دیان واک کی غرض سے لان میں چلا گیا۔

فاروق حیدر اور بتول حیدر کو چائے دے کر زائشہ اپنا اور دیان کا کپ اٹھائے باہر لان میں آگئی۔دیان اپنے گرد شال لپیٹے سر جھکائے کسی گہری میں ڈوبا واک کر رہا تھا۔زائشہ کے پکارنے پر چونک کر اسکی جانب مڑا اور مسکراتے ہوئے اسکے ہاتھ سے کپ تھام لیا۔

"شکریہ تم کچھ پہن کر کیوں نہیں آئی باہر ٹھنڈ ہے"

"میرا دل نہیں چاہ رہا ہے تھا اوپر جانے کو" وہ منہ بسور کر بولی تو دیان نے ایک برہم نظر اس پر ڈالی۔

"ہاں پھر بیمار ہو کر مجھے نئ ٹینشن میں ڈال دینا"

"میرا بیمار ہونا آپ کے لیے ٹینشن ہو گی" زائشہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا پھر جب تک تم ٹھیک نہیں ہو گی میری جان سولی پر لٹکی رہے گی" دیان کے کہنے پر زائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"افف دیان آپ بھی نا کبھی کبھی اوور ایکٹنگ کی ساری حدیں پار کر جاتے ہیں"

"رکو یہاں شال لاتا ہوں تمہاری" دیان اپنا چائے کا مگ اسے پکڑا کر اس کی نا نا کرنے کے باوجود اندر کی جانب بڑھ گیا۔

زائشہ کپ لے کر لان میں رکھی کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئی۔

"یہ لو پہنو اسے" کچھ دیر بعد دیان نے زائشہ کی گرم شال اسکی طرف بڑھائی جو اس نے خاموشی سے اوڑھ لی۔ ہوا کافی ٹھنڈی تھی۔

"دیان ایک بات پوچھوں"

"ہمم پوچھو" چائے کی چسکی لیتے دیان نے نظریں اٹھا کر اسکی جانب دیکھا۔

"آج ڈائننگ پر ماما کے لہجے میں صوفیہ کے لیے وہ محبت نہیں تھی جو پہلے مجھے اس گھر کے ہر فرد کی آنکھوں میں صوفیہ کے لیے ملی ہے"

دیان نے تحمل سے اسکی بات سنی اور گہری سانس لے کر کپ رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا زائشہ اس بارے میں ضرور پوچھے گی۔

"زائشہ مام چاہے جتنا مرضی ہمارے سامنے ظاہر کر لیں کہ انہوں نے خود کو مضبوط کر لیا ہے لیکن میں جانتا ہوں وہ اندر سے بہت کمزور ہیں، ان کی ذات ذرّہ ذرّہ ہو چکی ہے۔ صرف صوفیہ ہی نہیں کبھی کبھی ثمینہ آنٹی اور حامد آنٹی کے لیے بھی انکا رویہ اتنا سرد ہو جاتا ہے کہ ہم سب حیران رہ جاتے ہیں۔

لیکن اس کی بس ایک ہی وجہ ہے کہ مام کسی طرح اپنے اندر اٹھتی فرسٹریشن کو نکالتی ہیں۔ انہیں کوئی ملتا نہیں جسے وہ موردالزام ٹھہرائیں، جس کے اندر اپنی نفرت انڈیل سکیں یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنے مزاج کے خلاف کام کر جاتی ہیں"

"دیان اگر ہم ماما بابا کو سب بتادیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے"

"زائشہ ایسا کرنا خود اپنے ہاتھوں سے قیامت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔دونوں گھروں میں موجود لوگوں نے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا ہے۔اور میں جانتا ہوں اگر ڈیڈ کو اس بات کو بھنک بھی پڑ گئی تو عرش جہانگیر کو سزا دلوانے کے لیے وہ ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کریں گے اور رہی بات حامد انکل کی تو عرش ان کا بیٹا ہے ان کا خون ہے۔ثمینہ آنٹی آج بھی چھپ چھپ کر اسکے لیے روتی ہیں جیسے میری ماں میرب کے لیے روتی ہے۔اپنی اولاد کو سولی پر لٹکتا دیکھ کر وہ دونوں تڑپ جائیں گے۔سالوں پہلے عرش جہانگیر کے بھاگ جانے پر اس گھر کے لوگوں کو صبر آ گیا تھا لیکن اب اگر پھر سے انہیں ناکامی ہوئی تو میرے ماں باپ برداشت نہیں کر پائیں گے زائشہ"

"دیان ایک اور بات پوچھوں"

"یار پوچھ کیوں رہی ہو سیدھا بولو"

"اچھا ٹھیک ہے......دیان جب بابا نے عرش پر کیس کر دیا تھا تو آپ نے بتایا کہ وہ ملک سے باہر چلا گیا تو کیا اسے ڈھونڈنے کی سب کوششیں بند کر دی گئی تھیں۔ہو سکتا ہے وہ باہر گیا ہی نہ ہو بلکہ پاکستان میں ہی کہیں چھپ کر بیٹھا ہو" زائشہ آج دیان سے ساری حقیقت جاننا چاہتی تھا۔وہ صرف اوپر کی باتوں سے آگاہ تھی، یہ لڑائی کیسے شروع ہوئی تھی اسے اس بات کا بالکل علم نہیں تھا کیونکہ کسی نے اسے علم ہونے ہی نہیں دیا تھا۔ پہلے اپنی ضد کی وجہ سے اور اب کچھ مصروفیات کی وجہ سے وہ کچھ جان ہی نہیں پائی تھی۔اس قیامت کی وجہ تھی، شعلہ بھڑکا کیسے تھا وہ ابھی تک انجان تھی۔

"نہیں ایسا نہیں تقریباً ایک مہینے تک پولیس اسے تلاش کرتی رہی تھی۔کوشش ہماری طرف سے نہیں کی گئی تھی بلکہ ہارون رشید ملک کی طرف سے کی گئی تھی۔ہارون رشید اس وقت کے جانے مانے بزنس مین اور سیاست دان تھے ان کی صرف ایک ہی بیٹی تھی انشراح ملک، عرش

کے اس لڑکی کے ساتھ تعلقات تھے جس کی وجہ سے میرب اور عرش کی منگنی ٹوٹی تھی۔وہ عرش کو پسند کرتی تھی لیکن عرش نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس نے اپنی اور عرش کی تصویریں میرب کو بھیج دیں۔میرب نے منگنی توڑ دی کیونکہ عرش کا تعلق صرف انشراح سے ہی نہیں اور بھی بہت سی لڑکیوں سے تھا۔

سننے میں آیا تھا کہ عرش نے اسی چیز کا بدلہ لینے کے لیے اس لڑکی کو اغواہ کروا دیا تھا۔وہ لڑکی راتوں رات غائب ہو گئ تھی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔اس کے باپ نے بہت بھاگ دوڑ کی پر کچھ معلوم نہیں ہوا۔پھر انشراح کا فون چیک کرنے پر اسکی اور میرب کی گفتگو سامنے آئی جس سے سب کا شک عرش پر گیا لیکن ان کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا اس وقت"

"اس لڑکی کا کیا بنا"زائشہ دیان کی بات کاٹ کر بولی۔

"معلوم نہیں شاید عرش نے مار دیا ہوا سے" دیان کی بات سن کر زائشہ کو اپنے جسم میں خوف ایک لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔ تو کیا عرش جہانگیر نے دو نہیں بلکہ تین قتل کیے تھے۔

"اس نے میرے بابا کو کیوں مارا" زائشہ کی آواز رندھ گئی۔ سب کچھ جاننے کا تجسس بڑھ رہا تھا تو دل کی تکلیف بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"منگنی ٹوٹنے کے بعد عرش نے میرب کو سارے سرکل میں بدنام کرنا شروع کر دیا تھا، بابا نے اسے وارن بھی کیا تھا پر وہ باز نہ آیا۔ بابا جانتے تھے کہ اگر میرب آپی تک یہ بات پہنچی کہ کس طرح معاشرے میں ان کے کردار کو اچھالا جا رہا ہے تو ان کے لیے یہ سب کتنا تکلیف دہ ہوتا کیونکہ وہ پہلے ہی بہت ڈپریسڈ تھیں۔ شادی سے دو ہفتے پہلے ان کا رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ بابا نے عرش کو روکنے کے لیے اس کی اور انشراح کی تصویریں طالب انکل کی مدد سے خوفیہ طور پر میڈیا تک پہنچا دیں۔ اس طرح یہ بات بھی کنفرم

ہو گئی کہ انشراح کے غائب ہونے کی عرش کا کوئی نہ کوئی ہاتھ ضرور ہے اور میرب کے لیے بھی لوگوں کے منہ بند ہو گئے۔

لیکن عرش تک نا جانے کیسے اس بات کی خبر پہنچ گئی کہ میڈیا تک وہ سب کچھ پہنچانے میں طالب انکل انوالو تھے۔ عرش نے اسی لیے انہیں قتل کروادیا تھا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ وہ اس کے لیے مزید مسئلہ کھڑا کریں گے"

"پھر.... پھر کیا ہوا" زائشہ کی آواز کپکپا گئی۔ یہ سب کچھ اس کی سوچ سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔

"عرش نے میرب پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس کا اور طالب انکل کا کوئی تعلق ہے جبکہ ایسا نہیں تھا۔ طالب انکل تو میرب کو اپنی بہنوں سے بھی بڑھ کر سمجھتے تھے لیکن ایک دن عرش کی طالب انکل سے ذرا سی جھڑپ ہو گئی تھی جس کے بدلے میں بھی اس نے یہ سب کیا۔

طالب انکل کی ڈیتھ کے بعد معاملہ مزید پیچیدہ ہو گیا تھا اور اسی حادثے میں بابا کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے وہ کومہ میں چلے

گئے۔ابھی تک ان سب باتوں سے صرف بابا، طالب انکل اور میرب آگاہ تھے کہ عرش جہانگیر کیسا درندہ صفت انسان ہے۔

ثمینہ آنٹی اور حامد انکل سے ان دنوں ہماری بات چیت بند ہو گئی تھی۔ان کا عرش سے بھی رابطہ بند تھا کیونکہ عرش نے گھر آنا بہت کم کر دیا تھا۔

تم یہی سمجھو کہ اس وقت ہمارے سر پر کوئی سہارا نہیں تھا۔ہم بالکل لاوارث ہو گئے تھے۔بابا ہاسپٹل میں تھے، حامد انکل سے ناراضگی چل رہی تھی۔اور جس رات طالب انکل کا جنازہ تھا مام وہی پر تھیں۔میرب آپی اور میں اکیلے گھر پر تھے کیونکہ اس حملے کے بعد مام نے ہمیں گھر سے نکلنے سے منع کر دیا تھا۔میں اس حادثے کے بعد بہت ڈسٹرب تھا اور یہی وہ وقت تھا جب عرش جہانگیر ہمارے گھر میں داخل ہوا تھا۔

میں لان میں بیٹھا تھا جب مجھے میرب کی چیخیں سنائی دیں" دیان نے سختی سے آنکھیں میچ کر گہری سانس لی۔اس کی گردن کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

"میں لاونج میں آیا تو عرش اپیا کو گھسیٹتا ہوا روم میں لے کر جارہا تھا لیکن میرے کمرے تک پہنچنے سے پہلے اس نے دروازہ لاکڈ کر دیا۔اس کے بعد میں مسلسل دروازہ بجاتا رہا، سنسان گھر میں میری بہن کی چیخیں گونج رہی تھیں۔وہ میری زندگی کی سیاہ ترین رات تھی۔اس ایک رات نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔مجھے لگتا ہے میں مر بھی جاؤں گا تب بھی وہ رات میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی" دیان کچھ لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔شاہد وہ اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آہستہ آہستہ میرب اپیا کی چیخیں بند ہو گئی تو میں بھی وہی زمین پر روتا روتا سو گیا۔عرش کے دروازہ کھولنے پر میں اٹھا تو وہ میرے پاس آیا۔مجھے ایک خط دیا چند باتیں کی اور میرا گال تھپتھپا کر چلا گیا۔وہ خط وہی تھا جو تم نے پڑھا تھا۔

اس وقت اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس شخص کو اسی لمحے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔میں نے اپنی آنکھوں سے اسے یہاں سے جاتے دیکھا تھا

اور میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں جانتا ہے نہیں تھا کہ وہ شخص ہم پر کون سی قیامت توڑ کر جا رہا ہے۔

"پھر جب میں کمرے میں گیا تو اپنی بہن کی حالت میں تمہیں بیان نہیں کر سکتا زائشہ۔ وہ درندہ اسے نوچ کر چلا گیا تھا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ آج بھی اس رات کے بارے میں سوچتا ہوں تو خود سے نفرت محسوس ہوتی ہے، کیسا بھائی تھا میں اپنی بہن کی عزت کی حفاظت نہ کر سکا۔ بھائی تو بہنوں کی عزت کے محافظ ہوتے ہیں اور وہ شخص میری موجودگی میں سب کر کے چلا گیا اور مجھے علم بھی نہ ہوا۔

میں دس سال کا بچہ تھا، اگلے دن میری سالگرہ تھی پر اس انسان نے میرا بچپن اجاڑ دیا۔ میں نہیں جانتا میں نے کیسے ماما کو فون کیا، کب وہ آئیں کس نے حامد انکل اور ثمینہ آنٹی کو بلایا، کیسے میرب آپی کو ہاسپٹل لے کر گئے، وہاں کیا ہوا مجھے کچھ یاد نہیں۔

بس ایک چیز بار بار میرے ذہن کے پردوں پر آتی ہے، میرے بہن کی کھلی ساکت آنکھیں۔ جو مجھ سے سوال کر رہی تھیں کہ غازی میرا قصور کیا تھا۔ ایسا کون سا گناہ کیا تھا میں نے جو میرا انجام اس قدر برا ہوا"

اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ دیان نے سر جھکا کر آنکھیں بند کر دیں۔ ایک آنسو اس کی آنکھوں سے گال پر لڑکھا اور شیو میں جذب ہو گیا۔

زائشہ بالکل ساکت و جامد سی بیٹھی تھی کسی مورتی کی طرح۔ اس کا دماغ اس قدر ظلم کو قبول ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے پانی میں ماضی کی کچھ جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

اس کی باپ کی موت کے مناظر، گولیوں کی تڑتڑاہٹ، طالب مراد کے سر سے بہتا ہوا خون، اس کی باپ کی میت کے قریب خاموش بیٹھی اسکی ماں........

سب کسی کہانی کی طرح اس کے ذہن میں چل رہا تھا۔وہ خاموشی سے ماضی کی تکلیف دہ یادوں میں بہہ رہی تھی۔آنسو ٹپ ٹپ اسکی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

دوسری جانب دیان کا سرا بھی جھکا تھا۔آنکھیں خشک تھیں البتہ چہرے کے تاثرات قابل ترس تھے۔

میرب کو گھسیٹتا عرش،اس کی چیخیں،اس کا زخمی وجود،ایمبولینس کا سائرن........

دونوں وقت کے دھارے میں بہتے جا رہے تھے یاں شاید وہ دھارا انہیں اپنے ساتھ بہا رہا تھا۔

وہ دونوں ان یادوں کو معاملے میں بے بس تھے،کاش کوئی ایسی ایجاد ہوتی جس کے استعمال سے تکلیف دہ یادوں کو ماضی کی کتاب کے صفات سے مٹا دیا جاتا۔زندگی کتنی پر سکون ہو جاتی......ہے نا!

****

ایک ہفتے بعد.....

آج سفید محل میں ہر جانب رونقیں بکھری تھیں۔اتوار کی نرم گرم دوپہر کا وقت تھا اور گھر کے تمام افراد لان میں بیٹھے تھے۔زائشہ نے حسیب اور جنید کو بلوایا تھا،سیرت مراد بھی ان کے ساتھ آئی تھیں۔صوفیہ کا تو اتوار گزرتا ہی یہاں تھا۔سب لان میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"صوفیہ تم تو بہت بے وفا نکلی" پلیٹ میں کچھ سنکیس ڈال کر زائشہ صوفیہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔وہ ان سب سے دور ایک طرف حسیب اور جنید کے ساتھ کرکٹ کھیل رہی تھی۔اب تھک کر لان میں بنے فوارے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

"یار بھابھی میرا کوئی قصور نہیں یہ گاؤں والے ہے ہی بڑے ظالم ہیں" اس نے زائشہ کی پلیٹ سے ایک کباب اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"کون گاؤں والے"

"ارے میری والدہ ماجدہ اور والد حضور" وہ ناک بسور کر بولی تو زائشہ مسکرا دی۔

"تو تم انہیں موقع ہی کیوں دیتی ہو ہر کام وقت پر کر لیا کرو تو وہ کیوں لگائیں گے پابندیاں" زائشہ نے اسے اپنی جانب سے سمجھانا چاہا لیکن جس نے آج تک دیان کی نہیں سنی تھی وہ اسکی کیا سنتی۔ فوراً سے موضوع بدل گئی۔

"ویسے آپ ایک بات تو بتائیں لوکنگ سو پریٹی پریٹی..... ہاں" اس نے شرارت سے کہتے اپنا کندھا زائشہ کے کندھے پر مارا۔

"شرم کرو کچھ لڑکی" زائشہ نے اسے آنکھیں دکھاتے کہا۔ رائل بلو کلر کی شلوار قمیض میں وہ دمکتی ہوئی رنگت کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہی

تھی۔ بال کو ہلکا سا کیچر لگا کر کھلا چھوڑا گیا تھا جس میں سے چند لٹیں اس کے چہرے کے گرد ہالہ بنا رہے تھیں۔ سکون اور خوشی اسکی آنکھوں میں چمک بن کر نظر آ رہی تھی۔

"ارے میں کیوں کروں شرم، اپنے شوہر سے کرنے کو کہیں۔ جہاں جہاں آپ جا رہی ہیں وہاں وہاں ان کی نظریں ہیں ایک جگہ بیٹھ جائیں میرے بھائی کو بھی آسانی ہو گی" اس کا اشارہ زائشہ کا پورے لان میں گھومنے کی جانب تھا جو ہر کسی کو سرو کر رہی تھی۔

زائشہ نے دیان کی طرف دیکھا جو ہاتھوں کی مٹھی ہونٹوں پر جمائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بلیک پینٹ پر آف وائٹ ٹرٹل نیک شرٹ پہنے اس کے گولڈن براؤن بال ماتھے پر گر رہے تھے۔ زائشہ کے دیکھنے پر وہ مسکرایا تھا جس سے اسکے گال کا گڑھا واضح ہوا۔

صوفیہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔زائشہ ایک تھپڑ اس کے کندھے پر جڑ کر دیان کو گھورتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

دیان نے بھی ہنستے ہوئے فون نکالا اور صوفیہ کو میسج ٹائپ کیا

"بہت تنگ کرنا شروع ہو گئی ہو تم میری بیوی کو۔علاج کرنا پڑے گا تمہارا"

فون کی رنگ ٹون سن کر صوفیہ نے ہاتھ میں پکڑے فون کی سکرین پر کلک کیا اور دیان کا میسج پڑھ کر مسکرا دی۔

"میری بیماری کا علاج فلحال ابھی دریافت نہیں ہوا" میسج سینڈ کر کے اسنے وکٹری کا نشان دیان کو دکھایا اور حسیب، جنید کے پکارنے پر کھڑی ہو گئی۔

دیان نے میسج پڑھ کر افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"اللہ ہی رحم کرے ہم پر، ناجانے جب یہ دولا علاج لوگ ملیں گے تو کون سی نئی بیماری پیدا ہو گی"

وہ پچھلے ایک ہفتے سے ارسل کے ساتھ مل کر سیرت مراد کے گھر کی شفٹنگ کا کام کر رہا تھ۔ان کے گھر زیادہ سامان نہیں تھا وہ بس کرایہ داروں کا گھر خالی کرنے کے انتظار میں تھے۔ حسیب اور جنید کے نئے سکول اور کالج میں ایڈمیشن بھی ہو گیا تھا۔ سوموار سے ان کی پہلی کلاس تھی۔

"دیان بیٹا اب تو ہنی مون کی پلاننگ کر لو۔ سیرت کا گھر بھی سیٹ ہو گیا" فاروق حیدر نے دیان کو مخاطب کرتے کہا۔

"جی ڈیڈ سوچتا ہوں کچھ اس بارے میں"

"سوچنے کا وقت گزر گیا میں نے تم دونوں کی ٹکٹس بک کروا دی ہے"

"واہ یہ تو بہت اچھا کیا آپ نے" بتول حیدر ہنستے ہوئے کہا "ورنہ اس لڑکے کا تو مجھے کوئی ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا"

"اب ایسی بھی بات نہیں مام... ڈیڈ کہاں کی ٹکٹس بک کروائیں ہیں آپ نے"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"وہ تمہارے لیے سرپرائز ہے بس تم دونوں اب تیاری کرو اپنی ہفتے بعد کی فلائٹ ہے"

"پر ڈیڈا اتنی جلدی کیا ہے"

"دیان دو ہفتے ہو چکے ہیں تمہاری شادی کو۔بچی کو کہیں گھمانے لے کر نہیں گئے تم ابھی تک اور اب میں کچھ نہیں سنو گا چپ چاپ تیاری کرو"

"آپ دونوں گھر میں اکیلے ہو جائیں گے "وہ فکر مندی سے بولا۔

"دیان ہم بچے نہیں ہیں اور ویسے بھی میری بیٹی میرے پاس ہی ہو گی تم لوگ جانے کی تیاری کرو بس"فاروق حیدر کا اشارہ صوفیہ کی جانب تھا۔

فاروق حیدر دو ٹوک انداز میں کہہ کر سب سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔دیان بھی مسکراتا ہوا اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گیا جب اچانک سے اسے ایک ان ناون نمبر سے کال آنے لگی۔

اس نے حیرت سے سکرین کو دیکھتے کال یس کر کے فون کان سے لگایا اور اٹھ کر ایک سائیڈ پر ہو گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"السلام علیکم دیان حیدر سپیکنگ" وہ اپنی مخصوص بھاری آواز میں بولا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"کون بات کر رہا ہے" دوسری طرف ہنوز خاموشی تھی۔

"بھائی جب کوئی کام نہیں تھا تو کال کیوں کی" وہ جھنجھلا کر فون کال بند کرنے لگا جب دوسری طرف سے آواز گونجی

"عرش جہانگیر بات کر رہا ہوں" اور دیان کا کان سے فون ہٹاتا ہاتھ وہیں تھم گیا۔ارد گرد کیا ہو رہا تھا اسے کچھ یاد نہیں رہا بس وہ ان لفظوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جو ابھی ابھی اس کی سماعتوں سے ٹکرائے تھے۔

عرش جہانگیر نے اسے کال کی تھی، وہ اس سے رابطے میں آنے چاہ رہا تھا۔

"کہیں میں نے عرش کو اس کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر کے غلطی تو نہیں کر دی؟ کیا پتا وہ سب ڈرامہ ہو یا اس کی کوئی نئی چال" بیک وقت کئی سارے خیالات دیان کے ذہن میں آئے۔وہ زمین پر نظریں جمائے گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

دوسری طرف عرش نے بھی ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

دیان نے جھکی نظریں اٹھائی تو سامنے اپنی ہنستی مسکراتی فیملی کو دیکھا۔سب کچھ کتنا مکمل تھا،ایک عرصے بعد۔

لمحے کے ہزار ویں حصے میں اس نے غالب آتے جذبات کو قابو کیا۔جب وہ بولا تو اس کی آواز انتہا سے زیادہ سرد تھی۔

"کیوں کال کی ہے" اس کے لہجے میں بہت کچھ تھا۔روکھا پن،نفرت،بے زاری

"کیسے ہو غازی" دوسری طرف وہ محبت سے بھرے لہجے میں بولا۔دیان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اس کے منہ سے اپنا نام سن کر اسے اپنے وجود میں انگارے بھڑکتے محسوس ہوئے۔

"میرا نام دیان حیدر ہے" اس نے دانتوں کو سختی سے ایک دوسرے پر جمائے کہا۔غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"لیکن میرے لیے تم غازی ہی ہو، میرب کے غازی" عرش کے لہجے میں گہرا دکھ بول رہا تھا۔اس کے لہجے میں کانچ کی سی چبھن تھی۔

"غازی میں صرف اپنی بہن کے لیے تھا اور عرش جہانگیر تمہارا غازی سے کوئی تعلق نہیں۔ تم شاید بھول گئے ہو پر تم نے غازی نامی بچے کو خود اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا۔ تم نے اسے اسی رات مار دیا تھا"

"مجھے تم سے بات کرنی ہے غازی" وہ دیان کی بات کو سرے سے اگنور کر گیا لیکن اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ دیان کے الفاظ نے اسے کس قدر تکلیف پہنچائی ہے۔

"آئندہ مجھے فون مت کرنا" وہ غصے سے پھنکارا اور فون کان سے ہٹانے لگا تھا جب عرش تیزی سے بولا

"غازی مجھے تم سے ملنا ہے"

دیان کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہاری سوچ ہے کہ میں تم سے ملنے آؤں گا۔ تم ساری زندگی بھی تڑپتے رہو گے ناتب بھی تمہیں میری شکل دیکھنا نصیب نہیں ہو گی"اس نے نفرت سے اپنی بات کہہ کر بغیر اس کی بات سنے کال کاٹ دی۔

اس کا نمبر نکال کر ارسل کو سینڈ کیا جب عرش کی جانب سے اسے ایک میسج موصول ہوا۔

"تم مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر رہے ہو غازی"اس کے الفاظ میں دیان کو واضح دھمکی محسوس ہوئی۔

نفرت کے جذبات اس کی آنکھوں میں سرخ رنگ بکھیر گئے تھے۔ ہونٹوں کو سختی سے بھینچے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا دماغ تیزی سے پلاننگ کر رہا تھا۔ اسے عرش جہانگیر کو ہلکا لینے کی غلطی ہر گز نہیں کرنے تھی۔

"تم نے میری طرف ایک قدم بڑھایا ہے عرش میں تمہاری طرف دس قدم بڑھاؤں گا۔ تم نے مجھ سے رابطہ کر کے اچھا نہیں کیا تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے، اگر تم جنگ چاہتے ہو تو جنگ ہی ہو گی کیونکہ میں تمہارے طرح چھپ کر بیٹھنے کا عادی نہیں ہوں"

اس کا ہاتھ تیزی سے موبائل کی سکرین پر حرکت کر رہا تھا۔ لاونج میں صوفیہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ کر ڈرامہ دیکھتی زائشہ نے مڑ کر سیڑھیاں چڑھتے دیان کی پشت کو دیکھا پھر سر جھٹک کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

****

رات کا گھر اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ کیڑوں کی مخصوص آوازیں خاموشی میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ وقت نو بجے کا تھا اور

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ٹھٹھرنے پر مجبور کر رہے تھے۔فروری کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا۔

ایسے میں ایک نہایت عالیشان گھر سے تھوڑے فاصلے پر ارسل اپنی کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا بغل میں دیان تھا۔

"چلیں"

"ہمم" دیان نے اثبات میں سر ہلا دیا تو ارسل گاڑی آگے لے گیا۔گھر کے گیٹ تک کار لے جا کر اس نے ہارن دیا۔دو گارڈ فوراً سے اس کے پاس آئے۔ارسل کی بات سن کر انہوں نے انٹر کام سے اندر کال کی اور آرڈر کے مطابق گیٹ کھول دیا۔ارسل گاڑی اندر لے آیا۔

پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ دونوں گاڑی سے اترے۔مین دروازے سے ایک آدمی نکل کر ان کی طرف بڑھا۔وہ ان کی آمد سے واقف تھا۔اس کی عمر تقریباً ستائیس اٹھائیس کے قریب تھی۔ٹراوزر پر بلیک پولو شرٹ پہنے ہوئے تھا جس سے اسکے کسرتی بازو نمایاں ہو رہے تھے۔اس

کے سکس پیکس کا اندازہ شرٹ کو دیکھ کر آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔وہ آدمی یقیناً باقاعدگی سے جم جانے کا عادی تھا۔اسے اتنی ٹھنڈ میں ہاف سلیو پہنے دیکھ کر ارسل نے ایک جھرجھری لی۔

"السلام علیکم "ارسل نے خوش دلی سے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا جسے اس آدمی نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔

"وعلیکم السلام"

"یہ میرا دوست ہے دیان حیدر "ارسل نے دیان کی جانب اشارہ کیا۔دیان نے بھی سلام کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"دیان حیدر،فاروق حیدر کا بیٹا۔اسے کون نہیں جانتا......بہر حال اندر آؤ تم دونوں"

اس نے اندر کی جانب اشارہ کیا تو وہ دونوں اسکے پیچھے چل پڑے۔گھر میں داخل ہو کر وہ ایک راہداری سے گزرے جو سیدھا ڈرائنگ روم میں آکر ختم ہوتی تھی۔وہ ڈرائنگ روم یقیناً گھر سے علیحدہ ایک طرف بنا تھا۔

وہ دونوں ٹو سیٹر صوفے پر بیٹھ گئے۔وہ آدمی ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ارسل نے مجھے سرسری ساسب کے بارے میں بتایا ہے اور مجھے بہت خوشی ہوگی تمہاری مدد کر کے" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

"بہت شکریہ آپ کا" دیان ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ہاتھوں کو باہم ملائے وہ کچھ بے چین دکھائی دے رہا تھا۔

"شکریہ تب کرنا جب میں تمہارا کام کردوں گا۔فلحال میں تم سے جو جو پوچھوں گا مجھے اس کا جواب چاہیے بالکل سچ" اس آدمی کا لہجہ ایک دم سے کرخت اور انتہائی دوٹوک ہو گیا تھا۔دیان نے اثبات میں سر ہلایا اور خود کو ہر قسم کے سوال کے لیے تیار کر لیا۔

اتنے میں ایک ملازمہ چائے اور دیگر لوازمات لیے کمرے میں آئی۔ایک ایک کر کے وہ سب چیزیں میز پر رکھ کر چلی گئی تو وہ آدمی بولنا شروع ہوا

"تو تم چاہتے ہو میں اس سب کو خوفیہ رکھوں اسکی کوئی خاص وجہ"

"کیونکہ میں اس معاملے میں میڈیا کی کسی قسم کی بھی مداخلت نہیں چاہتا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں معاملہ میری بہن کی عزت کا ہے۔لوگ میرب حیدر کی موت کی اصل وجہ سے انجان ہیں اور میں چاہتا ہوں وہ انجان ہی رہیں"

"اتنے سالوں پرانے کیس کی فائل کھلوانا مشکل ہے لیکن میں کرلوں گا مینج۔اب آتے ہیں کام کی بات پر تمہیں پورا یقین ہے اصل مجرم عرش جہانگیر ہی ہے....میرا مطلب دنیا سے مرا ہوا تصور کرتی ہے ہو سکتا ہے تمہارا کوئی اور دشمن اس چیز کو وجہ بنا کر تم سے بدلہ لے رہا ہو۔اور یقیناً جب یہ کیس کھلے گا تو پچھلے تمام معاملات کو بھی کریدا جائے گا۔سب کو افراد کو شامل کرنا پڑے گا،ہارون رشید کو بھی"

ہارون رشید اس وقت سیاست کو چھوڑ کر بزنس کی دنیا میں کامیابی کی انتہاؤں کو چھو رہے تھے۔ملک کے جانے مانے بزنس مین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

"اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ عرش جہانگیر ہی ہے میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ میرے پاس ثبوت ہیں جو عرش جہانگیر کو مجرم ظاہر کرتے ہیں اور رہی بات پچھلے معاملات کی تو میں جانتا ہوں کہ یہ کیس کیسی ہلچل مچا دے گا اور میں چاہتا بھی یہی ہوں"

"پھر اس خوفیہ رکھنے کی وجہ

"میں اس کے لیے فرار کے سب راستے بند کرنا چاہتا ہوں۔ ہم اچانک سے اسے دبوچ گیں تا کہ اسے بھاگنے کا موقع نہ مل سکے"

"ہمم.... ثبوت کیسے ہیں تمہارے پاس" اس آدمی نے اپنی ٹھوڑی کجھاتے پر سوچ لہجے میں پوچھا۔

"عرش جہانگیر کا اقرار نامہ جو اس نے غائب ہونے سے پہلے مجھے دیا تھا تا کہ وہ میرے باپ کو بتا سکے اسنے اپنا بدلہ لے لیا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ٹھیک......چائے پیو" اس نے ٹیبل پر رکھی لوازمات کی جانب اشارہ کیا تو دونوں نے جھک کر چائے کے کپ اٹھا لیے۔

"تو وہ اب واپس آگیا ہے اور تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور تم چاہتے ہو کہ اس سے پہلے کہ وہ تم لوگوں کو کوئی نقصان پہنچائے تم اس کے لیے ہر راہ بند کر دو"

"جی بالکل ایسا ہی ہے"

"تمہاری اس سے آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟"

"جب اس نے میرب کے ساتھ زیادتی کی تھی۔تب ہی اس نے مجھے وہ خط دیا تھا اور ابھی ایک ہفتہ پہلے اس نے مجھے ملنے کے لیے بلایا تھا پر میں اس سے ملا نہیں بس دور سے ہی دیکھا تھا" دیان ضبط کیے بیٹھا تھا۔یہ شخص سب باتیں معلوم ہونے کے باوجود اس سے ایک ایک بات پوچھ رہا تھا۔

"حال ہی میں تمہاری شادی ہوئی ہے نا" دیان اسکی بات پر چونکا

"جی"

"بہت بہت مبارک ہو"

"خیر مبارک"

"سنا ہے تمہاری بیوی کا بھی کوئی تعلق ہے اس سب سے"

"جی میرے سسر اس وقت ہماری کمپنی میں مینیجر تھے اور انہوں نے عرش کے خلاف ڈیڈ کی بہت مدد کی تھی جس کی بدلہ لینے کے لیے اس نے انہیں مروا دیا" دیان سنجیدگی سے بولا۔ اس سب میں زائشہ کا ذکر اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"ٹھیک تمہاری بیوی بھی پھر یقیناً اس سے نفرت کرتی ہوگی"

"تم میری بیوی کو اس سارے معاملے سے دور ہی رکھو" وہ فوراً سے آپ پر تم آ گیا۔ اس کا لہجہ دیکھ کر مقابل کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔ ارسل نے بے اختیار اپنا ماتھا مسلا۔

"دیکھو لڑکے میں اب اس کیس کو ڈیل کر رہا ہوں

اور مجھ پر لازم ہے کہ میں ہر لحاظ سے تم سے پوچھ گچھ کروں۔ اگر اتنا ہی مسئلہ ہو رہا ہے تو تم جا سکتے ہو" وہ رکھائی سے بولا۔

"نہیں نہیں جنید بھائی.... یہ بس ایسے ہی غصے میں آجاتا ہے آپ زیادہ دھیان مت دیں" ارسل نے فوراً سے بات سنبھالنی چاہی۔ دیان نے ایک زبردست گھوری سے اسے نوازا جو سرے سے ہی اسے اگنور کر گیا۔

"ہمم..... خیر کل میں لگاتا ہوں اپنے آدمیوں کو اس کام کر۔ تم فکر مت کرو تمہارے مجرم کو سزا ضرور ملے گی کیونکہ تمہارا کیس اب ایس پی جنید یوسف ڈیل کر رہا ہے"

وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایس پی جنید یوسف شازیہ شاہ کا اسٹوڈنٹ تھا اور انہی کی توسط سے ارسل دیان کو اس کے پاس لے کر آیا تھا۔ دیان خوفیہ طور پر کیس پر کام کروانا چاہتا تھا اور اس سب کے لیے اسے کوئی قابل اعتماد بندہ چاہیے تھا۔

جنید یوسف دیان سے مزید سوالات کرنا چاہتا تھا پر اس کا اکھڑا رویہ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اصل بات کیا تھی، اس بات کا فیصلہ تو وہ کیس کی فائل سٹڈی کرنے کے بعد ہی کرے گا۔

دیان اور ارسل اس سے الوداعی کلمات کہہ کر باہر آ گئے۔

"ارسل یہ کوئی گڑبڑ نہ کر دے" دیان نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے تشویش کا اظہار کیا۔

"ارے نہیں یار کچھ بھی نہیں ہو گا۔ بہت ایماندار آفیسر ہے یہ، ہم اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں"

"شکل سے تو نہیں لگا" وہ برہمی سے کہہ کر سامنے دیکھنے لگا جہاں گارڈ گیٹ کھول رہا تھا۔ ارسل کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"وہ اس لیے میرے دوست کہ وہ تمہاری بیوی کے بارے میں بات کر رہا تھا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اور میں نہیں چاہتا اس سب میں اسکا ذکر۔میں اپنی فیملی کو ہر لحاظ سے اس سب معاملے سے دور رکھنا چاہتا ہوں" کار اب گھر سے باہر نکل آئی تھی۔

"لیکن دیان تم خود ہی سوچو جب تشویش ہو گی تو سب سے ہو گی۔تم ذہنی طور پر خود کو تیار رکھو اس سب کے لیے"

"ہمم" وہ گہری سانس لے کر گیا۔ان کا رخ اب گھر کی جانب تھا۔دھند پہلے کی نسبت اور گہری ہو گئی تھی۔

رات نے دھیرے دھیرے سرک جانا تھا اور اگلی صبح کو خوش آمدید کہنا تھا۔نا جانے آنے والی صبح روشن ہو گی یا دھند کی لپیٹ میں آئی سرمئی......!

****

سوموار کی صبح تھی۔آج حبیب اور جنید کا سکول میں پہلا دن تھا جس کی وجہ سے دیان زائشہ کو صبح صبح ہی سیرت مراد کے گھر چھوڑ آیا تھا۔

ابھی نو بج رہے تھے اور دیان ڈائنگ ٹیبل پر فاروق حیدر کے ساتھ بیٹھا تھا۔اس نے وائٹ شرٹ ساتھ بلیک ٹو پیس پہنا تھا،ٹائی غائب تھی۔ایک ہاتھ میں قیمتی گھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہ موبائل تھامے ٹائپنگ کر رہا تھا۔بالوں کو نفاست سے سیٹ کیے وہ آفس جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ایک ہفتے بعد اسے اور زائشہ کو ہنی مون کے لیے نکلنا تھا اسی لیے اس نے سوچا تھا کہ آفس کا چکر لگا لے۔ورنہ تب سے سارا کام فاروق حیدر اور حامد جہانگیر دیکھ رہے تھے۔بتول حیدر کچن میں کھانا بنا رہی تھیں اور فاروق حیدر حسب معمول سربراہی کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

آج سفید محل میں ایک عجیب سا سناٹا چھایا تھا۔آج کی صبح کافی خاموش اور پراسرار تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کب تک آئے گی زائشہ "بتول حیدر نے پراٹھوں کی پلیٹ ٹیبل پر رکھتے دیان سے پوچھا۔

"شام تک آجائے گی "اس کا سارا دھیان موبائل کی طرف تھا۔

"رک جاتی کچھ دن جب سے شادی ہوئی ہے ایک بار بھی نہیں گئی"

"میں نے تو کہا تھا پر وہ کہہ رہی تھی شام تک آجاؤں گی"

"آپ دونوں بھی چلے جائیں گیں تو میں ثمینہ کی طرف چلی جاؤں گی۔ایسے ہی گھر میں بور ہو جاؤں گی اب تو زائشہ کے بغیر گھر خالی خالی لگتا ہے "بتول حیدر کہنے کے ساتھ فاروق حیدر کی پلیٹ میں کھانا بھی ڈال رہی تھیں۔

"دیان چھوڑ دو اس موبائل کی جان "دیان کو ابھی بھی موبائل کی طرف متوجہ دیکھ کر وہ بولیں۔

"او کے باس "اس نے موبائل بند کر کے ایک طرف رکھا اور کھانا پلیٹ میں نکالنے لگا۔

"تم تو چھٹی پر تھے پھر کیا جلدی آ گئی آفس جانے کی"

"ڈیڈ اب ہم اگلے مہینے ہنی مون پر چلے جائیں گے اسی لیے سوچا کہ چند دن چکر لگا لوں آفس کے"

"چلو یہ بھی ٹھیک ہے"

دوسری جانب سیرت مراد کے گھر کا منظر بھی کچھ ایسا ہی تھا۔زائشہ ابھی کچھ دیر ہی پہلے حسیب اور جنید کو ان کے سکول اور کالج چھوڑ کر آئی تھی۔ابھی وہ سیرت مراد کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔اب وہ لوگ اپنے پرانے گھر میں شفٹ ہو چکے تھے جو طالب مراد نے بنوایا تھا۔یہ گھر دیان کے گھر کی نسبت چھوٹا تھا لیکن بہت خوبصورت تھا۔

"اماں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی نئے محلے میں"

"ابھی تو میں زیادہ باہر نکلی ہی نہیں، کوئی مشکل ہوئی بھی تو میرا بیٹا ہے نا" سیرت مراد کے لہجے میں دیان کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"زائشہ تم خوش تو ہو ناوہاں"

"میں بہت خوش ہوں اماں اور چھوٹی چھوٹی باتیں تو ہر گھر میں ہوتی رہتی ہیں۔میں نے اس گھر کو اپنا گھر مانا ہے اور دیان کے ماں باپ کو اپنا ماں باپ،ان کی کوئی بات مجھے بری نہیں لگتی اماں"اس کی باتوں نے سیرت مراد کو اندر تک پر سکون کر دیا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا۔۔۔۔۔اللہ تمہیں ایسے ہی خوش رکھے"

زائشہ نے مسکرا کر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر وہ دونوں سامنے لگے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

زندگی ایک بار پھر سے پر سکون ہو گئی تھی۔کچھ پریشانیاں تھیں پر شاید اب وہ بھی ختم ہو جانی تھیں۔

وہ یونہی باتیں کرتی اپنی ماں کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھی جب اس کے فون پر رنگ ٹون ہوئی۔

اس نے فون اٹھایا۔دیان کا میسج تھا۔میسج پڑھ کر وہ فوراً سے کھڑی ہو گئی اور سیرت مراد کو کچھ کہہ کر اوپر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ شال لپیٹے کمرے سے باہر آئی۔وہ جلدی میں دکھائی دے رہی تھی۔

"اچھا اماں میں جا رہی ہوں اپنا خیال رکھیے گا"سیرت مراد کے گلے لگتے وہ بولی۔

"فی امان اللہ بیٹا میں شام کو چکر لگاؤں گی"

"اللہ حافظ"

زائشہ ان سے مل کر باہر آگئی۔ڈرائیور باہر کھڑا تھا جو حامد جہانگیر نے رکھوایا تھا،زائشہ اسے گھر چلنے کا کہتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

****

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیان ابھی ابھی میٹنگ روم سے اپنے آفس میں آیا تھا۔ گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ کر پانی کا گلاس اٹھا کر پیا اور اپنا فون آن کیا جو پاور آف تھا اور اس کے آفس میں ہی رکھا تھا۔ اتنے دن اس کے آفس سے آف رہنے کی وجہ سے بہت سارا کام اکٹھا ہو گیا تھا۔

فون آن ہوتے ہی ایک دم سے تھر تھرانا شروع ہو گیا پر جس چیز نے اس کو سب سے زیادہ متوجہ کیا وہ زائشہ کی پندرہ مسڈ کالز تھیں۔ دیان پریشانی سے سیدھا ہو کر بیٹھا اور اسے کال کرنے لگا۔ ایک کے بعد دوسری کال پر دوسری جانب سے خاموشی تھی۔ اس نے سیرت مراد کے فون پر کال کی جو کچھ دیر بعد ہی پک کر لی گئی۔

"السلام علیکم دیان بیٹا"

"وعلیکم السلام آنٹی کیسی ہیں آپ" اس نے اپنی آواز میں موجود پریشانی کے تاثر پر بروقت قابو کیا۔

"میں الحمدللہ ٹھیک ہوں تم بتول باجی کا بتاؤ، وہ کیسی ہیں؟"

"کیا ہوا امام کو" دیان نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ارے ابھی گھنٹہ پہلے ہی تو تم نے زائشہ کو میسج کیا تھا کہ ان کی طبیعت نہیں ٹھیک اور وہ گھر چلی جائے"

"میں نے" دیان کے لب ہولے سے سرگوشی کے انداز میں ہلے۔ دماغ میں ایک دم سے گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"کیا ہوا بیٹا سب خیریت ہے نا" سیرت مراد پریشانی سے بولی۔

"جی جی آنٹی بس وہ کام کی ذرا ٹینشن تھی تو ذہن سے نکل گیا۔ میں پھر بات کروں گا آپ سے خدا حافظ"

"خدا حافظ بیٹا" سیرت مراد کے کال کاٹتے ہی اس نے فوراً سے سارے میسجز چیک کیئے۔

اس نے تو زائشہ کو ایسا کوئی میسج نہیں بھیجا تھا۔

"اونو میرا فون آفس میں تھا مطلب کسی نے میرے فون سے...." آ گے کے الفاظ اسکے منہ میں ہی دم توڑ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے ایک بار پھر زائشہ کے نمبر پر کال ملائی مگر جواب ندارد۔اب وہ گھر کے نمبر پر کال کر رہا تھا مگر وہاں سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔پسینے کی چند بوندیں اس کے ماتھے پر چمکنے لگی تھیں۔

اس نے ٹیبل سے کار کی چابی اٹھائی اور کمرے سے نکل کر بھاگتے ہوئے لفٹ میں داخل ہوا۔وہ ساتھ ساتھ مسلسل اس کے فون پر کالز کر رہا تھا۔

"مریم ڈیڈ کو بتا دینا میں کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں" ریسیپشن پر بیٹھی لڑکی کو اطلاع کرتے وہ بھاگ کر پارکنگ میں آیا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کیا۔

آدھے گھنٹے کا سفر اس نے پندرہ منٹ میں طے کیا۔گھر کے باہر کھڑے ہو کر وہ کافی دیر تک ہارن پر ہارن دیتا رہا پر کسی نے دروازہ نہ کھولا۔وہ خود کار سے اترا اور گیٹ کھول کر گاڑی اندر لے گیا۔اس کی پریشانی اب تشویش میں بدل چکی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا، لان میں مالی نہیں تھا۔اسے شدت سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

وہ اندھا دھند بھاگ کر لان عبور کرتا لاونج میں داخل ہوا۔

سارا گھر سنسان پڑا تھا، بتول حیدر کو وہ خود ثمینہ جہانگیر کے گھر چھوڑ کر آیا تھا، فاروق حیدر آفس میں تھی پھر زائشہ گھر کیوں آئی تھیں اور اب وہ کہاں تھی۔ہر سو پھیلا سناٹا دیان کا دل دہلا رہی تھی۔

ایسے ہی سناٹا اس نے ایک بار پہلے بھی محسوس کیا تھا جب گھر میں نہ اسکا باپ موجود تھا نہ ماں۔

"زائشہ....."وہ زور سے چلایا پر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔کچن کی مکمل تلاشی لینے کے بعد اب اسکا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔

کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے اس کے دل میں موہوم سی امید تھی کہ جب وہ دروازہ کھولے گا تو زائشہ سامنے کھڑی ہو گی اور غصے سے اسے گھور

رہی ہو گی کہ اس نے اسکا فون نہیں اٹھایا اور وہ بھاگ کر اسے گلے لگا لے گا۔

پر اس بار اس کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں۔خالی کمرہ اس کو منہ چڑا رہا تھا۔واشروم،وارڈروب،بالکونی ہر طرف دیکھ لینے کے بعد بھی جب وہ اسے نہ ملی تو وہ کمرے کے وسط میں شکستہ سا بیٹھ گیا۔

کیا ہوا تھا یہ،اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ابھی صبح ہی تو وہ اسے کہہ کر گیا تھا کہ شام کو سیرت مراد کے گھر سے واپسی پر وہ دونوں ڈنر پر جائیں گے۔

اب یوں اچانک سے اسکا غائب ہو جانا......وہ اتنا لاپرواہ کیسے ہو گیا۔

وہ یونہی خالی ذہن کے ساتھ بیٹھا تھا۔بے چین نظریں زمین پر بچھے کارپیٹ پر تھیں۔

ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے ذہن میں کوندا۔غصہ ایک دم سے اس پر غالب ہوا اور اسے اپنے دماغ کی شریانیں پھٹتی محسوس ہوئیں۔آنکھیں لہو ٹپکانے لگیں اور مٹھیاں زور سے بھینچ گئیں۔

"تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے میری بیوی پر ہاتھ ڈالا ہے اور اب میں تمہیں ٹڑ پا ٹڑ پا ماروں گا عرش جہانگیر

"*you will pay for this*

وہ زور سے چلا یا ور فوراً اٹھ کھڑا ہوا، کمرے کی خالی دیواروں سے اسکی آواز ٹکرا کر واپس آ گئی۔ پینٹ کی جیب سے فون نکالا اور ایک نمبر پر کال کرنے لگا۔

چہرے پر جارہانہ تاثرات تھے۔ وہ اس دیان حیدر سے بہت مختلف نظر آرہا تھا جو وہ عام حالات میں نظر آیا کرتا تھا۔

کچھ سالوں پہلے عرش جہانگیر نے سب کچھ تباہ کیا تھا تو آج دیان حیدر پوری دنیا کو تباہ کرنے کا ارادہ لیے گھر سے نکل رہا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ کو دیان کی طرف سے میسج موصول ہوا تھا کہ بتول حیدر کی طبیعت نہیں ٹھیک تو وہ گھر آجائے۔ جس کو پڑھتے ہی وہ فوراً سے گھر آگئی تھی لیکن یہاں گھر میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔اس نے چوکیدار سے پوچھا تو اس نے اسے بتایا کہ بتول حیدر ثمینہ جہانگیر کے گھر گئی ہیں۔زائشہ کافی حیران ہوئی اور کمرے میں آکر دیان کو کال کرنے لگی جس کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

وہ پریشانی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"ایسی کیا بات ہو گئی کہ دیان نے جھوٹ بول کر مجھے بلوایا" وہ اپنی ہی گہری سوچ میں ڈوبی تھی جب اسے اچانک کمرے کے باہر آہٹ کا احساس ہوا۔

ایک دم سے اسے خوف محسوس ہوا لیکن پھر باہر گارڈ کی موجودگی کا سوچ کر مطمئن ہو گئی۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی پر پورا گھر ویسے ہی خاموشی میں ڈوبا تھا۔

"یہ آوازیں کس چیز کی تھیں" پریشانی سے کہتی وہ آہستہ آہستہ محتاط سی سیڑھیاں اترتی نیچے آگئی۔

وہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے اچانک اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ مردانہ پرفیوم کی خوشبو اس کے ناک کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر اسے دیکھتی اس کے منہ پر کوئی چیز رکھی گئی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنا دماغ گھومتا محسوس ہوا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہوتی مقابل کی باہوں میں جھول گئی۔

"مجھے معاف کر دینا دیان پر تم سے رابطہ کرنے کا میرے پاس واحد یہی ذریعہ تھا"

اس نے اپنے سامنے بے ہوش ہوئی زائشہ پر ایک نظر ڈالی اور افسوس سے بولا۔

****

دیان ارسل کے ساتھ اس وقت ایس پی جنید کے آفس میں موجود تھا۔ وہ پریشانی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا جبکہ ارسل کرسی پر بیٹھا جنید سے باتوں میں مصروف تھا۔

"آخر کتنا انتظار کرنا پڑے گا" بے چینی سے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اس نے ایک زوردار لات کرسی پر ماری۔ اندر باہر بے چینی ہی بے چینی تھی۔ اس کی بیوی اس کے سب سے بڑے دشمن کے پاس تھی، وہ دشمن جو ایک زانی، ایک قاتل تھا۔ اس کا سانس سینے میں اٹکا تھا۔

انہوں نے گھر کی سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کی تھی۔ عرش جیسے طاقت ور انسان کے لیے اس بوڑھے گارڈ کو بے ہوش کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اسے بے ہوش کر کے پیچھے بنے ملازموں کے کمرے تک چھوڑ کر وہ گھر میں

گھس گیا تھا۔کچھ دیر بعد وہ باہر آیا تو اسکے کندھے پر زائشہ کا بیہوش وجود تھا۔

کیمرے میں ایک ایک منظر بالکل واضح تھا۔انہوں نے اسکا گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور ابھی اسی کے ذریعے وہ اسے ڈھونڈ رہے تھے۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔زائشہ کو غائب ہوئے ایک گھنٹہ ہونے والا تھا۔گھر میں ہر کوئی اس بات سے انجان تھا۔

"صبر رکھو ینگ مین ایسے معاملات کو بہت احتیاط سے ہینڈل کرنا پڑتا اور اوپر سے تم چاہتے ہو کہ ہر چیز کو خوفیہ رکھا جائے"ایس پی جنید اسکی پریشانی دیکھ کر بولے۔

"میری بات سنو ایس پی مجھے اب کوئی پرواہ نہیں اس معاملے کے خوفیہ رہنے سے۔اسے نیشنل نیوز پر چلاؤ یا انٹر نیشنل نیوز پر مجھے آج کی تاریخ میں اپنی بیوی سہی سلامت اپنے گھر میں چاہیے"

"تمہاری بیوی اغواہ ہوئی ہے دیان حیدر کسی پکنک پر نہیں گئی جو میں اسے اتنی جلدی ڈھونڈ دوں" جنید کو دیان کا لہجہ بے حد ناگوار گزرا تھا۔

"بس کر دیں آپ دونوں ہم یہاں مسئلہ حل کرنے بیٹھے ہیں نا کہ اسے مزید الجھانے" ارسل تنگ آکر بول اٹھا۔

جنید کندھے اچکا کر کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

دیان بھی کرسی کھینچ فوراً سے بیٹھا اور آگے کی جانب جھک کر بولا

"میری بات سنو وہ چاہتا تھا کہ میں اس سے ملنے آؤں لیکن میں نے ہر دفعہ اسے انکار کیا۔ زائشہ کو اغواہ کرنے کا مقصد بھی اس کا یہی ہے کہ میں اس تک پہنچوں۔ اس نے ضرور کوئی نہ کوئی نشان چھوڑا ہوگا اپنا"

اس سے پہلے کہ جنید کوئی جواب دیتا دیان کے فون پر کال آنے لگی۔ فون پر نظر آتے نمبر کو دیکھ کر ایک دم سے اسکی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ جنید اور ارسل دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا تھا نا وہ خود چاہتا ہے میں اس تک پہنچوں"

دیان نے کہتے ہوئے فون کال ریس کی اور فون کان سے لگا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا دی۔

"عرش جہانگیر بات کر رہا ہوں" دوسری طرف اسکی بھاری آواز گونجی۔

"جانتا ہوں آگے بولو" دیان کا انداز اور لہجہ لاپرواہ تھا۔ عرش نے فون کان سے ہٹا کر حیرت سے ایک نظر فون کو دیکھا اور دوسری اپنے سامنے بیڈ پر بیہوش پڑی زائشہ کو۔

"تمہاری بیوی میرے پاس ہے"

"میں یہ بھی جانتا ہوں" اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

"اور یقیناً تم اسے ڈھونڈ رہے ہو گے"

"بالکل"

"تمہیں ڈر نہیں لگ رہا کہ میں تمہاری بیوی کو نقصان پہنچا دوں گا"

"مجھے اپنا خدا پر بھروسہ ہے عرش جہانگیر وہ اس بار میرے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دے گا۔ میں نے اپنی بیوی کو خدا کی امان میں دیا ہے"

دیان کی بات سن کر دوسری طرف چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"ایک اڈریس بھیج رہا ہوں ادھر آکر اپنی بیوی کو لے جاؤ" عرش کی آواز شکستہ اور مدھم سی تھی۔

"گڈ پولیس کو ساتھ لاؤں یا رہنے دوں.....لے آتا ہوں تمہیں گرفتاری دینے میں آسانی رہے گی"

پرسوچ انداز میں کہتے دیان نے خود ہی اپنی بات کا جواب دیا اور کال کاٹ دی۔

دوسری طرف عرش گہری سانس لے کر صوفے پر گر گیا۔

"جلدی تیاری کرو وہ ایڈریس بھیج رہا ہے" دیان فوراً سے اٹھا۔

"رکو ہو سکتا ہے یہ کوئی ٹریپ ہو۔ تم مجھے اسکا نمبر دو پہلے ہم اسکی لوکیشن ٹریس کریں گے پھر کوئی قدم اٹھائیں گے" جنید کے کہنے پر دیان نے وہ

نمبر فوراً سے اسے نوٹ کروادیا۔ جنید نے اسے ایک نمبر پر بھیجا۔ تب تک عرش کی طرف سے ایڈریس بھیج دیا گیا تھا۔

"یہی لوکیشن ہے اسکی" جنید نے اپنے فون پر موجود ڈیٹیل اور عرش کی بھیجی گئی لوکیشن کو دیکھ کر کہا۔

"جلدی کرو پھر" دیان نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا اور خود باہر کی طرف بھاگ گیا۔

اسے جلد سے جلد اپنی بیوی تک پہنچنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

وقت تھا بارہ بجے کا، موسم کچھ پراثرار سا تھا۔ نہ سرد نہ گرم، ہوا میں ایک عجیب سے اداسی تھی۔ سورج کہیں دور چھپا بیٹھا تھا، اور ہلکے بادل آسمان کو ڈھکے ہوئے تھے۔

دیان، ارسل اور جنید کے ساتھ پولیس نفری کی موجودگی میں پولیس سٹیشن سے نکلا۔ عرش کی بھیجی گئی لوکیشن تک پہنچنے میں انہیں تقریباً آدھا گھنٹا لگ گیا تھا۔

وہ ایک سنسان علاقہ تھا پر شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ارد گرد کچے مکان تھے جہاں اکا دکا لوگ تھے۔ وہ غربا کی ایک اجڑی ہوئی اور ویران بستی تھی جس کے شروع میں لوگ جھونپڑیوں میں مقیم تھے۔

ان کی پولیس موبائل اس کچے علاقے سے ہوتی آگے چلی جا رہی تھی۔

دیان کی بے چین نظریں ارد گرد کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ باہر سے خود کو مضبوط بنائے ہوئے تھا پر اندر سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ اگر عرش نے زائشہ کو کوئی نقصان پہنچا دیا، اگر اس نے زائشہ کو کھو دیا........ اس سوچ کے آگے اس کا دل و دماغ مفلوج ہو جاتا۔

"نہیں وہ اسے کچھ بھی نہیں کہے گا اس کا ٹارگٹ میں ہوں زائشہ نہیں" وہ خود کو تسلیاں دے رہا تھا کیونکہ جو اتنے عرصے سے اسے تسلیاں دیتی

آرہی تھی، جس کی موجودگی ہی اس کے لیے ہمت کا باعث تھی وہ آج اس سے دور تھی۔

مطلوبہ جگہ پہنچ کر گاڑی رکی تو وہ فوراً سے نیچے اترا۔ یہ ایک کچی گلی تھی جس کے دونوں طرف مکان تھے پر ان مکانوں کی حالت نہایت بدتر تھی۔ ہر طرف بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے، مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔

ایک گھر کے آگے دیان کو عرش کی گاڑی کھڑی نظر آئی تو وہ فوراً سے اس طرف بھاگنے لگا جب جنید نے فوراً سے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس کھینچا۔

"دیان بات سنو میری"

دیان نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑوا کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا

"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ میری بیوی اس کے پاس ہے اور تم مجھے جانے نہیں دے رہے"

"میری تمہاری بیوی سے کوئی دشمنی نہیں لیکن اس طرح اندر جانا خطرے سے خالی نہیں۔پہلے میرے آفیسرز کو تسلی کرنے دو" جنید نے دیان کو کہنے کے ساتھ دوسری پولیس موبائلز میں آئے سپاہیوں کو انگلی سے اشارہ کیا۔وہ سب آرڈر ملتے ہی اس گھر کی طرف بڑھ گئے۔

دیان،ارسل اور جنید ان کے پیچھے تھے۔ارد گرد کے گھروں میں شاید کوئی رہتا نہیں تھا یا انہیں ایسے کاموں کی پرواہ نہیں تھی، کسی بھی گھر سے کوئی باہر نہیں آیا تھا۔

ایک آفیسر کی ہلکی سی ٹھوکر سے ہی دروازہ کھل گیا۔شاید آنے والا ان کے انتظار میں تھا۔

وہ سب اندر داخل ہو گئے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا جس کی بائیں جانب کونے پر باتھروم تھا اور ساتھ ہی کچن تھا۔سامنے بس دو کمرے تھے جس میں سے ایک کا دروازہ کھلا تھا اور دوسرے کا بند تھا۔گھر کی حالت ایسی تھی

جیسے صدیوں سے بند پڑا ہو۔ ہر چیز پر گرد ایک موٹی طے دکھائی دے رہی تھی۔

جنید نے ان سب کو رک جانے کا اشارہ دیا اور اس دروازے کے قریب جا کر بولا

"دیکھو عرش جہانگیر ہم سب آ گئے ہیں اور اس وقت پولیس کی ایک بہت بڑی نفری ہمارے ساتھ موجود ہے بہتر یہی ہے کہ تم آرام سے خود کو ہمارے حوالے کر دو" جنید کی آواز پر دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔

"ہمیں کوئی ایکشن لینے پر مجبور مت کرو عرش" جنید پھر سے بولا مگر ہنوز خاموشی۔

"یہ اندر ہے بھی یا نہیں" جنید نے دیان سے پوچھا لیکن اس سے پہلے ہی دیان نے بپھر کر ایک زوردار لات دروازے پر ماری

"عرش جہانگیر دروازہ کھولو اگر تم نے میری بیوی کو ذرا سا بھی نقصان پہنچایا تو تمہارے لاش کے ٹکرے کتوں کے قابل بھی نہیں رہیں گے" دیان کا انداز شدید جارہانہ تھا۔ چہرہ لہو ٹپکار رہا تھا۔

اس کی سفید شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے، کوٹ غائب تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے تھے اور چہرے پر پسینے کے قطرے نمایاں تھے۔

دیان کی آواز سن کر فوراً سے دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔

"مجھے دیان سے کچھ لمحے اکیلے میں بات کرنی ہے۔ اس کے بعد میں خود اپنی گرفتاری دے دوں گا"

"مجھے منظور ہے دروازہ کھولا" دیان فوراً سے بولا۔

"دیان پاگل ہو گئے ہوا گر اس نے تمہیں کوئی نقصان پہنچادیا" ارسل پریشانی سے اسکا بازو پکڑ کر بولا اور اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارسل ٹھیک کہہ رہا ہے دیان تمہیں اتنا بڑا رسک نہیں لینا چاہیے.... سنو یہ دروازہ توڑ دو" جنید نے پاس کھڑے آفیسر کو کہا پر دیان نے اسے فوراً روک دیا۔

"میری بیوی اس کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہے وہ اسے کسی بھی طرح کا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ خبردار جو کسی نے دروازے کو ہاتھ بھی لگایا اور میں نے کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھی مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ اس کے ہر حملے کا مقابلہ کر سکوں۔ اور اب میں کسی کی کوئی بات نہیں سنوں گا" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔ اس کا دو ٹوک انداز کو دیکھ کر جنید کو غصہ آ گیا اور پھر اسے بازو سے دروازے کی طرف جانے کا اشارہ دے کر وہ خود پیچھے ہٹ گیا۔

"عرش دروازہ کھولو کوئی نہیں آئے گا میرے ساتھ" دیان کے کہنے کی دیر تھی دروازہ کھل گیا ارسل نے گردن موڑ کر اندر دیکھنا چاہا مگر دروازہ صرف اتنا سا ہی کھلا تھا کہ دیان اندر داخل ہو سکے۔ دیان کے اندر داخل

ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ارسل نے پریشانی سے بند دروازے کو دیکھا اور ایک سائیڈ پر چھاؤں میں کھڑا ہو گیا۔ان کے پاس اب انتظار کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

کمرہ میں بہت حبس تھی، کوئی کھڑکی کوئی روشن دان نہیں تھا۔ایک چھوٹی سی لائٹ اور بے ڈھنگی آوازیں پیدا کرتا پنکھا تھا۔ایک چارپائی تھی جس پر عرش بیٹھا تھا۔سادے سے ٹراؤزر پر گھسی ہوئی شرٹ پہنے وہ اس عرش جہانگیر سے بہت مختلف تھا جس کو دیان نے بچپن میں دیکھا تھا۔اس دن قبرستان میں وہ کچھ بہتر حالت میں تھا پر آج تو اسکا حال اس مزدور جیسا دکھائی دے رہا تھا جو دن رات محنت کرنے کے باوجود بھی دو وقت کی روٹی نہیں کھا سکتا۔گرد سے اٹے بال، بڑھی ہوئی شیو، ٹوٹی چپل، آنکھوں کے گرد گہرے ہلکے۔عرش جہانگیر کا غرور بہت غضب ناک طریقے سے ٹوٹا تھا۔

وہ آنکھوں میں بے انتہا دکھ اور ملامت لیے دیان کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کے ساتھ ایک بچی بیٹھی تھی جس کی حالت قدرے بہتر تھی۔یہ وہی بچی تھی جسے دیان شروع سے عرش کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔اس سب کے علاوہ کمرے میں صرف دو کرسیاں تھیں۔ایک پر زائشہ کو باندھا گیا تھا اور دوسری خالی تھی۔زائشہ ہوش میں تھی اور اس کے منہ پر پٹی بندھی تھی۔ وہ اپنی گری آنکھوں میں آنسو لیے دیان کی طرف دیکھ رہی تھی۔چادر ڈھلک کر کندھے سے بھی نیچے آ گئی تھی،بال بکھر گئے تھے۔وہ کس قدر ڈر گئی تھی۔دل میں اٹھتے عجیب وسوسے اسے مار رہے تھے۔اس نے تو کبھی عرش کو دیکھا بھی نہیں تھا اسی لیے شروع میں وہ اندازہ ہی نہ کر پائی کہ یہی وہ شخص ہے ان کا دشمن۔

دیان فوراً سے زائشہ کی طرف بڑھنے لگا۔اسے صحیح سلامت دیکھ کر اسے اندر تک سکون اتر گیا۔سارے وسوسے،غلط خیالات ایک دم سے ہوا ہو گئے۔

"دیان پہلے میری بات سن لو۔ تمہاری بیوی یہی ہیں" عرش کی بات سن کر زائشہ کی طرف بڑھتے دیان کے قدم رکے۔ اس نے لہو ٹپکاتی آنکھوں سے عرش کی طرف دیکھا۔

"اور تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہاری بات مانوں گا"

"تمہیں ماننی پڑے گی" عرش نے آسودگی سے مسکراتے ہوئے اپنے پیچھے چھپائی پستول سامنے رکھی۔ دیان جہاں تھا وہی کھڑا ہو گیا۔ وہ اندر آ گیا تھا اسی لیے اسے ہر قدم اب سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا۔ وہ جہاں تھا وہی کھڑا ہو گیا۔ اپنی جلد بازی ے چکر میں وہ زائشہ کی جان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

"بولو کیا بات کرنی ہے تمہیں مجھ سے جس کے لیے اتنا ڈرامہ کیا تم نے"

"بیٹھ جاؤ دیان گفتگو لمبی ہو جائے گی"

دیان کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ احتیاطاً زائشہ کے قریب بیٹھا تھا۔

"بولو اب"

"پہلے باہر موجود اپنے سکیورٹی اہلکاروں سے کہہ دو ہمیں ڈسٹرب نہ کریں"

دیان نے ضبط سے اسکی بات سنی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ہلکا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ارسل فوراً سے اسکی طرف آیا لیکن اس سے پہلے وہ کچھ بولتا دیان بول اٹھا

"ہمارے درمیان گفتگو تھوڑی لمبی ہو جائے گی، سنبھال لینا"

کہتے ہی دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ ارسل گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ ایک نظر جنید پر ڈالی جو اسی طرف آرہا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا"

"کہہ رہا تھا ڈسٹرب نہیں کیا جائے، ہماری گفتگو لمبی ہو جائے گی"

"ہاں جیسے وہ دونوں اندر مسئلہ کشمیر حل کر رہے ہیں" جنید ناگواری سے بڑبڑا کر رہ گیا۔

اندر کمرے میں دیان واپس کرسی پر بیٹھا۔اسکی منتظر نظریں عرش پر تھیں اور عرش کی زمین پر۔

"کچھ بولو بھی اب"

دیان کا انداز ناگواری لیے ہوئے تھا۔عرش نے آنکھیں اٹھا کر اسے اور زائشہ کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی۔

"میں نے بہت نقصان کر دیا تم لوگوں کا"

"کوئی شک "دیان نے ابرو اچکا کر مصنوعی حیرانی سے کہا۔

"مجھے معاف کر سکتے ہو"

"نہیں "دیان کے دوٹوک انداز پر عرش نے گہری سانس لے کر پھر سے نظریں جھکا دی۔

وہ خاموش ہو گیا تھا جیسے بولنے کے لیے لفظ تلاش کر رہا ہو، صدیوں کی مسافت طے کر رہا ہو۔اس کے چہرے پر تھکن اور ندامت تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں اس رات کے بعد اپنے سمگلر دوست کی مدد سے بحری جہاز کے ذریعے امریکہ چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر سیٹل ہونے میں بھی اسی نے میری مدد کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ سمگلنگ کے کام میں شامل ہو جاوں پر میں ایسا نہیں چاہتا تھا، میں نئی زندگی شروع کرنا شروع کرنا چاہتا تھا......" وہ استہزاء ہنسا بات ہے نا اتنی زندگیاں تباہ کر کے میں نئی زندگی شروع کرنا چاہتا تھا" عرش مسکرا رہا تھا اور دیان بے تاثر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"وہ دو تین سال

"کتنی عجیب تک میری مدد کرتا رہا، میں بھی اسکے چند ایک کام کر دیتا تھا لیکن جب میں نے اسے صحیح طریقے سے انکار کر دیا تو اسنے ہر لحاظ سے میری مدد بند کر دی۔ اور وہی وہ وقت تھا جب عرش جہانگیر کا زوال شروع ہوا تھا۔ میں سڑک پر آ گیا تھا۔ بہت مشکل سے فاقے کاٹ کاٹ کر میں نے گزارا کیا۔ آخر چند ماہ بعد مجھے ایک مکینک کی دکان میں نوکری مل

گئی۔میرے حالات بہت اچھے نہیں تھے پر پہلے جیسے برے بھی نہیں رہے تھے۔میں جو اپنی پرسنیلٹی کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو گیا تھا ایک بار پھر پر انا والا عرش بن گیا تھا۔اس سب کے باوجود کہ میں ایک معمولی سی مکینک کی دکان پر ملازم تھا، میری حالت باقی ملازموں سے بہت بہتر ہوتی تھی۔

ایک دن ایسے ہی لڑکی دکان پر اپنی گاڑی ٹھیک کروانے آئی تھی۔اسے لڑکی کہنا تو مناسب نہیں کیونکہ وہ چالیس سال کی ایک عورت تھی۔اسے میں پہلی نظر میں ہی پسند آگیا اور پھر وہ ہر دوسرے دن ہماری دکان پر آنے لگی۔مغرب میں پلنے والے لوگ مشرق میں بسنے والوں کے کافی گرویدہ ہوتے ہیں۔اس نے تقریباً ایک مہینے بعد مجھے پروپوز کر دیا۔وہ عمر میں مجھ سے کافی بڑی تھی لیکن اس عمر میں بھی وہ بے انتہا خوبصورت تھی اور کافی امیر بھی۔مجھے اور کیا چاہیے تھا میں نے فوراً سے ہامی بھر دی اور ہماری شادی ہو گئی۔

شروع شروع میں سب ٹھیک تھا اور دو سال بعد ہمارے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی......میرب"

عرش کا جھکا سر مزید جھک گیا۔اس کی آواز ایک دم سے بوجھل ہو گئی۔

دیان اور زائشہ نے حیرت سے اس بچی کی طرف دیکھا۔وہ صرف بالوں کے رنگ سے عرش کی بیٹی لگتی تھی۔بچی کافی کمزور تھی اور خاموشی سے سر جھکائے اپنے باپ کی باتیں سن رہی تھی جو شاید اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔اس کی نیلی آنکھوں میں بہت معصومیت تھی۔اس کی عمر تقریباً آٹھ نو کے قریب تھی۔

"نا جانے کیا سوچ کر میں نے اپنی بیٹی کا نام میرب رکھ دیا۔اور وہی وہ دن تھا جب میرے ضمیر نے مجھے پہلا کوڑا مارا۔میں ایک میرب کو مار کر آیا تھا اور اب ایک میرب میرے گھر پیدا ہو گئی تھی۔میں راتوں کو سو نہیں پاتا تھا۔ہر وقت بس اپنی بیٹی کے قریب رہتا تھا۔میری بیوی نے شروع کے چند سالوں میں میرب کا بہت خیال رکھا لیکن پھر وہی ہوا جو ہر مغربی

عورت ایک مشرقی مرد کے ساتھ کرتی ہے۔ میرب کے آنے کے بعد میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔ میں نے اس پر پابندیاں لگانی شروع کر دیں تھیں جو اسے بالکل پسند نہیں تھیں۔ چھ سال تک ہمارا یہ رشتہ چلا اور پھر اس نے مجھ سے علیحدگی لے لی۔ اسے کوئی اور پسند آ گیا تھا۔ میں اپنی بیٹی کو لیکر ایک بار پھر دربدر کی ٹھوکریں کھانے نکل گیا۔ خیر اس بار مجھے زیادہ مشقت نہیں کرنی پڑی جلد ہی نوکری مل گئی۔ شاید وہ سب میری بیٹی کے نصیب کی وجہ سے تھا"

عرش نے سر اٹھا کر میرب کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے بھی مسکرا کر اسکی طرف دیکھا۔ کمرے میں صرف پنکھے کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ دونوں دم سادھے اسے سن رہے تھے۔

"میں نے میرب کا داخلہ ایک سکول میں کروا دیا تھا لیکن سچ تو یہی تھا کہ میری آمدنی اتنی نہیں تھی کہ میں اپنی بیٹی کو ایک اچھی زندگی دے سکتا۔ اور اوپر سے میرا ضمیر......" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

"وہ دن رات مجھ پر ملامت کرتا تھا۔ مجھے اتنی تکلیف غریبی کی زندگی، لوگوں کی دھتکار نے نہیں دی تھی جتنی میرا ضمیر مجھے دے رہا تھا۔ میں اتنی دفعہ خود کو مارنے کی کوشش کر چکا تھا لیکن ہر بار میرب کا خیال آنے پر خود کو روک دیتا۔ میں مر جاتا تو یہ دنیا میری بچی کو نوچ کر کھا جاتی"

"جیسے تم نے میری بہن کو نوچا تھا" دیان کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ عرش نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔

"میں ہر روز مرتا تھا دیان۔ میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں نے موت سے بڑھ کر تکلیف برداشت کی ہے۔ میں نے گلیوں میں رکھے کوڑے کے ڈبوں میں سے کھانا اٹھا کر کھایا ہے، لوگوں کی گندگیاں صاف کیں۔ میری زندگی نے مجھے بہت بڑی سزا دی تھی دیان۔ میری سانس میرے لیے ہی تکلیف کا باعث بن گئی۔ موت مجھے قبول نہیں کر رہی تھی اور میں زندگی کو قبول نہیں کرنا چاہتا تھا"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تمہارے ساتھ ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔تم عرش جہانگیر.....تم ایک پتھر دل انسان تھے۔اور جب پتھر میں دراڑ پڑتی ہے نا تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر رہتا ہے"

"میں ریزہ ریزہ ہو گیا دیان، عرش جہانگیر کا غرور ٹوٹ گیا۔جب غرور ٹوٹا تو مجھے نظر آیا کہ میرا تو کچھ تھا ہی نہیں سب اسی کا دیا تھا جس کی میں نے قدر نہیں کی تھی۔اور اب جب وہ وہ چھیننے پر آیا تو مجھے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ میں ہاتھ اٹھا کر اس سے کچھ مانگ سکوں۔

میری حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ہر گزرتے دن کے ساتھ میرے دل کی بے چینی اور گھر والوں کی یاد شدت سے آتی تھی۔میری ماں جس کے لیے میں اسکی پوری دنیا تھا.....میں اسے ہی اجاڑ کر آگیا۔میرا باپ جو زندگی کے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیتا آیا میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے زمین پر پٹخ دیا۔میں نے اپنے ان ہاتھوں سے ان لوگوں کا گلہ گھونٹ دیا جو مجھ سے محبت کرتے تھے"

عرش ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر گالوں پر لکیریں کھینچ گئے۔

"میری اسی تڑپ نے مجھے واپس آنے پر مجبور کر دیا کہ ایک دفعہ تم سب سے معافی مانگ سکوں حالانکہ میں جانتا تھا کہ یہ صرف میری ایک غلط فہمی ہے لیکن اندر کہیں مجھے ایک موہوم سی امید تھی کہ تم مجھے معاف کر دو گے کیونکہ تم میرب فاروق کے بھائی تھی، عرش جہانگیر کے نہیں۔میں اپنے ماں باپ کو دیکھ کر سینے میں جلتی آگ کو بجھانا چاہتا تھا، میں طالب مراد کے گھر والوں سے معافی مانگنا چاہتا تھا جس کے چند سال کے بچوں کو میں نے یتیم کر دیا۔

مجھے معلوم ہے یہاں کوئی بھی مجھے معاف نہیں کرے گا اور میں معافی چاہتا بھی نہیں میں مرتے دم تک اسی تکلیف میں رہنا چاہتا ہوں اور یہی میری سزا ہے۔تم سب مجھے کبھی معاف نہ کرنا اور یونہی مجھے بد دعائیں دیتے رہنا جیسے پہلے دیتے تھے"

عرش نے گہری سانس لے کر سرخ آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔وہ صدیوں کی مسافت طے کر کے آیا تھا۔

"تم نے انشراح ملک کے ساتھ کیا کیا تھا؟" دیان ایک دم یاد آنے پر بولا۔

"وہ مر گئی" کمرے میں چند لمحوں کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔

"اسے میرا دوست سمگل کر رہا تھا کسی دوسرے ملک بحری جہاز کے ذریعے اور اس نے راستے میں ہی جہاز سے چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دی"

"تو تم تین لوگوں کے قاتل ہو" عرش کو دیان کی آواز پگھلے سیسے کی مانند کی محسوس ہوئی۔

آج سب گناہ ایک ایک کر کے اس کے سامنے آ رہے تھے۔اس میں تو معافی مانگنے توبہ کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔کس منہ سے معافی مانگتا وہ، کس منہ سے توبہ کرتا۔عرش جہانگیر وہ انسان تھا جو منہ میں سونے کا

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔ جسے دنیا حسرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی، اور اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس رشک کو عبرت میں بدل دیا تھا۔

"نہیں" عرش کا سر آہستہ سے نفی میں ہلا

"چار لوگوں کا"

"چوتھا کون تھا؟" دیان کے لہجے میں حیرت واضح تھی۔

"تمہارے گھر کا گارڈ جسے اس رات میں نے مار کر ایک نالے میں پھینکوا دیا تھا۔ وہ کافی ایماندار اور قابل تھا اور مجھے لگا تھا یہ شور کرے گا اسی لیے میں نے اسے مار دیا"

"عرش جہانگیر دنیا میں کوئی ایسا گناہ ہے جو تم نے نہ کیا ہو" دیان کی آواز کافی بلند تھی۔

"میں بہت گناہگار ہوں میں جانتا ہوں۔ اسی لیے میں آج ایک فیصلہ کر کے یہاں بیٹھا ہوں"

"کیسا فیصلہ" دیان نے اچھنبے سے پوچھا۔عرش نے خاموش نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا جو الجھی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

****

عرش خاموش نظروں سے دیان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ایک کی آنکھوں میں الجھن تھی تو دوسرے کی آنکھوں میں چمک۔ایک ان دیکھی چمک......ایسی چمک جو جیل سے فرار ہوتے قیدی کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

دیان اور زائشہ دونوں عرش کے بولنے کے منتظر تھے۔ کمرے میں ایک دم سے گھٹن بھڑنے لگی تھی۔ فروری کا مہینہ ہونے کے باوجود یوں لگ رہا تھا جیسے جون کا مہینہ ہو۔

عرش نے ہاتھ میں تھامی پستول کو ایک طرف رکھا اور مسکراتا ہوا اٹھا، پر اسرار مسکراہٹ۔ مقابل کو جما دینے والی۔

وہ اٹھا اور میرب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ وہ معصومیت سے مسکرا دی۔

"*Mirub baba loves you so much*"

دیان کی جانب عرش کی پشت تھے لیکن وہ اسکے لہجے میں پھوٹتی بے انتہا محبت کو آسانی سے محسوس کر سکتا تھا۔

"*Mirub loves you too baba*"

وہ چھلانگ لگا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور عرش کے گلے لگ گئی۔ عرش نے اسے سختی سے خود میں بھینچ لیا۔

وہ نا سمجھی سے دیان اور زائشہ کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کا دھیان بھی اس پر نہیں تھا۔ان کی ساکت نظریں عرش پر جمی تھیں جس کا وجود ہلکے ہلکے ہچکولے کھا رہا تھا۔وہ شخص ہچکیوں سے رو رہا تھا۔آنسوؤں نے اس کے پورے چہرے کو بگھو دیا تھا اور چہرے پر اذیت کی ایک داستان رقم تھی۔

"?Baba why are you crying"

میرب اسے روتا محسوس کر کے اس سے الگ ہوئی اور اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ دیے۔

عرش آسودگی سے مسکرا دیا اور نفی میں سر ہلانے لگا۔کوئی تو تھا اس دنیا میں جسے اسکے رونے سے،اس کی تکلیف سے فرق پڑتا تھا۔خدا نے اسے ایسے بہت سے رشتوں سے نوازا تھا جو اسکی ایک تکلیف پر تڑپ اٹھتے تھے لیکن اس نے اپنے ہاتھوں سے انہیں گنوا دیا۔

"میرب بچے کبھی بھی اپنے باپ سے نفرت نہیں کرنا۔ میں ایک بہت برا انسان ہوں اور شاید مجھے رب کی بارگاہ میں بھی معافی نہ ملے پر تم میرے لیے دعا کرتی رہنا۔ تم وہ واحد انسان ہو جو دنیا میں رہ کر بھی میری بخشش کا ذریعہ بن سکتی ہو۔

آپ کو سمجھ آ رہی ہے نا میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

میرب نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ اردو نہیں سمجھتی تھی۔ عرش مسکرا دیا اور اسے ایک بار پھر گلے لگا لیا۔

وہ کافی دیر تک اسے یونہی گلے لگائے بیٹھا رہا۔ وہ ابھی بھی رو رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر زائشہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے اور دیان جس نے عرش کی جانب سے اپنا دل پتھر کر لیا تھا، آج اس میں پہلی دراڑ آ گئی تھی۔ جس انسان کو خدا اتنی سزا دے دے وہ اسے سزا دینے والا کون ہوتا ہے۔ اس کے دماغ میں اس وقت ایک الگ جنگ چھڑی تھی۔

عرش میرب سے الگ ہوا اور اپنے ٹراؤزر کی جیب سے ایک کپڑا نکالا۔

"?*Do you wanna play hide and seek*"

عرش کے پوچھنے پر اس نے پورے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔ عرش نے وہ کپڑا اس کی آنکھوں پر باندھ دیا اور اسے واپس چار پائی پر بٹھا دیا۔

"*Do not move i am just coming*"

میرب کے ہاں کہنے پر عرش کہہ کر اس سے دور ہو گیا۔اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیر کر اسنے چار پائی پر رکھی پستول اٹھائی اور کمرے کے دوسرے کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں میرے گناہ بہت زیادہ ہیں لیکن ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا"

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔آواز بھاری تھی اور لڑکھڑا رہی تھی، شاید رونے کی وجہ سے

"میری بیٹی کا خیال رکھنا دیان یہ تمہارے پاس میری امانت ہے۔اس کو ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دینا اور اسے میرب فاروق حیدر جیسا بنانا عرش جہانگیر جیسا نہیں"

آنسو کی ایک لڑی اسکے چہرے پر پھسلی۔عرش نے پستول اپنی کنپٹی پر رکھ دی۔دیان سن دماغ کے ساتھ اسکی باتیں سن رہا تھا۔

جوں ہی اسکے دماغ نے اس صورتحال کو قبول کیا وہ چلاتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

عرش نے ٹریگر دبا دیا تھا اور گولی اسکے سر کو چیرتے ہوئے دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔زائشہ اور میرب کی ایک زوردار چیخ کمرے میں گونجی۔

عرش کا وجود پورے قد سے زمین بوس ہوا تھا۔اس کی آنکھیں کھلی تھیں جن میں ایک الگ سا سکون تھا۔چہرے پر اطمینان اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ۔

دیان جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ جہاں وہ کھڑا تھا، اس کے اور عرش کے درمیان میں میرب کا وجود تھا۔ وہ عرش کا چہرہ نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ اسے اگر کچھ نظر آ رہا تھا تو وہ صرف بہتا ہوا خون تھا...... لال سرخ گاڑھا خون۔

دیان کو ارد گرد کا کچھ ہوش نہیں رہا تھا، اس کی آنکھیں خون سے پھسلتی میرب تک آئیں جو کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ شاید رو رہی تھی یا چیخ رہی تھی۔ دیان سمجھ نہ سکا۔ اس کی آنکھوں پر ابھی بھی پٹی بندھی تھی اور وہ ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی۔ جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو۔

اس کے کان میں بہت سی آوازیں آ رہی تھیں لیکن وہ انہیں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ زائشہ کی آواز، وہ چیخ رہی تھی۔ اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ ایمبولینس کو کال کرے، اسے بچائے۔

"جس انسان نے اپنا وجود خود موت کے حوالے کیا ہو۔ کیا وہ اسے بچا پاتا.... کیا ڈاکٹر اسے بچا پاتے"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کوئی زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا، اسے بلا رہا تھا۔ ہر آواز گڈ مڈ ہو کر اس کے کانوں کے پردے تک پہنچ رہی تھی۔

خون بہتا ہوا اسے قدموں تک آگیا تھا۔

وہ لڑکھڑایا اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ عرش کا وجود اب اسکی آنکھوں کے سامنے تھا۔ پستول دور پڑی تھی اور اسکی آنکھیں دیان کی طرف تھیں۔ ان آنکھوں میں پھیلے سکون نے دیان کے جسم کو سن کر دیا تھا۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے بہا اور شیو میں جذب ہو گیا۔ اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا۔ ایک اور موت... ایک اور جنازہ.... سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر پایا۔ کیا اسے اس دنیا میں صرف دوسروں کو موت کے گلے لگاتے دیکھنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

دروازہ توڑ کر کچھ لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ میرب اور زائشہ کو باہر لیکر جا رہے تھے۔ کوئی اسے بھی اٹھا رہا تھا، بازو سے کھینچ رہا تھا۔ وہ

ارسل تھا یا شاید جنید۔ لیکن جنید تو سامنے عرش کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے پاس ارسل ہی تھا۔

وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی پینٹ پر خون لگا تھا پر سیاہ پینٹ ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ دیان ارسل کے سہارے چلتا لڑکھڑاتا ہوا باہر آ گیا۔

عرش جہانگیر نے خود کو ختم کر لیا تھا۔ وہ اب تک صرف اپنی بیٹی کے لیے زندہ تھا اور اب اسے اپنی بیٹی کے لیے خود سے اچھے محافظ مل گئے تھے۔

اس نے گناہوں سے بھری زندگی گزاری تھی لیکن پھر ان گناہوں کی سزا بھی اسی دنیا میں کاٹی تھی۔

عرش جہانگیر کی کہانی ختم ہو گئی تھی۔

****

دو دن بعد......

حامد جہانگیر کے گھر کے لان میں سفید چادریں بچھی تھیں۔ باہر مرد حضرات بیٹھے تھے جبکہ اندر لاونج میں ایسی ہی سفید چادروں پر خواتین بیٹھی قرآن پڑھنے میں مصروف تھیں۔

ایک طرف صوفے پر ثمینہ جہانگیر سادے سے لباس میں بالکل خاموش بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ان کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا البتہ آنکھیں سوجی تھیں۔ان کی گود میں میرب سر رکھے لیٹی تھی جس کے بالوں میں وہ دھیرے دھیرے انگلیاں چلا رہی تھیں۔بتول حیدر اور سیرت مراد ان کے پاس بیٹھی تھیں۔

"مام کچھ کھالیں" صوفیہ ان کے پاس آ کر بیٹھی اور اپنا ہاتھ ان کے گال پر رکھا۔ ثمینہ جہانگیر نے آنکھیں اٹھا کر سے دیکھا۔

"میرب کو کھانا کھلا دو، بھوک لگی ہو گی اسے" انہوں نے جھک کر میرب کی پیشانی چومی جو گم صم سی ارد گرد موجود لوگوں پر نظریں دوڑا رہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"صوفیہ تم میرب کو لیکر جاؤ آنٹی کو میں کھانا کھلا دیتی ہوں" زائشہ کھانے کی ٹرے ان کے پاس لے کر آئی اور صوفیہ سے بولی۔ صوفیہ نے اثبات میں سر ہلاتے میرب کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی۔

"آنٹی کچھ کھا لیں" زائشہ ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا بچے"

"آنٹی آپ نے صبح بھی تھوڑا سا کھانا کھایا تھا پلیز کھا لیں" زائشہ نے نوالا بنا کر ان کے منہ کی جانب بڑھایا تو انہوں نے نم آنکھوں سے منہ کھول دیا۔

زائشہ یونہی انہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی رہی اور وہ روتے ہوئے کھاتی رہیں۔

"ثمینہ باجی حوصلہ کریں" بتول حیدر نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ بس سر اثبات میں ہلا گئیں۔

عرش کی موت کی خبر کچھ دیر بعد ہی ان تک پہنچ گئی تھی جوان سب کے لیے کسی بمب سے کم نہ تھی۔ ثمینہ جہانگیر تو یقین ہی نہیں کر پا رہی تھیں۔ صوفیہ تو اس بات سے ہی انجان تھی کہ اسکے ماں باپ کا سگا بیٹا زندہ ہے، اسے ہمیشہ سے یہی تھا کہ اسکا انتقال ہو گیا تھا۔ حامد جہانگیر نے اپنے دل میں عرش کی قبر کھود دی تھی لیکن اس دن اسے لحد میں اتارتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔ ان دونوں کے دل کو ایک تسلی تھی کہ ان کا بیٹا زندہ ہے لیکن اب وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ فاروق حیدر اور بتول حیدر نے زائشہ کے منہ سے عرش کی کہانی سن کر اسے معاف کر دیا تھا۔ ایسا کرنا ان کے لیے بہت مشکل تھا لیکن جو دنیا سے ہی چلا گیا ہو اس سے کیا دشمنی رکھنا۔ زائشہ اور بتول حیدر نے بھی اسے معاف کر دیا تھا۔ اگر کسی نے نہیں کیا تھا تو وہ دیان تھا۔ وہ دو دن سے مسلسل خاموش تھا۔ ہر کسی سے مل

رہا تھا، سب کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا کہ اچانک عرش کہاں سے آگیا لیکن اپنے گھر والوں کے سامنے آتے ہی وہ خاموش ہو جاتا۔

انہوں نے دنیا کے سامنے ایک بار پھر سے ایک جھوٹی کہانی پیش کی تھی۔ عرش کا اچانک غائب ہو جانا اور اب پھر آ جانا، لوگوں کے سوال تھے کہ ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔

میرب کے لیے یہاں موجود سب لوگ نئے تھے۔ وہ مسلسل دو دن سے ایک ہی رٹ لگائے بیٹھی تھی کہ اسے اپنے بابا کے پاس جانا ہے۔ جب ثمینہ جہانگیر کو پتا چلا تھا کہ یہ ان کے عرش کی نشانی ہے وہ اسے اسے سینے سے لگا کر بہت روئی تھیں۔ میرب سب کے ساتھ نہیں لیکن ثمینہ جہانگیر، صوفیہ اور زائشہ کے ساتھ تھوڑا سا گھل مل گئی تھی۔

زائشہ کھانے کی پلیٹ اٹھا کر کچن میں واپس جانے لگی تھی جب اسکی نظر لاؤنج میں داخل ہوتے دیان پر پڑی۔ سفید شلوار قمیض جس پر جگہ جگہ

سلوٹیں تھیں۔اس کے بال بکھرے تھے اور آنکھوں کے گرد ہلکے
تھے،وہ دو دن سے سویا نہیں تھا۔

باہر لان میں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا اسی لیے سب خواتین ایک ایک
کر کے باہر جا رہی تھیں۔دیان کے پیچھے فاروق حیدر اور حامد جہانگیر بھی
لاؤنج میں داخل ہوئے۔اب وہاں صرف گھر کے افراد موجود تھے۔

دیان چلتا ہوا آگے آیا اور ثمینہ جہانگیر کے قدموں میں بیٹھ گیا۔اپنا سر ان
کے گود میں رکھ کر وہ آنکھیں موند گیا

"مجھے معاف کر دیں ثمینہ آنٹی"

آج پورے دو دن بعد اسکی چپ ٹوٹی تھی۔لاونج میں سب خاموش بیٹھے
ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دیں کہ میں اسے بچا نہیں سکا۔اس نے میرے سامنے خود
کو ختم کر دیا اور میں کچھ نہیں کر سکا ہمیشہ کی طرح"

دیان نے چہرہ اٹھا کر ثمینہ جہانگیر کی آنکھوں میں دیکھا۔اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔

ثمینہ جہانگیر کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔انہوں نے اپنی ہتھیلی سے چہرہ پونچھا اور اپنا ایک ہاتھ اسکے گال پر رکھا۔

"میرے بیٹے کو معاف کردو دیان"

ان کے لہجے میں ایک آس،ایک امید تھی۔

"میں نے اسے دو دن پہلے ہی معاف کردیا تھا آنٹی جب اس نے اپنی کنپٹی پر میرے سامنے پستول رکھی تھی۔دیان حیدر نے اس وقت عرش جہانگیر کو اسکے تمام گناہوں کے لیے معاف کردیا تھا"

بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔ثمینہ جہانگیر اسے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔دیان ان کے لاغر وجود کو سہارا دیے ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میرب کہاں ہے؟"ثمینہ جہانگیر سے الگ ہوتے اس نے زائشہ سے پوچھا۔دیان کی ابھی تک میرب سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"اندر صوفیہ کے پاس ہے۔میں لیکر آتی ہوں"زائشہ بھی اپنے آنسو پونچھتی اندر صوفیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد وہ آئی تو صوفیہ اور میرب دونوں اس کے ساتھ تھیں۔

دیان نے میرب کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو اس نے جھجھکتے ہوئے صوفیہ کی طرف دیکھا۔صوفیہ کے اشارہ کرنے پر وہ دیان کی طرف بڑھ گئی۔

"Are you missing your baba?"

دیان کے بولنے پر میرب نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔اسکی نیلی آنکھیں پل میں پانی سی بھر گئیں۔

"آپ کے بابا اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں بیٹا" دیان نے انگریزی میں کہتے اس کے آنسو صاف کیے۔

"کیوں؟"

"انہیں اللہ تعالیٰ نے بلا لیا تھا اور بابا چاہتے تھے کہ میرب کبھی نہ روئے اور ہمیشہ خوش رہے"

"پر مجھے بابا کی یاد آرہی ہے"

"تو آپ بابا کے لیے دعا کرو کہ اللہ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے اور ان کی مشکلات کو آسان کرے"

"بابا واپس نہیں آئیں گے؟" میرب رو دینے کو تھی۔اس کی آنکھیں ایک بار پھر آنسوؤں سے بھر گئیں۔

یہ منظر دیکھ کر زائشہ کو اپنے دل پر گھونسا پڑتا محسوس ہوا۔وہ بھی تو ایک ایسے ہی وقت سے گزری تھی۔وہ فوراً سے آگے بڑھی اور میرب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسکے ہاتھوں کو تھام لیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرب میں آپ کو ایک سٹوری سناؤں؟"

اس نے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ایک دفعہ ایک پرنسس تھی۔اس کے بابا اس سے بہت پیار کرتے تھے اور وہ پرنسس بھی اپنے بابا سے بہت پیار کرتی تھی۔ لیکن پھر ایک دن اس کے بابا کو ایک بہت ضروری کام آگیا جس کی وجہ وہ اس پرنسس کو چھوڑ کر چلے گئے۔وہ پرنسس بہت روتی تھی لیکن پھر اسے اپنے بابا کی باتیں یاد آتی جو اسے ہمیشہ مضبوط بننے کا کہتے تھے۔آپ کے بابا بھی کہتے تھے نا؟"

میرب نے فوراً سے سر ہلایا

"بابا مجھے کہتے تھے کہ میرا نام انہوں نے میرب اس لیے رکھا تھا کیونکہ میرب ایک پرنسس تھی اور وہ ایک بہت بہادر اور نیک دل لڑکی تھی۔مجھے بھی بالکل اس کے جیسے بننا ہے"

"آپ کے بابا بالکل ٹھیک کہتے تھے آپ کو بھی مضبوط اور نیک دل بننا ہے۔ بابا کی یاد آئے تو چپکے سے دل میں ان سے بات کر لیا کرو وہ آپ کے پاس ہی ہیں۔ آپ جب بھی آنکھیں بند کر کے انہیں سچے دل سے بلاؤ گی آپ کو محسوس ہو گا کہ وہ آپ کو سن رہے ہیں"

"آپ کون ہو؟" وہ معصومیت سے بولی تو نا چاہتے ہوئے بھی وہاں موجود لوگوں کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"یہ آپکی چچی ہیں اور میں آپ کا چاچو" دیان نے اسے اپنے ساتھ بٹھاتے اپنا اور اسکا تعارف کروایا۔

پھر وہ ایک ایک کر کے وہاں موجود سب لوگوں کا تعارف کروانے لگا تھا۔ میرب جلد ہی سب کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔

مشکل وقت گزر گیا تھا۔ انتقام اور بدلے کا چکر خود بخود اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا۔ عرش جہانگیر نے اپنے اعمال کی سزا دنیا میں کاٹی تھی اور اب اس

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رب کی بارگاہ میں کیا ہونے والا تھا، کوئی نہیں جانتا تھا۔اس نے حرام موت کو گلے لگایا تھا، اپنے لیے خود عذاب کا انتخاب کیا تھا۔

دیان سب کچھ بھلا کر اسے معاف کر چکا تھا۔وہ اپنے آپ کو اب اس بوجھ سے آزاد کروانا چاہتا تھا۔اس بدلے کی آگ نے اسکی زندگی کے کئی سالوں کو نگل لیا تھا۔دل مکمل طور پر صاف تو نہیں ہوئے تھے پر ان پر چھائی دھند اب پہلے کی نسبت کم ہو گئی تھی۔ایک پر سکون زندگی اب ان دونوں کے انتظار میں تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زائشہ تو بہت عرصہ پہلے ہی سب کچھ قبول کر چکی تھی۔کسی سے بدلہ یا انتقام لینے کی چاہ اسکے دل میں نہیں تھی۔بس کچھ شکوے تھے جو وقت کے ساتھ دور ہو گئے تھے۔وہ اللہ پر یقین رکھنے والی ایک صابر لڑکی تھی۔جو چھن گیا اس پر آنسو بہانے کی بجائے جو مل گیا اس پر شکر کرنے والی، اور یہی تو خوبی ہے مومنین کی۔

وہ صابر اور شاکر ہوتے ہیں۔اچھے حالات میں بھی اور برے حالات میں بھی۔ان کے لیے آزمائش بھی ایک نعمت کی طرح ہوتی ہے ان کے رب کا ایک تحفہ۔ایک اور قدم جو انہیں اللہ کی طرف لے کر جائے گا۔

****

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چار سال بعد..........

یہ منظر تھا حامد جہانگیر کے لان کا جہاں ہر طرف ایک گہما گہمی سی تھی۔لوگوں کی ٹولیاں جگہ جگہ کھڑی باتوں میں مصروف تھیں تو کچھ لوگ ٹیبلز پر بیٹھے تھے۔رات کے نو بج رہے تھے.....ہوا ٹھنڈی تھی پر

کافی بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ جسم کو چھو کر ایک سرور کا احساس بخش رہی تھی۔

پورا لان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا اور سب کی نظریں ایک طرف بنے اسٹیج پر تھیں جہاں سب گھر والوں کی توجہ کا مرکز صرف ایک لڑکی بنی ہوئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہو گیا ہے اب صوفیہ" دیان اب کے جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

"مجھے نہیں کروانی ابھی رخصتی آپ کو سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا" صوفیہ نے ٹشو سے اپنی ناک پونچھتے کہا۔ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ اور آواز بھاری ہو چکی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسکا اور ارسل کا نکاح ہوا تھا اور دو ہفتے بعد کی تاریخ طے کی گئی تھی لیکن صوفیہ نے اپنے ہی مسئلوں کا پنڈورا باکس کھول دیا تھا۔

صوفیہ اور ارسل دونوں سفید رنگ کے لباس میں ملبوس تھے۔ارسل نے سفید شلوار قمیض پہنی تھی جبکہ صوفیہ نے سفید شارٹ شرٹ اور غرارہ پہنا تھا۔پھولوں کے زیور اور نفاست سے کیے گئے میک اپ سے اسکی گندمی رنگت مزید پرکشش ہو گئی تھی۔وہ آج عام حالات سے ہٹ کر تیار ہوئی تھی اور بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"نہیں تو کیا چار سال بعد کرنی ہے تمہیں رخصتی" ثمینہ جہانگیر کے لہجے میں غصہ تھا۔اتنی دیر سے سب گھر والے اسے سمجھا رہے تھے اور وہ تنگی کہ کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"آرام سے ثمینہ بات تو سن لو اسکی....بولو بیٹا وجہ کیا ہے انکار کی" حامد جہانگیر نے ثمینہ جہانگیر کو خاموش کرواتے صوفیہ کو مخاطب کیا۔ارسل اس کے بغل میں خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔اسے اندازہ تھا کہ یہ لڑکی کوئی نہ کوئی پھڈہ ضرور کرے گی۔پہلے ہی اتنی مشکل سے وہ نکاح کے لیے مانی

تھی، ناجانے کس کس کی سفارشیں کروائیں تھی ارسل نے تب جا کر شرائط کی ایک لمبی لسٹ پر اس کے دستخط کروا کر وہ نکاح کے لیے مانی تھی اور اب یہ نئی ضد۔ارسل نے خود کو ہر قسم کی نئی شرط کے لیے تیار کر لیا تھا۔اسے صوفیہ کی ذہنیت کا بہت اچھے سے اندازہ تھا۔

"میری ایک شرط ہے" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تو ارسل کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔سب نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا تو وہ چہرہ جھکا گیا البتہ دیان اسکی حرکت کے پیچھے چھپی وجہ کو باخوبی سمجھ گیا تھا۔

"تو وہ جو اس دن چار گز کا کاغذ سائن کروایا تھا وہ کیا تھا...صوفیہ دیکھو ہمارا دماغ نہیں کھاؤ بس کہہ دیا نا دو ہفتے بعد رخصتی ہے تو ہے" ثمینہ جہانگیر دو ٹوک انداز میں بولی تو صوفیہ کی آنکھیں ایک بار پھر پانی سے بھر گئیں۔

"اچھا صوفیہ مجھے بتاؤ کیا شرط ہے، تم چھوڑو ساری باتوں کو" دیان آنکھوں ہی آنکھوں میں ثمینہ جہانگیر کو تسلی دیتے صوفیہ سے مخاطب ہوا

"میری رخصتی کے ساتھ مسکان کی بھی رخصتی ہو گی"

"ہیں........"مسکان جو کچھ فاصلے پر بیٹھی تھی ایک دم سے چلاتے ہوئے کھڑی ہوئی

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا، خود تو کنویں میں چھلانگ لگا ہی رہی ہو مجھے کیوں ساتھ لے کر جا رہی ہو"

"ہاں تو کبھی نہ کبھی تو لگانی ہی ہے نا تم نے بھی تو میرے ساتھ ہی لگا لو"صوفیہ اپنا رونا بھول کر دوبدو بولی

"صوفیہ سوچنا بھی مت"

"اچھا اب بس کر دو لڑنے مت لگ جانا"دیان نے فوراً سے دونوں کو چپ کروایا

"بھائی آپ اسے بتا دیں میں اسی دن رخصتی کرواؤں گی جس دن یہ رخصت ہو کر دوسرے گھر جائے گی"

"ہاں سیدھی طرح بولو نہ میرا وجود تم سے برداشت نہیں ہو گا اس گھر میں"

"ہاں بالکل کوئی شک ہے"

"خدا کے واسطے خاموش ہو جاؤ تم دونوں.... کرتے ہیں اس مسئلے کو بھی حل"

دیان غصے سے بولا تو وہ دونوں منہ بسور کر خاموش ہو گئیں۔ دیان کے کہنے پر سب بڑے ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور ایک طویل بحث کے بعد فیصلہ صوفیہ کے حق میں آیا تھا کیونکہ ارسل کے گھر میں سے کسی کو بھی رخصتی پر اعتراض نہیں تھا سوائے مسکان کے اور مسکان کے سسرال والے بھی وہیں موجود تھے اسی لیے سب کچھ فوراً ڈیسائڈ ہو گیا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی صوفیہ" مسکان نے روتے ہوئے ایک تھپڑ صوفیہ کو مارا۔ جب سے اسے بتایا گیا تھا کہ اسکی بھی رخصتی صوفیہ ساتھ ہی ہو گی اس کی آنکھیں ایک منٹ کے لیے بھی خشک نہیں ہوئی تھیں۔

"ارے میری جان میری اس شرط کے پیچھے ایک بہت بڑی وجہ تھی"صوفیہ نے اسکے گرد بازو حمائل کرتے لاڈ سے کہا

"کیسی وجہ"

"میری بات سنو تمہارا تو اگلے دو تین سال تک شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اور میری دو ہفتے بعد ہی رخصتی ہو جانی تھی،سال تک بچے ہو جانے تھے،میں نے تو تمہاری شادی پر بچے ہی سنبھال رہے ہونا تھا"

"استغفراللہ صوفیہ کتنی بے شرم ہو تم"

صوفیہ کسی بات کا اثر لیے کندھے اچکا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔مسکان اسے غصے سے گھورتی اٹھ کر اسٹیج سے اتر گئی۔

"کافی دور کا سوچتی ہو تم"ارسل اس کی طرف جھک کر بولا تو صوفیہ نے ایک ابرو اچکا کر اسکی جانب دیکھا

"تمہیں ایسا کیوں لگا"

"نہیں مطلب ابھی تو صرف نکاح ہوا ہے اور تم بچوں کا بھی سوچنے لگی"

"ہاں تو وہ میرا مسئلہ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں"

"یہ تم مجھے تم کیوں بول رہی ہو"

"تو اور کیا بولوں"

"آپ بولو"

"کس خوشی میں"صوفیہ کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ارسل کی بات سے کافی حیران ہوئی ہو

"کیونکہ میں تمہارا شوہر ہوں"

"تو"اس کا انداز ہنوز ویسا تھا

"اور...اور میں تم سے عمر میں بھی بڑا ہوں"

"ہاں یہ تو ٹھیک کہا تم نے"صوفیہ نے سوچتے ہوئے کہا

"پر وہ کیا ہے نا مسٹر ارسل تمہیں آپ تو میرے فرشتے بھی نہیں بولیں گے اور ابھی تم اپنی خیر مناو، تمہیں ایسا مزہ چکھاوں گی نہ اس شادی کے

لڈو کا کہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔انہیں بھی تو پتا چلے تمہاری شادی صوفیہ جہانگیر سے ہوئی ہے"

"دیکھو شوہر پر ظلم کرنے والی بیویوں پر فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے"

"اور بیوی سے زبردستی کرنے والوں کے بارے میں کیا خیال ہے فرشتوں کا ذرا وہ بھی بتاؤ"

"میں نے کون سی زبردستی کی تمہارے ساتھ"

"او پلیز تمہیں تو جیسے معلوم ہی نہیں "صوفیہ نے ایک دم سے سنجیدہ ہوتے اپنا رخ موڑ لیا۔

"ایک منٹ صوفیہ ادھر دیکھو میری طرف "ارسل نے بازو سے پکڑ کا صوفیہ کا رخ اپنی جانب کیا

"کس نے کی تمہارے ساتھ زبردستی.. تم خوش نہیں ہو کیا؟"ارسل کے چہرے پر فکر واضح تھی۔صوفیہ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی اور اپنا ہاتھ چھڑوا کر کھڑی ہو گئی

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی اس بارے میں" سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنا ڈریس سنبھالتی اسٹیج سے اتر گئی۔

ارسل بھی اسکے پیچھے جانے لگا تھا جب اسٹیج پر چڑھتی میرب نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھا دیا۔

"ارے سلو بیٹھ جائیں"

"یار میرو کوئی مسئلہ ہے صوفیہ خوش نہیں" وہ پریشانی سے بولا۔اس نے اس کی باتوں کو اتنا سیریس نہیں لیا تھا لیکن اب اسے کچھ غلط محسوس ہو رہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا انہیں ایویں ڈرامے کر رہی ہیں۔میں نے خود دیکھا ابھی اسٹیج سے اترتے ہوئے ہنس رہی تھیں"

میرب مکمل طور پر صوفیہ کی کاپی تھی بلکہ یہ کہنا ٹھیک ہو گا کہ وہ اس سے بھی دس ہاتھ آگے تھی۔صوفیہ نے اسے اپنے ساتھ رکھ کر بالکل اپنے جیسا بنا دیا تھا۔دیان نے اسکے لیے ایک اسپیشل ڈرائیور اور گاڑی رکھوائی

تھی جس کا کام صرف میرب کو کبھی فاروق حیدر کے گھر چھوڑنا تھا تو کبھی حامد جہانگیر کے گھر۔اس کی صبح ایک گھر میں ہوتی تھی تو شام دوسرے گھر میں۔اب حامد جہانگیر کا ارادہ فاروق حیدر کے گھر کے قریب گھر لینے کا تھا، پہلی وجہ تو میرب کی حرکتیں اور دوسری وجہ صوفیہ کی رخصتی تھی۔صوفیہ کی رخصتی کے بعد انہوں نے اکیلا ہو جانا تھا اور کچھ ارسل کا گھر بھی دیان کے گھر سے پانچ منٹ کے فاصلے پر تھا۔تو اس طرح صوفیہ ان کے قریب ہی رہتی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارسل کے ساتھ تو میرب کی دوستی بے مثال تھی۔ارسل اسے مذاق میں میرو کہتا تھا اور میرب اس سے بدلہ لینے کے لیے اسے سلو کہتی تھی اور اب یہ نوبت آگئی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پکارتے ہی ان ناموں سے تھے۔اس وجہ سے انہیں گھر کے بڑوں سے بہت لیکچر بھی ملے تھے پر وہ سدھرنے والے کہاں تھے۔

"سچ کہہ رہی ہونا"

"لو بھلا آپ کو میری بات پر یقین نہیں کیا"

"نہیں یقین تو ہے پر....."

"ارے سلو ٹینشن نہیں لیں، ایویں بس اٹینشن سیکر بنی ہوئی ہیں اور کچھ نہیں"

"کوئی حال نہیں تمہارا میر و پھپھو ہے وہ تمہاری کچھ تو شرم کرو"

"وہ پھپھو نہیں ہے میری.... شی از مائے سسٹر اور آپ کو اب کیا آگ لگ رہی ہے میں پہلی بھی ایسے ہی بولتی تھی ان کے لیے۔بیوی کے لیے ایسے الفاظ سن کر اچھا نہیں لگ رہا کیا" وہ آنکھیں مٹکاتے ہوئے معصومیت سے بولی۔اپنی نیلی آنکھوں کی وجہ سے وہ سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ تیرہ سالہ میرب کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔اتنی سی عمر میں ہی وہ مبہوت کر دینے والی کشش رکھتی تھی۔

"نہیں... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں" ارسل فوراً سے گڑ بڑا گیا تو میرب کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ابھی سے ہی اتنا ڈر بیوی کا..... سلو میرے دوست یہ آپ جیسے بندے کے لیے اچھی علامات نہیں"

یار سچ بات بتاؤں"

"بتائیں"

"بیوی سے ہر کوئی ڈرتا ہے اب اپنے پیارے چاچو اور چاچی کی طرف ہی دیکھ لو" ارسل نے اسٹیج سے کچھ فاصلے پر کھڑے دیان اور زائشہ کی جانب اشارہ کیا جو کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ دیان مسکرا رہا تھا جبکہ زائشہ چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ میرب انہیں دیکھ کر محبت سے مسکرا دی

"ارے یہ دونوں تو جان ہیں میری" وہ کہتے ہوئے اٹھی اور دونوں کی طرف بڑھ گئی۔

میرب عرش جہانگیر..... عمر میں تو صرف تیرہ سال کی تھی لیکن اسکی ذہنیت ایک بیس سال کی لڑکی تھی۔ وہ گہری نظریں رکھتی تھی....پل میں سامنے والے کی نظروں سے باتوں کا مفہوم سمجھ جاتی تھی۔ وہ بہت

بڑی بڑی باتیں اپنے دل میں چھپائے بیٹھی تھی اور انہیں باتوں نے اسکا رویہ اسکی عمر کے بچوں سے بہت مختلف کر دیا تھا۔وہ دیان حیدر کی طرح تھی....ایک پہیلی لیکن بیک وقت وہ زائشہ مراد بھی تھی.....اپنی ذات کی پہلیوں کو سلجھانے والی۔وہ دیان اور زائشہ کا عکس تھی۔

"اے میلا بے بی"میرب نے لاڈ سے کہتے دیان کے کندھے سے چپکی بچی کو اٹھالیا۔

ایمل دیان حیدر......زائشہ اور دیان کی ایک سالہ بیٹی۔چہرے سے انتہا کی معصوم اور حرکتوں سے خدا کی پناہ۔وہ محض ایک سال کی تھی اور ابھی بمشکل لڑکھڑا کر چل پاتی تھی لیکن اتنے سے عرصے میں ہی وہ پچاس جگہوں سے گر کر خود کو بے شمار چوٹیں لگوا چکی تھی۔زائشہ اسے جہاں بٹھا کر جاتی تھی مجال ہے جو کبھی وہ اس جگہ سے مل جاتی۔جب تک وہ پورے گھر کا چکر نہ لگا لیتی اسکے پاؤں کو سکون نہیں آتا تھا۔وہ گھر بھر کر لاڈلی تھی.....دادا کی جان تو دادی کی آنکھوں کا سکون۔اس کی آنکھیں بالکل

زائشہ جیسی تھیں بڑی بڑی اور ہلکے گرے رنگ کیں مگر اسکے باقی سب نقوش دیان جیسے تھے۔اس کے سنہرے براؤن بال دیان کو بہت پسند تھی۔روز صبح آفس جانے سے پہلے وہ خود اسکے بالوں میں کنگھی کر کے جاتا تھا۔صرف ایمل کے لیے اسنے انٹرنیٹ سے کئی قسم کے بچوں کے ہئیر اسٹائل سیکھ رکھے تھے۔

ابھی بھی زائشہ اسے سنبھال سنبھال کر تنگ آگئی تھی جو اسے ایک جگہ بیٹھنے ہی نہیں دے رہی تھی اور اب وہ غصے سے دیان کے پاس اسکی شکایت لگانے آئی تھی۔اور دیان نے ہنستے ہوئے ایمل کو تھام لیا تھا جس کی وجہ سے زائشہ کو مزید غصہ آگیا تھا۔

"آپ کا نٹی نیو کریں میں اسکو لے کر جا رہی ہوں "میرب نے آنکھ مار کر شرارت سے کہا اور زائشہ کے اٹھتے ہاتھ کو ہنس کر نظر انداز کرتی وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئی۔

"دیکھ رہے ہیں آپ ان دونوں کی حرکتیں۔بگاڑ کر رکھ دیا ہے سب نے انہیں بالکل ٹھیک کہتی ہیں ثمینہ آنٹی"

"ارے بس کر دو یار کس چیز کا اتنا غصہ آ رہا ہے تمہیں"

"مجھے نہیں پتا بس آپ مجھے یہ بتائیں آپ ایمل کو ڈانٹتے کیوں نہیں"

"زائشہ پاگل ہو گئی ہو میں اپنی بیٹی کو کیوں ڈانٹوں گا"

"بس اب میں پاگل بھی ہو گئی" وہ ناک سکوڑ کر غصے سے بولی

"افف میرے خدایا میں کہاں جاؤں....ادھر آؤ تم" دیان نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اسے کچھ فاصلے پر رکھے ایک ٹیبل پر لا کر بٹھا دیا۔پانی کے گلاس میں بوتل سے پانی بھر کر اسکی جانب بڑھایا۔زائشہ نے گلاس تھام کر گھٹا گھٹ پانی پی لیا۔

"اب بتاؤ کیا مسئلہ ہوا ہے جو اتنی غصے میں ہو"

"کوئی مسئلہ نہیں ہوا" وہ خفگی سے کہہ کر چہرہ موڑ گئی

"زائشہ یار بتاؤ بھی تم بتاؤ گی نہیں تو مجھے پتہ کیسے لگے گا"

زائشہ نے چہرہ موڑ کر اسکی جانب دیکھا۔آنکھوں میں واضح ناراضگی تھی۔

"میں اتنا تیار ہوئی ہوں اتنی پیاری لگ رہی ہوں سب نے میری تعریف کی ہے اگر کسی نے نہیں کی تو وہ صرف آپ ہیں"

"او تیری" دیان نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی۔

اتنی بڑی غلطی کیسے کر گیا وہ۔بیوی کی تعریف نہ کرنا ازدواجی زندگی کی عدالت میں ایک ایسا گناہ تھا جس کی معافی بہت مشکل سے ملتی تھی۔دیان کے دماغ نے فوراً سے کام کرنا شروع کیا اور وہ کھڑا ہو گیا۔ایک نظر زائشہ پر ڈالی جو چہرہ موڑے بیٹھے تھی تو دوسری نظر کچھ دور کھڑی میرب اور ایمل پر۔وہ اٹھ کر انکی جانب بڑھ گیا۔اس نے میرب کے کان میں کچھ کہا جس نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔وہ کچھ بولنے والی تھی پر دیان اسے خاموش کرواتا واپس آگیا اور زائشہ کو پکارا۔

"چلو میرے ساتھ"

"کہاں "زائشہ حیرت سے بولی

"اٹھو تو پھر بتاتا ہوں "دیان نے اسکا ہاتھ پکڑا اسے کھڑا کیا اور اپنے ساتھ کھینچتا باہر لے گیا۔

"دیان ہم باہر کیوں آئے ہیں کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے "

"لانگ ڈرائیو پر لے کر جا رہا ہوں تمہیں "دیان نے آرام سے کہا اور گاڑی کے لاک میں چابی ڈالنے لگی۔

"دماغ تو جگہ پر ہے آپ کا اندر نکاح کی تقریب چل رہی ہے اور آپ کو لانگ ڈرائیو پر جانا ہے "

"مجھے نکاح کی تقریب سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے صرف اپنی بیوی سے فرق پڑتا ہے جو مجھ سے ناراض ہے اور میرے لیے اس وقت سب سے ضروری کام اسے منانا ہے "دیان سنجیدگی سے بولا تو زائشہ مسکرا دی۔ چاند کی روشنی اسکے دمکتے ہوئے چہرے سے منعکس ہو کر دیان کو مبہوت کر گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان دونوں نے آج تھیم ڈریسنگ کی تھی۔دیان نے بلو تھری پیس پہنا تھا تو زائشہ نے بھی ڈیپ بلو کلر کا ہی کامدار جوڑا پہنا تھا۔وہ آج اپنی شادی کے بعد پہلی بار پارلر سے تیار ہوئی تھی اور بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔ایمل کا ڈریس کلر بھی ان دونوں کے جیسا ہی تھا۔بلو کلر کی باربی فراک جو دیان خود اسکے لیے پسند کر کے لایا تھا۔

"دیان میں جا رہی ہوں اندر" زائشہ واپس جانے لگی جب دیان نے اسکا ہاتھ تھام لیا۔زائشہ نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا

"تم آج اتنی خوبصورت لگ رہی ہو کہ میرا دل چاہ رہا ہے خود کو تم پر وار کر تمہارا صدقہ اتاروں" دیان سنجیدگی سے بولا اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔زائشہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"دیان یہ تو اب آپ میرا دل رکھ رہے ہیں"

"اونہہ......" دیان نفی میں سر ہلاتا آگے آیا اور اسکے دونوں کو ہاتھ تھام لیے

"میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں زائشہ کہ تم میری زندگی میں آئی۔ تم نے بکھرے ہوئے دیان کو یوں سمیٹا کہ میں خود حیران رہ گیا۔ تم اتنی خوبصورتی سے میرے وجود میں اتری ہو کہ میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھنے لگا ہوں۔ زندگی میں صرف چند لوگ ایسے آتے ہیں جن کے قدموں میں آتے پتھروں کو بھی اپنے ہاتھ سے چننے کا جی چاہتا ہے۔ میری زندگی میں وہ انسان تم ہو زائشہ" زائشہ سانس روکے دیان کی باتوں کو سن رہی تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جو دیان تقریباً ہر روز آفس جانے سے پہلے مختلف انداز میں اس سے کرتا تھا لیکن آج ناجانے کیوں یہ دل پر پہلے سے زیادہ گہری طرح لکھی جا رہی تھیں۔

" Thank you Zaisha....... Thank you so much for being a part of my life"

زائشہ نے مسکراتے ہوئے چہرہ جھکا دیا۔دیان نے اسکے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ بغیر کچھ بولے خاموشی سے بیٹھ گئی۔دیان گھوم کر دوسری طرف آیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کر دی۔

اونچی نیچی ڈھلوانوں سے بنا زندگی کا یہ راستہ مشکل تھا پر ناممکن نہیں،منزل دور تھی پر خوبصورت تھی۔اور وہ دونوں اس راستے کو پار کر کے منزل تک پہنچ گئے تھے۔اب ایک پر سکون اور خوشیوں سے بھری زندگی ان کے انتظار میں تھی۔

ختم شد

****

ہماری ویب میں شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگرآپ ہماری ویب پر اپناناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کرواناچاہیں تواردو میں ٹائپ کرکے مندرجہ ذیل ذرائع کااستعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کردی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کااستعمال کرسکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرا میگزین